الافادات الوصية

للشيخ العارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

على

ترصيع الجواهر المكية

للشيخ عبد الغنى الرافعي الطرابلسى

ناشر مکتبہ وصیۃ العلوم الہ آباد

الافادات الوصیّۃ

منجانب حضرت مصلح الامۃ عارف باللہ مرشدنا ومولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہٗ

علیٰ

ترصیع الجواہر المکیۃ فی تزکیۃ الاخلاق المرضیۃ

للشیخ عبد الغنی رافعی قدس سرہ

باہتمام حاجی عبد المجید صاحب

در اسرار کریمی پریس حلیہ طبع پوشید

ہدیہ: آٹھ روپئے

فہرست ترصیع الجواہر المکیۃ

چند مخصوص عنوانات

(یعنی ان مقامات کی فہرست جو حضرت اقدسؒ کے منتخب کردہ اور پسند فرمودہ ہیں)

صفحہ	عنوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مقدمہ)

مثل مشہور ہے کہ ع "قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری"۔ یعنی کوئی کتنا ہی قیمتی گوہر ہو اس کی حیثیت عوام کے نزدیک ایک رنگین پتھر سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہوتی۔ لیکن کسی جوہری (یعنی گوہر فروش) اور بادشاہ (یعنی جوہر پوش) کے نزدیک اس کی بڑی قدر و قیمت ہوتی ہے۔

چنانچہ کتاب مستطاب "ترصیع الجواہر المکیۃ فی تزکیۃ الاخلاق المرضیۃ" بھی انھیں کمیاب بلکہ نایاب جواہرات میں سے ایک بیش بہا گوہر تھا جو طریق کی کسادبازاری اور اہل طریق کے فقدان کے سبب منجملے رنگین پتھروں کے ایک سنگِ رنگین ہی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن مصنف رحمۃ اللہ کے اخلاص اور اہل اللہ کی توجہات باطن کی برکت سے اس کا بھی نصیبہ جاگا اور وہ اپنے ایک اہل اور قدرداں کے پاس آپہونچی۔

یعنی ہمارے مرشد و مقتدا مصلح اور رہنما عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے (یہاں اپنے ایک خریدکردہ) کتب خانہ میں سے منجملہ دیگر کتب کے ملاحظہ کے لئے اسے بھی منتخب فرمایا! اب آپ خیال فرماسکتے ہیں کہ ترصیع الجواہر جیسا گوہر اور حضرت اقدس والا گہر جیسا قدرداں جو بیک وقت شاہ بھی تھا اور جوہری بھی جب ان دونوں کا امتزاج ہوا ہوگا تو وہی کیفیت ہوئی ہوگی جسے کسی کہنے والے نے ایک موقع پر یوں ادا کیا ہے کہ ؎

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا؟
جب تو نے یہ مے ظالم شیشے میں بھری ہوگی

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مصنف ترصیع علیہ الرحمہ کی روح تڑپ ہی تو گئی ہوگی یہ خیال کرکے کہ الحمدللہ حق بحقدار رسید یعنی میں نے جو اس کی تالیف میں محنت اٹھائی تھی وہ کار آمد ہوئی اور ٹھکانے لگی۔

چنانچہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسکی قدر دانی یوں فرمائی کہ حاضرین خانقاہ میں سے چند مخصوص حضرات کیلئے سبقاً سبقاً اس کا پڑھنا تجویز فرمایا اور اثنائے درس میں کہیں کہیں کچھ تشریح بھی فرماتے جاتے تھے جسے ناظرین کتاب (افادہ) کے تحت یہاں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اولاً تو اصل کتاب ہی ایسے عالی اور نفیس مضامین پر مشتمل ہے کہ سبحان اللہ کیا کہنا پھر حضرت والا کے افادات نے اس میں مزید چار چاند لگا کر اسکی نافعیت کو اور بڑھا دیا اسلئے باہم مشورہ کے بعد اسے رسالہ معرفت حق سے الگ کر کے مستقل کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور بلا استحقاق اس کے صلہ میں ہم سب کو اپنی رحمت و نسبت۔ قرب و قبول اور رضا، و ثواب سے نوازے اور قارئین کو اسکے فیض سے پورا پورا حصہ نصیب فرمائے۔ اس کے مصنف علامہ رافعیؒ کو ان کی اس خدمت پر جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے مراتب کو آخرت میں بلند سے بلند تر فرمائے کیونکہ اس ترجمہ و اشاعت کے آمر بھی حضرت ہی تھے اور اس کے ضبط و تحریر میں بھی توجہ والا ہی کار فرما رہی۔

پیش نظر ترجمہ حال متن ہے یعنی اس کے ایک کالم میں اصل کتاب عربی میں ہے اور دوسرے کالم میں اس کا ترجمہ ہے۔ خط کے نیچے حاشیہ کے عنوان سے قولہ کے تحت حضرت مصنف رحمہم اللہ کا ہی منہیہ ہے جو عربی میں تھا۔ یہاں صرف اس کے ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے اور ایک قول کا حاشیہ ختم ہونے پر منہ لکھ دیا گیا ہے۔

اسی حاشیہ میں کہیں کہیں افادہ کا عنوان قائم کر کے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے وہ افادات درج کئے گئے ہیں جو حضرت اقدس نے کہیں توضیح مسئلہ کے سلسلہ میں فرمائے ہیں اور کہیں کسی شیخ و مصلح کا کوئی طریقہ جو خلاف سنت معلوم ہوا تو حضرات مشائخ کا پورا احترام باقی رکھتے ہوئے ان کے قول اور عمل کی مناسب توضیح فرما دی ہے اور غایت ادب سے انھیں کی برکت کی جانب منسوب کر کے اس موقع کے لئے مسنون طریقہ تعلیم فرما دیا اور کھلے لفظوں اس کا اعلان فرما دیا کہ ایمان تو بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے اور معصوم حضرات انبیاء علیہم السلام ہی ہیں باقی کوئی ولی اور بزرگ نہ تو معصوم ہے اور نہ کسی خاص ذات پر ایمان ہے۔ اسلئے مشائخ بھی مکلف ہیں کہ خود بھی اتباع سنت کریں اور اپنے مریدین اور متبعین کو بھی اسی راستہ پر لگائیں۔ اس طور پر حضرت والا نے الحمدللہ مشائخ کے طریق کو بالکل سنت کے موافق کر دیا۔ یہی حضرت کا وہ خصوصی کارنامہ ہے جس نے کتاب کی افادیت کو دوبالا کر دیا ہے۔

حضرت والا کی اس حسن نیت اور استحسان سنت کا اجر آخرت میں جو ملیگا وہ تو ملیگا ہی

اس دنیا میں بھی دربار رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ انعام ملا کہ بذریعہ خواب ایک جوان صالح کو جو کہ حضرت والا کے مخصوص احباب میں سے تھے یہ ہدایت فرمائی گئی کہ ترصیع الجواہر المکیہ کے سرورق پر مولانا کا نام ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ان صاحب کا وہ خواب بعینہ نقل کرتا ہوں جس میں یہ بشری موجود ہے ان صاحب نے جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہ کو اپنا یہ خواب لکھ کر پیش کیا کہ:۔

"احقر نے دیکھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم مبارک سامنے موجود ہے۔ میں اور کئی اصحاب سامنے بیٹھے درود شریف پڑھ رہے ہیں اور فرط محبت وعقیدت سے کبھی کبھی جسم مبارک چھو بھی لیتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے۔ بستر وغیرہ بہت عمدہ قسم کا ہے۔ ذرا دیر بیٹھنے کے بعد حضور اس بستر سے اٹھ کر قریب ہی دوسرے بستر پر تشریف فرما ہو گئے۔ اور یہ بستر مشابہ ہے اس بستر کے کہ جس پر ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیٹھا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔ میرے دل میں مصافحہ کا بیحد اشتیاق ہوا۔ مگر ادب کی وجہ سے ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اتنے میں ایک صاحب نے مصافحہ کی ابتدا کی تب احقر نے بھی مصافحہ کیا۔ دست مبارک مثل ریشم کے نرم ہے ایسا کبھی اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔ اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے غریب خانہ پر تشریف فرما ہیں اور دروازے کے کمرہ میں جو تخت ہے اس پر رونق افروز ہیں اس تخت پر ایک چھوٹی سی میز ہے جس پر میری کتابیں رکھی ہوئی ہیں ان کتابوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما رہے ہیں اور مجھ سے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس "ترصیع" ہے میں نے پوچھا کہ "ترصیع الجواہر المکیۃ" فرمایا کہ ہاں! اب میں یہ خیال کر کے کہ وہ میرے پاس ہے۔ تمام اس کو تلاش کرنے لگا لیکن وہ کتاب مل ہی نہیں رہی ہے۔ گھر میں بھی میں نے کہلایا کہ شاید وہاں ہو۔ چنانچہ گھر سے میرا ایک بچہ چند کتابیں لایا کہ اس میں دیکھ لیں اس میں تو نہیں ہے۔ لیکن اس میں بھی وہ کتاب نہیں ملی۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کتاب کو صرف اسلئے دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس کتاب پر "مولانا وصی اللہ کا نام ہے یا نہیں"؟

خواب طویل ہے۔ یہاں صرف یہی بیان کرنا مقصود ہے کہ اچھے خواب کو حدیث شریف میں مبشرات فرمایا گیا (یراہ المومن او ترٰی لہ) ہے۔ الحمدللہ اس خواب سے معلوم ہوا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ کتاب بھی مقبول ہے اور اس کی وضاحت کے سلسلہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات بھی سب مقبول ہیں اور حضرت کا یہ حق ہے کہ حضرت والا کا نام اس کے سرورق پر لکھا جائے۔ اسی اشارہ نبوی کے پیش نظر اس کتاب کا نام "الافادات الوصیۃ علی ترصیع الجواھر المکیۃ" تجویز کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ناظرین کے لئے نافع فرمائے۔

کتاب کے شروع میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی مرتب کردہ ایک فہرست ہے اور آخر میں بھی ایک فہرست ہے جو کہ حضرت والا کے پسند فرمودہ مضامین پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اصل کتاب اور حضرت والا کے افادات سے ہم سب کو مستفید فرمائے اور ہماری اس خدمت کو قبولیت کا شرف بخشے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ٥

طالب دعا

مترجم عفی عنہ

الہ آباد۔ ۵ رجمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ

۲۳۔ بخشی بازار۔ الہ آباد

مقدمہ

(از مؤلفؒ)

ماشاء اللہ کان

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمْ

الحمد للہ الذی سھل بتوفیقہ تھذیب اخلاق السالکین ۔ واذن ھم بقرع باب الخدمۃ فی زمرۃ الطالبین ۔ وعصم قلوبھم بنور الھدایۃ عن ظلمات الضلال ۔ وکحل بصائرھم باثمد الاعتبار فلاحظوا حضرۃ الجلال ۔ ونزہ خواطرھم عن الالتفات الی ما عداہ ۔ وصرف سرائرھم عن ملاحظۃ کل ما سواہ ۔ ثم کشف ھم عن طلائع انوار الجمال ومبادی نسمات القرب والوصال ۔ فاقبلوا بکنہ الھمۃ الیہ و قاموا علی بساط الخدمۃ بین یدیہ ولما اراد ان یختار منھم خزائن لاسرارہ ومظاھر لانوارہ ۔ وکان فیھم القوی والضعیف والبطئ و الخفیف اختصھم بمطالعۃ بوارق المقامات

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے توفیق دیکر سالکین کے لئے تہذیب اخلاق کو آسان فرمادیا۔ اور ان کو طالبین کے زمرہ میں داخل کرکے اپنی خدمت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی اجازت عطا فرمائی۔ اور ان کے قلوب کو ہدایت کے نور کے ذریعہ گمراہی کی تاریکیوں سے محفوظ فرمایا اور ان کی بصیرتوں کو عبرت کا سرمہ لگایا جسکی وجہ سے انھوں نے حضرت جلال کا مشاہدہ کیا۔ اور انکے قلوب کو ماسوا اللہ کی جانب التفات کرنے سے پاک فرمادیا۔ اور ان کے باطن کو غیر اللہ کی جانب توجہ کرنے سے پھیردیا۔ پھر ان کے لئے اپنے انوار جمال کے اوائل کو اور اپنے قرب اور وصال کی ابتدائی جھلک کو منکشف فرمادیا۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ ہمہ تن اس کی جانب متوجہ ہوگئے اور اس کے آگے بساط خدمت پر پوری ہمت اور تندھی سے لگ گئے۔

پھر جب حق تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ اپنے انھیں بندوں میں سے کچھ ایسوں کا انتخاب فرمائے جو اس کے اسرار کا مخزن اور اسکے انوار کا مظہر بنیں اور یہاں یہ حال تھا کہ ان میں قوی بھی تھے اور ضعیف بھی۔ تیز گام بھی تھے اور سست رفتار بھی، تو سب سے پہلے (امتحاناً) انکو انوار مقامات

ف علامہ عروسی نے نتائج الافکار میں فرمایا ہے کہ سالک وہ شخص کہلاتا ہے جو شریعت مطہرہ محمدیہ پر ثابت اور برقرار ہو اور اس سے کوئی حرکت یا سکون اس کے خلاف نہ صادر ہو۔ ۱۲ منہ

وجلی لهم عرائس الکرامات فوقف عند المقامات خاصوها وآنس بالکرامات طالبوها ۔ وجاز آخرون فلم یلتفتوا الی السویٰ ولم یمیلوا مع الهویٰ ۔ فعند ذلک رماهم بحرب جالوت العلاء ونوع علیهم اصناف الابتلاء فانماع منهم بوقة میزان المحن من انماع وثبت لها کل علی الهمة یاقوتی الطباع ۔ فما وهنوا لما اصابهم فی سبیل الله ۔ ولا تزلزلت اقدامهم فی مثابرة امتحانه وابتلاءه ۔

وامتاز قوم بالتلذذ ببلائه حبًّا بربه وبقضائه ؎

ان کان فی تلفی رضاک صبابة
ولک البقاء وجدت فیه لذاذا

ولما رآهم راسخی القدم فی محبته ثابتی الهمم فی ارادته ۔ وان حالهم کحال الطفل مع امه التی الف خیرها کلما دفعته عنها ترامی علیها لا یعرف غیرها ۔ فتح لهم باب اجتبائه وادخلهم حضرة ولائه ۔

ثم اجلسهم علی بساط انسه وسقاهم من شراب قدسه ۔ فمنهم من عربد سکرًا ولم یستطع معه صبرًا فباح بمواجیده

کے مشاہدہ کا تحفہ عطا فرمایا اور کرامات کی دلہن ان کے سامنے نمودار فرمائی (جس کا انجام یہ ہوا کہ) طالب مقامات، مقامات ہی میں پھنس کر رہ گئے اور محب کرامات اسی میں الجھ گئے۔ تاہم کچھ تھوڑے سے اللہ کے بندے ایسے بھی ہوئے جو اس گھاٹی کو پار کر گئے اور انھوں نے غیر کی جانب التفات تک نہیں کیا۔ اور باوجود خواہشات کے کسی کی طرف مائل نہیں ہوئے پھر جب یہ لوگ اس امتحان میں کامیاب ہو گئے تو حق تعالیٰ نے انکو آزمائش کے جالوت کے مقابلہ میں لا ڈالا اور طرح طرح کی آزمائشوں سے انکا امتحان کیا اور تپایا (جس طرح سے کہ سنار برتن میں معدنیات کو رکھ کر آگ میں تپاتا ہے) چنانچہ ان آلام و مصائب کی کٹھالی (گھریا) میں پڑ کر جسکو پگھلنا تھا پگھل گیا، مگر جو لوگ کہ عالی ہمت اور یاقوت مزاج (یعنی پختہ اور ٹھوس قسم کے) تھے وہ بدستور قائم رہے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں انھیں جو کچھ بھی پیش آیا اسکی وجہ سے وہ سست گام نہیں ہوئے اور نہ اسکے امتحان و آزمائش کے برداشت کرنے میں انکے قدموں کو ذرا بھی لغزش ہوئی۔ اور ان میں ایک ممتاز جماعت تو ایسی بھی ہوئی جس نے اپنے رب اور اسکے فیصلہ کی محبت کی خاطر ان آزمائشوں میں لذت و راحت محسوس کی اور بزبان حال یہ کہا کہ اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے کہ میں آپکے عشق و محبت میں ہلاک ہو جاؤں اور تمہارے لئے بقا ہے تو مجھے اس ہلاکت ہی میں مزا اور راحت ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی محبت میں راسخ القدم اور ثابت الهمم پایا اور یہ دیکھا کہ انکا تعلق اپنے مالک حقیقی کے ساتھ بالکل ماں اور بچے کا سا ہو گیا ہے۔ وہ ماں جسکی جانب سے بچہ ہمیشہ خیر ہی دیکھتا رہا ہے اگر وہ دھکے بھی دیتی ہے تو یہ پھر اسی پر ٹوٹ گرتا ہے اور یہ اسلئے کہ اسکی نگاہوں میں اسکے سوا کوئی دوسرا ہوتا ہی نہیں۔ (تو حق تعالیٰ نے بھی جب ان سالکین کا یہ حال دیکھا تو (اپنے اجتبا (یعنی انتخاب و جذب) کا باب انکے لئے کھول دیا اور ولایت دوستی کے دربار میں ان کو داخل فرما لیا۔ اور پھر ان کو اپنے انس کے فرش پر بٹھایا۔ اور اپنی شراب قدس کا گھونٹ پلایا۔ جسکی وجہ سے کچھ لوگ تو مست ہو کر بہکی بہکی باتیں کرنے

ع۔ یہی حال ہمارے شیخ محمد رشید کا تھا چنانچہ میں نے خود محسوس کیا کہ مصائب سے حضرت کو لذت ملتی تھی۔ یہاں تک کہ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ رنج و مصیبت کے وقت آپ مارے لذت و خوشی کے قہقہہ مار کر ہنستے تھے۔ رہا یہ ناچیز تو بس ایسا ہوا ہے کہ اسکو معمولی مرض میں بسا اوقات کسی قدر لذت ملی ہے۔
۱۲ منہ

فی کنایات الاشعار وصرح بمشاهدہ
من وراء الاستار + ومنهم من کتم
ثم رق جیوب القلوب واصطلم فی
حضرات الشهود فلم یفه بسره لغیر
المحبوب + توی علی حالہ فما جال ولا
جاب وتری الجبال تحسبها جامدۃ
وهی تمر مر السحاب +

ثم سلك بهم طریقی الظهور
والخفاء والفناء والبقاء صحاۃ وسکاری
وراتخین وحیاری + واقامهم فی
مقاماتهم معروفاً وستوراً کلاً نمد
هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك
وما کان عطاء ربك محظوراً +

فنفحات نضله تقوت القلوب علی
حمل الاسرار وبیمن توفیق الحق فی
بابہ جران الرضاء براءۃ من التدبیر
والاختیار. فمنه العطاء والجزاء
وبیدہ التقریب والاقصاء +

والصلوۃ والسلام علی روح
نشأۃ الوجود ومصباح صباح الشهود
قطب دائرۃ الکمالات ومظهر
انوار التجلیات سیدنا ومولینا محمد
واسطۃ کل واصل وعلم کل عامل +
بل باب اللہ الذی لایوصل الیہ الا منہ +
ولا تصدر نعمۃ لمنعم علیہ الا عنہ

لگے اور صبر کا دامن انکے ہاتھوں سے چھوٹ گیا پس وجد اور شوق کی باتوں کو بطور کنایہ اشعار میں اور شہود و مشاہدہ کی باتوں پردے پردے میں بیان کرنے لگے۔

مگر کچھ لوگ ان ہی میں ایسے بھی ہوئے جنھوں نے راز محبوب کو پوشیدہ ہی رکھا۔ اور زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن اپنے قلب کا گریبان چاک کر لیا اور حق تعالیٰ کے شہود سے ٹکرا کر خود کو پارہ پارہ کر لیا مگر غیر محبوب سے سر محبوب کو بیان نہیں کیا اور اپنے اس حال پر نہایت درجہ مستحکم رہے اور ذرا بھی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ تو تم ان پہاڑوں کو ٹھہرا ہوا خیال کرتے ہوگے حالانکہ یہ بادلوں کی مانند اڑتے پھر رہے ہیں (یعنی انکو قرار نہیں ہے۔ کچھ نہ کہنے والے ایسے بھی تھے)

پس اللہ تعالیٰ انھیں ظہور اور خفاء، فنا اور بقا دونوں ہی راہوں سے چلے اسطرح سے کہ ان میں با ہوش بھی تھے اور بے ہوش بھی بعضوں کے چلنے میں سوخ تھا اور بعض کے اندر حیرانی و سرگردانی تاہم سب ہی کو ان کے مقامات پر متمکن فرما دیا کسی کو معروف و مشہور کر کے اور کسی کو مخفی و مستور کر کے (چنانچہ سچ فرمایا ہے کہ) ہم سب ہی کی مدد کرتے ہیں آپ کے رب کی عطا کے ساتھ ان کی بھی اور انکی بھی اور آپ کے رب کا عطیہ لوگوں سے ممنوع یعنی روکا ہوا نہیں ہے۔

چنانچہ اسکے فضل کے جھونکوں سے انکے قلوب میں تقویت آگئی کہ وہ لوگ حامل اسرار الٰہی بنگئے اور اسکی توفیق کی برکت سے اس کے چوکھٹ پر ان کی رضا کی گردن اپنے تدبیر و اختیار کے جوئے کو پھینک کر اس سے دستبردار ہوگئی (یعنی سمجھ لیا کہ بس) اسی کی جانب سے عطا ہے اور اسی کی طرف سے بدلہ ملتا ہے اور اسی کے قبضہ میں نزدیک کرنا اور دور کرنا ہے۔

اور درود و سلام ہو اس ذات پر جو نشاۃ وجود کی روح ہیں اور صبح شاہد کا چراغ ہیں۔ دائرہ کمالات کے قطب ہیں اور انوار تجلیات کے مظہر ہیں۔ یعنی سیدنا و مولانا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کہ ہر واصل کے لئے واسطہ ہیں اور ہر عامل کے لئے نشان راہ ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا وہ دروازہ ہیں جس میں داخل ہوئے بغیر اس تک رسائی ناممکن ہے۔ اور ایسی ذات ہیں کہ حق تعالیٰ کا کوئی انعام کسی منعم علیہ پر بجز آپ کی وساطت کے ہوتا ہی نہیں۔ اس لئے کہ آپ ہی کے مبارک ہاتھوں پر معارف

اذ لیس الا علی یدیہ تخرج ذخائر
المعارف الربانیۃ ونفائس الحکم و
العلوم اللدنیۃ + وببرکتہ وبیمن اتباعہ
تحلی بجواھر الاسرار من تحلی + وتملی
بجنات خزائن الغیوب من تملی + فھو
مورد فیوضات جمیع الکمالات + وافق
مطالع انوار الحسیات والمعنویات + فلا
یستغنی عن التعلق باذیال کرمہ الطالب
ولا یکتفی عن الانتماء الی عتبۃ حرمہ الاحباب
کیف لا؟ ومن اجلہ خلق اللہ تعالی
الکمال الدنیوی والاخروی + وبشفاعتہ
تجلی شموس النعیم الابدی السرمدی +
وعلی آلہ واصحابہ نجوم الاھتداء و
ائمۃ الاقتداء الذین عنھم تقتبس
التربیۃ الروحانیۃ بالمعارف والعلوم
ومنھم یکتسب ضبط الحرکات
والسکنات علی ما یرضی الحی
القیوم +

(اما بعد) فیقول العبد الحقیر
والعاجز الفقیر عبد الغنی بن احمد بن
عبد القادر الرافعی الفاروقی الطرابلسی
اقبسہ اللہ تعالی النور القدسی
ان طریق القوم فی معالجۃ
امراض القلوب

ربانیہ کے ذخیرے ظاہر ہوتے ہیں اور انھیں پر حکمِ نفیسہ اور علوم لدنیۃ کا فیضان ہوتا ہے۔ جو لوگ کہ اسرار کے جواہرات سے مزین ہوئے یا جو لوگ کہ غیوب کے مخفی خزانوں کو پا کر مالامال ہوئے وہ سب آپ ہی کی برکت سے اور آپ ہی کی اتباع کی بدولت ہوئے۔ پس آپ ہی جملہ کمالات کے فیضان کا سرچشمہ ہیں۔ اور ہر قسم کی حسّی و معنوی اور ظاہری و باطنی انوار کے طلوع ہونے کا افق ہیں۔ جب ایسا ہے تو پھر آپ کے دامن کرم سے وابستہ رہنے سے طالبین کبھی مستغنی ہو نہیں سکتے اور آپ کے حرم کی چوکھٹ کی جانب منسوب ہونے سے احباب کبھی بے نیاز ہو نہیں سکتے۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ کیونکہ آپ ہی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے تمام کمالات دنیوی اور اخروی کو پیدا فرمایا۔ اور آپ ہی کی شفاعت سے آئندہ بھی ابدی اور سرمدی نعمتوں کا سورج چمکیگا۔

نیز آپ کے آل اور اصحاب پر بھی صلوٰۃ وسلام ہو جو کہ ہدایت کے درخشاں ستارے ہیں اور اتباع واقتدا کیلئے پیشوا ہیں اور اس درجہ کامل لوگ ہیں کہ ان کے علوم اور معارف سے روحانی تربیت کے اصول اخذ کئے جاتے ہیں۔ اور ان ہی کے افعال کے ذریعہ مولائے حیّ وقیوم کی رضا کے مطابق حرکات اور سکنات کا انضباط ہوتا ہے۔ (یعنی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کون سی حرکت اور کونسا سکون حق تعالیٰ کو پسند ہے اور کون ناپسند) +

بعد حمد وصلوٰۃ کے بندۂ حقیر جو عاجز بھی ہے اور فقیر بھی یعنی عبد الغنی بن احمد بن عبد القادر رافعی فاروقی طرابلسی (اللہ تعالیٰ اس کو اپنے نور قدس سے حصہ وافر نصیب فرمائے)

عرض پرداز ہے کہ .... قوم (صوفیہ) کا امراض قلوب کے معالجہ کے باب میں۔ مجاہدۂ نفس اور مداومتِ ذکر کو طریق علاج تجویز فرمانا اس لئے کہ انسان (اس کے ذریعہ)

بمجاهدة النفس ومداومة الذكر لتتخلص من الرعونات النفسية وتتحلي بالاخلاق المرضية مما تظاهرت عليه شواهد الشرع والتجارب وصرح بافتراضه علماء الملة والدين

نفس کی رعونتوں (یعنی رذائل نفس) سے نکل جائے اور پسندیدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہو جائے۔ ایک ایسی تجویز ہے جس پر شرع اور تجربہ (یعنی عقل) ہر دو کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ اور علماء ملت اور اکابر دین نے اس کے فرض ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

---

۵ (قولہ بمجاهدة النفس الخ) مشائخ نے امراض قلوب کے معالجہ کا طریق دو چیزوں کو قرار دیا ہے ایک مجاہدۃ النفس دوسرے مداومۃ الذکر۔ اول کی دلیل یعنی یہ کہ مجاہدہ مثمر ہدایت ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا (یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قرب و ثواب یعنی جنت کے راستے ضرور دکھا دیں گے، نیز رسول اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا جہاد اکبر ہے۔ نیز آپ کا یہ ارشاد کہ مجاہد تو در اصل وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کے بارے میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔ نیز آپ کا یہ ارشاد کہ اپنی ایذا رسانی سے اپنے نفس کو بچاؤ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں نفس کی اتباع نہ کرو، اور اس کا کہنا مانو + اب باقی رہی یہ بات کہ مجاہدہ کا طریق وہی ہے جو حضرات صوفیہ بیان فرماتے ہیں یعنی قلت طعام۔ قلت منام۔ قلت اختلاط مع الانام اور قلت کلام تو اس کے دلائل ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ:- ابن آدم کے لئے تو بس اتنے چند لقمے ہی کافی تھے جس سے اس کی پیٹھ سیدھی رہتی —— نیز یہ ارشاد کہ اگر یہ شیاطین بنی آدم کے قلوب کے گرداگرد چکر نہ لگاتے ہوتے تو لوگ تو آسمانوں اور زمین کا ملک دیکھ لیتے۔ نیز یہ روایت کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد! تم خود بھی احتیاط کرو اور اپنے اصحاب کو بھی موافق شہوت اشیاء کے کھانے سے منع کرو اور ڈراؤ۔ اس لئے کہ وہ قلوب جو کہ شہوات دنیا سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ ان کی عقول مجھ سے حجاب میں ہو جاتی ہیں (یعنی میری معرفت انہیں نصیب نہ ہوگی۔) اور یہ اس لئے کہ قلوب بنی آدم میں شیاطین کے لئے جو شے بمنزلہ چراگاہ اور سبزہ زار کے ہے وہ ان کی شہوات ہی ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جس شخص کا پیٹ بھرا ہوگا وہ ملکوت سموات میں داخل نہ ہو سکے گا (یعنی فرشی ہی رہے گا عرشی نہ ہو سکے گا) نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ اے حواریین کی جماعت! اپنے بطون کو بھوکا رکھو۔ امید ہے اسکی وجہ سے تمہاری عقول اپنے رب کا مشاہدہ کر لیں۔

اور امر ثانی یعنی ذکر کے بھی مثمر ہدایت ہونے کی دلیل۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ یعنی فحشا اور منکر سے روکنے میں اس کو خاص دخل ہے۔ چنانچہ ذکر اللہ کی فضیلت کے متعلق نصوص میں جو کچھ آیا ہے وہ احاطہ سے بالاتر ہے۔ ہمارے حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ کا معمول یہ تھا کہ جو شخص بھی ان سے کسی چیز کی شکایت کرتا مثلاً یہ کہ نماز ترک ہو جاتی ہے یا اس میں کچھ سستی ہونے لگی ہے۔ یا زنا

(بقیہ حاشیہ)

وشراب وغیرہ کسی معصیت کے ارتکاب کے متعلق کہا تو سب کو ذکر کی تلقین فرماتے۔ سیدی قاسم خانی رحمہ اللہ نے حضرت کے اس معمول کو اپنی کتاب السیر والسلوک میں ان سے نقل کیا ہے۔ انتہی منہ ۱۲

۵ (قولہ مداومۃ الذکر) اور مداومۃ الذکر طریقۂ اصلاح اس لئے ہے کہ ذکر کے متعلق آتا ہے کہ وہ قلوب کے لئے شفاء ہے۔ علامہ قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ذکر طریق کا اہم رکن ہے۔ اس لئے بدون دوام ذکر حاصل کئے وصول ناممکن ہے۔ اھ منہ

۶ (قولہ وصرح بافتراضہ الخ) احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ تمام امت کو تو اس کا مکلف بنانے میں بڑا حرج ہے۔ بالخصوص ان لوگوں کو مکلف کرنے میں جن کے متعلق گمان غالب یہ ہے کہ وہ طریق کی بالکل ہی استعداد نہیں رکھتے اور یہ وہ لوگ ہیں جنکو کوئی شیخ کامل رد کردے۔ و یہ کہدے کہ تم بازار میں جاکر کوئی کام کرو کیونکہ اگر اسکی فرضیت کو عام رکھا جائیگا تو اسباب عالم میں تعطل واقع ہو جائیگا۔ علاوہ ازیں خود حدیث شریف میں بھی ایسا مضمون آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدہ مذکورہ (ہر شخص پر) واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک مقام پر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ حسد۔ بدفالی اور سوء ظن یہ سب ایسے امور ہیں کہ ان سے کوئی انسان خالی نہیں ہوتا۔ وہیں اسکے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کسی سے سوء ظن کا ارتکاب ہو جائے تو بس اسکو اسی حد پر رکھے حقیقت اور واقعہ نہ یقین کرے۔ اسیطرح سے جب تم حسد کرو تو اسمیں حد سے نہ بڑھ جاؤ۔ اور جب کسی کام کے وقت شگون بد کا خطرہ قلب پر آوے تو اس کام کو کر گذرو ترک نہ کردو۔ تو دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ان امور سے خلاصی کی صورت تلقین فرمائی مگر سب لوگوں کو اسکا حکم نہیں فرمایا کہ ان رذائل ثلثہ (یعنی حسد شگون بد اور سوء ظن) کے ازالہ کیلئے مجاہدۂ نفس کریں اسطرح پر کہ نفس ایسا ہو جائے کہ اسمیں حسد وغیرہ نام کو بھی باقی نہ رہ جائے۔ اب اگر مجاہدہ سے مراد یہی ہے کہ نفس کو بدفالی میں مثلاً کام کر گذرنے پر مجبور کیا جائے اور سوء ظن میں مثلاً یہ کہ یقین اور تحقیق کی حد سے اسکو روکا جائے نیز زبان پر لانے سے پرہیز کیا جائے اور حسد کے وقت مثلاً حد سے تجاوز کرنے سے اسکو باز رکھا جائے۔ تب تو ظاہر ہے کہ (عام ہی ہوگا مگر اہل طریق کے یہاں اسکا نام مجاہدہ نہیں ہے) اور اگر مراد یہ ہے کہ ان رذائل کو عقل اور شرع کی سیاست کے تحت اسطرح سے دبا دیا جائے کہ وہ بغیر بالکل مضمحل ہو جائیں تو اسکی تعمیم میں یقیناً حرج ہے۔ بالخصوص جبکہ ارباب طریق یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس نوع کا مجاہدہ بدون مرشد کامل کے ممکن بھی نہیں ہے اور یہ معلوم ہے کہ شیخ کامل فی زمانہ معدوم یا کالمعدوم ہے۔ پھر اس صورت میں تو یعنی یہ کہ ایک شے فرض بھی ہو اور اسکا موقوف علیہ معدوم یا کالمعدوم ہو امت کا گمراہی میں پڑ جانا لازم آجائیگا۔ انتہی منہ ۱۲

۷ (قولہ علماء الملۃ والدین) جن حضرات علماء نے اسکے فرضیت کی تصریح فرمائی ہے ان میں سے ایک حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی بھی ہیں چنانچہ انھوں نے اسکی فرضیت پر اسطرح استدلال فرمایا ہے کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں توکل شکر۔ صبر اور اخلاص وغیرہ کا حکم اسی طرح سے فرمایا ہے جسطرح سے کہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج کا حکم دیا ہے تو جب ان تمام ہی امور کا آمر ایک ذات (رب واحد) ہے تو یہ سب ہی چیزیں فرض ہونگی (کیونکہ کسی ذات کا ایک حکم تو ضروری ہو اور دوسرا حکم ضروری نہ ہو اسکے کوئی معنی نہیں) نیز اعمال ظاہرہ کا بھی تعلق اعمال باطنہ سے ہے انھیں کی وجہ سے وہ اعمال ظاہری سب صحیح یا فاسد ہوتے ہیں جیسے اخلاص۔ ریا اور عجب وغیرہ تو جو شخص اعمال باطنہ ہی کو نہ جانے گا اور اسکو نہ جانے گا کہ اعمال ظاہرہ کو کیونکر مفسدات سے محفوظ رکھا جاتا ہے تو اس کے اعمال ظاہری بھی بہت کم ہی صحیح ہوں گے۔ (اس سے بھی ضرورت اعمال باطنہ کی معلوم ہوئی۔ انتہی منہ ۱۲

ولما منّ الله تعالیٰ علیّ وله الفضل الجزیل والثناء الحسن الجمیل بسلوك الطریقة العلیة الخلوتیة علی ید المرشد الکامل والعارف الواصل شیخ الشیوخ ومعدن الاسرار والرسوخ مربی المریدین بالحال والمقال وموصل السالکین الی درجات الکمال سیدی واستاذی وقدوتی الی الله تعالیٰ وملاذی السید الشیخ محمد رشید الموقت فی الجامع الکبیر المنصوری فی بلدتنا طرابلس الشام علیه رحمة الملك السلام تحفنی رحمة الله تعالیٰ بکتاب الجواهر المکیة فی السیر والسلوك علی طریقة السادة الخلوتیة الذی الفه شیخه العارف بالله تعالیٰ سیدی السید الشیخ ابو حامد القصبی بمکة المکرمة فی سنة ثلث وثلاثین ومائتین والف من هجرة من خلقه الله تعالیٰ علی اکمل وصف +

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس ناکارہ پر فضل فرمایا اور اسکے تو بڑے ہی الطاف وکرم ہیں اور اسکے ہی لئے ثنا جمیل ہے وہ فضل یہ کہ طریقہ علیہ خلوتیہ پر مجھے سلوک طے کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ میں مرشد کامل۔ عارف واصل شیخ الشیوخ کے ہاتھ پر بیعت ہوا جو اسرار و رسوخ کے خزانہ تھے مریدین کی تربیت قال کے ساتھ ساتھ حال سے بھی فرماتے تھے اور سالکین کو درجہ کمال تک پہونچانے والے تھے یعنی میرے سید اور استاذ۔ اور خدا تعالیٰ کی راہ میں میرے رہبر اور رہنما اور میرے ملجا و ماویٰ سید شیخ محمد رشید ان پر اللہ ملک سلام کی رحمت ہو۔ اور جو ملک شام میں ہمارے شہر طرابلس کی جامع مسجد کے امام تھے (میرے اختتام تسلیک پر) حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کتاب "الجواھر المکیة فی السیر والسلوك علی طریقة السادة الخلوتیة" کا تحفہ عطا فرمایا جسکو کہ حضرت عارف باللہ تعالیٰ سیدی سید الشیخ ابو حامد قصبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکہ مکرمہ میں سوقت تالیف فرمایا تھا جبکہ اس ذات والا صفات کو جسے اللہ تعالیٰ نے اکمل ترین وصف سے متصف فرما کر مبعوث فرمایا تھا ہجرت فرمائے ہوئے بارہ سو تینتیس سال گذر چکے تھے

ے (قولہ الشیخ حسن ابو حامد القصبیؒ) یہ ایک صادق الانفاس اور صاحب خرق وکرامات بزرگ تھے۔ اور سیسی حسینی سید تھے۔ آپ کو اپنے جد امجد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے یہ بشارت ملی تھی کہ جو ان سے مصافحہ کریگا یا ان سے مصافحہ کرنے والوں سے مصافحہ کریگا اسی طرح سے مسلسل تا قیام قیامت۔ وہ جنتی ہوگا۔ آپ مصر کے ایک شہر میں جس کا نام نشا تھا مدفون ہوئے آپ کی جائے ولادت بھی بہت بابرکت تھی ــ لوگ دور دراز سے اس کی زیارت کے لئے جاتے تھے۔ اور آپ کے بعد آپ کی اولاد بھی بہت مشہور اور مقبول ہوئی جن میں دو حضرات پر جذب کا غلبہ تھا۔ ایک سید حسن اور دوسرے سید حامد۔ اور آپ کے ایک تیسرے صاحبزادے سید امام بھی تھے جو علم و فضل میں طنطا کے بڑے شخص شمار ہوتے تھے آپ کا مکان لوگوں کیلئے زیارت گاہ تھا بلکہ حقیقت میں وہ سید بدوی کا مہمان خانہ اور لنگر خانہ تھا۔ حضرت شیخؒ کی سب ہی اولاد امیر اور مالدار ہوئی ہے حالانکہ شیخ حسن قصبی نے اپنے بعد ان ورثہ کیلئے صرف ستر قرش (تقریباً سوا روپیہ) نقد چھوڑا تھا وہ بھی ایام بیماری میں ان کے پاس کہیں سے آگئے تھے۔ اس واقعہ کی اطلاع مجھے ان کے صاحبزادے سید امام نے دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

فوجدته كتاباً فائقاً فى هذا الباب موضح الطريق لجميع الطلاب الا انه كان باقياً فى مسودة المؤلف بيض الله تعالى صحائفه وكانه لم يجد اذ ذاك وقتاً لاعادة النظر فيه فاذن لاستاذنا المومى اليه ان يصلح فيه ما شاء وكان المومى اليه لم يجد وقتا ايضا لتهذيبه واعادة النظر فيه فناولنيه بعد ما اكملت السلوك وامرنى بتهذيبه وترتيبه وكان ذلك فى عام خمس وسبعين وبحسب الامر ضممت اليه بعض زيادات مزجتها مع الاصل وجمعت فيه جميع ما حضرنى من الفوائد السنية التى لتقطتها من كتب القوم ورتبته على الترتيب الآتى وبقى فى المسودة مدة سنين الى ان من الله تعالى علىّ فى هذه السنة التى هى عام واحد وثلث مائة والف بالايواء لحرمه والوقوف بابواب كرمه فنظرت مرة فى بعض الاوراق المتروكة فى زوايا النسيان فعثرت على المسودة المذكورة ثم سمعت بعضها للعالم العامل والفاضل الكامل الشيخ محمد بن على الكنانى نزيل مكة المكرمة فاستحسنها واستجادها والح على تبييضها ونشرها

میں نے جب اس کتاب کو دیکھا تو اسے تمام سالکین راہ اور طالبین طریق کے لئے ان کے مقصد کے حصول میں نہایت کامیاب واضح اور جملہ کتب پر فائق پایا۔ لیکن افسوس یہ کہ وہ ہنوز مولف کے سودہ ہی میں تھی (اللہ تعالیٰ ان کے صحائف اعمال کو روشن فرمائے) معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت مولفؒ کو ابتک اس پر نظر ثانی فرمانے کا کبھی موقع نہ مل سکا تھا چنانچہ انھوں نے ہمارے استاذ (شیخ محمد رشیدؒ کو) جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے اجازت دی کہ وہ اس پر نظر ثانی کر کے مناسب اصلاح دیدیں۔ مگر استاذ رحمۃ اللہ علیہ کو کبھی اس کی تہذیب اور اس پر نظر ثانی کرنے کا موقع نہ ملا اسلئے انھوں نے میری تکمیل سلوک کے بعد وہ مسودہ مجھے عطا فرمایا اور حکم دیا کہ تم اسکی ترتیب و تہذیب کا کام انجام دو۔ یہ واقعہ ۱۲۷۵ھ کا ہے۔ چنانچہ میں نے حسب ارشاد حضرت مرشدی رح اصل کے ساتھ ساتھ کچھ اضافات بھی کر دیئے اور جو فوائد نفیسہ کہ بروقت مجھے مستحضر تھے یا جنکو کہ میں نے کتب قوم سے اخذ کیا تھا ان کو بھی اس میں شامل کر دیا۔ اور میں نے اسکو اس ترتیب سے مرتب کیا ہے جسکی تفصیل آگے آرہی ہے۔ پھر میرے پاس بھی یہ مسودہ سالوں پڑا رہا یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنا فضل و کرم فرمایا اور امسال کہ یہ سن ۱۳۰۱ھ ہے مجھے اپنے حرم میں حاضری کی توفیق بخشی اور اپنے باب کرم پر باریابی نصیب فرمائی۔ چنانچہ ایک دن (اتفاقاً) میں نے بعض ان کاغذات پر نظر ڈالی جو کہ طاق نسیان پر رکھے ہوئے تھے ان میں یہ سودہ مجھے مل گیا ——— تو پھر میں نے اس کا کچھ حصہ عالم باعمل۔ فاضل باکمال شیخ محمد بن علی کو سنایا جو وارد مکۃ المکرمہ تھے۔ انھوں نے اسے بہت پسند کیا اور اسکی بہت تحسین فرمائی۔ اور مجھ سے اصرار کیا کہ (جلد) اسکو صاف کر دو اور اس کی اشاعت کرو۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے

رجاءً ان الله تعالیٰ ینفع بها الراغبین فی سلوك طریق المقربین فما کان الا ان شرح الله تعالیٰ صدری لذلك فشرعت تبییضها تجاه الکعبة المعظمة کما بدئ اصلها وضممت الیها زیادات سنیة خطرت لی الآن وقد کنت اردت ان نشرها من دون ذکر اسمی فیها استقصاراً لنفسی عن مساهمة العارفین بالتالیف فی هذا الفن فابی الشیخ المؤما الیه وقال ان الکتاب الذی لم یذکر فیه اسم مولفه لا یعتمد علیه بناءً علیه صرحت باسمی فیه وانا منکس الراس حیاءً وذکرت القصة بتمامها واسئل الله ان یجعل خالصًا لوجهه الکریم وان ینفع به عباده المؤمنین وان لا یجعل حظی من هذه الطریقة وصفها للمدلجین دون السیر فی جملتهم انه البر الرحیم وسمیته ترصیع الجواهر المکیة فی تزکیة الاخلاق المرضیة۔

ذریعہ سے مقربین کے طریق میں رغبت کرنے والوں کو نفع عظیم عطا فرما دیں گے۔ میں انھیں حالات سے گذر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے میرا بھی شرح صدر فرما دیا۔ چنانچہ میں نے بیت اللہ کے مواجہ ہی میں اس کی تبییض شروع کر دی۔ جس طرح سے کہ اس کے اصل کی بھی ابتدا یوں ہی ہوئی تھی۔ اور میں نے اس اصل میں کچھ بیش بہا اضافات بھی کر دیئے ہیں، جو بروقت میری سمجھ میں آئے۔ اور میرا تو ایک خیال یہ بھی تھا کہ میں اسکی اشاعت بدون اظہار نام ہی کے کرونگا۔ حصّاً لنفسی یعنی اپنے آپ کو اس بات سے کمتر تصور کرتے ہوئے کہ میں بھی ان عارفین حضرات کے زمرہ میں گنا جاؤں جو اس فن میں تالیف و تصنیف کے واقعی اہل ہیں مگر انھیں شیخ مذکور (یعنی شیخ محمد بن علی کنانی) نے مجھے اس سے منع کیا اور یہ فرمایا کہ جس کتاب پر مؤلف کا نام نہیں درج ہوتا وہ درخور اعتنا نہیں سمجھی جاتی اور نہ اس پر کوئی اعتماد کرتا ہے (چونکہ یہ مصلحت معقول تھی) اس لئے میں نے اپنا نام لکھنے کو تو لکھ دیا مگر مارے شرم کے سرنگوں بھی ہو گیا میں نے جو تفصیل تھی من و عن بیان کر دی اور اب حق تعالیٰ شانہٗ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس تالیف کو خالص اپنے وجہ کریم کیلئے بنا دیں اور اسکے ذریعہ سے اپنے مومنین بندوں کو نفع پہونچائیں۔ اور یہ دعا ہے کہ میرا نصیب اس طریقۂ صوفیہ سے صرف اسکو نہ فرما دیں کہ میں دوسرے چلنے والوں کو بس راستہ بتا دوں اور خود سیر و سلوک میں انکا ہمراہی نہ ہوں (العیاذ باللہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ حسن معاملہ والے اور رحیم ہیں۔ اور میں نے اس تالیف کا نام ترصیع الجواہر المکیہ فی تزکیۃ الاخلاق المرضیہ رکھا۔

وهذا اوان الشروع فی المقصود بعون الملك المعبود۔

اچھا اب مقصود کا بیان کرتا ہوں اور اس سلسلہ میں اللہ ملک معبود کی امداد کا طالب ہوں۔

(کتاب ہٰذا دس ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے)

الباب الاول فی طلب المرشد وعلامتہ وبیان الادب اللازم معہٗ	پہلے باب میں تلاش مرشد۔ شیخ کامل کی پہچان اور آداب مشائخ کا بیان ہے۔
الباب الثانی فی ادب المرید فی نفسہ۔	دوسرے باب میں مریدین کے اُن آداب کا ذکر ہے جو خود ان کی ذات سے متعلق ہیں۔
الباب الثالث فی ادب المرید معہ اخوانہ۔	تیسرے باب میں اپنے اخوان الطریق (پیر بھائیوں) کے آداب کی تفصیل مذکور ہے۔
الباب الرابع فی المقام الاول۔	چوتھا باب مقام اوّل کے بیان میں ہے۔
الباب الخامس فی المقام الثانی۔	پانچواں باب مقام دوم کے بیان میں اور
الباب السادس فی المقام الثالث	چھٹا باب مقام سوم کے بیان میں اور
الباب السابع فی المقام الرابع۔	ساتواں باب مقام چہارم کے بیان میں اور
الباب الثامن فی المقام الخامس۔	آٹھواں باب مقام پنجم کے بیان میں اور
الباب التاسع فی المقام السادس۔	نواں باب مقام ششم کے بیان میں اور
الباب العاشر فی المقام السابع۔	دسواں باب مقام ہفتم کے بیان میں ہے۔

اور

(الخاتمہ) فی بعض اوراد الطریق وحکم ذلک الفریق۔ فاقول وباللہ التوفیق۔	خاتمہ میں طریق کے بعض اوراد اور وظائف کا بیان ہے۔ نیز اس فریق (یعنی اہل سلوک والطریق) کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے سہارے اب (اس اجمال کی تفصیل) بیان کرتا ہوں۔

الباب الاول فی طلب المرشد وعلامته وبیان الادب اللازم معہ

(باب اول۔ تلاش مرشد۔ علامات شیخ کامل اور آداب مشائخ کے بیان میں)

اعلم ارشدك الله تعالیٰ ان الحکمة ؎ فی خلق العالم انما هی معرفة الله تعالیٰ ففی الحدیث القدسی کنت کنزًا مخفیًا ؎ فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لیعرفونی. وقال تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

سنو! (اللہ تعالیٰ تم کو نیک راہ کی ہدایت فرمائے) عالم کی تخلیق میں حق تعالیٰ کی حکمت مصلحت اور اس سے مقصود صرف اپنی معرفت تھی چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ لوگوں کو میری معرفت حاصل ہو۔ نیز حق تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میں نے جن اور انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

قال بعض المفسرین ای لیعرفونی وکانه فسر العبادة بغایتها المرتبة علیها وحکمتها المقصودة منها التی هی المعرفة من حیث ان اعمال الجوارح وسیلة لاصلاح وانارة القلوب بحکم ارتباط الظاهر بالباطن واذا استنارت القلوب حصل الکشف والمعرفة فاصلاح القلوب

چنانچہ بعض مفسرین نے اس موقع پر عبادت کی تفسیر معرفت ہی سے فرمائی ہے۔ تو گویا یہ ایک شے کی تفسیر اسکی ایسی غایت سے کرنا ہوا جو اس پر مرتب ہونے والی ہے یا یہ کہا جائے کہ یہ شے کی تفسیر اسکی حکمت مقصودہ کے ساتھ کی گئی ہے یعنی معرفت (کہ یہی عبادت کی غایت اور اس کی حکمت ہے) اسلئے کہ اعمال جوارح قلب کے تنور اور باطن کی اصلاح کا ذریعہ ہیں کیونکہ ظاہر کو باطن کے ساتھ ایک ربط خاص حاصل ہوتا ہے لہذا جب قلب منور ہو گیا تو کشف اور معرفت تو اس

؎ (قولہ ان الحکمة فی خلق العالم انما هی معرفة الله تعالیٰ) بعض آثار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابن آدم میں نے تمام چیزوں کو تو تیرے لئے پیدا کیا لیکن تجھ کو اپنے لئے پیدا کیا ہے۔ لہذا (دیکھ) ان چیزوں میں مشغول ہو کر جو تیرے لئے پیدا کی گئیں ہیں (کہیں) اس ذات سے غافل نہ ہو جانا جسکے لئے تو پیدا کیا گیا ہے۔ علامہ واسطیؒ ولقد کرمنا بنی ادم الآیة کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ بنی آدم کے لئے دنیا و مافیہا کو اس لئے مسخر کر دیا کہ وہ کسی شے کو مسخر کرنے کی فکر و مشقت میں نہ پڑے اور اپنے کو بس اپنے رب کی عبادت کے لئے فارغ کرے۔ اسی قبیل سے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے نفع کیلئے زمین کی سب چیزیں پیدا فرمائیں۔ لہذا جب معاملہ یہ ہے تو بندے پر بھی واجب ہے کہ وظائف عبودیت اور حقوق ربوبیت کو پوری تندھی کے ساتھ ادا کرے۔ ۱۲ منہ

؎ (افادہ) وفی موضوعات کبیر لملا علی القاری حدیث کنت کنزًا الخ قال ابو تیمیہ لیس من کلام النبی علیہ السلام ولا یعرف لہ سند صحیح ولا ضعیف … لکن معناہ صحیح مستفاد من قولہ تعالیٰ (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ) ای لیعرفون کما فسرہ ابن عباسؓ (ص ۶۲ موضوعات کبیر)

هوالمقصود الاعظم ان الله لا ينظر الی صورکم وانما ینظر الی قلوبکم۔

کے لئے لازم ہے۔ پس (جملہ طاعات وعبادات کا) مقصود اعظم اصلاح قلب ہی ٹھہرا۔ (جیساکہ حدیث میں ہے کہ) اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں (یعنی ظاہر) کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ تمہارے قلوب (یعنی باطن) کو دیکھتے ہیں۔

ثم اعلم ان المعرفۃ المذکورۃ کسبیۃ قال سیدی عبدالغنی النابلسی فی کتابہ الفتح الربانی والفیض الرحمانی ان تحصیل مقام الایمان الکامل کسبی یحصل بمواطاۃ اسبابہ وازالۃ موانعہ واسبابہ الاعمال الصالحۃ لانہ نتیجتھا وموانعہ الاخلاق الردیئۃ

پھر یہ سمجھو کہ یہ معرفت (جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا) ایک کسبی اور اختیاری شے ہے ہمارے سید عبدالغنی نابلسی نے اپنی کتاب الفتح الربانی والفیض الربانی میں فرمایا ہے کہ ایمان کامل کے مقام کی تحصیل اختیاری ہے۔ یعنی اس کے اسباب کے اختیار کرنے اور موانع کے دور کرنے سے حاصل ہوجاتا ہے۔

اور اس کے اسباب یہی اعمال صالحہ ہیں اس لئے کہ ایمان کامل انھیں سب اعمال کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور موانع اس کے نفوس کے اخلاق ذمیمہ ہیں

(افادہ)* قولہ واسبابہ الاعمال الصالحۃ (اقول) شیخ عبدالغنی نابلسیؒ نے ایمان کامل کے اسباب میں اعمال صالحہ کو فرمایا ہے۔ اور اخلاق ردیہ کو اسکے لئے موانع قرار دیا ہے۔ اور صحبت مشائخ وغیرہ کو اسکے لئے ممد ومعاون فرمایا ہے۔ نہایت عمدہ بات ہے مگر ان ہی کی برکت سے ایک بات میں بھی کہتا ہوں وہ یہ کہ صحبت اہل طریق نہ صرف یہ کہ معاون ہی ہے بلکہ سبب الاسباب ہے یعنی مقام ایمان کامل کی تحصیل کا واحد ذریعہ بزرگان دین کی صحبت ہی ہے چنانچہ اعمال صالحہ جسکو شیخ سبب فرما رہے ہیں اسکی توفیق بھی، انسان کو کسی بزرگ کی صحبت ہی سے ہوتی ہے۔ گو اعمال صالحہ سبب قریب ضرور ہیں مگر انکا بھی سبب صحبت ہی ہے۔ تجربہ اس پر شاہد ہے کہ جس کسی کا بھی حال دینی کچھ درست دیکھا جاتا ہے تو اسی لئے کہ کسی شیخ حقانی سے بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کا تعلق ہوجاتا ہے۔

واقعہ تو یونہی ہے تاہم ادباً للشیخ ان کے ارشاد کی بھی توجیہ کرتا ہوں کیونکہ شیخ بڑے آدمی ہیں انھوں نے بھی جو کچھ لکھا ہے وہ سمجھ کر ہی لکھا ہے۔ وہ یہ کہ شیخ کو سبب قرار دینے میں ایک دوسری بڑی خرابی کا اندیشہ تھا یعنی یہ کہ لوگ شیخ ہی کو مقصود بنا لیتے اور حضرات مشائخ بھی اگر ذرا تسامح سے کام لیتے تو مریدین سے صرف اپنے ہی ساتھ اعتقاد اور اپنی خدمت کا مطالبہ کرتے اور ذریعہ کو مقصد اور راہ کو منزل سمجھ لیا جاتا، اور ظاہر ہے کہ طالب حق کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں کہ وہ طریق ہی میں الجھ جائے اور مقصود سے محروم رہجائے جیساکہ اس زمانہ میں مشاہد ہے کہ لوگوں نے مشائخ ہی کو مقصود بنالیا ہے اور طریق سے بہت دور ہوگئے ہیں ان کے حالات اور مشائخ کے ساتھ ان کے معاملات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ ہی انکا قبلہ مقصود ہے اللہ تعالیٰ مشائخ زمانہ پر رحم فرمائے بہت کم لوگ ان میں ایسے ہیں جنکو مریدین کی اس گمراہی کا غم ہو اور اس سے نکالنے کی فکر ہو عام حالات تو یہی ہیں کہ مریدین کے تابع اور ان سے مغلوب ہوکر رہ گئے ہیں اور بالکل اس کے مصداق ہوگئے ہیں جیساکہ شیخ اکبرؒ نے اپنے وقت میں فرمایا تھا کہ قد رأینا شیوخاً سقطوا یعنی ہم نے بہت سے مشائخ کو دیکھا جو اپنے مرتبہ سے ساقط ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لتی فی النفوس کالریاء والسمعۃ والعجب ونحو ذلک۔ ومما یعین علی تحصیلہ صحبۃ اھلہ وخدمتھم واحترامھم والاخلاص فی اعتقادھم والقطع بانھم آثار الھیۃ لا تاثیر لھم البتۃ وانما ھم خزائن اللہ تعالیٰ فی ارضہ اودع فیھم اسرارہ وھو الذی یفتح ابوابھم بمفاتیح عنایتہ لمن شاء ویغلق ابوابھم عمن یشاء۔

مثلاً ریا۔ سمعہ۔ عجب اور اسی طرح کے اور دوسرے رذائل۔ اور جو چیزیں کہ ایمان کامل کی تحصیل میں معین ہیں منجملہ ان کے اہل اللہ کی صحبت ان کی خدمت۔ ان کا احترام۔ ان کے اعتقاد میں اخلاص اور اس امر کا یقین کرنا ہے کہ یہ حضرات آثار الٰہیہ ہیں۔ مؤثر بالذات نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے خزانے ہیں جن میں اس نے اپنے اسرار ودیعت فرما رکھے ہیں چنانچہ وہی ان کے دروازوں کو جس کے لئے چاہتے ہیں اپنی عنایت کی کنجی سے کھول دیتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں بند رکھتے ہیں۔

ومما یعین علی ذلک تعظیم مؤلفات[ف] المشائخ ارباب السلوک انتھی۔

اسی طرح سے ایک اور چیز جو ایمان کامل کی تحصیل میں معین ہے وہ ان مشائخ کی تصنیفات[ف] کا احترام کرنا ہے جو کہ سلوک وطریقت کے امام ہیں۔ (شیخ نابلسیؒ کا کلام تمام ہوا)

اقول قد اجمع العارفون علی ان معرفۃ اللہ تعالیٰ مترتبۃ علی

میں کہتا ہوں کہ جملہ عارفین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نفس کی معرفت پر مرتب ہوتی ہے۔ پس جس نے اپنے

ف (قولہ تعظیم مؤلفات المشائخ الخ) مثلاً امام غزالیؒ کی احیاء العلوم یا شیخ کبریؒ کی شرح الفیۂ تصوف یا اسی طرح کی اور دوسری کتابیں (اور ان سے ایمان کامل کی تحصیل اس لئے ہوتی ہے کہ) یہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک ایسا لشکر ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سالک کی تقویت فرماتے ہیں اور اس کو ثابت قدم رکھتے ہیں۔ دیکھو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وکلاً نقص علیک من انباء الرسل الآیۃ اور ہم پیغمبروں کے قصوں میں سے یہ مذکورہ قصے آپ سے بیان کرتے ہیں ان کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔ اور ہمارے استاذؒ نے ہم کو یوں تو ایام سلوک میں حضرات صوفیہ کی بہت سی عمدہ عمدہ کتابیں عطا فرمائیں اور میں نے ان سے نفع بھی حاصل کیا لیکن مذکور الصدر دو کتابوں (احیاء اور شرح الفیہ) سے سب سے زیادہ مجھے فائدہ ہوا۔ باقی تصوف کی مغلق اور مشکل جو کتابیں ہیں مثلاً فتوحات۔ فصوص الحکم یا الانسان الکامل وغیرہ تو ان کا مطالعہ غیر اہل کے لئے جائز ہی نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

معرفۃ النفس فمن عرف نفسہٗ[ف] فقد عرف ربہ۔ ومعرفۃ النفس مترتبۃ علے تعرف اللہ تعالیٰ الیك والتعرف المذکور مترتب علی العلم الوھبی الغیبی والعلم الوھبی الغیبی مترتب علی العلم والعمل معًا من عمل بما یعلم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم وعلے تطہیر القلب من الاخلاق الردئیۃ وتطہیر القلب من الاخلاق المذکورۃ التی ھی امراض معنویۃ موقوفٌ علے المداواۃ والمعالجۃ من طبیب القلوب الذی ھو المرشد الکامل۔

نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اور معرفت نفس مرتب ہوتی ہے اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی معرفت تم کو کرا دیں۔ اور حق تعالیٰ کی معرفت مرتب ہوتی ہے علم وھبی غیبی پر (یعنی انھیں کی جانب سے۔ عالم غیب سے بندہ کو ایک علم عطا ہوتا ہے جس سے وہ اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے) اور علم وھبی غیبی مرتب ہوتا ہے علم و عمل پر چنانچہ جو شخص اپنی جانی ہوئی بات پر عمل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو نہ جانی ہوئی بات کا بھی علم عطا فرما دیتے ہیں اور جس طرح سے علم وھبی علم و عمل پر موقوف ہے اسی طرح سے اپنے قلب کو اخلاق ردیہ سے پاک کرنے پر بھی موقوف ہے اور قلب کی تطہیر ان اخلاق رذیلہ سے کہ در اصل وہ معنوی اور باطنی امراض ہیں موقوف ہے۔ قلوب کے طبیب (یعنی طبیب روحانی) سے معالجہ کرانے پر اسی طبیب کو مرشد کامل کہا جاتا ہے۔

مطلب فی تعریف المرشد الکامل

وھو انسان کامل لہٗ ملکۃ روحانیۃ یقتدر بھا علی ملاطفۃ النفوس الناقصۃ من العوارض التی کتسبھا من قالبھا الجسمانی حتی

اور مرشد اس انسان کامل کو کہتے ہیں جسے ایک ایسا روحانی ملکہ حاصل ہو چکے ذریعہ سے وہ ان نفوس کے ساتھ رفق و نرمی کر کے انکی اصلاح کر سکے جو کہ بالکل خراب ہو چکے ہوں ان عیوب کے ساتھ اتصاف کی وجہ سے جس کو ان نفوس نے اپنے جسمانی قالب سے حاصل کیا ہے۔

[ف] (قولہ فمن عرف نفسہٗ) نتائج الاسرار میں جو کہ سید مصطفےٰ عروسی کی تصنیف ہے۔ اس قول کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو اور اس کی صفات کو پہچانا اور یہ جانا کہ وہ سب حق تعالیٰ اور اس کی صفات کے آثار ہیں۔ اور اس کے اسماء اور صور کا پرتو ہیں۔ یعنی جس نے یہ جان لیا تو اس نے حق کو پہچان لیا۔ مطلب یہ کہ جس نے ان باتوں کو ذوق اور شہود کے ساتھ جا.. دلیل و برہان کے ذریعہ سے نہیں کیونکہ یہ تو علماء رسوم کا طور علم ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ حق تعالیٰ کے ماسوا جتنی چیزیں ہیں وہ سب حق تعالیٰ ہی کے آثار ہیں جو کہ اسی کے افعال سے ناشی ہیں تو جس نے اس بات کو کشفًا اور ذوقًا سمجھ لیا جیسا کہ وحدت افعال کی بحث میں اسکی کچھ تفصیل آئیگی تو گویا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ انتہی ۱۲ منہ

تتشاكل مع نفسه باللطافة والاعتدال وتصير قابلةً لتلقى الواردات الالٰهية وهذه الملكة هى علم السلوك وهو علم يعرف به احوال النفس وعوارضها الذاتية اجمالاً وتفصيلاً وكيفية معالجتها وثمرته تصفية القلب من الشوائب والاكدار وتحليته بالمعارف والاسرار وبيان ذلك ان حقيقة الانسان التى كان بها انساناً وامتاز بها عن سائر الحيوانات انما هو القلب۔ وهو لطيفة ربانية تقوم بها العلوم الضرورية والنظرية، وهو الامير الحاكم على اعضاء الجسد لا يستطيع عضو منها مخالفته۔

وهذه اللطيفة مفطورة على قبول الخير والشر كالمرأة[۵] اى شيئ قابلته انطبع فيها۔ ثم ادخلها الله تعالى فى هذا الجسم الانسانى ولما كان الجسم محتاجًا

یہاں تک کہ وہ عیوب لطافت اور اعتدال میں نفس کے ہم شکل ہو گئے ہوں اور ان میں واردات الٰہیہ کے اخذ کرنے کی قابلیت بھی پیدا ہو چکی ہو اور یہی ملکہ (جسکے صاحب کو شیخ کامل کہتے ہیں) علم سلوک کہلاتا ہے اور وہ ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعہ نفس کے احوال اور اس کے عوارض ذاتیہ کا علم اجمالی اور تفصیلی ہر دو طور پر ہوتا ہے اور انکے امراض کے علاج کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ غایتہ اس کی قلب کا شوائب اور کدورت نفسانیہ سے پاک و صاف ہونا اور اسرار و معارف الٰہیہ سے آراستہ ہونا ہے۔ اس کی توضیح یوں سمجھئے کہ انسان کی حقیقت جسکی وجہ سے اسکو انسان کہا جاتا ہے اور جسکی وجہ سے وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے وہ قلب ہے اور وہ ایک ایسا لطیفۂ ربانیہ ہے جس میں علوم ضروریہ اور نظریہ موجود ہوتے ہیں۔ اور یہی جسم کے جملہ اعضاء پر امیر اور حکمراں ہوتا ہے۔ چنانچہ جسم کا کوئی عضو اس کی مخالفت پر قادر نہیں ہوتا۔

مطلب فی تعریف القلب الذی اختص به الانسان

اور اس لطیفہ میں فطری طور سے شر اور خیر دونوں کی قبولیت کا مادہ رکھا گیا ہے جیسا کہ آئینہ کہ جس چیز کو بھی اس کے بالمقابل رکھو گے اسکا عکس اس میں آجائیگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس لطیفہ ربانیہ (یعنی قلب) کو انسان کے جسم میں رکھدیا اور جسم بھی چونکہ اپنی بقا کے

(قولہ کالمرأۃ ۵) اور یہ انعکاس بواسطہ روح حیوانی کے ہوتا ہے توضیح مقام یہ ہے کہ لطیفۂ مذکورہ تو غایت درجہ لطیف ہوتا ہے اور جسم درجہ کثیف ہے۔ اور روح حیوانی لطافت اور کثافت میں بین بین ہے اسی لئے یہ روح لطیفۂ مذکورہ اور جسم کے درمیان واسطہ بنجاتی ہے۔ اور یہ روح حیوانی بسبب اپنی کثافت کے اس کثیف اور حسی شے کے مانند ہوجاتی ہے جسکے ذریعہ شیشہ کے دو جانبوں میں سے ایک جانب مسالہ لگا دیا جائے تاکہ تم دوسری جانب اپنی صورت دیکھ سکو پس اسکی وجہ سے وہ لطیفۂ مذکورہ دو جہت والا ہوجاتا ہے۔ ایک جہت تو عالم حس اور شہادت کی جانب ہوتی ہے اور دوسری جہت عالم غیب کی طرف۔ اب اگر یہ زنگ ریاضت اور مجاہدہ کیوجہ سے صاف ہوگیا اور بالکل زائل ہوگیا تو وہ ایک روحانی ملک (فرشتہ) ہوجاتا ہے اور اسکی توجہ فقط عالم غیب ہی کی طرف ہوجاتی ہے جیسا کہ بعد موت کے ہوگا۔ اور اگر عالم شہادت کی طرف متوجہ ہوا اس طور پر کہ وہ عالم قدس کو بھول ہی گیا تو جو خصوصیات اس کے اندر تھیں ان سے محجوب اور محروم ہوکر بالکل حیوان بن جاتا ہے۔ اور اگر ان دونوں عالموں میں سے کسی ایک کی طرف ایسی توجہ کی کہ اس کے غیر سے ذہول نہ ہوا تو پھر انسان کامل ہوجاتا ہے۔ انتہی ١٢ منہ

للغذاء لاجل بقاءه ومحتاجا لدفع الموذيات
عنه خلق فيها جندين معينين على
ذلك وهما الشهوة والغضب. ثم خلق
خلقين وسلطهما على القلب وهما
الملك والشيطان. فالشيطان يحرش
الشهوة والغضب للطغيان واستخدام الملك
اللطيفة لتحصيل غرضيهما وطغيان
تينك القوتين هو المسمى نفسا المامور
المكلف بقهرها وردها الى حد الاعتدال
بحيث لاتنبعث الا على وفق الشرع
فى وقت الحاجة وليس للشيطان
طريق للقلب الا من طريق النفس
التى هى طغيان تينك القوتين
واما الملك فناصح يأمر بالخير ويعده
وينهى عن طاعة الشيطان

والحاصل ان الانسان باعتبار
نشأته عنصرية قد اجتمع فيه اربعة
اشياء وهى الصفات السبعية
والبهيمية والشيطانية والروحانية
فهو من حيث سلطت عليه الشهوة
يكون له افعال البهائم ومن حيث
سلط عليه الغضب يكون له افعال
السباع ومن حيث سلط عليه الشيطان
بواسطة تينك الصفتين يكون له
الافعال الشيطانية من حب الشر والقهر
والغلبة والمكر والخديعة ومن

لئے غذا کا محتاج تھا اور اس کو خود اپنے سے موذی چیزوں کا رفع
کرنا بھی ضروری تھا اس لئے حق تعالیٰ نے جسم میں اس کام
کے لئے دو لشکروں کو پیدا کیا اور وہ شہوت اور غضب ہے پھر
(اسکے لئے) دو مخلوق مزید پیدا فرمائی ایک فرشتہ دوسرے شیطان
اور ان دونوں کو قلب پر مسلط فرمایا۔ پس شیطان شہوت اور غضب
کو طغیان اور سرکشی کے لئے بھڑکاتا رہتا ہے اور ان کی خواہش ہوتی
ہے کہ یہ دونوں اس لطیفہ کو اپنی اپنی غرض حاصل کرنے میں استعمال کریں چنانچہ
انھیں دونوں قوتوں کے طغیان کا نام نفس ہے جسکے مقہور کرنے کا انسان
مکلف اور مامور ہے نیز اسکا مامور ہے کہ اسکو اس طور سے اعتدال پر
رکھے کہ ان میں جوش اور ابھار ہی نہ پیدا ہو سوائے اسکے کہ وہ جوش حدود
شرع کے اندر ہو اور بوقت حاجت (اور بقدر حاجت) ہو اور شیطان کیلئے
قلب تک پہنچنے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے بجز نفس کی راہ کے کیونکہ نفس انہیں
دونوں قوتوں کے طغیان کا نام ہے (جو کہ شیطان کا میدان کارزار ہے) اور
رہا ملک تو وہ تو انسان کے حق میں ناصح اور خیر خواہ ہے اسکو خیر ہی کا حکم کرتا
ہے اور اسی پر آمادہ کرتا ہے اور شیطان کی طاعت سے منع کرتا ہے۔

حاصل یہ کہ انسان میں اسکے جسمانی تخلیق کی رو سے چار چیزیں یکجا
طور پر پائی جاتی ہیں۔ اور وہ اس کی صفت سبعیت (یعنی درندگی) حیوانیت
شیطانیت اور روحانیت ہے چنانچہ شہوت کے موجود ہونیکی وجہ سے
اس سے بہائم یعنی جانوروں کے سے افعال صادر ہوتے ہیں اور غضب کے
پائے جانیکی وجہ سے اس سے درندوں جیسے افعال کا صدور ہوتا ہے۔ اور اس
وجہ سے کہ اس پر شہوت اور غضب کے واسطہ سے شیطان کا تسلط ہو جاتا
ہے اس سے شیطانی افعال بھی صادر ہوتے رہتے ہیں مثلاً شر اور
برائی کو پسند کرنا۔ قہر اور غلبہ چاہنا۔ مکر و خداع وغیرہ کرنا۔
اور فرشتہ کے تسلط کے سبب سے اس سے ملکی افعال اور
روحانی کمالات صادر ہوتے ہیں۔ (اس طور پر وہ گویا ان

حيث سلط عليه الملك يكون له
الافعال الملكية والكمالات الروحانية +

ثم انه بحكمة الله تعالى
سبقت صفتا الغضب والشهوة
ظهور نور العقل في الانسان فانس
الطبع بالجري على مقتضاهما.

ولما اشرق نور العقل وتكامل
كلف الانسان بمخالفة الشيطان
وضبط تينك القوتين الى حد الاعتدال
بحيث تكونان تحت سياسة الشرع
والعقل لا تتعدان ما حده الله
تعالى كالكلب المعلم ان استعداه
صاحبه عدا والا فهو رابض وهنا
معركة الجهاد الاكبر +

فان عالج نفسه بما بينه
الشرع ووصفه له طبيب الارواح
من تقليل الطعام والشراب
لتضييق مجاري الشيطان الآمر
بطاعتهما واكثر من ذكر الله
تعالى وحصن مدينة القلب
بحرس اليقظة من مكايده
وتلبيساته غلب جند
الملك واستقر في مدينة
القلب + وصار الشيطان لا
يمر به الا اختلاسا فاذا

ساری صفات کا جامع ہوتا ہے)

پھر یہ مقتضائے حکمتِ حق تعالیٰ (جل شانہ) یہ دونوں صفتیں یعنی غضب اور شہوت انسان کے اندر نور عقل کے ظہور سے پہلے ہی پیدا ہو جاتی ہیں جسکی وجہ سے طبیعت انسانی (قبل اسکے کہ اسے عقل کی روشنی ملے) ان صفات کے تقاضے پر عمل پیرا ہونیکی خوگر اور اس سے مانوس ہو جاتی ہیں۔

اور پھر جب انسان میں یہ نور عقل روشن ہو کر اپنے کمال کو پہونچ جاتا ہے (یعنی وہ عاقل بالغ ہو جاتا ہے) تو حق تعالیٰ کی جانب سے اسکو شیطان کی مخالفت کا اور اپنی ان دونوں قوتوں کو حدِ اعتدال پر رکھنے کا مکلف قرار دیا جاتا ہے (یعنی اب یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ) ان دونوں کو شرع اور عقل کی ماتحتی اور نگرانی میں رکھے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کر سکیں اور اسطرح سے ہو جائیں جیسے سکھایا ہوا کتا ہوتا ہے کہ جب مالک ہی اسکو شکار پر چھوڑتا ہے تو وہ اسپر حملہ کرتا ہے ورنہ (باوجود تقاضائے شکار کے) نہایت شائستگی کیساتھ ٹھہرا رہتا ہے۔ انسان کا یہی معرکۂ جہادِ اکبر کہلاتا ہے۔

اب اگر اس نے شرع کے بتلائے ہوئے طریقے سے اپنے نفس کا معالجہ کیا اور طبیب روحانی کے ارشاد فرمودہ تدابیر کا استعمال کیا مثلاً کم کھانے اور کم پینے کو اپنا معمول بنالیا تاکہ شیطان جو کہ اسکو شہوت اور غضب پر آمادہ کرتا ہے قلب میں اس کے داخلے کا راستہ مسدود ہو جائے یا مثلاً اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کیا اور تیقظ کے پہرہ داروں کو قلب کے شہر پر مقرر کر کے اس کو شیطان کے مکاید اور تلبیسات سے محفوظ رکھا تو اس سے ملکوتی لشکر کو غلبہ ہوگا اور وہ اس کے قلب کے شہر میں قرار پذیر ہو جائے گا۔ اور شیطان کا یہاں گذر نہ ہوگا۔ بجز ایسے کہ جیسے کوئی اُچکا کہیں سے کچھ اُچکتا ہوا گذر جائے (یعنی وہ صرف وسوسہ ڈالنے کے لئے آسکتا ہے بس) توجب وہ وسوسہ ڈالے گا یہ شخص

وسوس لہ ذکر اللہ فخنس وانصرف ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطن تذکروا فاذا ھم مبصرون۔

وعند الفراغ من ھذہ المحاربۃ الشدیدۃ مع العدو الاکبر یلتفت الطبیب الروحی لتنظیف القلب من آثار اللعین وتھذیب الاخلاق علی

ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ شیطان وہاں سے ہٹ جائیگا اور چلدیگا دیکھو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب انکو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک انکی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

اور جب انسان اپنے عدو اکبر کی اس جنگ عظیم (یعنی جہاد اکبر) سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر طبیب روحانی اسکی جانب متوجہ ہوتا ہے تاکہ اس کے قلب کو شیطان لعین کے بقایا آثار سے بھی پاک وصاف کردے اور عمدہ نہج پر اس کے اخلاق کو سنوار دے اور اس کے قلب کو ان اسباب سے محفوظ رکھے جن سے

(قولہ ذکر اللہ الخ) بعض محققین نے فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ میں ذکر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی وعید اور اس کے عقاب کو یاد کیا اور اس بات کو یاد کیا کہ شیطان بُری ہی باتوں کا حکم کرتا ہے تو جب شیطان اسکو انواع معاصی میں سے کسی شے کا (مثلاً زنا کا) وسوسہ ڈالیگا تو اسوقت حق تعالیٰ کے اس عقاب و سزا کو یاد کریگا جو اللہ تعالیٰ نے زنا کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ پس اسکی وجہ سے شیطان اس کے پاس سے بھاگ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس سے یہ تو کہہ نہیں سکتا کہ زناکاروں کو کچھ عذاب ہی نہ ہوگا اسلئے کہ جانتا ہے کہ یہ مومن ہے اس پر تو اسکا ایمان ہے اور اسکی تصدیق کرتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ابھی کر بھی لو بعد میں توبہ کر لینا کیونکہ جانتا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا بھی ہے لہذا شیطان کے بہکاوے میں ہرگز نہ آویگا۔ ہاں جو شخص متقی ہی نہ ہوگا وہ ایسا نہ کر سکے گا اور شیطان اسکو اپنے دھوکے بازیوں میں پھنسائے گا اور جھوٹی جھوٹی آرزوؤں میں اسکو لگائے رکھے گا۔ یہی راز ہے جو اسکو متقین کی قید سے مقید کیا گیا ہے۔ انتہی ۱۲ منہ

(قولہ الشدیدۃ الخ) یہ قید ضروری ہے اس لئے کہ مجاہدات حقیقۃً تو موت سے پہلے ختم ہونے والے نہیں ہیں کیونکہ شیطان قلب مومن میں (کچھ اور نہ ہی تو) وسوسہ ہی ڈالنے سے تو باز آتا نہیں۔ اور یہی حال نفس کا بھی ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے گا انسان کی ہلاکت میں سعی ہی کرتا رہے گا کیونکہ وہ تو ایک ڈس لینے والا سانپ ہی ہے۔ لہذا ان دونوں یعنی نفس اور شیطان کی طرف سے غافل کبھی نہیں ہونا چاہیئے (لطیفہ اس جملہ میں یہ ہے کہ حیّۃ لفظ مشترک ہے بمعنی زندہ اور سانپ اسی طرح سے تسعیٰ کے معنی کوشش کرنے کے بھی ہیں اور ڈسنے کے بھی ہیں۔ پس حیّۃ تسعیٰ ہی کے دو مطلب ہوئے۔ ایک یہ کہ (نفس جب تک) زندہ ہے (ہلاکت میں) سعی کرتا ہی رہے گا۔ دوسرا مطلب یہ کہ یہ سانپ ہے جو ڈس لے گا۔ وقیل فی ھذا المعنی ؎

نفس کا مار سخت جان دیکھ ابھی مرا نہیں
غافل ادھر ہوا نہیں اس نے ادھر ڈسا نہیں

(ازمترجم ۱۲)

النہج المستقیم وحمایۃ القلب من الاسباب المہیجۃ للامراض المعنویۃ من کثرۃ الطعام والشراب والاختلاط مع اھل الغفلۃ المنہمکین علی حب الدنیا۔

امراض باطنی پیدا ہوتے ہیں مثلاً (ایک سبب) کھانے پینے کی کثرت ہے اور (ایک سبب) ان اہل غفلت کے ساتھ اختلاط ہے جو کہ حبِّ دنیا میں (شب و روز) منہمک رہتے ہیں۔

والحمیۃ المذکورۃ ھی المشار الیہا بارکان الطریق الاربعۃ وھی الجوع والسھر والصمت والاعتزال۔

اور قلب کا یہی تحفظ جس کا ذکر اوپر آیا ہے طریق میں ارکانِ اربعہ کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی قلتِ طعام۔ قلتِ منام۔ قلتِ کلام اور قلتِ اختلاط مع الانام (بعنوان دیگر) بھوکا رہنا۔ شب بیداری۔ خاموشی۔ اور خلوت گزینی۔

وان اھمل نفسہ فلم یداوھا بما ذکر وتمادیٰ علی الاسترسال مع الشھوات ودواعیھا صارت مدینۃ القلب عشاً للشیاطین وصار الملک لایمر بھا الا الماماً۔ والنغمر نور العقل[ف] الدینی بدخان المعاصی حتی صار مغلوباً لا ینتفع بہ۔

اور اگر انسان نے اپنے نفس کو یونہی مہمل رکھا (یعنی) مذکورہ بالا طریق سے اسکا معالجہ نہ کیا اور اس طور سے شہوات اور اسکے مقدمات و لوازمات میں اسے ڈھیل دیئے ہوئے اس پر ایک طویل زمانہ گذر گیا۔ تب تو اس کے قلب کا شہر شیاطین کا آشیانہ ہی بن جائے گا۔ اور اب ملک یعنی فرشتے کا یہاں گذر نہ ہوسکے مگر بس رواروی کے طور پر اور دینی عقل کا نور[ف] معاصی کے دھوئیں میں مستور ہوجائے گا اور ایسا ماند پڑے گا کہ اس سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہوگا۔

واکثر القلوب وقد فتحتھا الشیاطین فامتلئت بالوساوس الداعیۃ الی ایثار العاجلۃ واطراح الآخرۃ۔ ولایمکن فتحھا بعد ذلک الا باخلائھا عن قوۃ الشیطان الذی ھو الشھوات

چنانچہ (معلوم و مشاہد ہے) کہ بہتیرے قلوب ایسے ہیں کہ شیاطین کا ان پر تسلط تام ہوگیا ہے اور وہ ایسے ایسے وساوس ردیہ سے بھر گئے ہیں جن کا تقاضا ہی یہ ہوتا ہے کہ انسان دنیا کو آخرت پر ترجیح دے اور آخرت کو پس پشت ڈالدے۔ پھر اس حالت پر (پہونچنے) کے بعد ان قلوب پر قابو پانا بجز اس کے ممکن ہی نہیں کہ اسکو شیاطین

قولہ وانغمر نور العقل[ف] اس مرتبہ میں پہونچکر انسان پر سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ اس لئے کہ معاصی کفر کے قاصد (اور اس کا مقدمہ) ہوا کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

وعمارتها بذكر الله تعالى وحمل
النفس على التقوى والتأدب
بآداب الشريعة وكيفية هذه
المجاهدة موقوفة على المرشد
الكامل الذي وصفناه لك +

ثم اعلم ان ضبط قوتي الشهوة
والغضب على ما يقتضيه الشرع و
العقل هو حسن الخلق المحمود و
عكسه هو سوء الخلق المذموم و
ذلك لانه ينشأ عن ضبط قوة
الشهوة على الحد المذكور العفة
والقناعة والزهد والورع والحياء
والظرف وامثالها من الصفات
الشريفة +

وينشأ عن ضبط قوة الغضب
وردها الى حد المذكور الشجاعة
والكرم والنجدة والصبر والحلم والعفو
والاحتمال ونحوها من الصفات
الحميدة +

كما ينشأ عن عدم الانضباط
القوتين المذكورتين عكس الصفات
المذكورة فينشأ عن عدم انضباط
قوة الشهوة الشره والتبذير والتقتير
والحرص والملق والحسد والحقد
والشماتة وغيرها من الصفات

کے پنجے سے (جس کا دوسرا نام) شہوت ہے، رہائی دلائی جائے اور ذکر اللہ کے ذریعہ اسکو معمور کیا جائے اور نفس کو تقویٰ وطہارت پر آمادہ کیا جائے اور شریعت کے آداب کے ساتھ اسکو مؤدب بنایا جائے۔ اور اس مجاہدہ کی کیفیت (یعنی اس راہ کا سلوک) موقوف ہے مرشد کامل (کی رہبری) پر جسکی صفات ہم تم سے سابقاً بیان کر آئے ہیں۔

پھر یہ سمجھو کہ (انسان کا انفس) دونوں قوتوں یعنی شہوت اور غضب کو ضبط کرنا اور شرع وعقل کے تقاضے کے مطابق انکو استعمال۔ کرنا ہی حسن خلق اور خلق محمود کہلاتا ہے اور اس کے برعکس صورت ہو تو اس کا نام سوء خلق اور خلق مذموم ہے اور یہ اس لئے کہ مذکورہ بالا طریقہ سے قوت شہوت کے انضباط سے عفت۔ قناعت زہد۔ ورع۔ حیا اور ذہانت و دانائی اور ان کے مانند اور بہت سی صفات حسنہ انسان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ (پس ایک ضبط شہوت ان تمام صفات شریفہ کی اصل ٹھہری)

اسی طرح سے قوت غضب کے انضباط اور اسکو بھی عقل و شرع کے تقاضے کے مطابق استعمال میں لانے سے آدمی میں شجاعت (یعنی بہادری) کرم (سخاوت)، دلیری۔ صبر۔ حلم۔ عفو درگذر۔ اور برداشت اور ان جیسی بہت سی دوسری صفات حمیدہ پیدا ہو جاتی ہیں (پس ایک غضب کا ضبط اتنی صفات کے حصول کا سبب بنا)

(اور جس طرح یہ ہے) اسیطرح سے ان دونوں مذکورہ بالا قوتوں کے عدم انضباط سے انکی ضد (جو صفات ہیں وہ) انسان میں پیدا ہوجاتی ہے چنانچہ قوت شہوت کے ضبط میں نہ لانے سے انسان میں لالچ۔ فضول خرچی۔ بخل۔ حرص۔ چاپلوسی۔ حسد۔ کینہ اور بغض وعداوت اور ان ہی جیسے بہت سے اخلاق رذیلہ پیدا ہوجاتے ہیں۔
(پس ایک رذیلہ یعنی عدم ضبط شہوت کتنے رذائل کا

المذمومة ۔

سبب بن گیا)

وينشأ عن عدم انضباط قوة الغضب صفة التهور والاستشاطة والتكبر والاستهزاء والاستخفاف بالناس وتحقيرهم وشهوة الظلم وغيرها من الصفات الردية ۔

اسی طرح سے قوت غضب کے عدم انضباط سے آدمی میں زیادتی غصہ۔ ظلم۔ تکبر۔ تمسخر۔ لوگوں کو اپنے سے کمتر سمجھ کر ان کی ہنسی اڑانا اور ان کی تحقیر کرنا۔ اور دوسروں پر ظلم و زیادتی کرنے کا داعیہ اور اسی طرح کے بہت سے دوسرے رذائل پیدا ہوجاتے ہیں۔

وينشأ عن طاعة الشيطان بالاسترسال على مقتضى طبع القوتين المذكورتين الصفات الشيطانية من المكر والخداع والاحتيال والدهاء والغش والتلبيس و ماشاكلها من الصفات القبيحة

اور پھر ان دونوں قوتوں کے تقاضوں میں نفس کو خوب اچھی طرح سے ڈھیل دینے میں شیطان کی اطاعت کر لینے سے انسان میں صفات شیطانیہ پیدا ہوجاتی ہیں مثلاً مکر۔ خداع۔ حیلہ سازی۔ چالبازی۔ دھوکادہی۔ تلبیس اور اسی طرح اور بہت سی صفات قبیحہ (غرض کہ یہ ہر سہ اصل بے شمار فروع پر مشتمل ہے)

وتلك الصفات هي السموم القاتلة وهي التي تنقلب في القبر حيات وعقارب على ماقاله الامام الغزالي رحمة الله تعالى عليه ۔

اور ان صفات بد کا حال یہ ہے کہ یہ سم قاتل ہیں بلکہ یہی سب وہ چیزیں ہیں جو بقول حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قبر میں سانپ۔ بچھو کی شکل اختیار کرلیں گی۔

والعبد يكون بذلك ظالما لنفسه من جهة أخرى وهي انه استعمل تلك اللطيفة الشريفة المستحقة للامارة في خدمة هؤلاء الثلاثة الاخساء اعني الشهوة والغضب والشيطان فلاجرم يظلم بذلك قلبه ويقسو حتى يصير بحيث لا تنفع فيه الموعظة ولا تدخله الحكمة

اور انسان ان رذائل کے ساتھ متصف ہونے میں اپنے نفس پر ایک اور طرح سے بھی ظلم کرنے کا مرتکب ہوتا ہے وہ یہ کہ اس شخص نے اپنے اس شریف لطیفہ (یعنی قلب) کو جو کہ حاکم اور امیر بنائے جانے کا مستحق تھا۔ ان تینوں خسیس اور رذیل چیزوں یعنی شہوت۔ غضب اور شیطان کا خدمتگار اور غلام بنادیا۔ اب ظاہر ہے کہ اسکی وجہ سے وہ اپنے قلب پر ظلم ہی کرنے والا ہوگا (کیونکہ اس نے حاکم کو محکوم اور تابع کو متبوع بنادیا اسی کا نام تو ظلم ہے) اور اس کی وجہ سے اس کا قلب ایسا قاسی ہوجاتا ہے کہ پھر نہ تو کوئی نصیحت ہی

وهذا هو الطابع فهو ظلم كبير من حيث استخدام الملك الرئيس في طاعة خنزير الشهوة وسبع الغضب والعدو الاعظم الشيطان الرجيم فقد عكس الامر وغيّر خلق الله تعالى فان اللطيفة المذكورة هي الملك والاعضاء مسخرة تحت امره كما تقدم فيصلح صلاحها وبفساده فسادها قال صلى الله عليه وسلم ان في الجسد مضغةً اذا صلحت صلح لها الجسد كله واذا فسدت فسد لها الجسد الا وهي القلب + انتهى

ولو استعمل تلك اللطيفة في منصبها اللائق بها من الامارة على جند البدن ولم يقهرها تحت امر من ذكر لكانت تتصف بجملة من الصفات العلية كالعلم والحكمة واليقين والاحاطة بحقائق الاشياء ومعرفة الامور على ما هي عليه واستحقاق التقدم على الخلق لكمال العلم وقوة البصيرة +

اس پر کارگر ہوتی ہے اور نہ کوئی حکمت کی بات ہی اس کے فہم میں سماتی ہے یہی (وہ درجہ ہے جو) طبع کہلاتا ہے اور بلاشبہہ یہ بہت ہی بڑا ظلم ہے اس لئے کہ یہ ایسا ہے کہ گویا اس نے بادشاہ کو جس کا حق سردار ہونا تھا۔ شہوت کے خنزیر اور غصہ کے درندے اور عدو اعظم یعنی شیطان مردود کی خدمت میں لگا دیا اور (مالک کو مملوک بنا کر) قلب موضوع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے خلق میں تغیر کر دیا ۔ اس لئے کہ یہ لطیفہ مذکورہ مانند حاکم اور بادشاہ کے ہے اور دیگر تمام اعضا، اس کے ماتحت اور تابع فرمان ہیں جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے۔ لہذا اس سلطان کی صلاح سے ان ماتحتوں کی صلاح وابستہ ہے اور اسی کے فساد سے ان سب کا فساد متعلق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بلاشبہہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کہ جب وہ درست رہتا ہے تو اسکی وجہ سے سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ سن لو کہ وہ ٹکڑا قلب ہے۔

چنانچہ اگر انسان نے اس لطیفہ کو اس کا حقیقی منصب جو اسکے شایان شان ہے دیکر اس سے کام لیا یعنی یہ کہ لشکر بدن پر اس کو حاکم اور امیر بنا کر رکھا اور مذکورہ بالا چیزوں (یعنی شہوت۔ غضب اور نفس) کے حکموں کا زیر نگیں اس کو نہیں کر دیا تو وہ بہت سی دوسری اعلیٰ صفات سے متصف ہو جائیگا۔ مثلاً علم۔ حکمت۔ یقین، حقائق اشیاء کا احاطہ جملہ امور کی نفس الامری معرفت۔ اور اپنے کمال علم اور قوت بصیرت کی وجہ سے تمام مخلوقات پر استحقاق برتری وغیرہ (یہ تمام چیزیں اس کو حاصل ہو جائیں گی۔)

(تنبیہ) جمیع الصفات الحمیدۃ فی الحد الوسط بین طرفی الافراط والتفریط ؎

بین تبذیر وبخل رتبۃٌ

وکلا الحالین ان زاد قتل

وجمیع الصفات المذمومۃ فی الطرفین المکتنفین للحد المذکور۔ وذلک ان القوۃ الغضبیۃ اذا اعتدلت کانت شجاعۃ محمودۃً واذا طغت کانت تھوراً مذموماً واذا ضعفت کانت ذلۃ ومھانۃ مذمومتین + وھکذا قوۃ الشھوۃ اذا اعتدلت کانت عفۃً واذا طغت کانت شرھاً مذموماً واذا ضعفت کانت جموداً مذموماً + کلا طرفی قصد الامور ذمیمٌ +

ولھذا المعنیٰ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطاً مستقیماً وخط عن یمین ذلک الخط وعن یسارہ خطوطاً واخبر ان علی کل واحد من تلک الخطوط شیطاناً یدعو الیہ والخط المستقیم ھو ما کان علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصحابہ فالاعتدال ھو المطلوب فی جمیع الامور حتی فی العبادۃ التی ھی خیر محض +

(تنبیہ) یاد رکھو کہ یہ جتنی بھی صفات حمیدہ ہیں وہ سب کی سب ایک وسط اور درمیانی درجہ کی چیز ہے یعنی اس کے ایک جانب افراط ہے تو دوسری جانب تفریط ہے۔ (جیسا کہ کہا گیا ہے کہ) ؎

اسراف اور بخل (ان دونوں) کے درمیان میں ایک مرتبہ حسن ہے (جسکا نام کرم ہے)

اور یہ دونوں درجے اگر حد سے تجاوز کر جائیں تو بس سمجھ لو کہ مہلک ہی ہیں۔

اور یہی حال تمام صفات مذمومہ کا بھی ہے کہ ان میں بھی ایک درجہ وسط کا ہے جو کہ ایک جانب افراط سے اور دوسری جانب تفریط سے گھرا ہوا ہے۔ اور یہ اسلئے کہ مثلاً قوۃ غضبیہ ہی ہے جب اسمیں اعتدال پیدا ہو جائے اور وہ افراط و تفریط سے خالی ہو جائے تو اس صفت کا نام شجاعت ہے جو کہ محمود ہے اور جب یہی صفت طغیان پر آجائے تو اس کا نام تہور ہے جو بری صفت ہے۔ اور اگر یہ بہت ہی ضعیف ہو جائے تو اس کا نام ذلت و رسوائی ہے جنکا قبیح ہونا معلوم ہے۔ ٹھیک اسیطرح شہوت کو بھی سمجھو کہ جب اعتدال اور میانہ روی پر ہو تو اس کا نام عفت ہے لیکن جب اس میں طغیان آجائے تو اس کے اثرات نہایت ہی بد سے بدتر ظاہر ہونگے۔ اور اگر یہ صفت بالکل ہی مضمحل اور کمزور ہو جائے تو اسکی وجہ سے انسان میں جمود اور تعطل پیدا ہو جائیگا جو کہ بہت ہی برا ہے۔ حاصل یہ کہ قصد اور میانہ روی کی دونوں طرفین مذموم ہیں

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خط مستقیم کھینچا اور پھر اس کے دائیں اور بائیں دونوں جانب چند خطوط کھینچے اور یہ فرمایا (کہ دیکھو) ان خطوط پر ایک ایک شیطان رہتا ہے۔ جو لوگوں کو اپنی جانب دعوت دیتا ہے۔

اور خط مستقیم (جو کہ وسط میں ہے) وہی آپ کا اور آپ کے اصحاب کا راستہ ہے۔ پس اعتدال تو تمام ہی چیزوں میں مطلوب ہے۔ یہاں تک کہ عبادۃ میں بھی جو کہ سراپا خیر ہی خیر ہے۔

فقد امر صلی اللہ علیہ وسلم بالاقتصاد فیہا فقال خذ وامن العمل ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا بل الاعتدال ھو الصراط المستقیم فی الدنیا المامور بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقولہ تعالیٰ فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وبقدر استقامۃ المؤمن علیہ فی الدنیا یکون سرعۃ مرورہ علی الصراط فی الاخرۃ۔

وبالحقیقۃ ان الصراط المستقیم بالمعنی المذکور ادق من الشعر واحد من السیف اذ الحد الوسط بین طرفی الافراط والتفریط دقیق جداً ولم یبلغ کمال الاعتدال علیہ سوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی ادبہ ربہ فاحسن تادیبہ واثنیٰ علیہ بقولہ تعالیٰ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ہ

والناس بعدہٗ متفاوتون فی ذلک وکل من قرب منہ فی ھذہ الاخلاق فھو قریب من اللہ تعالیٰ بقدر قربہ منہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقد صرحوا بان التصوف

(دیکھو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتصاد فی العبادۃ یعنی عبادت میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ — اعمال میں سے بس اسی قدر کو اختیار کرو جس کے (علی الدوام) کرنیکی تم طاقت رکھتے ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ملول نہیں ہوتے یہاں تک کہ تم ہی نہ ملول ہو جاؤ (بلکہ اور ترقی کرکے کہا جا سکتا ہے کہ) دنیا میں یہ اعتدال ہی وہ صراط مستقیم ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں امر فرمایا گیا ہے کہ فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ چنانچہ جس قدر مومن دنیا میں (صراط مستقیم) پر استقامت کریگا اسی کے بقدر آخرت میں پل صراط پر وہ تیزی کے ساتھ گذرے گا۔

(اور درحقیقت (یہ دنیوی) صراط مستقیم (چونکہ افراط و تفریط سے پاک اور ہوائے نفس کے خلاف ہونیکی وجہ سے نفس پر شاق ہے اسی وجہ سے آخرت کے صراط کی طرح یہ بھی) بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے کیونکہ افراط و تفریط کے مابین جو درجہ حد اوسط کا ہے وہ بہت زیادہ شاق اور دقیق ہوتا ہے چنانچہ (اخلاق کے باب میں تو) کمال اعتدال کو سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی دوسرا پہونچا ہی نہیں جن کی شان یہ ہے کہ ان کے رب نے انھیں ادب سکھلایا اور سبحان اللہ کیسا کچھ ادب سکھلایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا فرمائی کہ وانک لعلیٰ خلق عظیم۔

اور پھر آپ کے بعد لوگ اس بارے میں مختلف ہوئے ہیں چنانچہ جو شخص بھی کہ ان اخلاق میں آپ سے جتنا قریب ہوا اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ سے بھی قریب ہوا۔ اور علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ تصوف[ف] نام ہی ہے اخلاق کا پس جو شخص تم سے اخلاق میں بڑھا ہوا ہے وہ گویا تم سے تصوف میں بڑھا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے

ف (قولہ التصوف اخلاق) بعض حضرات نے تصوف کی یہی تعریف بیی کی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ شریعت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریرات کا نام ہے۔ اور طریقت آپ کے اخلاق کا نام ہے (یہی تصوف بھی کہلاتا ہے)، اور حقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال یعنی آپ کے مشاہدات اور وجدنیات کا نام ہے۔ انتہی کلامہ ۱۲ منہ۔

اخلاق فمن زاد بالاخلاق زاد علیك فی التصوف قال صلی اللہ علیہ وسلم بعثت لاتمم مکارم الاخلاق +

ہیں کہ میں مکارم اخلاق ہی کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

(وَصْلٌ) وحیث ذکرنا لك ان مجاهدة النفس موقوفة علی المرشد الکامل + فلنبیّن لك وجه ذلك حتی لا یغرك الشیطان بقوله لاحاجة للمرشد فان الحرام بیّنٌ والحلال بین وانت مکلف بفعل الطاعات وترك المحرمات وقد قال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ترکتکم علی بیضاء نقیة لیلها کنهارها +

اور جیسا کہ ہم تم سے بیان کر آئے ہیں نفس کے ساتھ مجاہدہ کرنا یہ موقوف ہے۔ کسی مرشد کامل (سے تعلق) پر۔ سو اب تم سے اسکی وجہ بھی بیان کرتے ہیں (سنو) تاکہ تم کو شیطان اس فریب میں نہ مبتلا کر دے کہ (دین پر چلنے کے لئے) مرشد کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ حرام بھی واضح ہے اور حلال بھی معلوم ہی ہے اور تم (حق تعالیٰ کی جانب سے) بس اس کے مکلف کئے گئے ہو کہ اسکی طاعات کو بجالاؤ اور اس کے محرمات و ممنوعات سے اجتناب کرو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! میں تم کو ایک ایسے روشن اور واضح طریق پر چھوڑے جاتا ہوں جس کی رات بھی مانند دن کے روشن ہے۔

وأما اخلاق المذمومة کالکبر والعجب والشحناء ونحوها فانت تجاهد نفسك بعدم العمل علی مقتضاها واذا اردت زوالها من القلب بالمرة فطریق ذالك معلوم من کتاب الاحیاء للغزالی ونحوه من الکتب ولیس قصد اللعین بذلك الا ان تسلك بنفسك

رہے اخلاق مذمومہ جیسے کبر۔ عجب اور کینہ وغیرہ تو اسکے لئے بھی تم خود ہی مجاہدہ کر لو۔ یعنی ان رذائل کے تقاضے پر عمل نہ کرو۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ ان رذائل کے مادّے کو بیخ و بُن سے اپنے قلب میں سے نکال پھینکو تو (اس کے لئے بھی مرشد کی کچھ ضرورت نہیں ہے) اس کا طریقہ امام غزالی کی احیاء العلوم میں یا اسی طرح کی دیگر کتب قوم میں مذکور ہے اس میں سے دیکھ دیکھ کر اس کے مطابق اصلاح کر سکتے ہو — پس شیطان جب اس قسم کے خیالات تمہارے قلب میں ڈالے تو سمجھ لو کہ اُس

ف (افادہ) ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جنھیں شیطان نے یہی وسوسہ ڈالا اور وہ اسکے چکمے میں بھی آگئے اور کہنے لگے کہ شیخ کی حاجت نہیں ہے۔ تصوف کی کتاب بس کافی ہے اور لطف یہ کہ دنیوی امور میں یہ لوگ یہ نہیں کہتے اور نہ شیطان ہی ان کو یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ طب کی کتابیں کافی ہیں اور اردو میں موجود ہیں بس انھیں کو دیکھ کر علاج کر لو طبیب کے پاس جانیکی ضرورت نہیں ہے۔ خود چاہے یہ لوگ اناڑی ہوں اور طبیب ماہر ہو تب بھی کتابیں کافی ہیں؟ اس جہالت اور سوء فہمی کا کیا علاج؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

فیلقیك في مهواة لا تتخلص منها ابداً +

فنقول وباللہ التوفیق اجمع العارفون علی انہ لا یمکن سلوك طریق القوم من دون المرشد (قال) سیدی عبدالقادر جیلانی من لا یری المفلح لا یفلح واستدل علی ذلك بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من استغنی برایہ ضل وبقولہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم المؤمن مرآۃ المؤمن وقال السبب لابد منہ کان اللہ تعالی قادراً علی ان یھدی الیہ بلا انبیاء وحض رضی اللہ تعالی عنہ علی طلب المرشد حضاً شدیداً فقال کل واحد منکم اذا جنہ اللیل فلیقم ولیتوضاء ولیصل رکعتین ویقول یارب دلنی علی عبد من عبادك الصالحین المقربین حتی یدلنی علیك ویعرفنی طریقك انتھی نقل ذلك عنہ فی کتاب الفتح الربانی والفیض الرحمانی +

وقال الشعرانی فی المنن بعد ذکر من اجتمع علیہ من مشائخ الطریق وما فتح اللہ بہ علی ایدیھم فعلمت وتحققت

مردود کا مقصد اس سے صرف یہ ہے کہ تم کو کسی ایسے کھڈ (غار) میں لا پھینکے جہاں سے کہ پھر تا ابد تم خلاصی ہی نہ پا سکو۔

اب ہم اس کے بعد بیان کرتے ہیں (اور اس باب میں بھی اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق طلب کرتے ہیں) کہ تمام عارفین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صوفیہ کے طریق پر چلنا بدون کسی مرشد (کی رہنمائی) کے ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ سیدی حضرت عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی مفلح کو نہیں دیکھا وہ کبھی فلاح نہ پائیگا اور اپنے اس قول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال فرمایا کہ جو شخص صرف اپنی رائے کو لیکر (دوسرے سے) مستغنی ہو گیا وہ گمراہ ہوا۔ نیز اس حدیث سے بھی استدلال فرمایا ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔

اور یہ فرمایا کہ (دنیا عالم اسباب ہے اسلئے یہاں ہر شے کے لئے) سبب کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ تو اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر تھے کہ بدون توسط انبیاء علیہم السلام کے اپنی جانب لوگوں کو ہدایت فرمادیتے یہ بیان کرکے پھر حضرت رضؓ نے شیخ کی ضرورت اور اسکے طلب پر خوب ہی خوب ابھارا ہے اور اس کا طریقہ یہ بیان فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر شخص (یہ کرے کہ) جب رات کا کچھ حصہ گذر جائے تو اٹھے۔ اور اٹھکر وضو کرے اور پھر دو رکعت نماز پڑھے اور پھر یوں دعا کرے کہ اے رب اپنے مقربین اور صالحین بندوں میں سے کسی ایسے بندہ کی جانب میری رہنمائی فرما دیجئے جو آپ سے مجھے ملادے اور آپ کا طریق مجھے بتلادے۔ انتہی۔ یہ طریقہ دعا حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہٗ سے ان کی کتاب الفتح الربانی والفیض الرحمانی میں منقول ہے۔

اور علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المنن میں اپنے ان مشائخ طریق کا ذکر کرنے کے بعد جن کی صحبت سے وہ مستفید ہوئے اور ان کی برکات کے بیان کے بعد لکھا ہے کہ میں نے تو خوب اچھی طرح سے اور تحقیق کے ساتھ اس بات کو سمجھ لیا ہے کہ انسان اگرچہ

ان الانسان ولو بلغ فی العلم الغایۃ فلا بُدّ لہ من شیخ عارفٍ فی طریق العمل بہ کما وقع للامام الغزالی والشیخ عزالدین بن عبد السلام والیافعی وغیرھم انتھی ای لان العلم بدیر الاکسیر لا یغنی عن العمل علی العیان واذا کانت الامراض

وہ علم میں کتنے ہی بڑے مرتبہ کو کیوں نہ پہونچ جائے طریق عمل میں دستگیری اور رہنمائی کے لئے اس کو شیخ عارف کامل کی ضرورت یقینی ہے۔ جیساکہ امام غزالی۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام اور علامہ یافعی وغیرہ وغیرہ جیسے ارباب علم و فضل کو بھی بالآخر اس کی ضرورت محسوس ہی ہوئی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دیکھو اکسیر بنانے کی محض ترکیب جان لینے سے تو کیمیا بن نہ جائے گی۔ بلکہ اس کے لئے تو کچھ خاص عمل بھی کرنا ہی ہوگا۔

(افادہ) میں کہتا ہوں کہ دین کیلئے علاوہ کتابوں کے کسی بزرگ کی ضرورت اسلئے بھی پڑتی ہے کہ یہ حضرات امور دین کے عملی نمونہ ہوتے ہیں۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بدون نمونہ اور عمل کے ایک چیز سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انزال کتب پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ارسال رسل کا بھی سلسلہ قائم فرما دیا۔ اور امت کو ان حضرات کے طریقہ کے اتباع کا حکم فرمایا۔ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃ" (تم لوگوں کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عملی نمونہ موجود تھا) اور واقعہ بھی یونہی ہے کہ کوئی نمونہ دیکھ کر مشکل سے مشکل چیز کا وجود میں لانا آسان ہو جاتا ہے اور بغیر نمونہ کے آسان سے آسان سی چیز بھی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ دیکھئے آپ درزی کو سینے کیلئے کپڑا دیتے ہیں تو وہ آپ سے نمونہ طلب کرتا ہے اور نمونہ دیکھ کر اسی جیسا بنا دینا اسکے لئے کسقدر سہل ہو جاتا ہے۔ اور اگر بدون نمونہ محض اندازے سے وہ بناوے تو ہو سکتا ہے کہ آپ کو پسند نہ آوے یا آپ کے بدن پر راست نہ آوے۔

چنانچہ حضرت انورشاہ صاحب فرماتے تھے کہ اگر تعامل سلف نہ ہوتا تو پوری نماز تو بجائے خود رہی اسکے ایک رکوع ہی میں اس قدر اختلاف ہوتا کہ کچھ کہنے کو نہیں۔ کوئی کہتا کہ یوں کرنا چاہیئے۔ کوئی کہتا کہ نہیں ایسا ہونا چاہیئے۔ مگر جب تعامل سے منقول چلا آرہا ہے تو اب کوئی اختلاف نہیں۔

دیکھئے آپ کسی پڑھے لکھے شخص کو جو دین سے اجنبی ہو وضو کا طریقہ کتاب سے پڑھا دیجئے اور پھر اس سے وضو کرنے کو کہئے پھر دیکھئے کہ کیسا اناڑی معلوم ہوتا ہے اور کیسی کیسی غلطی کرتا ہے۔ اور وضو کرنے والوں کو دیکھ کر جو وضو کرنا سیکھا جاتا ہے تو وہ اتنا آسان ہوتا ہے کہ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے نہایت عمدگی سے کر لیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ دنیوی امور میں سے طب اور وکالت وغیرہ میں بھی علاوہ کتابی تعلیم کے ایک درجہ عملی مشق اور ماہرین کی صحبت سے استفادہ کا بھی سمجھا جاتا ہے۔ پھر تعجب کی بات ہے کہ دین ہی میں اس کا کیوں انکار کیا جاتا ہے۔

(افادہ) اور ہم نے تو اپنے زمانہ میں مشاہدہ ہی کر لیا ہے کہ بڑے بڑے فضلاء کے موجود ہونے کے باوجود ہمارے دینی ادارے تباہ ہو گئے یہ اسی لئے کہ ان کا تعلق کسی شیخ کامل سے نہیں تھا اسلئے اصلاح و تربیت کا وہاں کچھ چرچا ہی نہ تھا حقیقت کی جگہ رسوم نے لے لی۔ اور علم جسد بے روح ہو کر رہ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

الظاهرية المدلول عليها بالعلامات
المحسوسة من الحرارة والبرودة
لا يفيد استعمال ادويتها المعروفة
الا بمعرفة الطبيب الحاذق الذى
مارس صناعة الطب علماً وعملاً
واذا استعمل المريض الدواء بنفسه
ربما كان سبب هلاكه لان هناك
اموراً اخر تجب مراعاتها من اعتبار
الزمان والمكان ودرجة المرض
وغير ذلك مما يتوقف معرفته
على الطبيب الحاذق فكيف بامراض
القلوب التى هى غيب محض ليس
لها امارات محسوسة واكثر الناس
راضون عن انفسهم يظنون انهم
على الاستقامة المطلوبة كالذى
فى وجهه برص ولا مرأة عنده
يبصر بها وجهه لا يعلم انه ابرص
الا بصير آخر يعلمه بعيبه ويكون
له بمنزلة المرأة بل سلوك
الطريق المحسوسة لا يمكن بدون
دليل خبير الطريق وسار فيها وعرف
اعلامها ومظان الهلاك فيها
ومحل المياه ومحل عدمها والمواطن
المسبعة والمواطن المهولة۔

اور جب کہ امراض بدنیہ میں جن کے لئے کچھ محسوس علامات بھی ہوتی ہیں مثلاً حرارت، برودت، وغیرہ معروف دواؤں کا استعمال بھی بدون کسی ایسے طبیب حاذق کی تجویز کے جو کہ فن طب کا عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں عملی تجربہ بھی رکھتا ہو۔ مفید مناسب نہیں ہوتا چنانچہ اگر مریض کسی مرض میں دوا خود ہی تجویز کر کے اس کا استعمال کرے گا تو بسا اوقات یہی اسکی ہلاکت کا سبب بن جائے گا یہ اس لئے کہ یہاں دوا کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی ہیں جن کی رعایت معالجہ میں ضروری ہوا کرتی ہے مثلاً موسم کا لحاظ جگہ کا خیال درجۂ مرض کی پہچان اور اس کے علاوہ اسی قسم کی اور بہت سی چیزیں جنکو طبیب حاذق ہی سمجھ سکتا ہے (تو جب معالجۂ جسمانی کا یہ حال ہے) تو امراض قلوب کے علاج کی نزاکت کا تو پوچھنا ہی کیا کیونکہ وہ تو سراسر باطنی شے ہے اور ان کیلئے علامات محسوسہ کا ہونا بھی ضروری نہیں۔ مزید یہ کہ اکثر و بیشتر لوگ تو اپنے نفوس سے راضی بھی ہوتے ہیں اور اپنے متعلق اس غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں کہ وہ اسی استقامت پر ہیں جو شرعاً مطلوب ہے ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جسکے چہرے پر برص کے داغ ہوں اور اسکے پاس آئینہ بھی موجود نہ ہو تو اسکو اپنا ابرص ہونا بھی کسی آنکھ والے کے بتلانے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے اور یہی شخص اسکے لئے بمنزلہ آئینہ کے ہو جائے گا (بس یہی حال طریق کا بھی سمجھ لو) بلکہ اسکو یوں سمجھو کہ ظاہری راستہ کا چلنا بھی بدون کسی ایسے رہنما کے ممکن نہیں جو طریق سے باخبر ہو اس میں چلا ہوا ہو نشان راہ سے بھی واقف ہو اور اس میں مواقع ہلاکت اور پانی ملنے نہ ملنے کے مقامات کو بھی جانتا ہو اور اس سے بھی باخبر ہو کہ کن مقامات میں درندے رہتے ہیں اور کون سے مقامات ہولناک ہیں۔

واذا سلك السالك الغمر فيها بنفسه من دون موافقة الدليل كان ضلاله اكثر من هدايته وهلاكه اقرب من نجاته فكيف بهذا الطريق الذي هو غيب محض لا نظر لسالكه ولا قدم ولا قوة وتكثر فيه السراق وقطاع الطريق من زخارف الدنيا والنفس والهوىٰ وشياطين الجن والانس الذين هم اخوان السوء وانما ضل نحو الطبائعين والدهريين واهل التشبيه والتعطيل واهل المبدع والاهواء واهل الاباحة لانفرادهم في السلوك فما قدروا على قطع العقبات والشبهات التي لا يمكن الخلاص منها الا بحماية المرشد الكامل۔

(اگر ان تمام باتوں کی رعایت کئے بغیر) کوئی اناڑی سالک اس میں بطور خود چلے گا اور رہبر کی اتباع نہ کرے گا تو اس کا ضلال اس کی ہدایت سے کہیں زیادہ ہوگا اور بہ نسبت نجات کے اسکی ہلاکت زیادہ قریبی ہوگی (غرض جب ظاہری رستہ پر چلنے کے لئے اتنے سب لوازم ہیں) تو اس طریق کا کیا حال ہوگا جو کہ غیب محض ہے اور غریب سالک کو اس کا نہ علم ہے نہ کچھ تجربہ۔ نہ دم ہے نہ قدم۔ مزید براں یہ کہ یہاں چور اور ڈاکو بھی بکثرت ہیں اور مراد ان سے یہی دنیا کی دلفریب اشیاء ہیں یعنی خود انسان کا نفس اور اس کی بھوئی (خواہشات ۱۲) اور اس کے برے ساتھی خواہ وہ شیاطین الجن میں سے ہوں یا شیاطین الانس میں سے۔ چنانچہ دیکھو یہ علم طبعی والے یا دھریئے یا اہل تشبیہ یا اہل تعطیل اسی طرح سے اہل بدعت۔ اہل ہواء اور اہل اباحت یہ سب کے سب فرقے جو گمراہ ہوئے تو صرف اسی وجہ سے کہ انھوں نے راہ حق تنہا طے کرنے کی کوشش کی (یعنی نبوت کے روشنی کی ضرورت نہ جانی) جس کی وجہ سے ایسے عقبات اور شبہات میں پڑ گئے کہ جن سے نکلنا بدون کسی مرشد کامل کے (عادۃً) ممکن ہی نہیں ہوتا۔

(قولہ وتکثر فیہ السراق) میں کہتا ہوں کہ اس طریق کے چوروں میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو نسبت کی چوری کرتی ہے۔ چنانچہ مجھ کو میرے شیخ نے خود اپنا واقعہ سنایا کہ وہ ایک مرتبہ ملک مصر میں اپنے شیخ سید قصبیؒ کے آگے آگے کہیں کا سفر کر رہے تھے۔ اچانک انکو سامنے سے آتا ہوا ایک شخص نظر پڑا جو جال کا عمامہ سر پر باندھے ہوئے تھا جس سے مچھلی کا شکار کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے بالکل قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اسوقت شیخ موصوف نے (یعنی قصبیؒ نے) اسکی طرف غصہ کی نظر سے دیکھا (اور شیخ کا قاعدہ تھا کہ جب وہ غصہ ہوتے تو انکی آنکھیں غصہ سے بالکل سرخ ہو جاتی تھیں) اور اس سے کہا کیوں میاں صاحبزادے! قصبی ہی کی اولاد کے ساتھ یہ حرکت؟ یہ فرمایا اور انکو اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور ان سے (یعنی میرے شیخ سے) فرمایا کہ دیکھو یہ مصری لوگ حرامی (یعنی ڈاکو) ہیں ان سے بچکر رہنا چاہیئے) اس پر ہمارے شیخ نے عرض کیا کہ حضرت میرے پاس تو کوئی چیز بھی نہیں تھی (وہ چراتے کیا؟) استاذ قصبیؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ مال کی نہیں بلکہ سِرّ کی چوری کرتے ہیں۔ انتہی کلامہ منہ ۱۲

من ذلك ان مرآة القلب اذا صفت يتجلى الروح فيها مجرداً عن الكسوة البشرية ومتصفاً بالصفات الربانية فيجد العبد فى هذا المقام ذوق انا الحق وسبحاني فيظن انه لا مقام فوقه لا لولي ولا لنبي فلو لم يكن له شيخ يبين له المقامات ويكشف له ما فوق هذا المقام ويرغبه فيه ويشوقه اليه والا بقي فى مقام ذلك ابد الآباد ومنه يخاف اليه زوال الايمان والقول بالحلول والاتحاد۔

ولقد ذقت شيئاً من المقام وانا فى سجود الصلاة فلم يمكني ان اقول سبحان ربي الاعلى لاني ارى ذوقاً فى ذلك المشهد ان الله تعالى هو الذي يتكلم على لساني ولا رب له تعالى ولو قلتُ فى ذلك المقام سبحاني لسهل عليّ فلم يسعني الا السكوت الى ان انقضى ذلك المشهد۔

(مثلاً دیکھو) انھیں عقبات میں سے ایک یہ ہے کہ قلب کا آئینہ (ریاضت و مجاہدہ کی وجہ سے) جب شفاف ہو جاتا ہے تو اس میں روح کی تجلی اس طرح سے ہوتی ہے کہ بشریت کا لباس اس سے بالکلیہ جدا ہو جاتا ہے اور خود وہ صفات ربانیہ کے ساتھ متصف ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے بندہ کو اس مقام میں انا الحق اور سبحانی (ما اعظم شانی) کا ذوق ملنے لگتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس سے برتر کوئی مقام ہی نہیں ہے نہ تو کسی ولی کا نہ کسی نبی کا۔ اب اگر اس کا کوئی ایسا شیخ ہو جو اس سے تمام مقامات طریق کو بیان کرے اور اس مقام سے بھی مافوق مقام کو اس کے لئے منکشف کرے اور اس کی جانب رغبت اور شوق دلائے (تب تو اسکی خیر سمجھو) ورنہ یہ شخص اس مقام میں ہمیشہ ہمیش پڑا رہیگا اور یہی وہ عقبہ ہے جسمیں انسان پر سلب ایمان کا خوف کیا جاتا ہے اور اندیشہ اس امر کا ہوتا ہے کہ کہیں وہ حق تعالیٰ کے ساتھ خود کو متحد نہ سمجھ بیٹھے یا اپنی ذات کو ان کی ذات میں حلول کر جانے کا قول نہ کہنے لگ جائے۔ اور مجھے بھی اس مقام کا کچھ تھوڑا سا مزہ اس وقت ملا تھا جبکہ میں (ایک موقع پر) نماز کے سجدہ میں تھا تو اس (کیفیت کے طاری ہونے) کی وجہ سے میں سبحان ربی الاعلی کہنے پر قادر ہی نہ ہو سکا اسلئے کہ میں نے اس مشہد میں اپنی نظر ذوق سے یہ دیکھا کہ گویا اللہ تعالیٰ ہی میری زبان سے تکلم فرما رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کے لئے کوئی رب نہیں ہے۔ لہذا میں اس مقام میں اگر سبحانی کہہ لیتا تو یہ میرے لئے بہت ہی آسان تھا۔ لیکن مجھ سے تو کچھ بولا ہی نہ گیا یہانتک کہ وہ کیفیت مجھ سے زائل ہو گئی۔

وهذا من جملة الامتحان والابتلاء الذي يعرض للسالك ولا يمكنه العبور عنه بدون تصرف الشيخ الكامل۔

اور یہ بھی منجملہ ان امتحانات اور ابتلاآت کے ایک ابتلا اور امتحان ہوتا ہے جو سالک کو طریق میں پیش آتا ہے اور جس کو عبور کر جانا بدون شیخ کامل کے تصرف کے ممکن نہیں۔

بل يعرض للسالك فى هذا الطريق علل وامراض

بلکہ سالک کو اس طریق میں بہت سے علل و امراض پیش آتے ہیں مثلاً طلب اور ارادت کے مزاج

من انحراف مزاج الطلب
والارادة فيحتاج للطبيب
الروحی لازالتها بالادوية
الصالحة ولا ينقطع عن
الطريق۔

وكذلك يظهر للسالك فی
طريقه ما يشير الی الزيادة والنقصان
وصفاء القلب وكدورته والحجب
الدنيوية والاخروية والاحوال
والخواطر الرحمانية والشيطانية
والنفسانية وسائر المعانی الحاصلة
من الوقائع التی لا تعد ولا تحصی
والمبتدی لا معرفة له بها لانها
لسان الغيب لا يعرفه الا اهله
فيحتاج لمن يكون مؤيداً بتائيدات
الهية وعالماً بالتاويلات الغيبية
حتی يعرفه ذلك فلا يكون محروماً
من تلك الاشارات والمعارف ولا
يتعذر عليه معرفة المقامات
ولا مور شتی۔

منها ان السلوك فی الطريق
لا يكون الا بواسطة الذكر وهو لا
يفيد افادة تامة الا اذا اخذه
من تلقين مرشد كامل لسر فی
التلقين يعرفه اهله ولعله

ہی میں فرق کا آجانا۔ تو ان کے ازالہ کے لئے بھی سالک کسی ایسے روحانی طبیب کا محتاج ہوتا ہے جو مناسب دواؤں سے اس کے مرض کو زائل کردے اور اگر ایسا نہ ہو تو آدمی طریق طے کرنے ہی سے رہجائے۔

اسی طرح سے سالک کو اپنے راہ سلوک طے کرنے میں ایسی چیزیں بھی ظاہر ہوتی ہیں جن سے کبھی تو اس کو ترقی معلوم ہوتی ہے اور کبھی نقصان۔ کبھی قلب میں صفائی محسوس ہوتی ہے اور کبھی مکدر رمکدر سا رہتا ہے۔ اور کبھی اس پر حجابات دنیویہ یا اخرویہ پڑے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں اور کبھی احوال یا خواطر ربانیہ یا شیطانیہ یا نفسانیہ ہی قلب میں کھرے معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے تمام وہ اثرات قلب پر مستولی معلوم ہوتے ہیں جو حوادث سے پیدا ہوتے ہیں جن کا نہ کوئی احاطہ ہوتا ہے نہ شمار، اور ایک مبتدی کو تو ان امور کی معرفت تک نہیں ہوتی اسلئے کہ وہ سب حالات لسان الغیب ہوتے ہیں جنکو اہل ہی سمجھ سکتا ہے لہذا ایک ایسی ذات کی طرف احتیاج ہوتی جو تائیدات الہیہ کے ساتھ موید ہو اور غیبی اشارات کو سمجھتا ہو تا کہ اسکو سمجھ سکے اور ان اشارات ومعارف (کے ثمرات) سے محروم نہ رہے نیز یہ کہ معرفت کے مقامات اس پر دشوار نہ ہوں۔ وجہ احتیاج ایک تو یہ ہے جو بیان ہوئی علاوہ ازیں اور بھی چند امور ہیں جنکی وجہ سے مرشد کامل کی احتیاج ہوتی ہے۔

مثلاً ان میں سے ایک یہ ہے کہ طریق کا سلوک بدون ذکر کے توسط کے ممکن نہیں۔ اور ذکر کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کامل طور پر مفید نہیں ہوتا مگر اس وقت جبکہ کسی شیخ کامل کی تلقین سے اسکو حاصل کیا جائے۔ اس لئے کہ تلقین میں کچھ خاص اثرات وبرکات ہیں جنکو اہل طریق ہی سمجھتے ہیں۔ اور

هوالذی اشار الیه فی الذهب الابریز من انه یعطیه الاسم بنوره فیعمل فی تنویر القلب عمله واذا کان الاسم خالیاً عن النور لایکون له ذلک التاثیر حتی انه اذا وقع قرطاس علیه اسم الله تعالیٰ علی الارض سارعت الملائکة لاخذ النور الذی فیه ولولا ذلک لهلک من وطی علیه فی الحال۔

منها ان السالک اذا اسلک بنفسه طال علیه الطریق لان مشیه اضعف من مشی النملة وکل عقبة مسافة کذا وکذا عاماً ویحتاج فی بعض المقامات الی الطیران ولا یمکنه ذلک لانه علی شکل البیضة وهی لا تطیر الا اذا صارت طیراً ولا یصیر طیراً الا بتصرف طیر اخر فیها و هو المرشد الکامل۔

حکی عن ابی بکر الخراسانی من ولایة الجام وکان من مجاذیب الحق تعالیٰ ولکن ماله شیخ معین انه قال بعد ما سرت فی الطریق خمسة واربعین سنة وصلت الی

شاید وہ بتریہ ہو جیسا کہ کتاب "الذہب الابریز" میں اشارۃً بیان فرمایا ہے کہ شیخ اسم (یعنی ذکر) کو مع اس کے نور کے دیتا ہے جسکی وجہ سے وہ تنویر قلب کا کام کرتا ہے اور جب اسم نور سے خالی ہوگا تو اس کے لئے یہ تاثیر نہ ہوگی۔

یہاں تک کہ جب زمین پر کوئی ایسا کاغذ پڑا ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو تو فرشتے اس کے نور کی وجہ سے جو اس میں ہوتا ہے اس کی طرف سبقت کرتے ہیں (اور اس سے نور کو اچک لیتے ہیں) اور اگر کہیں فرشتے اس کے نور کو نہ اٹھالیں تو جس کا پیر اس پر پڑ جائے وہ تو ہلاک ہی ہو جائے۔

اسی طرح ایک وجہ شیخ کی جانب احتیاج کی یہ بھی ہے کہ سالک اگر راہ سلوک تنہا طے کرے گا تو اس کا راستہ طویل ہو جائے گا اس لئے کہ اسکی رفتار چیونٹی کی چال سے بھی سست ہو اور پھر ہر ہر گھاٹی کے طے کرنے میں اسکو سالہا سال کا زمانہ لگ جائے گا یا نتک کہ بعض مقامات کے طے کرنے میں اسکو اڑنے تک کی ضرورت پیش آئے گی اور یہ اس سے ہو نہ سکے گا اس لئے کہ وہ ابھی انڈے ہی کی شکل پر ہے اور انڈا اڑتا نہیں جب تک کہ پرند نہ بنجائے اور وہ پرند اسوقت بنتا ہے کہ جب اس میں کوئی دوسرا پرند تصرف کرے (یعنی اسکو اپنے نیچے رکھکر سیوے) اور یہاں یہ ذات مرشد کامل ہی ہے (پس اسی کی تربیت سے سالک میں سلوک کی روح آسکتی ہے) حضرت ابوبکر خراسانی جو ملک جام کے رہنے والے ایک مجذوب بزرگ تھے مگر ان کے لئے کوئی شیخ معین نہ تھا وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں طریق میں پینتالیس سال تک چکر لگانے کے بعد ایک انتہائی دشوار گذار مقام پر پہنچا (اور ایک ایسی گھاٹی میں الجھ گیا) جس سے

(افادہ) اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ ؎ شیخ نورانی ز رہ آگہ کند ✦ با سخن ہم نور را ہمرہ کند

مقام من صعوبته اجتهدت فيه ظاهراً وباطناً وتحملت مقاساةً شديدةً الى سنتين حتى ان الحق تعالى وفقنى للعبور عنه ثم حكوا هذه القصة للشيخ مجد الدين البغدادى رحمه الله تعالى فقال لا يعرف احد قدر المشائخ ولا يؤدى حقهم فلى بعض المريدين قطعوا المسافة من البداية الى النهاية بسنتين ولما وصلوا الى ذلك المقام عبروا عنه بيوم او يومين

والحاصل ان الشيوخ نُوّاب الله تعالى كالرسل عليهم الصلوٰة والسلام فلهم حفظ الشريعة و حفظ القلوب ومراعاة الآداب و وحظ الشيخوخة من العلم بالله تعالى ان يعرف من الناس موارد حركاتهم ومصادرهم والعلم بالخواطر مذمومها ومحمودها وموضع اللبس الداخل فيها من ظهور الخاطر المذموم فى صورة المحمود ويعرف مالهم وما يعوون عليه من الخير الذى يرضيه تعالى ومن الشر الذى يسخطه و يعرف العلل والادوية ويعرف

نکلنے کے لئے میں نے ہر چند ظاہری و باطنی سب طرح کی کوشش کی (مگر کامیاب نہ ہوسکا) اور (آخر میں) دو سال تک تو نہایت ہی سخت مصائب برداشت کئے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ ہی نے مجھے توفیق بخشی اور (اپنا فضل فرمایا کہ) میں اس کو عبور کر گیا۔ پھر لوگوں نے اس قصہ کو شیخ مجدالدین بغدادیؒ سے بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ (ہاں بھائی سچ ہے) کوئی شخص مشائخ کی قدر نہ تو پہچان ہی سکتا ہے اور نہ ان کے حقوق ہی ادا کر سکتا ہے۔ (اور یہ بھی کہا کہ) میرے بعض مریدین نے طریق کی مسافت کو از ابتداء تا انتہا دو سال میں طے کیا۔ لیکن جب اس مقام پر پہونچے (جسکی صعوبت کا ابوبکر خراسانی نے اُوپر ذکر کیا ہے) تو اسکو ایک دن یا دو دن میں طے کرلیا۔ (یہ اسی لئے کہ شیخ کے زیر تربیت تھے۔

حاصل یہ کہ حضرات مشائخ بھی اللہ تعالیٰ کے نائب ہوتے ہیں جس طرح سے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام (اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں) لہٰذا ان کے ذمہ بھی شریعت کی اور قلوب کی حفاظت ہوتی ہے اور آداب باری تعالیٰ کی کامل رعایت۔ اور کوئی شیخ جو عارف باللہ ہوتا ہے تو اس کے لوازم سے یہ ہے کہ وہ لوگوں کی جملہ حرکات کے موارد اور مصادر کو جانتا ہو۔ نیز خواطر کے معاملہ میں مذموم و محمود کی پہچان رکھتا ہو۔ اور ان میں باہم کبھی جو التباس واقع ہوجاتا ہے یعنی یہ کہ کوئی خاطر (قلبی خیال جو ہوتا تو ہے مذموم مگر بظاہر محمود معلوم ہوتا ہے تو اس کے مواقع اشتباہ اور اس کے مناشی کو سمجھتا ہو۔ اور یہ جانتا ہو کہ ان میں سے کون سالک کے لئے مفید ہے اور ایسے خیر پر مشتمل ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہے اور کون کسی شر کو متضمن ہے جو حق تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اسی طرح سے شیخ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بیماریوں کے اسباب اور ان کے

الازمنة والسنين والامكنة والاغذية وما يصلح المزاج وما يزعجه ويفسده ويعرف الفرق[1] بين الكشف الحقيقي والكشف الخيالي ويعلم التجلي الالهي والتخيل الشيطاني ويعرف التربية كما ذاق ويعرف انتقال المريد من الطفولة الى الشباب الى الكهولة ويعلم متى يترك التحكم في طبيعة المريد ويحكم في عقله ومتى تصدق خواطر المريد ويعلم ما للنفس من الاحكام وما للشيطان من الاحكام والاوهام وما تحت قدرة الشيطان ويعلم الحجب التي تعصم الانسان من القاء الشيطان في قلبه ويعلم ما تكنه نفس المريد مما لا يشعر[2] به المريد ويفرق للمريد اذا فتح عليه في باطنه

دوا علاج سے بھی واقف ہو اور پھر علاج کے سلسلہ میں زمانہ عمر۔ مقام اور غذاؤں سے واقف ہو اور اس بات کو بھی جانتا ہو کہ کس چیز سے مزاج کی اصلاح ہوتی ہے اور کون سے اسکو ابھار دیگی اور اس کو فاسد کر دے گی۔ نیز اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کشف حقیقی اور کشف خیالی کے فرق کو پہچانتا ہو اسی طرح تجلی ربانی اور تخیل شیطانی کو بھی سمجھتا ہو اور اصلاح و تربیت کے فن کو اس طریقہ سے پہچانتا ہو جیسے کہ خود اسکو چکھ چکا ہو۔ اور مریدین کے تطورات زمانی یعنی طفولیت سے شباب اور شباب سے بڑھاپے کی جانب منتقل ہونے کو بھی جانتا ہو (یعنی یہ کہ ہر دور کا حکم جدا ہوا کرتا ہے) اور اسکو جانتا ہو کہ کب مرید کی طبیعت میں حکم کرنا ترک کر دیا جائے اور کب اسکے اندر عقل کی صحت کا حکم لگا دیا جائے نیز یہ کہ کب مریدین کے خواطر صادق ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح شیخ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ جانے کون سے احکام نفس کیجانب سے ہیں اور کون سے احکام یا اوہام شیطان کی جانب سے ہیں۔ اور کن احکام پر شیطان کو قدرت حاصل ہے (اور کن پر نہیں ہے) اسی طرح ان حجابات کو بھی جانتا ہو جو انسان کے قلب میں آکر القائے شیطانی سے اسکو محفوظ کر لیتے ہیں۔ اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہو جنھیں سالکین کے نفوس چھپائے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود سالک کو بھی ان کا

(۱؎ قوله ويعرف الفرق بين الكشف الخ) کتاب الذھب الابریز میں کشف کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک نورانی دوسرے ظلمانی۔ اور ان دونوں میں یہ فرق کیا ہے کہ نورانی وہ ہے جسمیں اشیاء باقیہ میں سے کسی شے پر اطلاع پائی جائے مثلاً جنت یا لوح محفوظ وغیرہ اور ظلمانی یہ ہے کہ اشیاء فانیہ میں سے کسی چیز پر اطلاع ہو جائے کہ لوگوں کے گھر میں کیا کھانا پکا ہے وغیرہ۔ اور یہ قسم تو ریاضت اور مجاہدے سے بھی انسان کو حاصل ہو جاتی ہے اور طریق میں اس کا چنداں اعتبار بھی نہیں ہے اور نہ کوئی کمال ہے بلکہ اہل سلوک تو اس سے پناہ مانگتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ یہ حاصل نہ ہو) اھ منہ ۱۲

(۲؎ قوله لا يشعر به) یہاں تک کہ بعض مریدین کا ہاتھ خلوت کی حالت میں اپنی شرم گاہ پر پڑ گیا تو اس کی وجہ سے اس کی فتوحات موقوف ہوگئیں۔ چنانچہ ان کے شیخ نے کہا کہ تمہاری فتوحات اس لئے موخر ہوگئیں کہ تم نے خلوت میں ایک بار اپنا ہاتھ اپنی شرم گاہ پر رکھ دیا تھا اس پر مرید نے عرض کیا کہ حضرت کو اس کا علم کیسے ہو گیا۔ یہ واقعہ تو بالکل تاریکی میں پیش آیا تھا۔ شیخ نے جواب دیا اگر تمہارے امور مجھ پر مخفی رہتے تو میں تمہیں خلوت میں بیٹھنے کو نہ کہتا۔ انتہی منہ ۱۲۔

بين الفتح الرحمانی والفتح الالٰهی

شعور نہیں ہوتا۔ اور جب مرید کے باطن میں حق تعالیٰ کچھ مفتوح فرمادیں تو شیخ کو لازم ہے کہ وہ اسمیں امتیاز کرے کہ وہ فتح رحمانی ہے یا فتح الٰہی (تاکہ ہر ایک کے ساتھ اسکے مطابق معاملہ کر سکے)

ويعلم بالتوسم اهل الطريق الذين يصلحون والذين لا يصلحون ويعلم التحلية التي تحلی بها نفوس المريدين الذين هم عرائس الحق وهم لهم كالماشطة تزينها فهم ادباء الله عالمون بآداب الحضرة وما تستحقه من الحرمة۔

اور اہل طریق میں سے جو لوگ صالح ہوں اور جو صالح نہ ہوں ان کو پہچانے اور ان میں باہم تمیز کرے اسی طرح سے اس کے لئے اس زیبائش کو بھی جاننا ضروری ہے جس سے مریدین کے نفوس کو جو کہ عرائس الحق (یعنی حق کی دلہن) ہیں آراستہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ حضرات مشائخ ان مریدین کے لئے بمنزلہ اس مشاطہ کے ہیں جو دلہنوں کو سنوارا کرتی ہیں۔ پس یہی حضرات ادباء اللہ ہیں جو کہ دربار شاہی کے آداب اور اس کے کما حقہ احترام سے واقف ہوتے ہیں۔

وبالجملة فالشيخ الكامل هو الجامع بجميع ما يحتاج اليه المريد السالك في حال تربيته وسلوكه وكشفه الى ان يتأهل للمشيخة ومهما نقص شيئاً مما يحتاج اليه المريد فلا يحل له ان يقعد على منصة الشيخوخة واذا تصدى للتسليك والحالة هذه كان ضالاً مضلاً كالطبيب الجاهل يمرض الصحيح ويقتل المريض ويفسد اكثر ما يصلح +

حاصل کلام یہ کہ جو شیخ کامل ہے وہ جامع ہوتا ہے ان تمام چیزوں کا جسکی طرف مرید سالک اپنے تربیت سلوک اور کشف وغیرہ میں محتاج ہوتا ہے اور اس وقت تک محتاج رہتا ہے جب تک کہ وہ خود شیخت کا اہل نہ ہو جائے اور اگر کسی شخص میں کچھ بھی کمی ہو ان چیزوں میں سے جن کی طرف مرید محتاج ہوتا ہے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ مسند شیخوخت پر بیٹھے اور اگر اس نے اس حالت میں لوگوں کی تربیت شروع کردی تو وہ ضال بھی ہے اور مضل بھی اور اس کی مثال جاہل طبیب کی سی ہے کہ وہ اگر لوگوں کا علاج کرے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اچھوں کو بیمار ڈال دے گا اور مریضوں کا تو خاتمہ ہی کردیگا۔ غرض اسکا فساد اسکی اصلاح سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔

فاذا علمت ذلك وكنت طالباً للكمال والتحلي باوصاف الرجال فالواجب عليك اولاً ان تبحث عن المرشد الكامل وتسلم اليه

اب جب کہ تم نے ان امور کو جان لیا اور تمہیں کمال (باطنی) حاصل کرنے کی طلب اور مردان خدا کے اوصاف کے ساتھ اتصاف کا خیال پیدا ہوا تو تمہارے اوپر سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تم کسی مرشد کامل کو تلاش کرو۔

نفسك وتدخل تحت تربيته وهو وان كان لا يخلو عنه زمان الا انه في هذا الزمان وقبله بازمان اعز من الكبريت الاحمر۔ واما غالب مشائخ الزمن فانما يلقنون الذكر بقصد التبرك[1] حتى يدخل المريد في سلسلة القوم ومحبتهم والتسليم والاعتقار لمقالاتهم ولا يجوز[2] لهم التلقين على غير هذا الوجه وكذالك الباس الخرقة وارخاء العذبة انما هو لمحض التبرك بزي القوم ومع هذا فلا يعدون من اتباعهم الا اذا[3] كانوا على طريقتهم

اور خود کو بالکل اس کے حوالہ کردو اور اس کی تعلیم و تربیت میں داخل ہو جاؤ (اور یہ سمجھ لو کہ) یہ شیخ کامل (جو کہ طالبین کی کما حقہ تربیت کر سکے) اگرچہ زمانہ اس کے وجود سے خالی نہیں ہے تاہم اس زمانہ میں بلکہ اب سے بہت پہلے ہی سے اس کا وجود کبریت احمر (کیمیا) سے بھی زیادہ نادر ہو گیا ہے۔ چنانچہ زمانہ حاضر کے اکثر و بیشتر مشائخ اپنے مریدین کو جو ذکر وغیرہ تلقین فرماتے ہیں تو وہ فرمانا بقصد تبرک[1] ہی رہ گیا ہے تاکہ مرید سلسلہ قوم میں داخل ہو جائے اور ان کے محبین اور ان کے ارشادات کے ماننے اور اعتقاد کرنے والوں میں اس کا بھی شمار ہو جائے اور بس۔ اور ان حضرات کے لئے بجز اس جہت کے ذکر کی تلقین جائز[2] بھی نہیں تھی اسی طرح سے جبہ پوشی اور دستار بندی کی بھی رسم محض تبرک کے لئے جاری ہے تاکہ بزرگوں کی کم از کم ظاہری ہیئت برکت کے لئے اختیار کی جائے۔ اور باوجود[3] ان سب

---

[1] (قولہ بقصد التبرك) یعنی سلوک کے طور پر نہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اس کے اہل نہیں ہیں۔ اور یہ مشیخیۃ صوریہ یعنی ظاہری ہے یعنی محض روایتہ ہے درایتہً نہیں۔ مگر اس کا بھی ایک فائدہ ہے وہ یہ کہ قوم صوفیہ سے تعلق اور محبت کا ذریعہ ہے اور اسکی وجہ سے بعض قلوب بعض سے مرتبط ہو جاتے ہیں یہانتک کہ یہ سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہونچتا ہے اور اسی کی وجہ سے مرید کو حضرت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی مدد (روحانی کمک) پہونچتی رہتی ہے۔ انتہی منہ ۱۲

[2] (قولہ ولا یجوزھم) یعنی ان لوگوں کیلئے دوسروں کو تلقین کرنا جائز نہیں بلکہ ان پر واجب ہے کہ جو لوگ ان سے طریق اخذ کرنا چاہیں اور سلسلہ میں داخل ہونا چاہیں ان سے صاف کہدیں کہ بھائی ہم نے اہل طریق کی صرف ظاہری مشابہت اختیار کر رکھی ہے باقی ہم باطن میں انکے اوصاف سے متحقق نہیں ہیں۔ (افادہ) میں کہتا ہوں کہ بزرگوں کے ان حالات میں غور کیجئے کس قدر دیانت پر مبنی ہوتے تھے وہ یہ کہ کسی کو جبہ دستار بھی بخشتے تھے مگر اسکو اپنا خلیفہ نہیں کہتے تھے خلیفہ دراصل وہی ہوتا تھا جو ان کے طریقہ پر ہوتا تھا یعنی اخلاق جمیلہ اختیار کرتا تھا اور اب خلافت کے لئے یہ سب شرائط ختم ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۲

[3] (قولہ الا اذا کانوا علی طریقتھم الخ) اور وہ طریقہ یہی کہ انکے اخلاق جمیلہ کے ساتھ متخلق ہو جائے تاکہ پھر ان کے اتباع ان سے منتفع ہوں نہ محض بزرگوں کا بھیس بدل لینا اور انکی ہیئت اختیار کر لینا اور اب ان لوگوں میں جن کی مشیخت کہ محض صوریہ ہے جہالت اور بدعت کا دور دورہ ہو گیا اور یہ لوگ بہت زیادہ دعاوی کاذبہ کے ساتھ متصف ہو گئے ہیں۔ انتہی منہ ۱۲

التی کانو علیھا من الزھد والورع وترك الفضول وخوف الله تعالی ومن ھنا قیل ان الطریق من النصف الثانی فی القرن العاشر صارت اسماً لا سما لا الخیام کخیامھم ولا نساء الحی نساؤہ +

باتوں کے خود یہ مشائخ بھی ان لوگوں کو اپنا متبع (جانشین اور خلیفہ) نہیں شمار کرتے تھے مگر اس وقت جبکہ یہ لوگ ان کے طریقہ پر ہو جائیں جس پر وہ لوگ خود تھے یعنی زہد و ورع . لغویات کا ترک اور حق تعالیٰ کا خوف یہ سب چیزیں ان کے قلب کی صفات بن جائیں ۔ انہی حالات کے پیش نظر یہ کہا گیا ہے کہ طریق تو دسویں صدی ہجری ہی کے نصف ثانی سے صرف اسم کے درجہ میں رہ گیا ہے باقی رسوم اسکی مٹ چکی ہیں ۔ نہ خیمے ہی ان کے خیمے جیسے رہ گئے ہیں اور نہ قبیلہ کی عورتیں ہی انکی عورتوں جیسی رہ گئی ہیں ۔

واما من یزعم من اھل ھذا الزمن انه یرشد الطالبین ویوصلھم الی الله تعالی من غیر استکماله لصفات المرشد الآتیة فانما مدع کاذب و وضح دلیل علی کذبه انه یلقن ناساً کثیرین ولا ینتج منھم واحد +

اور جو شخص اس زمانہ میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ طالبین کی رہنمائی کر رہا ہے اور ان کو حق تعالیٰ تک واصل کر دیتا ہے بدون اس بات کے کہ خود اپنے اندر مرشد کی صفات بھی (جن کا ذکر آگے آرہا ہے) پیدا کی ہوں تو ایسا شخص مدعی کاذب ہے اور اس شخص کے کذب کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ اس نے نہ معلوم کتنے لوگوں کو تلقین کی مگر ان میں سے کام کا ایک کو بھی نہ بنا سکا ۔

ولنبین لك صفة المرشد الکامل الذی یتعسر او یتعذر الوصول الی الله تعالی بدون توسطه الا ما کان بالجذبة الالھیة وسوابق العنایة الازلیة

اچھا تو اب ہم تم سے مرشد کامل کے (چند) اوصاف بیان کرتے ہیں وہ مرشد کامل جسکی اہمیت کا اس سے اندازہ کرو کہ حق تعالیٰ تک وصول کسی شخص کے لئے بدون اس کے توسط کے ممکن ہی نہیں ہے بلکہ متعذر اور متعسر ہے بجز اس کے کہ جذب الٰہی یا عنایات ازلی ہی کسی کو اپنی جانب کھینچ لے ۔

لہ (قولہ من الزھد الخ) میں نے امام غزالی کی کتاب عقبات میں زہد کی فضیلت کے بیان میں ایک حدیث دیکھی جو کہ اس کی فضیلت کیلئے کافی ووافی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا قلب زاہد ہو چکا ہو تو اسکی دو رکعتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت تک کے جملہ عابدین کی عبادات سے بہتر اور محبوب ہیں اور اسی میں یہ بھی دیکھا کہ اسرائیلیات میں ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک شخص کے پاس سے گذرے جو سو رہا تھا ۔ آپ نے فرمایا او سونے والے اٹھ اللہ کو یاد کر ۔ اس نے جواب دیا کہ یا روح اللہ میں نے دنیا کو اہل دنیا کے لئے چھوڑ دیا ۔ اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا تو پھر لے میرے حبیب سو رہو ۔ انتہی (وجہ یہ کہ) یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حب دنیا تمام خرابیوں کی جڑ ہے تو دنیا سے زہد بھی تمام حسنات کی اصل ہو گی ۔ انتہی منہ ۱۲

فنقول المرشد الكامل المأذون
من الله تعالى بدعوة الخلق اليه له
خمسة اركان وعشرون صفة
لا توجد الا فی نحو الابدال۔

اما الاركان فهی عبدية
الحضرت وستاتی آداب العبودية
واستعداد قبول الحقائق من الحضرة
بلا واسطة ووجود الرحمة الخاصة
من مقام العبدية وشرف تعليم
العلوم من الحضرة وكون التعليم
منها بلا وسطة قال تعالٰی فوجدا
عبدا من عبادنا آتيناه رحمة من
عندنا وعلمناه من لدنا علما۔ فاندرج
فيه جميع ماذكر من الاركان كما
هو الظاهر۔

واما الصفات فهی ان يكون عالما
بالشريعة علی قدر ما يحتاجه المريد من
الفقه وعقائد التوحيد بحيث يزيل
الشبهة التی تعرض للمريد فی البداية
وان لم يكن متبحرا ويكون عالما بكمالات
القلوب وآفات النفوس وادويتها
وكيفية حفظ صحتها واعتدالها
وان يكون عاقلا بالعقل الدينی و
المعاشی وشجاعا وخفيف النفس
بل قال بعضهم انه يجب علی الشيخ

سنو! مرشد کامل وہ ہوتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے دعوت الی اللہ کے لئے مامور اور مقرر ہوتا ہے (اور اس منصب پر منجانب اللہ فائز کیا جاتا ہے) اسکے لئے پانچ ارکان اور بیس صفات ہوتی ہیں جو کہ ابدال وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔

ارکان خمسہ یہ ہیں اول حضرت حق جل وعلا کی عبدیت جس کے آداب آئندہ بیان ہوں گے۔ دوم حضرت حق سے حقائق کو بلا واسطہ قبول کرنیکی استعداد ہونا سوم مقام عبدیت کے ساتھ جو رحمت مخصوص ہے اس کا موجود ہونا۔ چہارم حق تعالیٰ سے علوم و معارف اخذ کرنے کے شرف سے مشرف ہونا۔ پنجم ان سب امور کا تعلم بلا واسطہ کے ہونا جیساکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جس کو ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک خاص طور کا علم سکھلایا تھا گویا اس ایک ہی میں تمام مذکورہ بالا ارکان داخل ہیں
جیساکہ ظاہر ہے۔

اور صفات شیخ کامل کی یہ ہیں کہ وہ مرید کی ضرورت کے بقدر شریعت کا علم یعنی فقہ و عقائد کو جانتا ہو تاکہ ابتدا میں مرید کو جو شبہات پیش آتے ہیں ان کا ازالہ کرسکے۔ باقی اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ متبحر عالم ہی ہو۔ اسی طرح شیخ کے لئے یہ ضروری ہے کہ قلوب کے کمالات اور نفوس کے افات اس کے تمامی امراض اس کے علاج سے بھی واقف ہو اور اس کی صحت کی حفاظت اور اسکو اعتدال پر رکھنے کا طریقہ جانتا ہو۔ نیز یہ کہ اہل سنت والجماعت کے عقائد رکھتا ہو۔ اسی طرح دین اور معاش کی عقل رکھتا ہو۔ شجاع اور عفیف النفس ہو بلکہ بعضوں نے تو یہانتک کہا ہے کہ شیخ پر واجب ہے کہ مرید کے مال سے محتاط اور عفیف

ان يتعفف عن مال المريد الا من علم انه يفرح ويستبشر بقبول ماله وان يكون عالي الهمة مشفقا على المريد وحليما وعفواً وحسن الخلق وصاحب ايثار وكريماً و متوكلا ومسلماً وراضياً وساكنا في الحركات وثابت القدم في الارادات وصاحب هيبة ـ فالموصوف[ف۱] بهذه الصفات متخلق باخلاق الله تعالى فيوصل المريد الى الحق باذنه تعالى في مدة قصيرة بشرط ان يكون المريد قابلاً وتأتي اوصافه وبعضهم زاد في علامات المرشد زيادات وكلها ترجع للعشرين المذكورة فقال ومن علامة المرشد

ہی رہے بجز اس مرید کے جس کے متعلق یہ سمجھتا ہو کہ اگر اس کا مال قبول کرے گا تو اس کو خوشی ہی ہوگی۔ اسی طرح شیخ کے لئے ضروری ہے کہ بلند ہمت ہو۔ مرید پر شفقت کرتا ہو بردبار ہو۔ تسامح کرنے والا ہو حسن الخلق ہو۔ ایثار پیشہ اور کریم النفس ہو۔ متوکل ہو اور اپنے آپ کو سونپ دینے والا ہو حق تعالیٰ کے معاملات سے راضی ہو۔ اپنی جملہ حرکات میں باوقار ہو۔ اپنے ارادوں میں ثابت قدم ہو اور صاحب ہیبت ہو۔ چنانچہ جو شیخ[ف۱] ان صفات کے ساتھ متصف ہوگا وہ چونکہ خود بھی متخلق باخلاق اللہ ہوگا لہذا مرید کو بھی بحکم خدا حق تعالیٰ تک تھوڑی ہی مدت میں پہونچادے گا۔ ہاں شرط یہ ہے کہ مرید بھی قابل ہو یعنی صلاحیت رکھتا ہو اور اس کے اوصاف آگے آتے ہیں۔

یوں بعض لوگوں نے مرشد کی صفات اور اس کی علامات میں کچھ اور اضافہ بھی کیا ہے۔ مگر ان سب کا مآل انھیں بیس مذکورہ کی جانب لوٹتا ہے۔ چنانچہ مرشد کی ایک علامت یہ ہے کہ مرید اس پر اپنا جو حال

(ف۱) قولہ فالموصوف بھذہ الصفات الخ) اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ (الحمد للہ) ان تمام ہی صفات سے متصف تھے بلکہ مع شیٔ زائد۔ چنانچہ کسی شخص کو انکی ولایت میں شبہ ہا ہو تو ہو مگر ان کی کمال عقل میں تو کسی کو کلام ہی نہ تھا۔ یہاں تک کہ اہل دنیا میں سے بڑے بڑے لوگ اپنے پیچیدہ مسائل میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اور میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرے پاس ایک مالدار آیا اور مجھ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنا تمام مال فقرا پر صدقہ کردوں اور اپنے رب کی عبادت کیلئے خود کو فارغ کرلوں۔ شیخ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ ہاں اس میں کچھ مضائقہ نہیں مگر ذرا ایک ہفتہ ٹھہر جاؤ اگر اسوقت تک خیال قائم رہے تو اسپر عمل کرلینا۔ یہ سنکر وہ صاحب چلے گئے اور دو دن کے بعد آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ جزاک اللہ خیراً یعنی یہ کہ آپنے خوب کیا کہ روک دیا میری رائے بدل گئی ہے۔ شیخ نے مہلت جو مقرر کی تھی وہ اسی لئے کہ ایسا نہ ہو کہ انکا یہ خیال مقام کا درجہ نہ رکھتا ہو محض وقتی حال ہو اور وقت دوسرے وقت سے بدلجائے تو اپنے کئے پر ایسے وقت میں نادم ہوں جبکہ ندامت سے کوئی نفع نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اگر ایک ہفتہ تک وہ ارادہ قائم رہ جاتا تو وہ مقام ہوتا۔ اھ منہ ۱۲۔

ان یکون ستارا لکل ما ظهره علیه
المرید لا یغضب الا لله قد استوی
عنده جمیع الماکل والمشرب والملبس
فی جمیع احواله علی الحالة الوسطی
فی الجوع والشبع والنوم والسهر
وغیر ذلک وهی حالة لا یقدر
علیها الا الکمل وان یکون نصوحا
لجمیع الامة اجل همه تقریب
السالکین الی الله تعالیٰ غیر
محب للمشیخة متمسکا بطریقة
رسول الله صلی الله علیه وسلم
ناظرا بقلبه فی الهدایة
والخذلان الی تقدیر الله تعالیٰ
فان فتح علی احد من تلامذته
شکر الله تعالیٰ ولا یشهد له فی
ذالک شیئا واذا علم(له) بالکشف
الصحیح انه لا فتح لمرید علی
یده دله علی من یکون فتحه

ظاہر کرے اس کے حق میں ستار ہو جب بھی غصہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ ہر قسم کے کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں اس کے نزدیک یکساں ہو۔ نیز وہ اپنے جملہ حالات میں بحال اعتدال ہو۔ بھوک کی حالت ہو یا سیری کی سونے کی ہو یا بیداری کی یا ان کے علاوہ کوئی اور حالت ہو۔ اور یہ میانہ روی وہ درجہ ہے کہ اس پر کوئی کامل ہی قادر ہو سکتا ہے نیز یہ کہ ساری امت کے حق میں خیر خواہ ہو۔ اسکی انتہائی غرض یہ ہو کہ سالکین کو واصل بنا دے۔ خود مشیخت کا خواہاں نہ ہو۔ طریق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ تمسک کرنے والا ہو۔ اور کسی کی ہدایت یا محرومی کے وقت بس اپنے قلب سے حق تعالیٰ کی تقدیر کا تماشا دیکھتا ہو۔ اگر اس کے مریدین میں سے کسی پر اللہ تعالیٰ کچھ فتح فرما دیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اور اس بارے میں کسی دوسری چیز کو سبب نہ گردانے اور اگر علم کشفی سے صحیح طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں مرید کا حصہ اس کے یہاں نہیں ہے تو اس کو اس شیخ کا پتہ تبلا دے جس کے یہاں اس کا حصہ ہو۔ اسی طرح جب اس کے پاس ایسا

(له) قوله واذا علم الخ اور اسی کی نظیر وہ واقعہ ہے جو شیخ احمد صاوی کا ہمارے شیخ کے ساتھ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ ہمارے شیخ نے عم بزرگوار شیخ محمود رافعی کے ہمراہ طرابلس سے مصر کا سفر کیا، تاکہ عم محترم کے شیخ یعنی صاوی سے طریق اخذ کریں۔ جیسے ہی شیخ صاوی کی ان پر نظر پڑی ان سے کہا کہ تم میری اولاد (یعنی سلسلہ) سے نہیں ہو بلکہ شیخ حسن قصبی کی اولاد سے ہو (یعنی ان کے ہاں تمہارا حصہ ہے) میں نے یہ واقعہ اسی طرح اپنے استاد شیخ علی آفندی کے صاحبزادے سے سنا تھا۔

انتہیٰ منہ ۱۲

على يديه واذا اتاه من لا يصلح
للارادة رده الى الاسباب الا
ان يقيمه خادمًا للفقراء او يصحب
الشيخ للتبرك لا للسلوك۔

وان يكون مراعيًا لحدود
الله تعالى موفيًا بعهده يحب ما
احب الله ويبغض ما ابغض الله
آمرًا بالمعروف ناهيًا عن المنكر لا
تاخذه في الله لومة لائم مسارعًا
الى الخيرات ويوقر الكبير ويرحم
الصغير ينزل الكبير منزلة الاب
والصغير بمنزلة الابن وجميع الخلق (علہ)
بمنزلة العائلة ويبر (سلہ) الناس
جميعًا ويميط الاذى عن طريق الله
يستحي من الله تعالى واذا هفا سارع
بالتوبة وعاد على نفسه باللوم

کوئی شخص آجاوے جو طریق کی صلاحیت ہی نہ رکھتا ہو تو اس کو کاروبار دنیا میں لگا دے یا یہ کہ فقرا کی خدمت کے لئے اس کو مقرر کردے یا وہ شیخ ہی کی خدمت میں تبرک کے لئے رہے نہ کہ سلوک کے لئے۔

اور شیخ کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی رعایت کرنے والا ہو۔ اللہ کی پسند کو پسند اور اس کے ناپسند کو ناپسند کرتا ہو۔ آمر بالمعروف ہو اور ناہی عن المنکر ہو۔ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرتا ہو۔ نیکیوں کی جانب سبقت کرنے والا ہو۔ بڑوں کی توقیر کرنے والا ہو اور چھوٹوں پر رحم کرنے والا ہو اس طرح سے کہ کبیر کو بمنزلہ والد کے جانتا ہو اور صغیر کو بحیثیت اولاد کے سمجھتا ہو اور تمام مخلوق کو مانند اپنے کنبے کے جانتا ہو اور سب ہی لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو اللہ تعالیٰ کے طریق سے ایذا کی چیزوں کو دور کرتا ہو۔ حق تعالیٰ سے شرماتا ہو اور اگر کوئی بات لغو اور فضول زبان سے نکل جائے تو فوراً توبہ کرلیتا ہو اور اپنے آپ کو خوب

(علہ قولہ وجمیع الناس بمنزلۃ العائلۃ الخ) اور میں نے تو اپنے استاد سے ایسی بات سنی جو اس سے بھی بڑھ کر ہے اس لئے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی مسلمان کو کوئی نعمت نہیں ملتی مگر یہ کہ مجھے جو خوشی اس پر ہوتی ہے اس کا مقابلہ اگر اس خوشی کے ساتھ کیا جائے جو خود اس شخص کو اس پر ہوئی ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری خوشی اس کی خوشی سے کہیں بڑھ کر ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہونچ جائے اور اس پر میرے غم کا اور اس کے غم کا موازنہ کیا جائے تو میرا غم اس کے غم سے یقیناً بڑھا ہوا ہوگا۔ انتہی منہ ۱۲

(سلہ قولہ ویبر الناس جمیعاً الخ) ایسے ہی ہمارے شیخ بھی تھے ان کا ارشاد تھا کہ اپنے آپ کو کسی کے دل کے دکھانے اور ستانے سے بچاؤ خواہ وہ کسی جانور ہی کا دل کیوں نہ ہو۔ انتہی منہ ۱۲

ولا[علہ] یحرب فی معاصیہ للقضاء والقدر هین لین فی نظرہ رحمۃ لعباد اللہ تعالیٰ۔ الھم اغلب علیہ من الفرح لما یعطیہ موطن التکلیف نظرہ للارض اکثرہ من نظرہ الی السماء اذا دعی ذکر اللہ تعالیٰ حجۃ اللہ تعالیٰ علی خلقہ البسہ من نورہ السباطع ورفع لہ اعلام الھدایۃ الی مواصلۃ ورقا مقام الابطال لارادتہ وافرغ علیہ الصبر عن مخالفتہ وطھرہ بمراقبتہ وطیبہ بطیب اھل معاملتہ وکساہ حلۃ مودتہ ووضع علی راسہٖ تاج کرامتہ واودع فی قلبہ من ذخائر غیبہ واقامہ علی باب قربہ

ہی ملامت کرتا ہو۔ اور معصیت کے بارے میں قضا اور قدر کا بہانہ نہ تجویز کرتا ہو[علہ] یعنی یہ کہہ کر تسلی نہ دیتا ہو کہ اجی یہی مقدر تھا اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رحم کی نظر رکھنے۔ سب اس سے مل سکیں سب سے نرمی سے ملے اس پر بہ نسبت خوشی کے فکر و غم کا زیادہ غلبہ ہو اس خیال سے کہ وہ دار التکلیف میں ڈالا گیا ہے اس کی نظر زمین پر زیادہ رہتی ہو بہ نسبت آسمان کے یعنی اکثر اوقات حیا کی وجہ سے سرنگوں ہی رہتا ہو۔ جب اس کو دیکھا جائے تو خدا تعالیٰ کی یاد آئے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے چمکتے نور کا لباس پہنایا ہو اور اس کے لئے اپنے وصال کی جانب ہدایت کا جھنڈا بلند کر دیا ہو۔ اور اسکو اپنے ارادت کے لئے ایک بڑے مقام پر فائز فرمایا ہو اور اسکو اپنی مخالفت سے سختی کے ساتھ روک دیا ہو اور اس کو اپنے مراقبہ کے ذریعہ پاک کیا ہو اور اپنے اہل معاملہ کی خوشبو سے اس کو خوشبو دار کر دیا ہو اور اسکو اپنی محبت کا لباس پہنا کر اس کے سر پر اپنی کرامت کا تاج رکھا ہو۔ اور اس کے قلب پر اپنے غیب کے ذخائر

(علہ قولہ ولا یحرب بمعاصیہ للقضاء والقدر الخ) مطلب یہ کہ یوں نہ کہنے لگے کہ میرے لئے مقدر یہی تھا اسلئے میں نے ایسا کیا گویا تقدیر ہی سے سند پکڑنے لگے اور اسکو اپنا عذر بنائے۔ اگرچہ واقعہ کے بعد ہی کیوں نہ ہو ایسا کہنا منع ہے۔ بلکہ اسکو چاہیے کہ اپنے ہی نفس کو خوب ملامت اور توبیخ کرے چنانچہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہی وہ موقع ہے جہاں شرک توحید سے بہتر ہے مطلب یہ کہ اپنے نفس کے متعلق یہ سمجھنا کہ اس نے یہ گناہ کیا ہے یہ فی الواقع شرک ہے اسلئے کہ بندوں کے سب اعمال خواہ اچھے ہوں یا برے سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ تاہم یہ شرک) توحید سے بہتر ہے یعنی اس کہنے سے کہ اللہ تعالیٰ اس معصیت کے خالق ہیں۔ دوسرے لفظوں میں گویا یہ کہنا ہوا کہ ہم اسکے کرنے میں معذور ہیں البتہ دوسرے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے بارے میں یہی جہت سامنے رکھنی چاہیئے یعنی (ان سے معصیت صادر ہو) ان پر رحم کھائے اور باطناً ان کو معذور جانے (جسکی وجہ سے اپنے قلب میں انکی تحقیر و تذلیل نہ آنے دے)، اگرچہ ظاہر میں ان کو زجر و توبیخ بھی کرے تاکہ ظاہر شرع کا حق ادا ہو۔ یہیں سے مشائخ نے فرمایا ہے کہ جس نے ایسے لوگوں کو عین شریعت سے دیکھا تو وہ اس پر غصہ کرے گا اور خفا ہوگا۔ اور جو شخص ۔۔۔۔ ایسوں کو بہ نظر حقیقت دیکھے گا وہ انھیں معذور سمجھے گا اور رحم کرے گا اور عارف چونکہ دونوں نظروں کا جامع ہوتا ہے لہٰذا وہ بیک وقت دونوں نظروں سے اسکو دیکھتا ہے۔ انتہی منہ ۱۲۔

واجلسه على كرسى الدعاة اليه فدعا الى الله تعالى على بصيرة من ربه وهو الشمس التى غشاها حجاب الصون والبدر الذى حجب بغمام ظله الكون فمنه طرفك من كراه وافتح عينك فى وجوه الرجال فعسى ان تراه۔

وان ظفرت به فليهنك الظفرة فاقبل عليه بخالص الطوية و اخلاص النية وكن تحت اوامره ونواهيه الى ان يفتح الله تعالى بمواهبه وعليك فى مدة تطلبك المرشد بمداومة الذكر يستنير قلبك وتنقطع عن الاغيار۔

قال العارف بالله تعالى سيدى الشيخ الاكبر اذا كان اسم الله يجير نور قلبك وضاعف نورك ومن لازمه ذكر الله قطعه من كل شئ سواه فبملازمة ذكر الله تعالى يتنور القلب بنور الايمان + ثم لا يزال يتضاعف ذلك النور الى ان يمتلئ القلب نوراً فيحصل به لكشف والتوحيد الحقيقى فان الانوار مطايا القلوب

ودیعت فرما دیئے ہوں اور اس کو اپنے قرب کے دروازہ پر مقیم کیا ہو اور اپنی جانب دعوت دینے والوں کی کرسی پر اسکو فائز فرمایا ہو پس اسکی وجہ سے اس نے خلق خدا کو اللہ تعالیٰ کی جانب اپنی خداداد بصیرت کیسا تھ دعوت دی ہو اس حال میں کہ وہ ایک ایسا سورج ہوتا ہے کہ جسکو خدا کی حفاظت کا پردہ ہی چھپائے ہوئے ہے اور ایسا چاند ہوتا ہے جسے اللہ کا ظل اور سایہ ہی ڈھانکے ہوئے ہے۔ پس اپنی نظر کو بہ تکلف اوپر کو اٹھاؤ اور بڑے بڑے لوگوں کا آنکھ کھول کر جائزہ لو۔ کیا عجب کہ کسی شیخ کامل سے تمہاری ملاقات ہو جائے۔

اور اگر مرشد کامل کی تلاش میں تم کامیاب ہو جاؤ تو پھر مبارک ہو تم کو یہ کامیابی۔ بس اس کی جانب صدق دل سے اور اخلاص نیت سے متوجہ ہو جاؤ اور اس کے اوامر اور نواہی کا خود کو پابند بنا لو۔ یہانتک کہ حق تعالیٰ اسکے مواہب اور برکات سے تمہیں نوازیں اور زمانہ تلاش مرشد میں دوام ذکر کو اپنے لئے لازم کر لو (یعنی ذکر اللہ برابر کرتے رہو) تاکہ تمہارا قلب منور ہو جائے اور تم اغیار سے منقطع ہو جاؤ۔

عارف باللہ تعالیٰ سیدی شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا نام تمہارے قلب کی گرمی اور شورش بن جائے تو اس سے اپنے قلب کو روشن کرو اور اپنے نور کو اور زیادہ بڑھاؤ۔ (اور ذکر اللہ کا تو یہ خاصہ ہی ہے کہ) جو اسکو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے تو پھر وہ اسکو اپنے ماسوا سے منقطع ہی کر دیتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ذکر کے التزام سے قلب نور ایمان سے منور ہو جاتا ہے۔ پھر وہ نور بڑھتا ہی جاتا ہے۔ یہاں تک کہ قلب اس سے بالکل لبریز ہو جاتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ کشف اور

والاسرار۔

توحید حقیقی حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے کہ انوار ہی قلوب اور اسرار کی سواریاں ہیں۔

وقيل يلزم في مدة طلب الاستاذ تسعة اشياء وهي الجوع والسهر والصمت والعزلة والصدق والتوكل والصبر والعزيمة واليقين

کہا گیا ہے کہ طالب کے لئے مدت تلاش مرشد میں نو چیزیں لازم ہیں۔ بھوک۔ بے خوابی۔ خاموشی۔ تنہائی۔ سچائی۔ توکل۔ صبر۔ عزم۔ اور یقین۔

وفيه ان التوكل واليقين من المقامات التي لا تحصل بالتكليف فالاولى الاختصار على السبعة الباقية ومن طلب الاستاذ بجد وصدق عزيمة لابد ان الله تعالى يجمعه عليه اذ لا يخلو زمن من وجوده وانما بينا لك صفة المرشد لاجل ان لا تضيع وقتك اذا كنت طالبا السلوك بالاشتغال على غير الاهل۔

لیکن اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ — توکل اور یقین تو ان مقامات میں سے ہیں جو انسان کو بہ تکلف حاصل ہوتے ہیں (تو اول ہی دن وہ ان کا حامل کیسے ہو جائے گا) لہذا اولی یہ ہے کہ بقیہ سات ہی پر اکتفاء کیا جائے۔ اور یہ سمجھ رکھو کہ جو شخص شیخ کو محنت اور سچے ارادہ کے ساتھ طلب کریگا تو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اسکو اس سے ملا دیں گے اس لئے کہ کوئی زمانہ ان حضرات کے وجود سے تو خالی ہوتا نہیں۔ رہے ان کے اوصاف سو ہم تم سے بیان ہی کر آئے ہیں۔ محض اس خیال سے کہ لوگو تم سلوک کے طالب ہو تو کسی غیر اہل کے پاس پھنس کر اپنا وقت ضائع نہ کرو۔

فاذا ظفرت به فسلم كلك اليه

اور[1] جب تم شیخ کامل کی جستجو میں کامیاب ہو جاؤ

---

[1] افادہ۔ اس موقع پر بے ساختہ یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

از ساحت دل غبار کثرت رُفتن — خوشتر کہ بہرزہ دُرِّ وحدت سفتن

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا — واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

(ترجمہ) دل کے میدان سے کثرت کا غبار دور کرنا ہرزہ سرائی کے ساتھ وحدت کے موتی پروتے رہنے سے بہتر ہے۔ الفاظ کے دھوکے میں مت پڑو کیونکہ توحید خدائے تعالیٰ کو (دل سے) ایک سمجھنے کا نام ہے نہ کہ (صرف زبان سے) ایک کہتے رہنے کا۔

واذا رأيت منه مخالفة بعد ما تحققت فيه شروط الارشاد تاولها له ضرورة ولا يخل اعتقادك فيه وثم من الشيوخ طائفة أُخرى اصحاب احوال ليس لهم في الظاهر ذلك التحفظ تسلم اليهم في احوالهم ولا تصحبهم وان ظهر منهم كرامات خارقة لانا لا نتبع الا من كان ظاهره الشرع وباطنه الحقيقة فليس لنا طريق الى الله تعالى على خلاف ما شرع على لسان نبيه صلى الله عليه وسلم ولا يقتدى بشيخ لا ادب له ولو كان صادقا في حاله ولكن يحترم قال الشيخ الاكبر ؎

لا تقتدي بالذي زالت شريعتهُ
عنه ولو جاء بالانبا عن الله

وقد بين جملة من اخلاق القوم من قال ؎

۱- بالذوق والشوق نالوا غاية الشرف
لا بالدلوق ولا بالعُجب والصلف
۲- ومذهب القومِ اخلاق مطهرة
بها تخلقت الاجساد في النطف
۳- صبر وشكر وايثار و مخمصة
وانفس تقطع الانفاس باللهف

یعنی کوئی مرشد تم کو مل جائے تو پھر اپنے کو بالکلیہ اس کے حوالہ کردو۔ اور اگر کسی شیخ میں شرائط ارشاد متحقق ہو چکنے کے بعد اسکے اندر کوئی خلاف (شرع) بات تم کو نظر آئے تو حتی الامکان اس کی تاویل کرو اور اپنے اعتقاد کو اس سے ختم مت کرو۔ لیکن اسکا خیال رکھو کہ مشائخ میں سے ایک گروہ اصحاب حال کا ایسا بھی ہوا ہے کہ ظاہر میں ان کے لئے حفظ شرع نہیں (یعنی وہ مرفوع القلم ہوتے ہیں) تو ایسے لوگوں کے احوال کو انھیں کے لئے مسلم رکھو (یعنی ان پر اعتراض بھی مت کرو اور) ان کی صحبت میں بھی نہ بیٹھو اگرچہ ان سے کرامتوں کا صدور دیکھو اسلئے کہ ہم اسی شخص کی اتباع کریں گے جسکا ظاہر شریعت کے موافق ہو۔ اور باطن حقیقت کے مطابق ہو۔ پس ہمارے نزدیک بجز اس شرع (محمدی) کے اور کوئی طریق موصل الی اللہ نہیں جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے مشروع فرمایا ہے اور اس شیخ کی ہرگز اقتدا نہ کی جائے گی جو آداب شرع سے متادب نہ ہو اگرچہ اپنے حال میں وہ صادق ہی کیوں نہ ہو۔ یوں اسکا احترام کیا جائیگا۔ حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں ؎

جس شخص سے شریعت متروک ہوگئی اسکی اتباع نہ کی جائے گی اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہی باتیں بیان کرے۔

اور ان اشعار میں قوم صوفیہ کے جملہ اخلاق کا بیان کسی نے خوب ہی کردیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ذوق اور شوق ہی کے ذریعہ لوگوں نے اعلیٰ شرف کو پایا ہے اور مراتب حاصل کئے ہیں۔ ان مراتب کو گدڑی اور جبہ، عجب و کبر اور ڈینگ ہانک کر کے کسی نے نہیں پایا ہے۔

قوم صوفیہ کا مذہب اور مسلک پاکیزہ اخلاق ہیں۔ جن کے ساتھ اجساد جسوقت کہ نطفہ ہی کی صورت میں ہوتے ہیں متخلق ہو چکتے ہیں۔

اور وہ پاکیزہ اخلاق یہ ہیں صبر و شکر و ایثار اور بھوکا رہنا۔

اور یہ اہل تصوف کیسے لوگ ہیں جنکا ہر ہر سانس رنج و غم ہی میں گذرا ہے۔

۴۔ والزهد فی کل فان لا بقاء له
كما مضت سنة الاخيار فی السلف

۵۔ قوم لتصفية الارواح قد عمدوا
وسلموا عرض الاشباح للتلف

۶۔ لا بالتخلق فی المعروف تعرفهم
ولا التكلف فی شئ من الكلف

۷۔ ما ضرهم رث اطمار واخلق
كالدر ما ضره مخلوق الصدف

۸۔ واشقوتی اذ تولت امة سلفت
حتی تخلفت فی خلف من الخلف

۹۔ يمقون تزاوير الغرور لنا
بالزور والبهت والبهتان والحلف

۱۰۔ ليس التصوف عكازا ومسبحة
كلا ولا الفقر زيا دلقك الترف

۱۱۔ وان تروح وتغدو فی مرقعة
وتحتها موبقات الكبر والسرف

۱۲۔ وتظهر الزهد فی الدنيا وانت علی
عكوفها كعكوف الكلب فی الجيف

۱۳۔ الفقر سر[1] وعنك النفس تحجبه
فارفع حجابك تجلو ظلمة السدف

منجملہ ان کے اخلاق کے ان کا زہد ہے ہر اس شئے فانی سے جسکے لئے بقا نہ ہو۔
چنانچہ اسلاف میں سے برگزیدہ لوگوں کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے۔
یہ ایک ایسی قوم ہے جس نے صفائی باطن کی ٹھان لی ہے۔
اور اس نے اپنی لذات کے سامان کو معرض ہلاکت میں پیش کر دیا۔
تم اچھی اور معروف باتیں ان میں بطور تصنع اور بناوٹ کے نہ پاؤ گے۔
اور نہ کسی کام کے کرنے میں ان میں کچھ تکلف ہی پاؤ گے۔
چادروں کا پھٹا ہونا یا پرانا ہونا انکے لئے کوئی نقصان و عیب کی چیز نہیں ہے
جس طرح کہ موتی کے لئے سیپ کا بوسیدہ ہونا کیا مضر ہے؟
ہائے افسوس کہ اسلاف کی جماعت تو گذر گئی اور ختم ہوگئی
اور اب مجھ جیسا انسان ان اسلاف کے ناخلفوں میں باقی رہ گیا ہے۔
وہ لوگ جو کہ ایسے ہیں کہ مکر اور دھوکہ کی باتوں کو ہمارے سامنے بنا سنوار کر رکھتے ہیں
جس میں خلاف واقعہ بھی ہوتا ہے۔ فریب بھی بہتان بھی اور جھوٹی قسم بھی۔
تصوف ہاتھ میں ٹیڑھی لکڑی اور تسبیح لینے کا نام نہیں ہے۔
اور نہ فقیری قیمتی اور خوشنما گدڑی پہن لینے کا نام ہے۔
اور نہ اس کا کہ تم صبح و شام چلو پھرو پیونددار کپڑوں میں درآنحالیکہ
اسکے نیچے کبر و اسراف جیسے مہلکات بھی موجود ہوں۔
اور نہ اسکا کہ تم دنیا سے تو بے رغبتی ظاہر کرو حالانکہ خود تم اسپر اسطرح جمے بیٹھے ہو
جس طرح سے کتا مردار پر جما رہتا ہے (اگر تمہارا یہ حال ہے تو پھر کچھ لوکہ)
فقیری تمہارے حق میں ایک راز سربستہ ہے (یعنی تمکو اس سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے)
اور اسکو تمہارا نفس تم سے مخفی کئے ہوئے ہے لہذا حجاب نفسانی کو ہٹاؤ
تاکہ تم سے تاریکی کی ظلمت چھٹ جائے (یعنی معرفت تم کو حاصل ہو جائے)

---

[1] (قولہ الفقر سر الخ) یعنی فقر کے وہ معنی جو صوفیہ کے یہاں رائج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہے جو اس شخص کو نہیں ملا کرتا جو کہ اس کو ظاہر کر دے اور اس کا حصول تزکیہ نفس کرنے اور اہل غفلت کے ترک کرنے سے ہوا کرتا ہے ۱۲ منہ

١٤- وفارق الجنس افن النفس فى نفس
وغب عن الحس واجلب دمعة الاسف

(جس کا طریقہ یہ ہے) کہ اپنے ہم جنس یعنی اہل غفلت سے دوری اختیار کرو اور اپنے کو کسی کے نفس میں فنا کردو (یعنی کسی شیخ کامل کے قدم کی خاک ہو جاؤ) اور اس کے آگے اپنے اختیار و احساس کو بالکل ختم کردو اور رنج و افسوس کے آنسو بہاؤ۔

١٥- واخضع له وتذلل ان دعيت له
واعرف محلك من اياك واعترف

اور جب اس کی جانب بلائے جاؤ تو خود کو اسکے تابع اور اس کے آگے سرافگندہ کردو
اور دل سے اپنے صحیح مرتبہ کو پہچانو اور اس کا اعتراف کرو

١٦- وقف على عرفات الذل منكسرا
وحول كعبة عرفان الصفا فطف

اور ذلت و پامالی کے میدان عرفات میں وقوف کرو
اور پھر عرفان صفا کے کعبہ کے گرد طواف کرو۔

١٧- وادخل الى خلوة الافكار مفتكرا
وعد الى جانب التذكار بالصحف

اور افکار خلوت میں فکر کا توشہ لیکر داخل ہو جاؤ اور پھر ذکر کی دکان کی جانب صحیفۂ خداوندی لیکر واپس آجاؤ

١٨- واتل المثانى وحدان عزمت على
ذكر الحبيب وصف ما شئت واصف

اور اسکے بعد تمہارا ارادہ اگر ذکر حبیب کا ہو تو قرآن کی تلاوت کرو اور (اسکے مطابق اپنے حبیب کا) جو وصف چاہے بیان کرو اور جن صفات سے چاہو خود بھی متصف ہو جاؤ۔

١٩- وان سقاك مديرالراح من يده
كاس التجلى فخذ بالطاس واغترف

اور اگر ساقی خود اپنے ہاتھ سے کاسۂ تجلی تم کو پلانا چاہے۔
تو بڑھ کر ساغر و مینا خود اپنے ہاتھ میں لے لو اور اس سے چلو بھر لو۔

٢٠- واشرب واسق ولا تبخل على ظمئ
فان رجعت بلاري فوا اسفى

اور اس کو خود بھی پیو اور دوسروں کو بھی پلاؤ اور دیکھو کسی پیاسے کے پلانے میں بخل سے کام نہ لینا۔
لیکن اس پر بھی اگر تم بغیر سیراب ہوئے وہاں سے لوٹے تو تم پر افسوس صد افسوس۔

ثم اذا ظفرت بالمرشد الكامل كما وصفنا فبادر اليه وترامى بين يديه فما كل وقت تمكن الفرصة واطلب منه بحسن ادب وخضوع ان يرشدك و يسلك بك سبيل المقربين وادخل

پھر جب تم ہمارے بیان کئے ہوئے اوصاف کے مطابق کسی مرشد کامل کے پانے میں کامیاب ہو جاؤ تو اسکی جانب سبقت کرو اور اس کے پاس رہ پڑو اس لئے کہ ایسے مواقع ہمیشہ نہیں ملا کرتے اور ان بزرگ سے نہایت تواضع اور ادب کے ساتھ درخواست کرو کہ تمہاری رہنمائی فرمائیں اور مقربین کی راہ تمہیں چلائیں اور

نفسك تحت تربيته والزمها امتثال امره وهذا شئ عليك اذ لا يمكن المرشد ان يبث فى نفسك بذر الطلب كالطبيب مالم يأته المريض ويسئل المداوات ويمكنه ان يجعل فيه تلك الداعية فان رأى الشيخ بالاستخارة او بدونها حصول الاذن لك فى ذالك اخذ عليك العهد بالتزام التوبة عن جميع المعاصى وملازمة التقوىٰ والدخول تحت طاعته ثم ان شاء لقنك الذكر فى ذالك الوقت وهو الغالب او فى وقت اٰخر۔

تم اپنے نفس کو ان کی تربیت میں دے دو اور اس پر ان کے حکم کی فرمانبرداری لازم کر دو اور یہ سمجھ لو کہ یہ تو تمہارے ہی کرنے کا کام ہے اس لئے کہ یہ تو مرشد کے بس کی بات نہیں کہ وہ تمہارے قلب میں طلب کا بیج بھی ڈالدے جس طرح کہ طبیب کا حال ہوتا ہے کہ جب تک مریض اس کے پاس نہ آوے اور اس سے اپنا معالجہ نہ چاہے تو اسکے لئے یہ ممکن نہیں کہ مریض میں یہ داعیہ پیدا کر دے۔ اب اگر شیخ بذریعہ استخارہ کے یا بدون اسکے تمہیں اس امر کی اجازت دینا چاہے تو چاہیئے کہ تم سے اس بات کا عہد لے کہ جملہ معاصی سے توبہ کا التزام کروگے اور ہمیشہ تقویٰ کو لازم پکڑوگے اور شیخ کی اطاعت کروگے۔ پھر اگر چاہے تو تمہیں اسی وقت کوئی ذکر تلقین کر دے چنانچہ غالب معمول مشائخ کا یہی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تلقین ذکر کو کسی دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھے۔

(مطلب فى كيفية تلقين الذكر واخذ العهد)

(تلقین ذکر کی کیفیت[1] اور مرید سے عہد لینے کے طریقہ کا بیان)

وكيفية تلقين الذكر ان يضع الشيخ يده اليمنىٰ فى يد المريد اليمنىٰ بعد طهارة كل منهما ويجعل راحة كفه على راحته ويقبض ابهامه ويقول له غمض عينيك واستغفر الله ثلاثة ثم يقرء الشيخ قوله تعالے يا ايها الذين امنو توبوا الى الله توبة نصوحاً الىٰ قدير وان الذين يبايعونك

ذکر کے تلقین کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شیخ اپنا داہنا ہاتھ مرید کے داہنے ہاتھ میں رکھے اس حال میں کہ دونوں باوضو ہوں اور اس طرح رکھے کہ اسکی ہتھیلی مرید کی ہتھیلی کے اوپر ہو اور اسکے انگوٹھے کو پکڑ لے اور اس سے یوں کہے کہ تم اپنی آنکھیں بند کر لو اور پھر تین بار استغفار پڑھے۔ پھر شیخ قرآن شریف سے آیت یا ایھا الذین اٰمنو توبوا الی اللّٰہ توبۃ النصوحا۔ قدیر تک پڑھے پھر اس کے بعد آیت ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ۔ عظیماً تک پڑھے اور پھر آیت واوفوا بعھد اللّٰہ اذا عاھدتم آخر آیت تک پڑھے۔ پھر

[1] افادہ :۔ یہ طریقہ لازمی نہیں اسوقت مشائخ میں یہی رائج رہا ہوگا اس لئے مصنف نے بیان کیا۔ ۱۲

اِنَّمَا يبايعون الله الى عظيما ۔ واو فو بعهد
الله اذا عاهد ثم الاٰية ثم يطرق
راسه ويدعو سرا للمريد بنحو اللهم
اعنه واحفظه وتقبل منه وافتح
عليه باب كل خير كما فتحته على انبيائك
واوليائك ۔ اللهم فرغنا لما خلقتنا
له ولا تشغلنا بما تكفلت لنا به ولا
تحرمنا ونحن نسئلك ولا تعذبنا و
نحن نستغفرك برحمتك يا ارحم
الراحمين ۔

ثم يقول وكل منهما غاض بصرهٗ
اسمع منى الذكر ثلث مراة وقله بعدى
ثلاثا انا اسمع منك ثم يستاذن الشيخ
بقوله دستور يا رسول الله دستور
يا اهل الطريق دستور يا استاذى الاذن
لى بتلقين الذكر ويطلب بقلبه
المدد من اهل السلسلة وذلك
بعد ان يكون قدم قراة الفاتحة
له صلى الله عليه وسلم وفاتحة
ثانية لاهل السلسلة وفاتحة
ثالثة لقطب الكون والاولياء جميعا
عند ما يجلس المريد بين يديه ثم
يذكر ثلاثة فى اذنه اليسرى الا الاسم
السابع ففى اليمنى لسر يعرفه اهل
ويذكر المريد بعده ثلاثة ثم يوصيه

پھر اپنے سر کو جھکائے اور مرید کے لئے آہستہ آہستہ دعا کرے مثلاً یہ کہ
کہ اے اللہ اس کی اعانت فرما اور اسکی حفاظت فرما اور اسکا یہ عمل
مقبول فرما اور اس پہ ہر خیر کے ابواب کھولدے جیسا کہ آپ نے
اپنے تمام انبیاء اور اولیاء پر کھولا ہے ۔ اے اللہ ہم کو اس کام
کے لئے فارغ کر جس کیلئے تو نے ہمیں پیدا کیا ہے، اور ہمیں ان
امور میں مشغول فرما جسکی کفالت ہمارے لئے آپ نے خود ہی
فرمائی ہے اور اے اللہ ہم جو سوال کرتے ہیں اس میں ہمیں
محروم نہ فرما اور ہمکو عذاب نہ دے درآنحالیکہ
ہم آپ سے استغفار کرتے ہیں ۔ اس دعا کو قبول فرما اپنی رحمت
سے ۔ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھکر رحم کرنے والے ۔

پھر اس سے کہے اس حال میں کہ یہ دونوں اپنی آنکھیں بند کئے
ہوں کہ مجھ سے ذکر تین بار سنو اور پھر میرے بعد تین بار تم کہو اور
میں سن رہا ہوں پھر اس کے بعد شیخ اس طرح سے اجازت
لے، دستور یا رسول اللہ، دستور یا اھل طریق ۔ دستور یا استاذی
تلقین ذکر کی مجھے اجازت عطا فرمائی جائے جس وقت یہ کہے
تو اپنے قلب سے اہل سلسلہ سے مدد طلب کرے اور اس طلب
دون سے پہلے یہ کرے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے لئے فاتحہ پڑھے اور دوسری بار اہل سلسلہ کے لئے اور
تیسری بار قطب کون اور تمام اولیاء اللہ کے لئے جس
وقت کہ مرید اس کے سامنے آکر بیٹھا ہو پھر تین بار اس کے
بائیں کان میں ذکر کے کلمات کہے بجز ساتویں نام کے (جس
کا بیان آگے آتا ہے) پھر اس کے بعد اس کے داہنے کان
میں کہے اور یہاں بائیں کے مقدم کرنے اور دائیں کے
موخر کرنے میں کچھ بھید ہے جس کو اہل طریق سمجھتے ہیں ۔ پھر
اس کے بعد مرید بھی تین بار وہ ذکر کرے ۔ پھر شیخ اسکو اللہ تعالیٰ

بتقوى الله تعالى وملازمة الذكر و
اوراد الطريق

وسمعت استاذنا رحمه الله تعالى يقول لجماعة طلبوا منه ان ياخذ عليهم العهد انتم مرادكم اخذ العهد اتدرون العهد ماهو العهد التزام قربة دينية وهي هنا التوبة عما مضى وتقوى الله تعالى فيما بقي والتقوى فعل المامورات واجتناب المنهيات ارضيتم ان تعاهدوني على ذالك قالوا رضينا فقال قولوا استغفر الله العظيم. ثم وضع يده في ايديهم وغشاها بمنديل معه ودعا سراً ثم تلا الآيات المتقدمة ثم قال ورد عنه صلى الله تعالى عليه وسلم انه لقن اصحابه الذكر جماعات وفرادى فاسمعوا عني الذكر ثلاثة وغمضوا اعينكم قولوه بعدي ثلاثا مستحضري معنى

ومعنى لا اله الا الله لا معبود بحق الا الله فان المعبودات كثيرة منهم من يعبد الشمس ومنهم من يعبد القمر ومنهم من يعبد النجوم وكلها معبودات بالباطل ولا معبود بحق الا الله ثم لقنهم الذكر وسمعه منهم ثلاثا ثلاثا ثم دعا لهم

کے تقویٰ کی، ملازمت ذکر کی، اور طریق کے اوراد پر مواظبت کی وصیت کرے۔

ہم نے اپنے استاد (شیخ محمد رشید) رحمۃ اللہ علیہ کو اس جماعت سے جس نے ان سے بیعت کی درخواست کی تھی۔ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اچھا آپلوگ بیعت ہونا چاہتے ہیں؟ جانتے بھی ہیں بیعت کسے کہتے ہیں بیعت ہونا دینی قربت کا التزام کرنا ہے اور یہاں طریق میں اس سے مراد گذشتہ امور سے توبہ کرنا اور آئندہ کیلئے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا ہے اور تقویٰ مامورات شرعیہ کے اداکرنے اور منہیات سے بچنے کا نام ہے۔ اب بتاؤ ان امور پر بیعت کرنے کیلئے راضی ہو۔ سب لوگوں نے کہا دل وجان سے تیار ہیں۔ پھر شیخ نے فرمایا اچھا کہو۔ استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ھو غفار الذنوب ستار العیوب واتوب علیہ استغفر اللہ العظیم۔ پھر اپنے دست مبارک کو ان لوگوں کے ہاتھ میں رکھ کر اوپر سے اپنا رومال ڈالدیا اور آہستہ آہستہ دعا کی۔ پھر وہی آیتیں تلاوت کیں جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب کو ذکر کی تلقین جماعۃً بھی فرمائی ہے اور انفراداً بھی لہٰذا تم لوگ مجھ سے ذکر تین بار سنو اور اپنی آنکھیں بند کرلو پھر میرے بعد تم خود بھی اسے تین بار کہو اس طور پر کہ اسکے معنیٰ کا قلب میں استحضار رہے۔

سنو! لا الہ الا اللہ کا مطلب ہے کہ لا معبود بحق الا اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حق نہیں اسلئے کہ معبودات تو بہت ہیں کوئی سورج کو پوجتا ہے کوئی چاند کی عبادت کرتا ہے کوئی تاروں کی پرستش کرتا ہے اور یہ سب کے سب معبودان باطل ہیں باقی معبود حق تو صرف وہ اللہ ہی ہے پھر ان کو ذکر کی تلقین فرمائی اور خود ان سے تین بار اس کو سنا بھی۔ پھر ان کے لئے کچھ دعائیں کیں۔ بعض آہستہ آہستہ بعض جہر کے ساتھ

يدعوا سراً وجهراً واوصاهم بوصايا جمةً

ثم امرهم بالاستغفار كل يوم مائة مرة والصلوٰة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كل يوم مائة مرة بأي صيغة كانت و ذكر الله تعالى بحسب التيسير ثم التفت الي وقال قد كنت أتوقف اولاً في اخذ العهد حتى بدالي انه لا وجه للتوقف فاذا جاءك انسان وقال لك اريد ان اتوب واصير أذكر الله تعالى ماذا تقول له انتهى +

وكانه انما كان توقفه لانه كان لا يرى نفسه اهلاً للارشاد ثم انه كان اخبر استاذه السيد القصبي بما يقع له اذا اراد اخذ العهد على احد فقال له ما سبب ذلك والله ما اذنت لك الا باذن من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وامرني مرة ان اعاهد بعض طلاب العهد فتقاعست و تضاءلت لما اعرف من قصوري عن ذالك واستعفيت منه فاظهر الغيظ وقال ما سبب

اور پھر ان لوگوں کو نصائح کے ایک بڑے حصہ کی وصیت فرمائی۔

پھر انھیں ہر دن سو سو بار استغفار اور سو بار درود شریف جو سا بھی وہ چاہیں اور ذکر اللہ جس مقدار پر کہ آسانی کے ساتھ مداومت کر سکیں (ان اوراد) کا حکم فرمایا۔ پھر میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مجھے ابتداءً بیعت کرنے میں کچھ تردد ہوتا تھا۔ یہانتک کہ قلب میں یہ بات آئی کہ ابھی توقف کی کوئی وجہ نہیں ہے لہذا (تم سے کہتا ہوں کہ) جب تمہارے پاس کوئی طالب آئے اور تم سے یہ درخواست کرے کہ میں توبہ کرنا چاہتا ہوں اور اللہ کا نام سیکھنا چاہتا ہوں تو تم آخر اس سے کیا کہوگے (ظاہر ہے کہ تم اسکو توبہ کا طریقہ اور اللہ کا نام بتاؤگے۔ بس اسی کے پیش نظر پھر میں بھی بیعت کرنے لگا) انتہی کلامہ

(میں کہتا ہوں) حضرت شیخ کا توقف اس لئے رہا ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو ارشاد کا اہل نہ سمجھتے ہونگے چنانچہ انھوں نے اس کی اطلاع اپنے شیخ قصبیؒ کو دی کہ مجھے کسی کو بیعت کرتے وقت اس قسم کا تردد ہوجاتا ہے انھوں نے فرمایا کہ اسکی کیا وجہ؟ خدا کی قسم میں نے تم کو اس کی اجازت نہیں دی ہے مگر اس وقت جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اجازت حاصل کر لی ہے اور پھر مجھے میرے شیخ نے ایک بار حکم دیا کہ بعض طالبین کو تم بیعت کر لو۔ میں نے بھی اپنے آپکو کمتر جانا اور توقف کیا اسلئے کہ میں اپنی کوتاہیوں سے خوب واقف تھا چنانچہ میں نے حضرت شیخ (محمد رشیدؒ) سے اسکی معافی چاہی تو اس پر وہ بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ عدم امتثال کا کیا سبب ہے پس میں اس کی جرات تو نہ کر سکا کہ ان سے

متناعاً فما تجرأت ان اقول له
عدم اهليتي بعد ان استخلفني
فاكون قد خطاته فيما فعل
فقلت قد ذكروا انه اذا
كان في البلد مثلا من هو
اعلى من الانسان فليس له
ان ياخذ على احد العهد
فكيف وانت استاذي اطال
الله تعالى بقاءك فاعجبه
ذالك الجواب وقال نعم
انه الادب +

وقد كان امرني مرة ثانية ان
اخذ العهد على بعض الطالبين
فقلت له ان قطر انت فيه لا يمكن
ان اعاهد فيه احدا +

وامرني مرة ثالثة ان اعاهد
جماعة طلبوا منه العهد فاستعفيت
فالتفت الي مغضبا وقال ليش ما
الفرق يعني بيني وبينك فقلت له ما
دمت انت موجودا اطال الله تعالى
بقاءك لا يمكني ان امد يدي فسكن
غضبه وقال اذا كان من هذا
القبيل فلا باس

یہ عرض کرتا کہ مجھ میں اہلیت اسکی نہیں ہے اسلئے کہ حضرت مرشدی نے تو مجھے خلیفہ بنایا تھا تو اس کہنے کا مطلب تو یہ ہوتا کہ میں ان کے فعل کی تغلیط اور ان کا تخطیہ کر رہا ہوں اسلئے میں نے یہ کہا کہ مشائخ یوں فرماتے ہیں کہ جب کسی شہر میں کوئی شخص کسی سے درجہ میں بڑا موجود ہو تو اس سے کم مرتبہ والے کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی کو بیعت کرے۔ پس جب یہاں آپ میرے شیخ موجود ہیں (اللہ تعالیٰ آپ کی بقا کو طویل فرمائے) پھر بھلا میرے لئے کیونکر مناسب تھا کہ میں کسی کو بیعت کرنے کی ہمت کرتا اور از روے طریق یہ جائز بھی کب تھا۔ حضرت شیخ کو یہ جواب بہت پسند آیا۔ فرمایا۔ واقعی ادب کی بات تو یہی ہے۔

(جزاکم اللہ تعالیٰ)

اسی طرح ایک مرتبہ اور بعض طالبین کو مجھے بیعت کرنے کے لئے فرمایا میں نے عرض کیا کہ روئے زمین کا وہ خطہ جس میں آپ جیسے بزرگ موجود ہوں کسی دوسرے کی مجال نہیں کہ وہاں کسی کو بیعت کر سکے۔

اسی طرح ایک تیسری بار اور مجھے ایک جماعت کو بیعت کرنے کے لئے فرمایا جنھوں نے کہ حضرت شیخ سے بیعت کی درخواست کی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ اس سے مجھے معاف رکھیں تو میری جانب غصہ کی نظر سے دیکھا اور کہا کیوں؟ مجھ میں اور تم میں کیا فرق ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ آپ کی عمر دراز کرے جب تک آپ موجود ہیں میری مجال نہیں کہ بیعت کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا سکوں اس سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ فرمایا کہ اچھا اگر اس قسم کی بات منشا انکار ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(وسمعته) رحمه الله مرة يقول لطالب
العهد ان اخذ العهد على وجهين
منهم من ياخذ العهد للتبرك
ومنهم من ياخذه للسلوك فمن
ايهم انت فقال ممن يريد السلوك
انتهى +

وهنا ينظر الاستاذ فى حاله
فان راه اهلا للسلوك امره بصلاة
ركعتى التوبة اولا ثم يجلسه بين
يديه ويفهمه انه انما يعاهده
على التوبة من جميع الذنوب والتزام
تقوى الله تعالى وامتثال امر استاذه
الداخل تحت تربيته والانقياد
لما يامره به من اعمال الطريق وغيرها
بحيث يسلم قيادة له ويستسلم
لامره ويكون بين يديه كالميت بين
يدى الغاسل لا يعترض عليه فى
سره ولا يستصعب عليه فى تقليبه
حتى يخلصه من رعونات نفسه
ويعلمه ما علمه الله تعالى ما يقربه
اليه ويخبره ايضا بانه ان خالف
بشئ من ذالك فقد خان العهد
ثم يفعل ما تقدم ويلقنه الذكر
بهمة وخشوع وحسن التجاء وتوجه
تام ويامره بالذكر بحسب ما يراه

میں نے اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بار سنا کہ کسی
طالب بیعت سے یہ فرماتے تھے کہ بیعت دو طرح کی ہوا کرتی ہے۔
بعض لوگ بیعت محض تبرک کے لیے لیتے ہیں اور بعض لوگ
سلوک کے لئے تو تم کن میں سے ہو اس نے کہا میں ان لوگوں
سے ہوں جو سلوک کا ارادہ کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ کو چاہیئے کہ مرید کے حال میں
غور کرے۔ اگر اسکو سلوک کا اہل دیکھے تو اسکو پہلے دو رکعت
نماز توبہ پڑھنے کا حکم کرے پھر اسکو اپنے سامنے بٹھائے اور سمجھائے
کہ وہ تمام گناہوں سے توبہ پر بیعت کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے
تقوی کو لازم کرلے۔ اور اپنے اس شیخ کے حکم کے امتثال
کرنے پر جس کی تربیت میں یہ داخل ہے۔ بیعت کر رہا ہے
نیز اس نیت کے ساتھ بیعت ہو رہا ہے کہ طریق یا غیر طریق
کے جن اعمال کا بھی شیخ اسکو حکم کرے گا اس میں اس کا
انقیاد کریگا۔ بایں طور کہ اسکی قیادت کو تسلیم کریگا اور اس کا
تابع فرمان رہے گا اور اس کے سامنے اس طرح سے رہے گا
جیسے مردہ بدست زندہ (یعنی غاسل) ہوتا ہے اور اس پر ظاہراً
و باطناً کوئی اعتراض نہ کرے گا اور اسکی اصلاحات اور تنبیہات
کے وقت اینٹھ نہ جائے گا اور اس کا برا نہ مانے گا یہاں تک
کہ شیخ اسکو اس کے نفس کے رعونات (رذائل) سے
نکالدے اس کے ساتھ ساتھ اسے ان چیزوں کی تعلیم
کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسکو سکھلائی ہیں اور جن کے ذریعہ
سے اس کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور شیخ کو یہ بھی
چاہیئے کہ سالک کو خبردار کردے کہ اگر تم نے ان امور میں
سے کسی میں کچھ کمی کی تو عہد کے خلاف ہو گا پھر وہی
چیزیں کرے جو پہلے کہی جا چکی ہیں اور اس کو ذکر کی تلقین

يمكنه كل يوم اثني عشر الفا او اكثر و
يلزمه الزاوية ويعينه بما يقدر
عليه بحيث لا يشتغل بشيء من امور
الدنيا حتى يتم سلوكه وبعضهم
يوخر الشيخ معاهدته مدة يعلم
فيها صدق رغبته في الطريق وعلو
همته واهليته للسلوك وقد اخر
استاذنا رحمه الله تعالى معاهدتي
مدة اشهر وانا مشغول فيها بخدمة
نعاله وحمل سجادته الى ان كان بعض
الايام دعاني بعد صلاة الظهر وعاهدني
على وجه السابق ولقنني الذكر بهمة
وخشوع بحيث بقيت اسمع من قلبي
المذكور طول ذالك اليوم وبعد مدة
قليلة رأيت النبي صلى الله عليه وسلم
في المنام رؤيا مبشرة والهمني الحق تعالى
مكارم الاخلاق من حب الفقراء
وخدمتهم وايثارهم بما عندي
ووفقني لكثرة الصيام والقيام
والمواظبة على النوافل واوراد الطريق
ومجالسة المساكين وتنقية القمل
من ثياب عميانهم والتبذل بالثياب
والصفح عمن اذاني والدعاء له بالخير
الى غير ذالك مما منحنيه الحق تعالى
ببركة انفاس الاستاذ ووفقني

کرے۔ ہمت۔ خشوع۔ حسن التجا اور توجہ تام کے ساتھ
اور اس کو حکم کرے کہ جس قدر تم سے ہو سکے ذکر
کیا کرو مثلاً ہر دن بارہ ہزار یا اس سے زیادہ اور
اسکو گوشہ نشینی کا حکم کردے اور اس کی اعانت
ایسی چیز سے کرے جس کی وجہ سے وہ گوشہ نشینی
پر قادر ہو سکے (یعنی حوائج ضروریہ کا بندوبست کردے)
تاکہ وہ خود دنیوی امور میں مشغول نہ ہو یہاں تک کہ اس کا
سلوک تام ہو جائے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ
مشائخ ان کے بیعت کرنے کو اتنی مدت تک کے لئے موخر
کردیتے ہیں جتنے میں کہ طریق سے اسکی رغبت اور مناسبت
اور اس کے علو ہمت اور سلوک کی اہلیت معلوم کرسکے۔ چنانچہ
ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بیعت فرمانے کو تو چند مہینے
کے لئے مؤخر فرمادیا تھا اور میں اس درمیان میں حضرت
کا جوتہ اٹھانے اور مصلیٰ لانے اور لیجانے کی خدمت پر مامور تھا
یہاں تک کہ ایک دن ظہر کے بعد مجھے بلایا اور مذکورہ بالا طریق
پر بیعت فرمالیا اور مجھے ایسی ہمت اور خشوع کے ساتھ ذکر کی
تلقین فرمائی کہ اس روز تمام دن میں اپنے قلب سے ذکر اللہ ہی
سنتا رہا اور پھر چند ہی دنوں کے بعد میں نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جو کہ ایک بشارت کا خواب تھا
اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق یعنی بزرگان دین کی محبت
ان کی خدمت اور اپنے پاس جو چیز موجود ہو اس میں انکو ترجیح
دینا سکھلایا ۔ اور مجھے کثرت صیام وقیام اور نوافل اور طریق
کے وظائف کی پابندی اور مساکین کی صحبت میں بیٹھنے اور ان
میں جو نابینا ہوں ان کے کپڑوں سے چیلر دور کرنے اور معمولی
کپڑے پہننے اور جو مجھے تکلیف پہونچائے اس سے درگذر کرنے

لمحبته وخدمته ولدعاء له وحسن الادب معه بما لا اقدر ان اصفه كل ذالك من غير تعلم من كتب ولا سماع من احد وذالك قبل طلبي للعلم وكان اعتنائه بي ونصحه رحمه الله تعالىٰ انه كان يعلمني بنفسه ما احتاج اليه للعبادة حتى كيفية الاستنجاء وامرني ان اسمعه السور التي اقرأها في صلاتي فكان يرشدني لتصحيحها وتجويدها ويقول لي ان طريقتنا العلم فعليك بطلب العلم فمن ذالك الوقت تعلقت بطلب العلم الى ان فتح الله تعالىٰ بما فتح به ببركة توجهاته وعن دعواته الا اني بعد ما تعلقت بطلب العلم اشتغلت عما كنت عليه وتغير حالي بسبب مخالطة طلبة الزمن الى ان وصلت لحد الانكار على اهل الطريق والعياذ بالله تعالىٰ ثم بعد ما بلغت من العلم حد التدريس عاودني عائد محبة القوم ورأيت نفسي كاني لابس ثوبا وسخا بسبب الاوصاف الردية التي انا ملأ بها من الكبر والعجب وحب الشهرة والمحمدة و

بلکہ اس کے لئے دعا خیر کرنے وغیرہ وغیرہ امور کی توفیق عطا فرمائی اور ان کے علاوہ بہت سی وہ چیزیں جنھیں حق تعالیٰ نے محض لپنے نفس سے اور شیخ کے دم کی برکت سے مجھے عطا فرمائی تھیں ان کی بھی توفیق بخشی۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے مجھے اپنی محبت کی اور خدمت کی اور اپنے سے ہی دعا کرنے کی اور اپنے ساتھ ایسا حسن ادب برتنے کی کہ زبان جس کے وصف سے قاصر ہے توفیق عطا فرمائی اور یہ تمام چیزیں بدون کسی کتاب میں دیکھے اور کسی سے سنے ہوئے مجھے حاصل تھیں اور یہ میرے طلب علم کے زمانہ سے پہلے کے حالات تھے چنانچہ حضرت شیخ رح کی مجھ پر جو خاص توجہ تھی اور میری خیر خواہی منظور تھی اسی کے منجملہ یہ بھی تھا کہ عبادت کے لئے جن امور کی احتیاج ہوتی حضرت والا مجھے خود تعلیم فرماتے یہانتک کہ استنجاء کی کیفیت بھی مجھے تعلیم فرمائی اور مجھے یہ حکم دیا کہ میں حضرت کو وہ سورتیں سنا دوں جو میں اپنی نماز میں پڑھتا ہوں چنانچہ حضرت سنکر اسکی تصحیح فرما دیتے اور اسکی تجوید درست کر دیتے اور مجھ سے فرماتے تھے کہ سنو بھائی ہمارا طریقہ تو علمی ہے لہذا علم دین حاصل کرو چنانچہ اسی وقت سے میں علم طلب کرنے میں لگ گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہات کی برکت سے اور ان کی دعا کی سعادت سے مجھ پر علم کا باب کھولا جیسا کہ کھولا مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہوا کہ جب میں طلب علم میں لگا تو اپنے سابق (اور اصلی) کام یعنی (توجہ الی الباطن) سے رہ گیا اور میرا حال زمانہ حال کے طلبا کی مخالطت سے بدل گیا یہانتک کہ العیاذ باللہ اہل طریق پر انکار کی حد تک پہونچ گیا۔ پھر علم حاصل کرنے کے بعد جب میں مدرس ہوا تو قوم (صوفیہ) کی محبت کا داعیہ الحمدللہ میرے اندر پھوٹا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میں میلا کپڑا پہنے ہوئے ہوں اس لئے کہ اپنے جسم پر اوصاف رذیلہ مثلاً کبر۔ عجب۔ حب شہرت۔ خود پسندی کا لباس پہنے ہوئے تھا اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے

رأيت تدريسي وتعليمي كله سيئات
بسبب عدم الاخلاص فكنت استغفر الله
تعالى بعد الدرس مما لحقني فيه من
الآثام وبقيت في ذلك الوقت خائفا
من أن ألقى الله تعالى على تلك الحالة
ثم توسط لي عند الاستاذ رحمه الله تعالى
بعض من شكوت اليه حالي من الاشياخ
فلقيني عند باب الجامع الكبير
متبسما وقال لي لا يحتاج ما بيني وبينك
للوسائط ثم شغلني بالذكر وامرني ان
لا اترك التدريس حتى عادت عطفة
الحبيب وحصلت لله الحمد من
بركات هذا الطريق على ما من به الفتاح
العليم ومازال يربيني بالدلال الى
ان اكملت الاسماء السبعة واجازني
والبسني تاج اهل الطريق وضاعف الله
تعالى لي حبه اساله تعالى دوام النعمة
وحسن الخاتمة لي وله وجميع المسلمين
وان يجزيه بفضله عني احسن الجزاء
آمين اللهم آمين۔

ولقد كنت مرة اذاكر كمالاته
مع السيد الامام نجل شيخ شيخنا
السيد القسبي فوقع اتفاقا انه لم
يكن في بلاد الشام ولا في بلاد مصر

میرا درس و تدریس، پڑھنا پڑھانا گویا سب کے سب سیئات تھے (جن میں مبتلا تھا) پس میں درس کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار بھی کرتا تھا ان گناہوں کی وجہ سے جو مجھے لاحق ہو جاتے تھے اور اس وقت مجھے سب سے زیادہ اس کا خوف معلوم ہوتا تھا (کہ کہیں اگر موت آ گئی) اور اللہ تعالیٰ سے اسی حالت میں ملاقات کروں گا تب کیا حشر ہوگا) بہر حال پھر میرے اور شیخ کے درمیان بعض میرے وہ احباب درشیوخ واسطہ بنے جن سے میں نے اپنا سارا حال بیان کیا تھا۔ چنانچہ شیخ مجھے ایک دن جامع مسجد کے دروازہ کے پاس ملے۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ مجھ میں اور تم میں جو تعلق اور رشتہ ہے وہ وسائط کا تو محتاج نہ تھا (یعنی تم کو اپنا حال مجھ سے خود ہی بلا واسطہ کہنا چاہیئے تھا) پھر مجھے ذکر میں مشغول ہونے کو کہا اور مجھے حکم دیا کہ میں تدریس بھی نہ چھوڑوں۔ یہاں تک کہ (اسی کی برکت سے حق تعالیٰ کی محبت کا تعلق سابق دوبارہ لوٹ آیا۔ اور قلب میں جاگزیں ہو گیا۔ پس اللہ ہی کے لئے تعریف ہے۔ اس پر کہ جو اس طریق کی برکات کا مجھ پر اس فتاح العلیم نے فیضان فرمایا اور پھر اسی طرح دیرینہ عنایات اور ناز و انداز کے ساتھ حضرت مرشدی میری برابر تربیت فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے ساتوں اسماء پورے کر لئے پھر اسکے بعد مجھے اجازت بخشی اور اہل طریق کا تاج میرے سر پر رکھا اللہ تعالیٰ انکی محبت کو میرے لئے اور زیادہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے میں اپنے لئے۔ انکے لئے اور تمام مسلمانوں کیلئے دوام نعمت اور حسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ ان کو اپنے فضل سے میری جانب سے بہترین جزاء عطا فرما دے آمین اللّٰھم آمین۔

اور ایک مرتبہ میں اپنے استاد (شیخ محمد رشید طرابلسی) کے کمالات کا تذکرہ اپنے شیخ کے شیخ سید قصبی کے صاحبزادے سید امام نجل سے کر رہا تھا کہ اثنائے کلام میں بات یہ آئی کہ فی زمانہ شام اور مصر میں تو استقامت۔ رسوخ فی الطریق اور دیگر ان کمالات میں

الآن نظيره فى استقامته ورسوخه
فى الطريق وكمالاته التى من الله تعالىٰ
بها عليه ومن جملة ما استدل لنيابته على
ذلك ان الاستاذ الشيخ الشرقاوى
قدس الله تعالىٰ سره العزيز كان يقول
ليس فى مصر الآن من يستحق لبس
الخرقة على التحقيق سوى ولدى القلبى
السيد حسن القصبى ولما قربت اوصىٰ
بتاجه له فلحظ من ذالك انه وارث
سره واعظم خلفائه ثم لما قربت وفاة
لسيد القصبى اوصى بذلك التاج
نفسه لاستاذنا فعلم ايضاً انه حامل
سره واعظم خلفائه ثم ان استاذنا
رحمه الله لم يوص بذلك التاج احد
وكانه لم يجد من هو اهل لحمل [ـه]

جو حق تعالیٰ نے انھیں بخش رکھا ہے۔ کوئی ان کا نظیر موجود نہیں
ہے۔ چنانچہ ہم نے جن دلائل سے ان کے شرف و فضل پر
استدلال کیا تھا ان میں سے ایک دلیل یہ بھی تھی کہ استاد شیخ
شرقاوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ
میں اب مصر میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہ گیا ہے جو
حقیقی معنوں میں خرقہ پوشی کا مستحق ہو۔ سوا میرے قلبی اور
روحانی ولد سید حسن قصبی کے۔ چنانچہ جب انکی وفات
قریب ہوئی تو انھوں نے اپنے تاج کے متعلق یہ وصیت
فرمائی کہ وہ سید حسن قصبی کو دیدیا جائے تو اس سے گویا ایک طرح
کا اشارہ فرمایا کہ وہی ان کی نسبت باطن کے وارث ہیں اور
سب سے بڑے خلیفہ ہیں۔ پھر جب سید قصبی کی وفات کے دن قریب
ہوئے تو انھوں نے اپنے اس کلاہ یعنی (تاج) کی وصیت ہمارے
شیخ کیلئے فرمائی اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہمارے شیخ ہی انکی باطنی دولت کے
حامل تھے اور ان کے اعظم خلفاء میں سے تھے۔ پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس تاج
کے متعلق کسی کو وصیت نہیں فرمائی شاید وجہ یہ رہی ہو کہ انھوں نے اس

(ـه قوله وكانه لم يجد من هو اهل لحمل الخ) یعنی یوں تو میں بھی اہل نہ تھا مگر یہ حضرت شیخ رح کو مجھ سے کچھ حسن ظن ہی تھا یہاں تک کہ لوگ جب آپکی خدمت میں مجھ سے پہلے قہوہ کا فنجان پیش کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ شیخ کو دو (اور میری جانب اشارہ فرماتے تھے) اسیطرح میں ایک بار حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا طبیعت زیادہ ناساز تھی (مجھے دیکھ کر فرمانے لگے) کہ جب شیخ آجاتے ہیں تو میرا سارا مرض ہی دور ہو جاتا ہے (میرے ساتھ حسن ظن کا یہ حال تھا) بلکہ میرے علم میں نہیں ہے کہ حضرت نے اپنے کسی خلیفہ کو اپنی موجودگی میں مریدین کو بیعت کرنے کا امر فرمایا ہو بجز میرے۔ پس ان اسباب کی بنا پر مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید آپ کے بعد میں ہی آپ کی نسبت اور سر کا حامل و وارث ہونگا۔ چنانچہ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے (میرا گمان صحیح نکلا) بایں ہمہ میں ہمیشہ آس لگائے رہا کہ حق تعالیٰ کا مجھ پر مزید فضل ہو اور رب تعالیٰ مجھ پر بھی ویسا ہی احسان فرمائیں جیسا کہ اپنے اولیاء اور مقربین پر فرمایا کرتے ہیں اور یہ توقع ان مبشرات کی وجہ سے قائم ہوئی جو مجھے خود بذریعہ خواب نظر آئے یا میری بابت دوسرے احباب کو خواب دکھایا گیا مثلاً ان مبشرات میں سے ایک تھا کہ میرے چچا شیخ مصطفےٰ رافعی رح نے اپنے والد (یعنی میرے دادا) شیخ عبد القادر رافعی رح کو خواب میں دیکھا فرما رہے تھے کہ تم میں سے کوئی بھی میرا خلیفہ نہ ہو سکا سوا عبد الغنی کے۔ اور میرے یہ دادا مرحوم تیرہ سال چار مہینے تک قطبانیت کے متولی رہے ہیں چنانچہ یہ بات اہل طریق میں مشہور تھی۔ اسیطرح ایک مرتبہ میں نے بھی اپنے والد مرحوم کو ان کی وفات کے بعد ہی روز بذریعہ خواب میں دیکھا کہ انھوں نے مجھے اپنے مقام کی خبر دی اور مجھ سے یہ فرمایا کہ عنقریب تم میرے (دینی) وارث ہوگے۔ اور شیخ عبد القادر جو کہ میرے چچا شیخ محمود رح کے لڑکے تھے انھوں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جبہ مبارک سیدنا خضر علیہ السلام کو مرحمت فرمایا اور ان سے یہ فرمایا کہ اسے عبد الغنی کو پہنا دو تاکہ اس کے لئے ایک تار ہو جائے اور اس کی جبہ پوشی بھی ہو جائے حضرت خضر ع نے عرض کیا کہ حضور ابھی اس کے جبہ پوشی کا وقت نہیں آیا ہے۔ انتہی کلامہ ۱۲

ذلك اسر بل ما رأيت شيخنا قط لابسًا
ذالك التاج وسمعته مرة يقول
اذالبسته تحصل لى حالة غريبة
ولم يزل ذالك التاج عند اولاده
الآن۔

ولنرجع الى ماكنّا بصدده
فنقول اذا قام المريد من بين
يدى استاذه وكان طالبا
للكمال فليحافظ على التوبة التى
عاهده ايها واسقاط مظالم
العباد بالاداء اوالابراء والمسامحة
فان عجز فليكن عازما على ايصال
الحق لمستحقه متى قدر والايزال
يدعو ويستغفر لصاحب الحق
بنحو استغفرالله العظيم فى حق
العباد مائة مرة كل يوم الى ان
يخلص من حقهم بما تقدم وذالك
ان التوبة اصل هذا الطريق
واساسه واول منازله فمتى
صحت وخلصت لله تعالى صح
مابنى عليها واثمر ومتى فسدت
فسد مابنى عليها وتغير اذالمبنى
على الفاسد فاسد واذا صحت
توبة العبد جبت ماقبلها من
الذنوب واستوجبت محبة الله

دولت کے حاصل ہونے کا کسی کو اصل ہی نہ جانا ہوگا بلکہ میں
نے تو اپنے شیخ کو (یعنی محمد رشیدؒ) کو کبھی اس تاج کو پہنے ہوئے
دیکھا بھی نہیں۔ البتہ ایک بار میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب
میں اس کلاہ کو پہن لیتا ہوں تو عجیب وغریب حالات قلب میں پیدا ہو جاتے
ہیں۔ بہرحال وہ تاج ان کے خاندان میں آجتک موجود ہے۔

اب ہم پھر اسی بات کی طرف لوٹتے ہیں جو پہلے بیان کر رہے تھے
یعنی جب کوئی مرید اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو اور اس سے
تحصیل کمال چاہے تو اسکو چاہیئے کہ اس توبہ پر محافظت کرے جسکا
شیخ نے اس سے عہد لیا ہے اور اپنے ذمہ جو کچھ حقوق العباد
ہوں ان کو ادا کرے یا معاف کرائے۔ اگر اس سے عاجز ہو تو
اس کو چاہیئے کہ اس بات کا عزم کرے کہ جب بھی اس پر
قدرت ہوگی اہل استحقاق کو ان کا حق ضرور پہونچائے گا۔
اور اس درمیان میں صاحب حق کے لئے برابر دعا واستغفار
کرتا رہے۔ مثلاً روزانہ سوؔ بار یوں کہہ لیا کرے کہ یا اللہ
حق العباد کے سلسلے میں آپ سے استغفار طلب کرتا ہوں۔ اور
یہ اس وقت تک کرتا رہے جب تک کہ مذکورہ بالاطریق پر
ان کے حقوق سے سبکدوش نہ ہو جائے۔ اور یہ اسلئے کہ توبہ اس طریق کی
اصل اور اس کی اساس ہے بلکہ سب سے پہلی منزل ہے۔ تو
جب یہ درست ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے لئے خالص
ہو جائے گی تو جو امور کہ اس پر مبنی ہیں یا اسکے ثمرات
میں سے ہیں وہ سب بھی صحیح ہو جائیں گے اور اگر یہی
فاسد رہی تو جو امور کہ اسپر مبنی ہیں وہ سب بھی فاسد
ہو جائیں گے اور خلل پذیر ہی رہیں گے۔ اس لئے کہ جو
شئے کسی فاسد چیز پر مبنی ہوتی ہے وہ خود بھی فاسد ہوتی ہے۔
اور جب بندہ کی توبہ صحیح ہو جاتی ہے تو اس سے پہلے کے جتنے

تعالیٰ له واذا صدق فی توبته لزمته العزلة عن الناس والانقطاع الی الله تعالیٰ لیفرغ قلبه لقضاء حقوق الله تعالیٰ الفائتة من صلوات کان تارکها ونحوها ولینقطع بقلبه عن الناس ویلزمه[۱] اذابة کل لحم نبت من الحرام بالریاضة والمجاهدة ویلزمه اصلاح الماکول والمشروب والملبوس من الحلال ولو من اقل مایوکل ویشرب ویلبس ومجاهدة النفس علی الطاعات وکفها عن المخالفات

گناہ ہوتے ہیں سب معاف ہوجاتے ہیں۔ اور یہ چیز اس بندے سے اللہ تعالیٰ کی محبت کو واجب کرتی ہے بہرحال سالک جب اپنی توبہ میں صادق ہوجائے تو شیخ اسکو لوگوں سے علیحدہ کرکے گوشہ نشینی لازم کردے اور حکم دے کہ وہ منقطع الی اللہ ہوجائے تاکہ اس کا قلب اُن حقوق اللہ کی ادائگی کیلئے فارغ ہوجائے جو اس سے فوت ہوچکے ہیں مثلاً نمازیں جو اس سے چھوٹ گئی ہیں یا اور دیگر عبادات اور چاہیئے کہ یہ سالک لوگوں سے قلبی انقطاع رکھے۔ اور اسکو یہ بھی لازم ہے کہ ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ اپنے اس گوشت پوست کو ختم کردے جو حرام مال سے پلا اور بڑھا ہے۔ اسی طرح اسکو اپنے کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں کی اصلاح بھی ضروری ہے کہ وہ حلال مال سے ہوں۔ اگرچہ وہ ماکول ومشروب وملبوس کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ اسی طرح

(۱) قوله ویلزمه اذابة کل لحم (خ) اور اسکی مثال وہ واقعہ ہے جو شیخ عبداللہ حلبی کا اپنے شیخ کے ساتھ جنکے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے شیخ عبداللہ کو ہدایت بخشی، پیش آیا۔ اسلئے کہ انھوں نے جب شیخ سے بیعت کی درخواست پیش کی تو شیخ نے ان سے فرمایا کہ تم بارگاہ خداوندی میں کیونکر داخل ہوسکتے ہو جبکہ نجاسات سے آلودہ اور تر بتر ہو۔ بات یہ تھی کہ شیخ عبداللہ مصر کے ایک دفتر میں دیوان تھے۔ چنانچہ انھوں نے (یہ سنکر) شیخ سے عرض کیا کہ پھر میں اب کروں کیا؟ انھوں نے فرمایا کہ بھائی ہر وہ گوشت جو حرام مال سے بڑھا ہو دوزخ اسکے لئے زیادہ مناسب ہے لہذا تم اپنے گوشت کو بھوک کے ذریعہ گھلا کر ختم کرو۔ چنانچہ اسکے بعد انھوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ بھوکا ہی رکھا۔ یہانتک کہ ایسے ہوگئے کہ ان کے پیٹ کے اندر آنتوں کی حرکت باہر سے نظر آتی تھی اور وہ دنیا کو مانند دھواں کے دیکھتے تھے۔ غرض جب ان کا گوشت گھل گیا اور ادھر سید بدوی رحؒ کی میلاد کا وقت قریب آیا تو ان کے شیخ ان کو اپنے ساتھ طنطا لے گئے اور سید مذکور کی مزار کے قریب ہی ان کو بیعت فرمالیا۔ اور جب ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں رکھا تو سید نے بھی اپنا ہاتھ قبر سے نکالا اور اسے ان دونوں کے ہاتھوں کے اوپر رکھدیا اس واقعے کو اسی طرح سے میرے صدیق بے بدل سید خلیل احمد آفندی السمین نے مجھ سے بیان کیا ہے جو کہ طرابلس (شام) کے سادۃ الاشراف کے نقیب تھے اور شیخ عبداللہ مذکور کے خواص میں سے تھے اور آپ سے ایسی عجیب وغریب کرامات کا صدور ہوتا تھا جس سے عقل حیران تھی۔ لیکن میں نے ان کا زمانہ نہیں پایا۔ اھ منه (رحمہ اللہ)

وهی التقوی التی عاهد علیها استاذه واذا صدق مجاهدته ثمرت له الهدیة بوعده تعالی والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا وذالك ان الله تعالی جعل بین الاجساد والارواح رابطة ربانیة وعلاقة معنویة

فاذا عملت الجوارح باطاعة انعکس منها اشعة انوار علی القلب فیخشع ویصفو ویستنیر واذا استنار القلب وانصلح اثر ذالك فی الجوارح فخشعت[1] وانقادت وعملت بالطاعات علی اللذة والنشاط لان المجاهدة توصل الی المشاهدة وهی امر لابد منه التوبة ومن لم یکن فی بدایته صاحب مجاهدة لم یذق قطرة من شراب القوم ومن ظن انه یفتح له باب من ابواب الطریق او یکشف له عن شئ منها بدون دوام المجاهدة فهو مغرور کما قیل ؎

نظرت فی الراحة الکبری فلم ارها
تنال الا علی جنس من التعب
والجد منها بعید فی تطلبها
فکیف تدرك بالتقصیر واللعب

لازم ہے کہ مجاہدہ کرکے نفس کو طاعات پر لگائے اور مخالفات سے اسکو روکے۔ اسی کا نام تقویٰ ہے جسکا کہ عہد اس کے شیخ نے اس سے بیعت کے وقت لیا ہے۔

اور جب یہ سالک اپنے مجاہدے میں بھی پورا اتر جائے تو حسبِ وعدۂ خداوندی ثمرہ ہدایت کا اس پر ترتب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انکو اپنے رستے ضرور دکھا دیں گے۔ اور یہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے جسم و روح میں ایک ربانی رابطہ اور معنوی علاقہ قائم فرما دیا ہے۔ چنانچہ جب جوارح طاعت کا عمل کرتے ہیں تو ان سے نور کی شعاعیں چھن چھن کر قلب پر پڑتی ہیں جسکی وجہ سے اسکے اندر خشوع، صفائی، اور نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور جب قلب منور ہو جاتا ہے اور اصلاح پذیر ہو جاتا ہے تو اسکا اثر جوارح پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی خاشع، منقاد اور لذت و نشاط کے ساتھ طاعات کرنے والے ہو جاتے ہیں اسلئے کہ مجاہدہ ہی مشاہدہ کا ذریعہ بنتا ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا توبہ کے بعد توبہ میں آنا ناگزیر ہے چنانچہ جو سالک ابتداء سلوک میں صاحب مجاہدہ نہیں ہوتا تو اسکو قوم کی شراب سے ایک قطرہ بھی چکھنا نصیب نہیں ہوتا اور جس شخص کا یہ گمان ہو کہ اسکے لئے بدون دوام مجاہدہ کے طریق کے ابواب میں سے کوئی باب کھول دیا جائے گا یا اسکی اشیاء میں سے کسی شے کا انکشاف ہو جائے گا تو وہ دھوکے میں ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ؎ میں نے بڑی راحت کی تحصیل میں غور و فکر کیا تو میں نے یہ سمجھ لیا کہ میں اسے حاصل نہیں کر سکتا مگر تعب عظیم اٹھانے کے بعد۔ اور اس عظیم راحت کی تحصیل پوری کوشش کے بعد بھی تو مشکل ہی سے ہوتی ہے۔ پس اسکو تقصیر اور کھیل کود کے ذریعہ کیونکر حاصل کیا جا سکتا ہے۔

---

(1) قولہ فخشعت الخ) یہ حدیث اس پر شاہد ہے کہ اگر اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو اس کے جوارح میں بھی ضرور ہوتا۔ منہ ۱۲

وإذا كان الله تعالى قال لنبيه صلى الله تعالى عليه وسلم وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا أي إذا كان مرادك ان تصل الى ذالك المقام المحمود فعليك بكثرة الركوع والسجود فقام صلى الله عليه وسلم حتى تورمت قدماه وقال رجل للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم ادع الله تعالى لي ان اكون رفيقك في الجنة فقال اعني على ذالك بكثرة الركوع والسجود وقال لبنته سيدة نساء العلمين اعملي فلن اغني عنك من الله شيئا وقال يا بني هاشم لا يأتيني الناس يوم القيامة باعمالهم وتاتوني بانسابكم فكيف يطمع مثلنا بنيل ذالك مع ارخاء عنان النفس في طريق المخالفات فهذه سنة الله تعالى في خلقه وعلى ذالك درج السلف وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔

اور دیکھو جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو آپ کے لئے زائد چیز ہے۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔ یعنی اگر آپ کی یہ خواہش ہو کہ آپ مقام محمود تک پہونچ جائیں تو اپنے اوپر کثرت رکوع اور کثرت سجود کو لازم پکڑ لیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد اتنا قیام فرمایا کہ قدم مبارک پر ورم آگیا۔ اسی طرح سے ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ میں آپ کا جنت میں بھی رفیق رہوں تو آپ نے اس سے فرمایا کہ کثرت رکوع اور تکثیر سجود کے ذریعہ تم میری اس بات میں مدد کرو۔ اسی طرح آپ نے اپنی صاحبزادی سے جو کہ تمام جہان کی عورتوں کی سردار تھیں۔ فرمایا کہ بیٹی! عمل کرو۔ میں خدا کی گرفت سے تم کو (بدون عمل کے) نہ بچا سکونگا۔ اور آپ نے بنی ہاشم سے فرمایا کہ اے بنی ہاشم دیکھو ایسا نہ ہو کہ کل بروز قیامت سب لوگ تو اپنے اپنے اعمال لیکر آئیں اور تم لوگ اپنے نسب کو لیکر میرے پاس آؤ۔ (جب ان حضرات کا یہ حال ہے) تو ہم جیسوں کیلئے حصول درجات کی توقع کرنا کیونکر درست ہے خاصکر اس حال میں کہ ہم نے نفس کو مخالفات میں خوب ہی ڈھیل دے رکھی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی تو عادت اپنی مخلوق کے معاملہ میں یہی ہے جو مذکور ہوئی ع
کامیابی تو کام سے ہوگی۔ چنانچہ سلف کا معمول بھی یہی رہا ہے اور تم خدا تعالیٰ کے طریقے میں تبدیلی نہ دیکھوگے۔ ہر کام کا اصول مقرر کر دیا گیا ہے۔

واما من وقع لهم التنبيه بالعناية الربانية كابراهيم بن ادهم ونحوه فانهم بعد ذالك

بہرحال وہ لوگ جنکے لئے ابتدا ہی میں عنایات ربانیہ متوجہ ہوگئیں جیسے حضرت ابراہیم بن ادہم وغیرہ تو ان حضرات نے بھی بعد میں چلکر اپنے نفس کے ساتھ ایسا ہی مجاہدہ کیا ہے کہ

جاھدوا انفسھم بما لامزید علیہ حتی صار ابراھیم بن ادھم ناطور البساتین وبالنھایۃ سلم الروح فی الغربۃ ؎

بدم المحب یباع وصلھم
من ذالذی یشریہ بالسعر؎

حتی ان المجاذیب بعد ان تختطفھم ید العنایۃ تصیر اعادتھم للطریق ویمرون علی المقامات مقاما مقاما کما یاتی ـ

والحاصل ان قوت المرید الصادق فی بدایتہ الجوع و شرابہ الدموع وفطرہ الرجوع یصوم حتی یرق ویلین قلبہ واما من شبع ونام

بایدٗ شاید اس سے زیادہ کا تصور نہیں کہا جا سکتا۔ یہانتک کہ حضرت ابراہیم بن ادھم (جو کہ بادشاہ تھے) آخر میں جا کر کسی کے باغ کے باغباں ہو گئے تھے اور مسافرت ہی کی حالت میں وفات پائی ؎

محبوبین کے وصال کی قیمت عاشق کی جان اور اس کا خون ہے
آئے جسکو بھاؤ کرنا ہو اور اس دام خرید نا ہو (اسی کو کسی نے یوں کہا ہے کہ)
قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ ٭ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

یہاں تک کہ بہت سے مجاذیب جنکو عنایت الہٰی کے ہاتھ نے اچک لیا ہے مگر وہ پھر سلوک ہی پر آئے ہیں اور چھوٹے ہوئے مقامات کو شیئاً فشیئاً طے کیا ہے۔

حاصل یہ کہ مرید صادق کی غذا اوائل زمانہ میں تو بھوک ہی ہوتی ہے اور آنسوؤں کا پینا ہوتا ہے اور رجوع اس کا افطار ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو
یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

وہ روزہ رکھتے رکھتے بالکل دبلا ہو جاتا ہے اور اس کا قلب بالکل نرم ہو جاتا ہے اور جو شخص کہ خوب ڈٹ کر کھاتا ہے اور خوب سوتا ہے۔

؎ (قولہ من ذالذی یشریہ بالسعر) یعنی آئے کون ہے جو اپنے خون کے عوض محبوب کا وصال خریدتا ہے۔ میں باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک کمترین بندہ ہوں۔ اپنے محبوب حقیقی کی جانب سے فرمائے ہوئے اس اعلان کے جواب میں بس اتنا ہی عرض کرتا ہوں کہ "جان کے عوض آپ کا وصال ملنا تو بہت ہی بڑی چیز کا نہایت کم داموں میں مل جانا ہے آپکی تو ایک نظر بھی اگر میری جان کے بدلہ میں ملجائے تو میں تو اسکو بھی سستا ہی سودا سمجھوں گا (وقیل فی ہذا المعنی ؎ قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ + نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز) بلکہ میں تو یہاں بھی وہی کہتا ہوں جو ابن فارضؒ نے کسی موقع پر کہا تھا یعنی ؎ فلئن منت بھا فقد اسعفتنی + یا خَیْبَۃَ المَسْعیٰ اذا لم تسعف
یعنی اگر آپ جان لیکر بھی توجہ اور احسان فرما دیں تو سمجھونگا کہ آپ نے کامل حاجت روائی فرما دی (یعنی یہ سمجھونگا کہ جان سوارت ہوئی) اور اگر آپنے توجہ ہی نہ فرمائی تو پھر اس تمام کوشش ادرسعی پر افسوس ہی افسوس ہے (یعنی اس وقت یہ سمجھوں گا کہ محنت اکارت گئی)

ولغا فی الکلام وترخص وقال لیس علی فاعل ذلك ملام فلا یجیئی منه شیٔ والسلام واما قول بعض المشائخ لتلمیذہ حب ونم فان اراد به ان یدله علی المحبة ثم لا یمکنه بعد ھا النوم فصحیح وان اراد به غیر ذلك فھو من الغرور +

اور ادھر ادُھر کی بکواس کرتا ہے اور بولنے بات کرنے میں ذرا تکلف نہیں کرتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ ایسا کرنے والے پر کوئی ملامت نہیں ہے تو اس شخص سے کچھ کام نہ ہوگا والسلام۔ رہا بعض مشائخ کا ارشاد اپنے مریدین سے کہ بس محبت اور تعلق پیدا کرلو اور خوب سوؤ تو اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ جب اسکو محبت کی جانب متوجہ کردیا جائے گا تو خود ہی نہ سو سکے گا۔ تو ٹھیک ہے لیکن اگر اسکے علاوہ اسکی کچھ اور مراد ہے تو یہ صریح مغالطہ ہے۔

سہ (قولہ فلا یجیئی منه شیٔ والسلام) اور اسی کے مثل شیخ محمد جسر طرابلسی سے منقول ہے جو کہ اپنے وقت کے مشہور ولی تھے وہ فرماتے تھے کہ ؎۔ تاکلون بالارطال + تم لوگ سیروں کھانا کھا جاتے ہو ـ وتشربون بالاسطال + اور جگ بھر پانی پی جاتے ہو۔ وتنامون اللیل اذا طال + اور جاڑے کی طویل راتوں میں بھی رات بھر پڑے سوتے ہو + وتدّعون مقامات الابطال + اور پھر بڑے لوگوں کے مقامات کا دعوی کرتے ہو اور ان کی ھمسری کرتے ہو + ھذا کلام کله بطال ۔ یہ سب باتیں لغو اور مہمل ہیں اور یہ خود بطال لوگ ہیں۔ اھ

سہ (قولہ ثم لا یمکنه بعد ھا النوم) مطلب کہ شیخ نے اس لطیف عنوان سے اسکی رہنمائی بیداری کی جانب کردی کہ اسکو پتہ بھی نہیں چلا۔ اسی طرح سے میں نے اپنے استاذ سے سنا ہے کہ بعض مشائخ اپنے مریدوں کی تربیت انکی خواہشات ترک کراکے نہیں بلکہ اسی کے ذریعہ فرماتے ہیں یعنی نیند کی رغبت مثلاً بھی ایک شہوت ہی ہے اس سے منع نہیں فرمایا۔ اور میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تو میری تربیت اسی نگاہ و توجہ سے فرمائی۔ مجھے کبھی کسی مجاہدہ کا حکم نہیں فرمایا بلکہ خود بخود الہام کے طور پر اچھی بری بات سمجھ میں آجاتی تھی پس یہاں کہتا ہوں کہ اسکے لیے سونا بھلا ممکن ہی کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ حق تعالی جبرئیل سے فرماتے ہیں کہ اے جبرئیل فلاں کو سلا دو اور فلاں کو اٹھا دو چنانچہ مجھ پر اپنے سلوک میں ایک طویل زمانہ گذر گیا کہ شب کو جب معمولات کی ادائیگی کیلئے اٹھتا تو قلب میں سب سے پہلے اللہ تعالی کا وہ ارشاد جو ایک حدیث قدسی میں بیان کیا گیا ہے آجاتا تھا کہ اے میرے بندے بتیرے حق کی قسم میں تجھ کو محبوب رکھتا ہوں بس میرا حق جو تجھ پر ہے اس کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ تو بھی میرا محب ہو جا بس اس مضمون کے قلب میں آتے ہی میرا باطن اللہ تعالی کی محبت اور شوق سے بھڑک اٹھتا تھا بس پھر کیا فوراً بستر سے الگ ہو جاتا اور اب اسکے بعد نہ تو کسی قسم کی سستی ہوتی نہ کاہلی اور ٹال مٹول۔ یوں میں کیا اور میری ہمت کیا اللہ تعالی ہی کیلئے تمام تعریف اور پاکی ہے وہی الہام فرمانے والے ہیں وہی توفیق دینے والے ہیں وہی سہل کرنے والے ہیں وہی ہر شے کے سبب حقیقی ہیں ؎

ایھا المعرض عنا + ان اعراضك منا + لو اردناك جعلنا + کل ما فیك یردنا

اے ہم سے اعراض کرنے والے ۔ جان لے کہ تیرا یہ اعراض بھی ہماری ہی جانب سے ہے ۔ یعنی اگر ہم تیرا ارادہ کرتے تو تیرے ہی اندر اپنی طلب بھی پیدا کردیتے اب جبکہ تجھ میں بجائے طلب کے اعراض ہے تو سمجھ رکھ کہ جو چیز بھی تیرے اندر ہے وہ ہمارا ہی ارادہ ہو کر ہے (یعنی جو چیز کہ مرضی نہ بھی ہو تو اسکے مراد ہونے میں تو کلام ہی نہیں ہے۔ یہی مطلب ہے اس کا کہ "اگر نخواستے داد ندا ہے خواست ")

وبالجملة فان الله تعالیٰ اودع بحکمته انوار الملکوت فی اصناف الطاعات وجعل الطاعة الجاریة فی العباد مستقرعة لباب الغیب لکن بشرط الادب ولذالك تراھم یحثون علی محافظة الآداب مع الاستاذ والاخوان والناس جمیعا ویقولون الطریق کلها آداب قال شیخ مشائخنا السید مصطفی البکری صاحب ورد السحر فی منظومته التی وضعها فی بیان آداب الطریق ومقاماته +

فلم یفز اخی من قد فازوا
الا بما من ادب قد حازوا +

فمن قام بطاعته والمعاملة بالادب لم یحتجب الغیب عنه فان من قرع الباب بادب فتح له ورب قارع حجب لسوء ادبه فان ابطاء علیه الوقت فلیستبطی ادبه لا مطلبه +

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ملکوت کے انوار مختلف طاعات میں ودیعت فرمائے ہیں۔ اور طاعت کو جو کہ عبادت کے ضمن میں پائی جاتی ہے باب الغیب کی کنڈی کھٹکھٹانے والی قرار دیا ہے۔ یعنی اس کے ذریعہ سے اس پر غیب کا خزانہ کھول دیا ہے لیکن بشرط ادب۔ اسی لئے تم بہت سے لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ استاذ۔ احباب۔ اور عامۃ الناس۔ ان سب کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھنے پر ابھارتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بھائی! طریق تو سراپا ادب کا نام ہی ہے چنانچہ ہمارے شیخ المشائخ سید مصطفےٰ بکری جنکی ورد السحر لکھی ہوئی ہے اپنے ایک منظومہ میں جسکو طریق کے آداب اور اسکے مقامات کے بیان میں لکھا ہی تھا فرماتے ہیں کہ :-

اے میرے بھائی! جو لوگ کہ کامیاب ہوئے ہیں وہ اسی لئے ہوئے ہیں کہ انھوں نے ادب اختیار کیا۔

لہٰذا جس شخص نے عبادت اختیار کی اور ادب کا معاملہ برتا تو غیبی عنایات اس سے مخفی نہ رہیں گی یعنی حق تعالیٰ اسکو فیض سے نوازیں گے کیونکہ جس نے ادب کے ساتھ دروازہ کھٹکھٹایا تو اسکے لئے دروازہ ضرور کھلا ہے اور جو کھٹکھٹانے والے محروم رہے ہیں وہ اپنی سوء ادبی کی وجہ سے محروم رہے۔ بس اگر کبھی حصول مقصد میں تاخیر دیکھے تو اسکا سبب اور ذمہ دار اپنے ادب ہی کو قرار دے۔ دشواری مطلب کو نہیں۔

یحکی انه کان الرجل فی بنی اسرائیل اذا عبد الله تعالیٰ اربعین سنة لم یعصیه فیها ارسل الله تعالیٰ له غمامة تظلله تسیر معه حیثما سار فعبد الله تعالیٰ رجل منهم المدة المذکورة ولم تحصل له تلك الکرامة

حکایت بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل میں یہ دستور تھا کہ کوئی شخص جب اسطرح سے چالیس سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا کہ درمیان میں کسی معصیت کا وقوع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے ایک بادل بھیج دیتے تھے جو اس پر سایہ فگن رہتا تھا اور ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے اسی اصول کے پیش نظر حصول ثمرہ کے لئے چالیس سال تک اللہ کی عبادت کی مگر اس

فقالت له والدته لعلك عصيت الله تعالیٰ فی هذه المدة قال لا۔ فقالت لعلك نظرت مرةً الی السماء ولم تتفكر قال نعم۔ فقالت من هنا اخذت ٭

والادب المطلوب هو ما یاتی انشاء الله تعالیٰ فی آداب العبودیة ومن اهمها مراعاة حق الوقت فان الصوفی ابن وقته واوقات العبد اربعة النعمة والبلیة والطاعة والمعصیة ولله تعالیٰ علیه فی كل وقت منها نوع من العبودیة تقتضیه الحق منه بحكم ربوبیته ففی النعم الشكر وهو فرح القلب بالمنعم الحقیقی الذی هو الله تعالیٰ ٭

وفی البلیة الصبر او الرضا او التلذذ علی حسب[1] مقامك وفی الطاعة شهود المنة له تعالیٰ علی ان هداك ووفقك لها وفی المعصیة التوبة والاستغفار وهذه الحقوق ان

ثمرہ کا ترتب نہ ہوا۔ اسکی ماں نے کہا کہ کیا بات ہے جو تو محروم ہوا شاید تونے اس درمیان میں کوئی معصیت کرلی ہوگی۔ اس نے کہا ہاں بالکل نہیں۔ پھر ماں نے کہا کہ اچھا تو کبھی ایسا ہوا ہوگا کہ تونے آسمان کی جانب دیکھا ہوگا اور تفکر نہ کیا ہوگا۔ اس نے کہا ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ ماں نے کہا بس یہی بات ہے یہی تیرے مواخذہ اور حرمان کا سبب بنا۔

اور وہ ادب جو کہ طریق میں مطلوب ہے اسکا بیان تو آگے آداب العبودیۃ میں انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے آئیگا۔ باقی اہم ترین ادب ان میں سے حق وقت کی رعایت ہے اس لئے کہ صوفی ابن الوقت یعنی اپنے وقت پر حاکم ہوتا ہے اور بندہ کے سارے اوقات چار ہی حالات سے دوچار ہوتے ہیں۔ نعمت[1] سے۔ نقمت[2] سے طاعت[3] سے اور معصیت[4] سے اور ان اوقات میں سے ہر ایک میں بندہ پر اللہ تعالیٰ کی الگ الگ طاعات ہیں جن کا حق تعالیٰ کی جانب سے اس بندہ سے مطالبہ ہے اسلئے کہ وہ ان کا رب ہے۔ چنانچہ بحالت نعمت اس سے شکر کا مطالبہ ہے اور شکر نام ہے اس قلبی خوشی کا جو منعم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ سے بندہ کو حاصل ہو۔

اور مصیبت اور نقمت میں اس سے صبر یا رضا یا تلذذ (غرض جس کا جیسا مرتبہ ہو) مطلوب ہے اور طاعت کے وقت بندہ سے یہ مطلوب ہے کہ وہ طاعت کرکے بھی حق تعالیٰ ہی کا احسان مانے کہ اس نے اسکی توفیق بخشی (ونعم ما قال السعدی رحمہ

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی ٭ منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت)

---

[1] (قولہ علی حسب مقامك) چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو رضا کے ساتھ اور اگر اس کی طاقت نہ رکھو تو یہ سمجھ لو کہ جس چیز کو تم ناپسند کرو اس پر صبر کرنے میں بھی اجر کثیر ہے۔ اھ منہ ۱۲

فاتت لا تقضى لانه لا يخلو وقت
عن واحد منها تؤدى حقه
فيه فليس ثم وقت فارغ
حتى يسع القضاء وقد
اشار لذلك صلى الله عليه
وسلم بقوله من اعطى فشكر
وابتلى فصبر وظلم فغفر و
ظلم فاستغفر ثم سكت قالوا
ماذا له يا رسول الله فقال
اُولٰئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ
مُهْتَدُوْنَ +

اسی طرح سے معصیت کے وقت عبد کا وظیفہ توبہ و استغفار ہے۔ اور یہ سب حقوق وقت ایسے ہیں کہ اگر فوت ہو گئے تو پھر انکی قضا بھی نہیں ہے۔ اسلئے کہ کوئی وقت ایسا نہیں ہے جس میں ان چاروں میں سے کوئی نہ کوئی حال نہ پایا جاتا ہو اور انسان پر اس کے حق کی ادائیگی ضروری نہ ہو پس کوئی وقت خالی از ادائے حق نہیں اب قضا کس وقت کی جائے۔ کیونکہ قضا کے لئے تو ضروری ہے کہ موجودہ کسی عمل سے وہ وقت خالی ہو۔ انھیں حقوق کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے کہ جو شخص نعمت دیا گیا اور اس پر اس نے شکر کیا۔ یا مصیبت کے ذریعہ آزمایا گیا اور اس نے صبر کیا۔ یا ظلم کیا گیا اور اس نے ظالم کو معاف کر دیا۔ یا خود ہی ظلم یعنی معصیت کر بیٹھا اور پھر استغفار کر لیا۔ اتنا فرما کر حضور خاموش ہو گئے۔ بات چونکہ نا تمام تھی اس لئے صحابہ نے عرض کیا کہ پھر اس کے لئے کیا ہو گا یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے امن ہو گا اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت یاب ہیں۔

تنبیه - الطاعات لا تحصل ثمرتها
بفتح باب الغيب الا من بعد تصفية
الاحوال وتبديل الاخلاق المذمومة
بالمحمودة وبدون ذلك لا يمكن ذوق
شئ من شراب القوم +

(**تنبیہ**) باب الغیب کو کھلوا کر کوئی چاہے کہ طاعات کا ثمرہ حاصل کرے تو یہ ممکن نہیں تا آنکہ پہلے اپنے حالات کا تصفیہ نہ کرے اور اپنے اخلاق مذمومہ کو اخلاق محمودہ سے تبدیل نہ کر لے۔ باقی بدون اسکے تو شراب قوم سے ایک قطرہ کا بھی چکھنا اس کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

ذكر في الاحياء انه كان يجتمع
على ابي يزيدؒ رجل من عدول بغداد
فقال له في بعض الايام يا سيدي
لي عندكم ثلاثون سنة وانا اصوم
النهار واقوم الليل واصدق بعلومكم
ولم اذق شيئا منها فقال له ولا اذا

چنانچہ احیاء العلوم میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت ابو یزیدؒ کی خدمت میں بغداد کے عادل لوگوں میں سے ایک شخص آیا جاتا تھا ایک دن اس نے شیخ سے عرض کیا کہ یا حضرت! مجھے آپ کی صحبت میں حاضر ہوئے تیس سال کا طویل عرصہ گذر گیا ہے۔ اور میں الحمد للہ صائم النہار اور قائم اللیل بھی ہوں۔ نیز آپ کے علوم کی تصدیق بھی کرتا ہوں (یعنی آپ کا معتقد بھی ہوں) مگر کیا بات ہے کہ مجھے اس سے

مكثت ثلاثمائة سنة قال لم قال لان لها شرطا لم تات به بعد فقال دلني عليه فقال لا تعمل به فقال دلني عليه لعلّ اعمل به فدله على نوع من المجاهدة يسقط حرمته من اعين الخلق حتى ينقطع نظره اليهم فقال تحلق لحيتك هذه وتخلع ثيابك و تعلق بر قبتك مخلاة مملوءة جوزا وتقول للاولاد كل من صفعني اعطيه جوزة وتمراً على من تعرفه

ذرا سا بھی حصہ نہیں ملا. شیخ نے فرمایا کہ اس حالت کے ساتھ تین سال کیا تین سو سال بھی رہو گے تب بھی کچھ نہ ملیگا. اس نے عرض کیا حضرت کیوں ایسا ہے ؟ فرمایا کہ اس لئے کہ مشائخ کے علوم سے مستفید ہونے کے لئے بھی ایک شرط ہے جو تمھارے اندر ابتک موجود نہیں ہے. عرض کیا حضرت فرما دیجئے آخر وہ کیا ہے ؟ فرمایا کہ تم اسکو عمل میں نہیں لا سکتے اس نے عرض کیا کہ آپ ارشاد تو فرما دیں شاید عمل کر ہی لوں. انھوں نے اسکو ایک ایسا مجاہدہ بتلایا جس سے اس کی حرمت ہی لوگوں کے قلوب سے ساقط ہو جائے اور سارا احترام ہی نظروں سے ختم ہو جائے یعنی ان سے کہا کہ اپنی اس ڈاڑھی کو منڈوا دو اور اپنے اس لباس کو اتار دو اور اپنی گردن میں ایک تھیلا لٹکا لو جس میں اخروٹ بھرے ہوں اور

(افادہ :- قولہ اپنی داڑھی منڈوا دو الخ) اقول. بعض مشائخ سے اس قسم کی چیزیں حرمت وغیرہ کے اسقاط کیلئے ثابت ہیں لیکن مجھے اس میں کلام ہے مصنف نے اگرچہ اس کھٹک کو زائل فرمانا چاہا ہے مگر بیان شافی نہیں ہے اور وہ یہی کہ ان تدابیر کو تداوی بالحرام پر قیاس کیا گیا ہے. اس سے طبیعت مطمئن نہیں ہوئی اور عدم اطمینان کی وجہ یہ ہے کہ تداوی بالحرام میں طبیب کے اجتہاد میں شفا اس دوا میں منحصر ہوتی ہے اور وہی دوا اس مرض کیلئے متعین ہوتی ہے۔

اور یہاں جبکہ خود کتاب و سنت میں ان قلبی امراض کا ذکر اور ان کا علاج اور ان سے خلاصی کا جائز و مشروع طریقہ بھی موجود ہے تو پھر ان کے ہوتے ہوئے کیا ضرورت ہے کہ اللہ تعالی کا راستہ ان کی مرضی کے خلاف امور کا ارتکاب کر کے طے کیا جائے کیونکہ ظاہر ہے کہ حلق لحیہ حرام ہے۔

اصلاح نفس فرض ہے. شریعت اسی کیلئے آئی ہے. پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نفس اور نفسانیت ہی کے مٹلنے کے متعلق اس میں کوئی علاج موجود نہ ہو اور حدیث و قرآن کی تعلیمات اور ہدایات کے بالکل خلاف ان جیسے ممنوعات و محذورات کے ذریعہ شفاء باطن حاصل کی جائے۔

ان مشائخ پر اعتراض نہیں تاہم خلاف شرع امر پر حق اعتراض ہے اسی لئے انہیں حضرات کی برکت سے کہتا ہوں کہ اصلاح نفس کے باب میں کتاب و سنت بالکل کافی وافی ہے مگر کوئی عالم ربانی و شیخ حقانی ہی اس سے واقف کرا سکتا ہے. اور حضرات مشائخ چونکہ ترویج شرع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہوتے ہیں اس لئے ایسی کوئی بات جو شرع کے خلاف ہو اس پر خود عمل کرنا اور دوسروں سے کرانا تو کیا جائز ہوتا ایسی بات کا زبان پر لانا بھی جائز نہیں ہے اور مرید کے لئے بھی اس پر عمل جائز نہیں ہے۔

رہا یہ کہ اس شخص کو جو فائدہ نہیں ہوا (حالانکہ وہ قائم اللیل اور صائم النہار بھی تھا) تو اسکی وجہ شاید یہ ہوگی کہ وہ کسی باطنی غلطی میں مبتلا ہوگا اس لئے حضرات صوفیہ صافیہ کے فوائد سے محروم رہا کیونکہ باطن کے کھلنے کے لئے صرف نماز و روزہ کافی نہیں ہے بلکہ اسکے لئے قلب کا اخلاط باطنی سے بھی پاک ہونا ضروری ہے اور ان صاحب سے مطالبہ بزرگوں کے فیض کا کیا تھا جو کہ نفس کے ہی مارنے سے حاصل ہوا کرتا ہے۔

رہا یہ کہ وہ قائم اللیل اور صائم النہار بھی تھے تو یہ تو عبادت ہوئی اور صرف عبادت سے نفس نہیں مرا کرتا بلکہ بعض مرتبہ تو مزید رذائل مثلاً کبر و عجب کا سبب ہی عبادت ہو جاتی ہے پس نفس جو مرتا ہے تو وہ اصلاح اخلاق سے اور رذائل کو قلب سے زائل کرنے سے اسی میں انکے اندر کچھ کمی رہی ہوگی. کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ عبادت میں کوئی شخص بہت زیادہ ہو مگر اس کے نفس کی اصلاح ذرا نہ ہوئی ہو بلکہ نفس اپنی جگہ جوں کا توں ہو. اھ ١٢

علی هذه الحالة فقال سبحان الله فقال له انه سبّحت نفسك لا ربك کانك تنزهها عن ذلك فامتنع الرجل فقال العراقی لك لا تعمل به فقال دلنی علی غیر ذالك - فقال ابدأ بهذا اولاً انتهی -

بچوں کے درمیان یہ ندا دیتے ہوئے گذرو کہ جو لڑکا مجھکو ایک دھپ رسید کریگا اسکو ایک اخروٹ دوں گا۔ اور اس حالت میں خاصکر اپنے جان پہچان اور شناسا لوگوں کے پاس سے گزرو۔ یہ سنکر اس شخص نے کہا سبحان اللہ - شیخ نے فرمایا کہ یہ تمہارا سبحان اللہ کہنا اپنے نفس کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے نہیں ہے یعنی تونے اپنے آپکو ان تمام رذیل اور ذلیل کاموں سے کہیں اعلیٰ وارفع جانا ہوگا اور اسپر سجان اللہ کہا ہے پس یہ تو اپنی تنزیہہ ہوئی نہ کہ خدا تعالیٰ کی غرضکہ وہ شخص اس عمل کیلئے تیار نہیں ہوا۔ شیخ نے فرمایا کہ میں نے تو کہا ہی تھا کہ تم سے وہ کام نہ ہوسکے گا۔ اس نے کہا کہ اچھا تو پھر دوسرا کوئی عمل تبلادیجئے فرمایا کہ پہلے تو یہی کرنا ہوگا۔ (آگے مصنفؒ بطور دفع دخل کے فرماتے ہیں کہ)

وهذا من باب التداوی بالمحرم اذا تعین فلا اعتراض علی القوم +

اور اصلاح باطن میں اس قسم کے امور ایسے ہی ہیں جیسے حرام چیزوں سے جسمانی اور ظاہری امراض کا علاج کیا جاتا ہے جبکہ وہی دوا متعین ہوجائے لہذا قوم صوفیہ پر بھی انکی اس تجویز میں کوئی اعتراض نہیں اسلئے کہ یہ حضرات بھی طبیب باطن ہوتے ہیں

واخبرنی استاذنا رحمه الله تعالی ان الشیخ عبد الله الحلبی الشهیر بدبها قدم لطرابلس ونزل عند شیخنا المشار الیه فکان الشیخ یقدم له الطعام حسب العادة - وفی بعض ایام اُخبر الشیخ بان ضیفك یطلب الطعام من الابواب فاغتاظ الشیخ من ذالك لما فیه التشنیع علیه فعاتبه وقال له بلغنی انك تتخذ لم تفعل الحمد لله عندنا ما یکفی -

اور مجھے میرے استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ شیخ عبد اللہ حلبی جو کہ دُب یعنی (ریچھ) کے لقب سے مشہور تھے طرابلس تشریف لائے اور ہمارے شیخ موصوف کے یہاں مقیم ہوئے حضرت شیخ نے حسب معمول کھانا پیش فرمایا (چنانچہ کھانا برابر شیخ ہی کے گھر سے آتا رہا) مگر شیخ (میزبان) کو ایک دن یہ اطلاع ملی کہ آپ کے مہمان صاحب تو دروازہ دروازہ روٹی مانگتے ہیں۔ شیخ کو اس پر ناگواری ہوئی اسلئے کہ ان پر بھی الزام آتا تھا کہ ایک مہمان کو کھلا نہیں سکے۔ چنانچہ انھوں نے ان شیخ مہمان کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ دربدر گداگری کرتے ہیں۔ ایسا نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے اس نے کھلانے بھر کو فراغت کے ساتھ عطا فرما رکھا ہے۔

فكان جوابه له بقوله مستفهماً وانت لا تتمخنُ فقال كلمة تاسّف ما استفدنا شيئاً والح على شيخنا حتى صار يتمخن هو ايضا من الابواب رحمه الله تعالى بعدما ان كان اتفق له انواع من السعي في اسقاط المنزله ـ

اس کا جواب ان بزرگ نے حیرت کے ساتھ اس سوال سے دیا کہ "اچھا کیا آپ در در نہیں مانگتے ؟ ہمارے شیخ نے جواباً فرمایا کہ نہیں ہم تو نہیں مانگتے۔ یہ سنکر انھوں نے ایک تاسف کا کلمہ کہا اور کہا کہ افسوس کہ پھر تو ہم نے طریق سے کچھ بھی استفادہ نہیں کیا۔ یہ کہا اور اسکے بعد ہمارے شیخ کو اس پر مجبور کیا کہ وہ بھی اسی طرح سے دروازہ در دروازہ مانگ کر کھایا کریں۔ حالانکہ اس سے قبل شیخ رح خود بھی اپنی منزلت اور احترام کے کم کرنے میں مختلف طرح سے سعی فرما چکے تھے۔ (مگر شیخ رُبَ نے یہ طریقہ خوب ہی تعلیم فرمایا باقی اس قسم کا حکم عام نہیں ہے بلکہ شیخ کامل کی تجویز پر ہے)

بيان ذالك ان اعظم الحجب عند الله تعالى النفوس اقسم الملك القدوس ان لا يدخل حضرته ارباب النفوس ـ

توضیح امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے روکنے والی چیزوں میں سب سے بڑا حاجب اور مانع یہ نفس ہی ہے اور ملک قدوس نے قسم کھا رکھی ہے کہ ارباب نفوس کو اپنے دربار میں راہ نہ دیں گے۔

وقال ابو زيد عـه رأيت الله تعالى في المنام فقلت له كيف الوصول اليك يا باري خدای فقال خلِّ نفسك وتعال وقالوا لا يصلح هذا الطريق الا لاقوام كنست نفوسهم في المزابل فما دام العبد يرى لنفسه حقا ومقاماً لا يحصل على شيئ من الفتح قال الله تعالى

چنانچہ حضرت شیخ ابو یزید رح نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا عـه عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ آپ تک باریابی کا طریقہ کیا ہے ؟ حق تعالیٰ نے فرمایا (بہت ہی آسان اور نہایت ہی سہل وہ یہ کہ) اپنے نفس کو چھوڑ دو اور آجاؤ۔ اسی طرح سے مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ طریق (یعنی تصوف) انھیں نفوس کو زیب دیتا ہے۔ اور وہی لوگ دراصل اس کے اہل ہیں جن لوگوں نے کہ اپنے نفسوں کو جھاڑ کر کوڑے خانہ میں پھینک دیا ہے۔ چنانچہ جب تک کوئی سالک اپنے نفس کے لئے کوئی حق یا کوئی قول دیکھے گا

عـه (قوله رايت الله تعالى) خواب میں بھی اللہ تعالیٰ کی رویت جائز ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اس لئے کہ جو چیز کہ اللہ تعالیٰ کی صورت معلوم ہوئی اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہیں۔ مگر صوفیہ جواز کیا بلکہ وقوع کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مثل تو جائز نہیں ہے مگر مثال جائز ہے چنانچہ علامہ شعرانی رح نے اپنی کتاب الموازین الدریۃ میں کتاب و سنت میں آئے ہوئے تشابہات کو اسی پر حمل کیا ہے۔ اھ

ساصرف عن آیتی الذین یستکبرون فلذلك تری القوم یجتهدون فی ابتداء السلوك باسقاط حرمتهم من قلوب الناس حتی لا یحرموا من الفتح الربانی۔

قال ابو یزید مکثت ثنتی عشرة سنة حداد نفسی وخمس سنین کنت مرآة نفسی انظر فیها فاذا فی وسطی زنار فعملت فی قطعه فکشف لی فنظرت الی الخلق فرأیتهم موتی فکبرت علیهم اربع تکبیرات۔

ومعنی ذالك انه عمل فی مجاهدة نفسه بازالة اوصافها وما انطوت علیه من العجب والکبر والحرص والحقد والحسد ونحو ذالك من مالوفاتها عمل الحداد بان ادخل نفسه فی کیر التخویف ثم طرقها بمطراق الامر والنهی هذه المدة حتی ظن انه زال خبثها ثم نظر فی مرآة اخلاص قلبه فاذا فیها بقایا من الشرك الخفی وهو النظر الی الاعمال وملاحظة الثواب والعقاب والتشوق الی الکرامات

اس کو کچھ بھی باطنی فتوحات نہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اپنی آیات کو ان لوگوں سے پھیر لیں گے جو کہ متکبر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو تم قوم صوفیہ کو دیکھتے ہو گے کہ ابتداء سلوک میں یہ لوگ اپنی حرمت اور اپنا احترام لوگوں کے قلوب سے ساقط کرنے میں کوشاں رہتے ہیں یہ اس لئے تاکہ فتح ربانی سے محروم نہ رہ جائیں۔

حضرت ابویزید رح فرماتے ہیں کہ میں بارہ سال تک اپنے نفس کے حق میں لوہار رہا (یعنی اسکو خوب گھن رسید کئے) اور پانچ سال تک خود اپنے نفس کا آئینہ رہا (یعنی اس کا ایک ایک نقص اور عیب اسکو بتلاتا رہا) اور برابر اس پر نظر کرتا رہا یہاں تک کہ ایک بار میں نے اپنی کمر میں زنار بندھی ہوئی دیکھی چنانچہ اسکو توڑنے کی کوشش کی تو مجھے کچھ مکشوف ہوا وہ یہ کہ میں نے تمام مخلوق کو مُردوں کی صورت میں دیکھا چنانچہ میں نے ان پر چار تکبیریں کہدیں (یعنی نماز جنازہ پڑھ دی)

مطلب یہ کہ (جس طرح سے کہ لوہار ہتھوڑے سے لوہے کو پیٹ پیٹ کر درست کرتا ہے انھوں نے بھی رذائل نفس کے دور کرنے میں یعنی نفس سے عُجب۔ کبر۔ حرص۔ حقد۔ حسد اور ان کے علاوہ جو امور کہ نفس کے مالوفات سے تھے۔ ان سب سے نفس کو پاک صاف کرنے میں لوہار کا سا معاملہ اپنے نفس کے ساتھ کیا۔ بایں طور کہ پہلے اسکو حق تعالیٰ کے خوف کی بھٹی میں ڈالکر تپایا پھر شریعت کے اوامر و نواہی کے ہتھوڑے سے اس کو درست کیا اور اتنی مدت تک یہی معاملہ کیا یہاں تک کہ یہ سمجھ لیا کہ اب یہ سب زنگ نفس سے زائل ہو گیا ہے۔

پھر انھوں نے اپنے قلب کے اخلاص کے آئینہ میں نظر کیا تو دیکھا کہ اس میں ابھی شرک خفی (یعنی ریاء) کا کچھ بقیہ موجود ہے۔ یعنی اپنے اعمال پر نظر کرنا اور ثواب و عقاب کے خیال سے اعمال کرنا۔ اور کرامات و مواہب الٰہیہ حاصل ہونے کا اشتیاق یہ سب امور موجود پائے۔ اور اس میں شک نہیں

والمواهب وهذا شرك فى الاخلاص عنه اهل الاختصاص وهو الزنار الذى اشار اليه نعمل فى قطعه يعنى تطع نفسه وفطمها عن العلائق حتى ثبت قدمه فى شهود ذى القدم وانزل ماسواه بمنزلة العدم فعند ذلك کبر[سے] على الخلق اربع تكبيرات وهى صلاة الجنازة وانصرف الى الحق + اھ

(والحاصل) ان فراغ القلب عن الصفات الرديئة هو الشرط فى حصول ثمرة الاعمال كافراغ المعدة بالمسهل شرط فى عمل الدواء وقبل ذالك لا ينفع بحكم سنة الله تعالى فى خلقه ولن تجد لسنة الله تبديلا +

کہ خواص کے نزدیک یہ سارے امور شرک فی الاخلاص ہی ہیں اور یہی وہ زنار جس کی جانب اوپر اشارہ آیا ہے چنانچہ انھوں نے اس کے توڑنے میں سعی کی یعنی اس بارے میں کہ نفس کا قلع قمع ہو جائے اور اس کو جو تعلقات غیر اللہ اور التفات الی الخلق کے پستان سے دودھ پینے کی عادت ہو گئی وہ چھوٹ جائے تاکہ اس کا قدم ذات قدیم کے شہود میں ثابت اور راسخ ہو جائے اور اس کے ماسوا سب بمنزلہ عدم کے ہو جائیں اسی لئے اس وقت اس نے مخلوق پر چار تکبیریں کہیں[سے]. مراد اس سے نماز جنازہ ہے یعنی مخلوق کو تو نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا اور حق تعالی کی جانب لوٹ آیا۔

حاصل یہ کہ نفس کے رذائل سے قلب کا پاک وصاف ہونا ثمرہ اعمال کے حصول کے لئے شرط ہے. جس طرح سے کہ مسہل کے ذریعہ معدہ کا خالی کرنا دوا کے عمل کرنے اور نفع کرنے کے لئے شرط ہے اور بدون اس کے نہ وہ نافع ہے نہ یہ۔ اللہ تعالی کی سنت اپنے مخلوق میں یہی جاری ہے اور تم خدا کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

(سے. قولہ کبر علی الخلق الخ) مطلب یہ کہ تمام مخلوق کو مردہ دیکھا لہذا ان پر تکبیر کہی یعنی ان کی نماز جنازہ پڑھ دی۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ ساری مخلوق ان کی نظر میں بمنزلہ موتی کے ہو گئی کہ نہ ضرر پہونچا سکتی ہے نہ نفع. پس انھوں نے بھی ان کے قریب ہونے دور ہونے۔ ان کے مدح کرنے یا ذم کرنے سے قطع نظر کر لیا اور یہ سمجھ لیا کہ جیسے وہ پیدا ہی نہ ہوئے ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالی نے بطریق کشف کے اس مشہد کا مجھ پر بھی فضل فرمایا ہے اور وہ بھی ایک بہت ہی معمولی سے مجاہدہ کے بعد یعنی یہ کہ ایک سفر میں ایکبار میں تو گدھے پر سوار تھا اور وہ بھی اسکی ننگی پیٹھ پر اور میرے سب احباب اونٹ پر اور جادہ میں سفر کر رہے تھے تو میں نے بھی اس حالت میں تمام مخلوق کو مردہ دیکھا اور تمام آبادیوں کو ویران. پس پاک ہے وہ ذات جسکی عطا کسی بڑے مجاہدے اور عظیم مشقت پر موقوف نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

(تنبیہ اٰخر) حیث ذکرنا لک انہ لابد من المجاھدۃ فی حصول المشاھدۃ جاھد تشاھد[عہ] فلنذکر لک ما یترتب علی کل نوع من انواع المجاھدۃ من اصناف الھدایۃ والحِکم والانوار والاسرار۔

(تنبیہ) جیسا کہ ہم تم سے بیان کر آئے ہیں کہ مشاہدہ تک پہونچنے کے لئے اول مجاہدہ ضروری ہوتا ہے چنانچہ مشہور ہی ہے کہ جاھد تشاھد یعنی مشاہدہ چاہتے ہو تو مجاہدہ اختیار کرو (افادہ) نص قرآنی وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ہی اس پر دال ہے جسکے بعد کسی اور دلیل کی حاجت نہیں) اب ہم تم سے یہ بیان کرتے ہیں کہ کن کن مجاہدوں پر کون کون سی ہدایات اور حِکَم اور کیا کیا انوار و اسرار مرتب ہوتے ہیں۔

فنقول عقبات المجاھدۃ ست یشرف من کل عقبۃ منھا علی نوع من الھدایۃ۔

تو سنو! مجاہدہ کے عقبات (گھاٹیاں ۱۲) چھ ہیں۔ ہر عقبہ کے بعد سالک کو ایک نئی صنف ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

الاولی۔ قطع الجوارح عن المخالفات الشرعیہ واغلاق باب النعمۃ وفتح باب الشدۃ ومن ھذہ العقبۃ یشرف السالک علی ینابیع الحکم

عقبۂ اوّل۔ اپنے جوارح کو شریعت کی مخالفت سے باز رکھنا۔ یعنی ہاتھ پاؤں۔ آنکھ کان سے کوئی کام خلاف شرع نہ کرنا اور نعمت و راحت کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلینا اور تنگی و مشقت کا باب کھول لینا۔ اس مجاہدہ میں سالک جب کامیاب ہوجاتا ہے تو اس کے

عہ قولہ جَاهِدْ تُشَاهِدْ ۔ یہ مقولہ سب سے پہلی حکمت ہے ان حِکَم میں سے جسکو ہمارے شیخ المشائخ شیخ محمود کردیؒ نے جمع فرمایا ہے اور جس کی شرح ان کے شاگرد رشید اور ہمارے دادا شیخ عبدالقادر رافعیؒ نے کی ہے اور اس میں شک نہیں کہ عجیب و غریب شرح فرمائی ہے اور ہمارے دادا مرحوم نے اپنے کو شیخ موصوف کی خدمت کیلئے گویا وقف ہی کردیا تھا اور اس پر انھیں فخر تھا چنانچہ وہ دستخط کے وقت اپنا نام یوں لکھا کرتے تھے۔ عبدالقادر رافعی خادم القطب الکردی۔ اور حضرت شیخ بھی ان کی جانب پوری طرح متوجہ تھے۔ یہاں تک کہ اپنی صاحبزادی کا عقد ان سے کردیا تھا اور ان کے لئے حضرت سیدنا خضر علیہ السلام سے دعا بھی کرائی تھی جو کہ ایسی دعائیں تھیں کہ ہم سب اس کی برکتیں اپنے اوپر آج بھی محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً ایک دعا یہ تھی کہ بارک اللہ فیک وفی ذریتک وجعلھم مثل حب الزیتون صغیرھم وکبیرھم مملوءٌ بالنور۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اندر اور تمہاری اولاد کے اندر برکت عطا فرمائے اور ان سب کو زیتون کے پھل کے مانند کردے جس کی صفت یہ ہے کہ وہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا سب ہی روغن سے بھرا ہوتا ہے چنانچہ لوگوں میں یہ بات بہت مشہور تھی یہاں تک کہ ایک شاعر کہتا ہے کہ ؎

وفیکم دَعْوَةُ الخِضْرِ اسْتُجِیْبَتْ ۔۔۔ وَعَمَّت للبنات مع البَنِیْنَ

یعنی تمہارے ہی بارے میں خضر علیہ السلام کی دعا مقبول ہوئی جو کہ لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کو بھی شامل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہمارے لئے اپنے خاندان کے افراد کا شمار مشکل ہے۔ مزید براں یہ کہ سب علماء ہوئے ہیں۔ حالانکہ دادا مرحوم کا انتقال ابھی ۱۲۳۶ھ ہی میں ہوا ہے اور ہم کو اس سے پہلے اس خاندان میں اس طرح کی پیدائش کا علم نہیں بلکہ ایک شخص کے بس ایک ہی اولاد ہوا کرتی تھی۔ (انتہٰی منہ ۱۲)

القلبيه - قلب سے حکمت کے چشمے جاری ہوجاتے ہیں۔ گویا اس مجاہدہ پر یہ ہدایت مرتب ہوتی ہے۔

الثانیة - فطم النفس عن المالوفات العادیة واغلاق باب العز وفتح باب الذل والانکسار ومن هذہ العقبة یطلع علی اسرار العلوم اللدنیة +

عقبۂ دوم - نفس کو اس کی عادات اور مرغوبات و مالوفات سے نکالنا اور عزت و احترام کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لینا اور ذلت و انکسار کا باب کھول لینا۔ اس عقبہ کے عبور کر لینے پر یہ ہدایت مرتب ہوتی ہے کہ سالک علوم لدنی کے اسرار پر مطلع ہونے لگتا ہے۔

الثالثه - فطم القلب عن الرعونات البشریة واغلاق باب الراحة و فتح باب التعب ومن هذہ العقبة تلوح للسالك اعلام المناجاة الملکوتیه +

عقبۂ سوم :- قلب کو بشری خرابیوں اور نقائص سے نکالنا اور راحت و آرام کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لینا اور تعب و مشقت کا باب کھول لینا۔

اس مجاہدہ سے نکلنے پر سالک کے لئے ملکوتی مناجات کے آثار ظاہر ہوں گے۔

(الرابعة) فطم السرع عن المکدرات الطبیعیة واغلاق باب النوم وفتح باب السهر ومن هذہ العقبة تلمع للسالك انوار المنازل القربیة +

عقبۂ چہارم :- اپنے سر کو طبعی کدورات سے علیحدہ کرنا اور سونے کا دروازہ بند کر لینا یعنی اپنی نیند کو ختم کر لینا اور بیداری کا دروازہ کھول لینا۔ اس عقبہ سے گذرنے کے بعد سالک کے لئے منازل قرب کے انوار چمکنے لگتے ہیں۔

(الخامس) فطم الروح عن البخارات الحسیة وفتح باب الفقر واغلاق باب الغنی ومن هذہ العقبة تظهر اقمار المشاهدات الحسیة +

عقبۂ پنجم :- روح کو احساسات ظاہری کی آلودگیوں سے محفوظ رکھنا اور اس کے لئے فقر اور غربت کا دروازہ کھول لینا اور امارت و غنیٰ کے باب کو بند کر لینا۔ چنانچہ اسی مجاہدہ کیوجہ سے مشاہدہ حسیہ کا چاند طلوع ہوتا ہے یعنی سالک مقام مشاہدہ میں آجاتا ہے۔

عہ (قولہ فطم السر الخ) یہ سِر قلب کی رو سے ایسا ہی ہوتا ہے جیسے پرندہ پنجرے کے اعتبار سے یعنی قلب کو اگر ایک پنجرہ سمجھو تو سِر کو اس کا پرندہ جانو اور قلب کی حیثیت بدن کے اعتبار سے ایسی ہے جیسے طائر کی قفس کے اعتبار سے یعنی بدن ایک قفس ہے تو قلب اس کے اندر کا پرندہ ہے فتح الربانی میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔ (انتہیٰ منہ ۱۲)

(السادسة) فطم العقل عن الخيالات الوهمية واغلاق باب الامل و فتح باب الاستعداد للموت ومن هذه العقبة يهبط السالك على رياض الحضرة القدسية فهناك يغيب بما يشاهد من اللطائف الانسية عن الكثائف الحسية.

ثم اذا اصطفاه الله تعالى و جعله من اهل خصوصية سقاه شربة من كاس محبته فيزداد بتلك الشربة ظمأ وبالذوق شوقا وبالقرب طلبا وبالسكون قلقا فاذا تمكن منه هذا السكر ادهشه واذا ادهشه حيره فهو هنا مريد واذا ادام تحيره اخذه منه وسلبه فبقي مسلوبا مجذوبا وهو هنا مراد وذالك شان اهل الحقيقة في خصوصية الشهود ومشاهدة المعبود.

عقبۂ ششم۔ عقل کو ان خیالات سے بچانا جن میں آمیزش وہم کی ہو اور اپنے اوپر طول امل کا باب بند کر لینا اور موت و مابعد الموت کے لئے تیاری کرنا۔ اس منزل میں پہونچکر تو گویا سالک حق تعالیٰ کی حضوری کے باغ میں ہی جا پڑتا ہے چنانچہ اب لطائف انسیہ کے مشاہدہ کی وجہ سے اس سے اپنی حسّی کثافتیں یکلخت دور اور ختم ہو جاتی ہیں یعنی اس عالم کے لطافت کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہاں کی کثافت اس سے زائل ہو جاتی ہے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ کسی کو منتخب فرما لیتے ہیں اور اسکو اپنا مخصوص بنا لیتے ہیں تو اسکو اپنی محبت کے جام سے ایک گھونٹ پلا دیتے ہیں جس کے پینے کی وجہ سے اس کی پیاس اور بڑھ جاتی ہے اور جس کے چکھنے کی وجہ سے اس کے شوق میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور جس سے قرب کی وجہ سے اسکی طلب اور زیادہ ہو جاتی ہے اور جس سے سکون کی وجہ سے اس کا اضطراب اور دوبالا ہو جاتا ہے۔ پھر جب اس کے اس نشہ کو کچھ قرار ہوتا ہے تو اس کو ایک دہشت میں ڈال دیتے ہیں اور جب دہشت میں ڈال دیتے ہیں تو پھر اسکی وجہ سے اسکو ایک عجیب حیرت میں ڈال دیتے ہیں اب اسوقت جا کر وہ مرید ہو جاتا ہے اور جب اسکا یہ تحیر طویل اور دائمی ہو جاتا ہے تو اسکو پھر سے واپس لے لیتے ہیں جسکی وجہ سے وہ بالکل مجذوب کھویا ہوا اور لٹا ہوا معلوم ہوتا ہے اب اس مرتبہ پر پہونچکر وہ مراد ہو جاتا ہے چنانچہ خصوصیت شہود اور مشاہدہ معبود کے وقت اہل حقیقت کی یہی شان ہوا کرتی ہے۔ ؎

(افادہ: از حضرت مرشدی دامت کاتہم) یہ تفاصیل جو مؤلف رحؒ نے بیان فرمائی ہیں ممکن ہے انھوں نے طریق کو اسی تفصیل کے ساتھ طے کیا ہو لیکن وصول الی اللہ کچھ اس خاص صورت میں منحصر نہیں ہے بلکہ یہ شیخ اور مصلح کی رائے پر ہے کہ جو طریقہ سالک کیلئے مناسب سمجھے اسی سے اسکو لے چلے۔ اسی طرح سے کسی بھی طریق کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ راہ باطن (خدا کا راستہ) محض تصوف کی کتاب دیکھ کر طے کرے بلکہ اسکو چاہیئے کہ پہلے کسی کو طریق میں اپنا رہبر بنائے اور پھر اس کا اتباع کرے اور اسکے بتلائے ہوئے پر چلے چنانچہ محققین فرماتے ہیں کہ جس طرح سے طب کی کتابیں طبیب کے لئے ہیں مریض کے لئے نہیں۔ اسی طرح سے تصوف کی کتب مشائخ کے لئے ہیں۔ سالک کے لئے نہیں۔

(کتاب ہذا ترصیع الجواہر چونکہ مفید مضامین پر مشتمل تھی اس لئے ترجمہ کر دیا گیا لیکن بدون شیخ کامل کے بتائے ہوئے کسی امر کو اپنی تجویز سے معمول بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔

فالشریعۃ اقامۃ وظائف العبودیۃ والحقیقۃ مشاهدۃ الربوبیۃ الشریعۃ مجاهدۃ والحقیقۃ مشاهدۃ اذ الطریق الی الله تعالی لها ظاهر وباطن فظاهرها الشریعۃ وباطنها الحقیقہ وبطون الحقیقہ فی الشریعۃ کبطون الزبد فی اللبن والکنز فی المعدن وکما انه بدون خض اللبن وحفر المعدن لا یظفر من اللبن بزبدہ ولا یفوز من المعدن بقصدہ

پس شریعت نام ہے عبودیت کے وظائف کے ادائیگی کا۔ اور حقیقت کہتے ہیں ربوبیت کے مشاہدہ کو۔ گویا شریعت تو مجاہدہ ہے اور حقیقت مشاہدہ۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے طریق کیلئے ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ ظاہر کا نام شریعت ہے اور اسکے باطن کا نام حقیقت ہے۔ اور حقیقت کا شریعت کے اندر موجود ہونا ایسا ہی ہے جیسے مکھن کا دودھ میں یا خزانہ کا کان میں موجود ہونا۔ چنانچہ جس طرح سے بدون دودھ کے متھے ہوئے اور بغیر کان کے کھودے ہوئے دودھ سے مکھن اور کان سے خزانہ نہیں حاصل کیا جا سکتا۔

فکذالک من دون التمسک بالشریعۃ والعمل بمقتضاها علی الجد والاجتهاد لا یصل الی شیٔ من الحقیقۃ وکل شریعۃ بلا حقیقۃ عاطلۃ سه وکل حقیقۃ بلا شریعۃ باطلۃ سه والمقصود من اجتماع الشریعۃ والحقیقۃ اقامۃ العبودیۃ علی الوجہ الاکمل سه فان الدار دار خدمۃ والجزاء فی الدار الاخرۃ +

اسی طرح سے شریعت سے تمسک کئے بغیر اور اس کے مقتضا پر کوشش اور اہتمام کے ساتھ عمل کئے بغیر حقیقت تک رسائی بھی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جس شریعت کے ساتھ حقیقت نہ ہو وہ ناقص سه ہے۔ اور جو حقیقت کہ شریعت سے الگ ہو کر پائی جائے وہ لغو محض اور باطل سه ہے۔ اور شریعت اور حقیقت دونوں کے جمع کرنے سے مقصود عبودیت کی اقامت علی وجہ الکمال سه ہے اس لئے کہ یہ دار دنیا۔ دار عمل اور دار خدمت ہے۔ اور رہی اس کی جزا، تو اس کے لئے دار آخرت مقرر ہے۔

سه۔ قولہ عاطلۃ الخ یعنی زیورات سے عاری جیسے کوئی حسین عورت ہو اور اس کے بدن پر زیور نہ ہو یہ مطلب نہیں کہ صحت سے بھی عاری ہے

سه۔ (وقولہ باطلۃ) الخ یعنی ناقابل عمل ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے لہذا بندے کے قلب میں جو کچھ علوم غیبیہ آویں تو اگر ظاہر شریعت یعنی کوئی حدیث یا آیت اسکی مؤید ہو تب تو وہ قابل عمل ہے ورنہ وہ ساقط الاعتبار ہے۔

سه۔ علی الوجہ الاکمل الخ اور یہ کامل درجہ احسان ہی کا ہے جس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ الاحسان ان تعبد الله کانك تراہ چنانچہ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا چہرہ مبارک نماز کے وقت زرد ہو جاتا تھا لوگوں نے آپ سے اسکے متعلق پوچھا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے فرمایا کہ بھائی نہیں جانتے ہو کہ کس ذات کے روبرو حاضر ہونے جا رہا ہوں۔ انتہیٰ منہ ۱۲

(تنبیہ اٰخر) غاية اختيار العبد في المجاهدة والطاعات وليس له اختيار في استجلاب المشاهدات والمكاشفات بل هو بما فعله صار متعرضا للنفحات رحمة الله تعالى فلا يبقى الا الانتظار لما يفتح الله تعالى به من رحمته فليس على العبد الا الاستعداد بالتصفية المجردة واحضار الهمة مع الارادة الصادقة والتعطش التام والترصد بدوام الانتظار لما يفتحه الله تعالى من الرحمة وعند ذالك اذا صدقت ارادته وحسنت مواظبته فلم تجاذبه شهواته ولم يشغله حديث النفس بعلائق الدنيا تلمع لوامع الفتح والمشاهدة في قلبه ويكون ابتداؤه كالبرق الخاطف لا يثبت ثم يعود وقد يتأخر وان عاد فقد يثبت وقد يكون مختطفا وان ثبت فقد يطول ثباته وقد لا يطول وقد يتظاهر امثاله على التلاحق وقد يقتصر على فن وحد

(تنبیہ) بندہ کے اختیار میں زیادہ سے زیادہ[۵] جو چیز ہے وہ طاعت اور مجاہدہ ہی ہے باقی یہ کہ اس پر مشاہدہ اور مکاشفہ کا بھی ترتب ہو جائے یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو اعمال اختیار کر کے بس اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہونے والی بخشش کا منتظر رہتا ہے اور اسی کی راہ میں خود کو ڈالدیتا ہے۔ بس اس کے لئے بجز انتظار کی گھڑیاں گننے کے اور چشم براہ رہنے کے کچھ اختیار ہی نہیں رہتا۔ لہٰذا عبد کو چاہیئے کہ اُدھر سے ہونے والی بخشش کا مورِدِ بننے کی اپنے اندر صلاحیت اور استعداد پیدا کرے اور قوت ہمت اور صدق ارادت کو بروئے کار لائے اور کامل پیاس اور طلب اور دائمی انتظار اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے والی رحمت کا ظاہر کرے۔ چنانچہ اب اس وقت جبکہ اس کا ارادہ صادق ہو جائے اور ذہنیت پراسکی مواظبت مستحکم ہو جائے یعنی اسکو اسکی شہوت ادھر سے نہ ہٹائے اور حدیث النفس یعنی وساوس خطراتِ قلب اسکو دنیوی علائق کی بابت مشغول کریں تب فتوحات اور مشاہدہ کی روشنی اسکے قلب میں چمکنے لگی جس کی ابتداء اس طرح سے ہوگی جیسے ایک بجلی سی کوند جائے یعنی اس کو قرار نہ ہوئی۔ پھر دوبارہ چمکے گی اور اس دوبارہ چمکنے میں سکو کچھ دیر بھی لگ جاتی ہے پھر اگر دوبارہ چمکے گی۔ کبھی تو یہ ہوگا کہ اس بار ذرا ٹھہر جائیگی اور کبھی مانند پہلی ہی بار کے چمکتی اور بجھتی ہی رہیگی پھر اگر ٹھہر گئی تو کبھی اس کا یہ استقرار طویل ہوگا اور کبھی طویل نہ ہوگا۔ محض وقتی اور آنی ہوگا۔ اور کبھی اس چمکنے کی کیفیت یہ ہوگی کہ ایک ہی قسم کی یہ چمک مسلسل اور لگاتار ہوتی رہے گی۔ اور کبھی وہ چمک ایک ہی نہج پر قائم رہے گی۔

[۵] (قولہ غاية اختيار العبد الخ) یہ اسکے منافی نہیں ہے جو اول کتاب میں گذرا ہے کہ مقام ایمان کامل کی تحصیل کسبی ہے اسلئے کہ یہ استعداد مذکور کسبی ہے اور استعداد حاصل ہو جانے پر عادۃ اللہ یہی جاری ہے کہ نفس متوجہ ہو ہی جاتا ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ جواد ہیں اور جود شئے مبذول ہے اسکی مثال یہ ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ شکار کرنا اختیاری فعل ہے حالانکہ شکاری کے اختیار میں صرف جال کا نصب کر دینا ہوتا ہے باقی یہ کہ اس میں شکار آکر پھنس بھی جائے یہ تو اسکے اختیار میں نہیں ہے مگر عادۃً چونکہ جب کوئی شکاری جال لگاتا ہے تو اس میں شکار پھنس ہی جایا کرتے ہیں۔ اس لئے شکار کرنے ہی کو کسبی یا اختیاری قرار دیا گیا۔ انتہی منہ ۱۲

ومنازل اولیاء اللہ تعالیٰ فیہ لا تحصر کاختلاف الصور بین الناس فکما لا تکون صورۃ مساویۃ لصورۃ اخری من کل وجہ کذالکؔ لا تکون عطایا الحق لاثنین متساویہ من کل وجہ واللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ

وبعد ذالک تفاض الرحمۃ و یشرق النور فی القلب وینکشف لہ عن سرؔ الملکوت وینقشع عن القلب حجاب العزۃ وتلالأ فیہ حقائق الامور بانکشاف ما فی اللوح المحفوظ لہ ویقبل اللہ تعالیٰ علیہ بوجہہ کما فی الحدیث القدسی فلا یعلم احد ما یرید ان یعطیہ فہذا ھو الوصول الذی یشیر الیہ علماء الطریقۃ وھو غایۃ السالکین ومنتھیٰ سیر السائرین +

چنانچہ اولیاء اللہ کے مراتب بھی اس باب میں بجید وبیشمار ہیں جس طرح سے کہ انسانوں کی صورتیں مختلف انواع کی ہوتی ہیں کہ انکا کوئی شمار ہی نہیں ہے یعنی ایک انسان کی صورت دوسرے سے الگ ہوتی ہے من کل الوجوہ ایک انسان دوسرے انسان کے ہمشکل نہیں ہوتا۔ اسی طرحؔ سے حق تعالیٰ کے عطایا کا بھی حال ہے کہ ہر ایک کے ساتھ الگ الگ معاملہ ہے یعنی جتنے انسان ہیں اتنا ہی معاملہ ہے اور کیوں نہو وہاں تنگی کیا ہے اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے اور سب کچھ جاننے والے ہیں۔

غرض فتوح قلبی کی ابتدا تو یوں ہی ہوتی ہے جیسا کہ بیان کیا گیا پھر اسکے بعد رحمت کا فیضان ہوتا ہے اور اس کا نور سارے قلب میں روشن ہوجاتا ہے جسکی وجہ سے ملکوتی اسرار اس پر کھلنے لگتے ہیں اور عزت کا حجاب اسکے قلب پر سے اٹھنے لگتا ہے اور اب اس میں اشیاء کے حقائق منکشف ہوجاتے ہیں اسلئے کہ خود لوح محفوظ ہی اسکی نظروں کے سامنے ہوجاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ اسکی جانب اپنے وجہ کیساتھ متوجہ ہوجاتے ہیں جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے کہ (میں اسکی آنکھ بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ الحدیث) پس اب کوئی شخص اسکو نہیں جان سکتا کہ اللہ تعالیٰ اسکو کیا دینا چاہتے ہیں۔ اسی حالت اور مقام کو وصول سے تعبیر کیا جاتا ہے جسکی جانب علماء طریقت سالکین کو متوجہ فرمایا کرتے ہیں۔ چنانچہ طالبین کے مقصود کی انتہا یہی ہے اور سالکین کی سیر کا یہی منتہیٰ ہے۔

سہ (قولہ کذالک لا تکون عطایا الحق الخ) میں کہتا ہوں کہ میں نے بعض اہل کشف سے اولیاء اللہ کے حالات کے بارے میں دریافت کیا انھوں نے کہا کہ ذات کے راستے مختلف ہیں یہ لوگ تم کو ایک راستہ بتادیں گے جسپر تم چلوگے تو پھر دوسرے کو دوسرا راستہ بتا دینگے چنانچہ میں نے خواب میں اولیاء اللہ کے طرق کو دیکھا جو کہ مکہ کے طریقوں کے مشابہ تھا جنکے ملنے کی جگہ پر وہ پڑا ہوا تھا۔ پس مجھ کو ان میں سے ایک راستے میں لگا دیا جس پر میں چلنے لگا۔ شاید کہ یہی مطلب ہو مشائخ کے اس ارشاد کا کہ اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کے اسقدر راستے ہیں جتنی کہ مخلوق کی تعداد ہے۔ لہذا جب راستے مختلف ہوئے تو یقینی بات ہے کہ اس راستے میں جو چیزیں واقع ہوں گی وہ بھی مختلف ہی ہوں گی۔ اسی لئے ہر شخص کے احوال وکیفیات مختلف ہوتی ہیں۔

عسہ (قولہ سرؔ الملکوت الخ) ملکوت اور ملک میں فرق یہ ہے کہ ملکوت اسے کہتے ہیں جو حس سے نہ معلوم ہو سکے۔ اور ملک اسے کہتے ہیں کہ جو حس سے معلوم ہو سکے۔ لہذا قلب یعنی لحم صنوبری الشکل وہ عالم ملک کی چیز ہے اور یعنی لطیفۂ ربانیہ جو کہ اس مضغہ کے ساتھ اس طرح سے قائم ہے جیسے کہ بینائی پتلی کے ساتھ۔ یہ عالم ملکوت کی چیز ہے۔ انتہی منہ ۱۲۔

ثم هو مختلف ایضاً فمنهم من یجد الله تعالیٰ بطریق الافعال وهو رتبة فی التجلی ویفنی فعله وفعل غیره فی نظره بطریق الذوق ویشهد ذوقاً ان لا فاعل الا الله تعالیٰ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔

پھر یہ وصول بھی کئی طرح کا ہوتا ہے۔ بعض حضرات تو اللہ تعالیٰ تک افعال کے راستے سے پہونچتے ہیں یہ بھی تجلی کا ایک مرتبہ ہے۔ (جسکو تجلی افعالی کہا جاتا ہے) اس میں سالک اپنے افعال کو اور اپنے غیر کے افعال کو اللہ تعالیٰ کے افعال میں ذوقاً فنا کر دیتا ہے یعنی وجداناً اسکو یہ محسوس ہوتا ہے کہ لافاعل الا اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا فاعل ہی نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمکو اور تمہارے افعال کو پیدا کیا ہے۔

ویخرج فی هذه الحالة من التدبیر والاختیار ومدح احد او ذمه او حبه او بغضه لمنع او عطاء بل یحب فی الله من یستحق الحب ولو اذاه ویبغض فی الله من یستحق البغض ولو جری علی یدیه نفعه فیحب ویبغض بالدین لا بالطبع وهذه رتبة فی الوصول[۱]۔

اس مرتبہ میں آکر سالک تدبیر و اختیار اور مدح و ذم کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے نیز کسی سے کچھ پاکر اسکو محبوب نہیں جانتا اور نہ پاکر اسکو مبغوض نہیں گردانتا بلکہ بسا اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے مستحق محبت سے محبت ہی کرتا ہے۔ اگرچہ اس نے اس کو ایذا ہی کیوں نہ پہونچائی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے مستحق بغض سے بغض ہی رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کے ہاتھوں اسے کچھ نفع ہی پہونچا ہو۔ حاصل یہ کہ اب اس کی محبت اور اس کا بغض دین کے لئے ہو جاتا ہے نفس اور طبیعت کے تقاضے سے نہیں ہوتا۔ وصول کا ایک مرتبہ یہ بھی ہے۔

ومنهم من یوقف فی مقام الهیبة والانس بما یکاشف من مطالعة الجلال والجمال وهذا تجل بطریق الصفات وهو رتبة فی الوصول۔

اور بعض حضرات ہیبت اور انس کے مقام میں آکر ٹھہر جاتے ہیں حق تعالیٰ کے جلال و جمال کے مشاہدے کی وجہ سے اور جو امور کہ ان پر منکشف ہوتے ہیں اسکی وجہ سے اس کا نام صفاتی تجلی ہے۔ یہ بھی وصول کا ایک مرتبہ ہے۔

ومنهم من یرقی الی مقام الفناء مشتملاً علی باطنه انوار الیقین والمشاهدة مغنی فی شهوده عن

اور بعض حضرات ترقی کرتے کرتے مقام فنا تک پہونچ جاتے ہیں جن کا باطن انوار یقین اور مشاہدہ حق سے مالا مال ہوتا ہے۔ اسطرح سے کہ اسکے مشاہدہ میں غرق ہو کر انھیں اپنے

---

[۱] قوله وهذه رتبة فی الوصول الخ) میں کہتا ہوں (مصنف کہتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے بھی اسکی (یعنی وحدت افعالی کی) کچھ لذت پائی ہے یہانتک کہ ایک وقت مجھ پر ایسا بھی گذرا ہے کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے نزدیک سانپ اور لکڑی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ انتہیٰ ۱۲

وجوده.

وهذا ضرب من تجلي الذات لخواص المقربين وهذا مرتبة في الوصول وفوق هذه مرتبة حق اليقين ويكون من ذالك في الدنيا لمح وهو سريان نور المشاهدة في كلية العبد حتى يحظى بها روحه وقلبه ونفسه حتى قالبه +

وهذا من اعلى رتب الوصول فاذا تحققت الحقائق يعلم العبد مع هذه الاحوال الشريفة انه في اول المنزل فاين الوصول هيهات منازل طريق الوصول لا تنقطع ابد الآباد في عمر الآخرة الابدى فكيف في العمر القصير الدنيوى فالوصول الى الله تعالى عبارة عن الوصول الى صفو اليقين بطريق الذوق والاجل ربنا ان يتصل بشئى او يتصل به شئى كما اوضح ذلك ابن عباد في شرحه على الحكم العطائية.

وهكذا القرب من الله تعالى هو كما قال الامام الغزالى رح في الاحياء في البعد عن صفات البهائم والسباع والشياطين والتخلق بمكارم الاخلاق

تن بدن تک کا ہوش نہیں رہ جاتا حتیٰ کہ اپنے وجود سے بھی کھو جاتے ہیں۔

یہ ذاتی تجلی کی ایک قسم ہے جو کہ خواص مقربین کو حاصل ہوتی ہے اور وصول کا ایک مرتبہ یہ بھی ہے۔ اور ایسا درجہ ہے کہ اسکے اوپر حق الیقین ہی کا مرتبہ ہے۔ اور اس کا اثر اس دنیا میں تو سالک کے اندر ایک نور اور چمک کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ یعنی مشاہدہ کا نور بندہ کے کل ہی اجزاء قلب و قالب میں سرایت کر جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح۔ قلب۔ نفس اور اس کے بدن یعنی گوشت پوست کو بھی اس سے حصہ ملتا ہے چنانچہ وصول کے مراتب میں یہ سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔

پس جب اس (مرتبہ پر پہونچکر) عبد پر حقائق کا انکشاف ہوتا ہے تو ان احوال شریفہ کے ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے آپ کو اول ہی منزل میں سمجھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پھر اب وصول کہاں رہا۔ پس بلاشبہ طریق کے تمام منازل کا طے کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ یہ وصول یعنی قطع منازل آخرت میں جہاں کہ ابدالآباد تک کی عمر ہوگی وہاں تو طے نہ ہو سکے گی۔ پھر بھلا دنیائے ناپائیدار کی اس قلیل مدت میں کوئی اسکو کیا طے کر سکتا ہے۔ لہٰذا وصول الی اللہ حقیقۃً نام ہے کمال یقین تک بطریق ذوق کے پہونچنے کا ورنہ تو حق تعالیٰ کی ذات اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ کسی شئے سے ملے یا اس سے کوئی شے ملے جیسا کہ اس مسئلہ کو ابن عباد رح نے حکم عطائیہ کی شرح میں واضح طور سے بیان فرمایا ہے۔

یہی تفسیر اس قرب کی بھی ہے جو کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے چنانچہ یہ قرب جیسا کہ امام غزالی رح نے احیاء العلوم میں بہائم۔ درندے اور شیاطین کی صفات سے بچنے اور دور رہنے اور ان مکارم اخلاق کے ساتھ متصف ہونے کے

التی ھی الاخلاق الالٰھیۃ وھو قرب بالصفۃ لا بالمکان تعالی اللّٰہ عن ذالک علواً کبیراً۔

فکلما صار العبد اکمل صفۃً و اتم علماً واحاطۃً بحقائق العلوم واثبت قوۃً فی قھر الشیطان وقمع الشھوات واظھر نزاھۃً عن الرذائل صار اقرب من درجۃ الکمال ومنتھیٰ الکمال للّٰہ تعالیٰ وقرب کل واحدٍ من اللّٰہ بقدر کمالہ۔ انتھیٰ۔

(وصل) لعلک تقول قد رغبتنی فی المجاھدۃ بما عظمت من امرھا و انھا مفتاح الھدایۃ ولا تغنی الطاعات فی حصول المکاشفات الا بھا فبین لی حقیقتھا لانظر فی نفسی ھل اقدر علیھا ام لا ؟

فاقول اعلم ان انواع المجاھدۃ کثیرۃ وبعض المریدین یلیق بہ نوع منھا لایلیق بغیرہ بحسب قوتہ وضعفہ وتمکن الصفات الخبیثۃ منہ وعدم تمکنھا وذالک مفوض لمعرفۃ المرشد الکامل فما یراہ بعین البصیرۃ لائقاً بحال المرید من انواع المجاھدۃ شغلہ بہ مع

بیان میں جو کہ اخلاق الٰہیہ میں سے ہیں ذکر فرمایا ہے کہ وہ ایک وصفی اور معنوی قرب ہے۔ مکانی اور جسمانی نہیں ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بلند و برتر ہیں۔

چنانچہ بندہ جس قدر زیادہ مکارم اخلاق اور صفات نفس میں کامل ہوگا اور جسقدر اس کا علم تام ہوگا اور جسقدر کہ اسکو حقائق علوم کا احاطہ ہوگا اور جسقدر کہ شیطان کو مغلوب کرنے کی نفس کے توڑنے کی اسکو قوت ہوگی اور جتنا ہی زیادہ کہ وہ رذائل نفس سے پاک و صاف اور دور ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ اسکو کمال قرب حاصل ہوگا۔ باقی یوں تو تمام کمالات کی انتہا اللہ تعالیٰ ہی پر ہوتی ہے در اسکا حاصل یہ سمجھو کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے بقدر اپنے کمال باطن ہی کے قریب ہوتا ہے۔

(وصل) اب شاید تم یہ کہو گے کہ آپنے اپنے اس بیان سے تو مجھے مجاہدہ کی بہت ترغیب دیدی اسلئے کہ آپنے اسکی عظمت شان کا ذکر کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ مجاہدہ مفتاح السعادۃ ہے اور یہ کہ کوئی طاعت بدون مجاہدہ کے حصول مکاشفہ کا ذریعہ ہی نہیں بنتی۔ (وغیرہ وغیرہ) تو اب از راہ کرم ذرا اسکی حقیقت بھی ارشاد فرما دیجئے تاکہ میں اپنے کو تولوں کہ آیا اس پر قادر بھی ہو سکتا ہوں یا نہیں؟ تو اسکے جواب میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ سنو! یوں تو مجاہدہ کی اقسام بہت سی ہیں۔ لیکن ان میں سے جو قسم کہ ایک مرید کے لئے لائق ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ دوسرے کے لئے بھی مناسب ہو اس لئے کہ ان میں باہم قوت وضعف کا اور رذائل کے رسوخ اور عدم رسوخ کا فرق ہوا کرتا ہے۔

(لہٰذا) یہ تجویز علاج مرشد کامل کی رائے پر ہی موقوف ہے۔ پس وہی جس نوع مجاہدہ کو جس شخص کیلئے تجویز کرے اسکو اس میں لگادے۔ البتہ زمان و مکان اور مرض کے درجہ

ملاحظة الزمان والمكان ودرجة
العلة حتى ان بعض الاشياخ ينقل
المريد من علة لعلة اخرى ويكون
ذالك اسهل فى معالجة العلة الاولى
على وزان طب الابدان حذو النعل
بالنعل من تقليل الطعام والشراب و
ترك التخليط وهو هٰهنا اكل الحرام فان
الحرام بمنزلة السم للدين والمشبوه
بمنزلة اكل الغليظ من الاطعمة
للمريض وهذا هو القطب الذى تدور
عليه الاعمال فان من اكل الحرام
عصى الله احب ام كره ومن اكل الحلال
اطاع الله احب ام كره وحقيقة المجاهدة
مدافعة النفس والهوى والشيطان عن
الدخول لمدينة القلب ومخالفتهم
فى كل ما يامرون به والتوقف فيه[عہ] ولو
خيرا فان الشيطان يفتح للانسان

کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

یہاں تک کہ بعض مشائخ نے تو کسی کسی مرید کو ایک مرض سے دوسرے مرض کی جانب منتقل کر دیا ہے محض اس خیال سے کہ اس دوسرے رذیلہ سے نکلنا (یعنی اس کا علاج) بمقابلہ اول رذیلہ کے علاج کے آسان تھا اور معالجۂ نفس کا معاملہ بھی بالکل معالجۂ ابدان ہی جیسا ہے (طابق النعل بالنعل) یعنی یہاں بھی کم کھانے اور کم پانی پینے کو کہا جاتا ہے اور لوگوں سے زیادہ ملنے جلنے سے منع کیا جاتا ہے (جسطرح سے کہ علاج ظاہری میں بھی ان چیزوں سے پرہیز کرایا جاتا ہے اور مریض کو خلوت میں رکھا جاتا ہے) چنانچہ یہاں کا سب سے بڑا پرہیز حرام کھانے سے بچنا ہے کیونکہ اکل حرام، دین کے حق میں تو سم قاتل ہی ہے اور مشتبہ کھانا ایسا ہے جیسے کسی مریض کو ثقیل غذائیں دیدی جائیں چنانچہ یہی اکل حلال، طریق میں ایک ایسا قطب ہے جس کے ارد گرد اعمال صالحہ کی چکی گھومتی ہے اس لئے کہ جس شخص نے حرام کھانا کھایا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی خواہ وہ اسکو اچھا سمجھ کر کھائے یا کروہ سمجھکر کھائے، اور جس شخص نے حلال کھانا کھایا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی خواہ طوعاً اسکو کھایا ہو یا کرہاً کھائے چنانچہ مجاہدہ کی حقیقت، نفس خواہش اور شیطان (ان تینوں) کو قلب کے شہر میں داخل ہونے سے

عہ (قولہ والتوقف فیہ ولو خیرا الخ) کتاب "العرائس القدسیہ فی الاسائس النفسیہ" میں اس مسئلہ کو ایسی وضاحت سے بیان کیا ہے جو کہ طالب کی تسلی کیلئے کافی ووافی ہے فرماتے ہیں کہ اور منجملہ ان امور کے (جنکو شیطان سالک کیلئے مزین کرتا ہے جس کا ظاہر تو نہایت ہی خیر اور خوشنما ہوتا ہے مگر باطن انتہائی ہلاکت ہوتا ہے) ایک یہ ہے کہ جب وہ کسی مرید کو مجاہدہ میں لگا ہوا دیکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اب اس کا قرب وصول اور فتح قریب ہی ہے تو اس کے قلب میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ میاں یہاں کیا پڑے ہو۔ اس شہر میں تو تمہارے لئے فتح اور وصول تقریباً ناممکن ہے یا نہیں تو طویل ضرور ہے لہذا یہ کرو کہ تم مکہ شریف چلے جاؤ وہاں تم کو بہت جلد فتح ہو جائے گی۔ اور اس لعین کا مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ سالک کو (اقامت کے سکون سے نکال کر) سفر کی مشقتوں میں مبتلا کر دے تاکہ اس کا قلب بارہ باٹ اور حال پراگندہ ہو جائے۔ اور انجام کار اسکو ندامت کا منہ دیکھنا پڑے۔ اسی لئے مشائخ نے فرمایا ہے کہ سفر مرید کے دین کو پارہ پارہ کرکے رکھدیتا ہے چنانچہ اسی سبب سے تکمیل سلوک کیلئے مشائخ نے شیخ کی موجودگی کو شرط قرار دیا ہے تاکہ وہ مرید کو دھوکے اور غلطیوں کے مواقع پر تنبیہ کرتا رہے۔ اھ

سبعين بابا من الخير ليوقعه في باب
واحد من الشر قال البوصيري :-
وخالف النفس والشيطان واعصهما +
وان هما محضاك النصح فاتهم +
فابدأ أولاً بسد الابواب التي
يدخل عليك الشيطان منها وهي
كثيرة ومعرفتها فرض على ما قال الامام
الغزالي وذالك ان حماية القلب عن
وسواس الشيطان فرض على مكلف
ولا يتوصل الى دفع الشيطان الا
بمعرفة مداخله فكانت معرفتها
فرضاً ايضاً وهي صفات العبد الذميمة
ومن اعظمها الغضب والشهوة و
هما امهات سائر الصفات المذمومة
كما تقدم وعنهما ينشأ الحرص و
حب التزين من الاثاث والثياب
والامور والدواب والطمع في الناس
والعجلة وترك التثبت في الامور وحب
الدراهم والدنانير وسائر اصناف[۵]
الاموال والبخل وخوف الفقر والتعصب

روکنا اور منع کرنا ہے۔ اور ان سب کے حکم کردہ چیزوں میں انکی مخالفت کرنا اور اس میں توقف کرنا ہے اگرچہ وہ بھلی ہی بات کیوں نہ معلوم ہوتی ہو اسلئے کہ شیطان کا حال تو یہ ہے کہ وہ انسان کے سامنے خیر کے ستر دروازے کھولتا ہے محض اسلئے تاکہ (انکے ذریعہ) اسکو کسی شر کے دروازہ میں داخل کردے۔ (یعنی ایک برائی کا مقدمہ اور پیش خیمہ ستر بھلائی کو بناتا ہے) اسی لئے بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:- نفس اور شیطان کے خلاف ہی کرو اور ان دونوں کی مخالفت کو اپنے اوپر لازم کرلو اور اگر یہ دونوں تم کو خالص نصیحت ہی کریں تب بھی تم ان کو متہم ہی سمجھتے رہو) اور سب سے پہلے انھیں چور دروازوں کو بند کرو جن سے شیطان تمہارے پاس آتا ہے۔ اور یہ ایسی چیز ہے کہ جسکی معرفت فرض ہے جیسا کہ امام غزالی رح کا ارشاد بھی اسی کا موید ہے۔ اور یہ اس لئے کہ قلب کو شیطان کے وسوسوں سے بچانا ہر مکلف پر فرض ہے اور شیطان کا دفعیہ ممکن نہیں جبتک کہ انسان کو اس کے داخل ہونے کے مواقع (چور دروازوں) کا علم نہ ہو جائے اسلئے ان منافذ کا علم بھی فرض ٹھہرا جن سے شیطان داخل ہوتا ہے اور وہ انسان کے یہی رذائل (یعنی صفات ذمیمہ) ہیں۔ جن میں سے سب سے بڑا رذیلہ غصہ اور شہوت ہے چنانچہ جملہ اخلاق مذمومہ کی یہی دونوں اصل ہیں۔

جیسا کہ ابھی بیان کیا جاچکا ہے۔ پھر ان ہی دونوں سے حرص اور زینت و خوشنمائی کی محبت پیدا ہوتی ہے یعنی جی چاہتا ہے کہ گھر کا سارا سامان عمدہ ہو۔ کپڑے نفیس ہوں۔ مکان اور سواری بہترین ہو۔ نیز لوگوں سے طمع قائم ہو جاتی ہے اور جلد بازی آجاتی ہے اور اطمینان ختم ہو جاتا ہے۔ زر و پیسہ کی نیز جملہ اموال کی محبت قلب میں پیدا ہو جاتی ہے۔ مزاج میں بخل اور فقر کا خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ نیز ہٹ دھرمی اور اپنی بات کی پچ

---

[۵] (قولہ وسائر اصناف الاموال الخ) (مؤلف فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ مرید کو حصول کمال سے پہلے (یعنی اس مقام تک پہونچنے سے پہلے کہ سونا اور پتھر اسکے نزدیک یکساں درجہ میں ہو جائے) جو چیز بھی قدر ضرورت سے زیادہ ہوگی۔ اسکے حق میں مضر ہی ہوگی۔ اس لئے کہ کھانے اور دیگر ضروریات سے جو مال بھی زیادہ ہوگا وہ شیطان کا مستقر (یعنی اڈا) ہوگا۔

انتہی ۱۲

للمذاهب والاهواء والحقد على الخصوم والنظر اليهم بعين الازدراء والاحتقار والاشتغال بالاختلافات الواقعة بين الناس فى المذاهب والخصومات وتفكر العوام الذين لم يمارسوا العلم فى امور لا يبلغها حد عقلهم حتى يشككهم الشيطان بسبب ذالك فى اصل الدين اوتفكر الجميع فى ذات الله تعالى وصفاته حتى يخيل الشيطان خيالات فى الكفر والبدعة وهم يظنون ان ذالك هوالمعرفة والبصيرة تفكروا فى آلاء الله ولا تتفكروا فى ذات الله فتهلكوا وعلل ذالك ابن الجوزى فى مواعظه بقوله اذا استقبل الرمد الريح فقد تعرض لزيادة المرض

انتھی :-

نحق العوام ان يومنوا ويسلموا ويشتغلوا بعبادتهم ومعايشهم ويتركوا العلم للعلماء فان من تكلم فى الله وفى دينه من غير اتقان العلم وقع فى الكفر وهو لا يشعر و مكايد الشيطان فيما يتعلق بالعقائد والمذاهب لا تحصر ومن ابوابه

آجاتی ہے۔ اپنے مخالفین سے کینہ اور ان پر حقارت اور نفرت کے ساتھ نظر کرنیکی عادت ہے۔ اسی طرح سے لوگوں میں جو اختلافات ونزاعات رونما ہوتے ہیں۔ آدمی ان میں دلچسپی اور حصہ لینے لگتا ہے اور وہ عوام کالانعام جنکو کہ علم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اپنی عقل وفہم سے بالاتر امور میں بھی (انھیں رذائل کی وجہ سے) غور وخوض کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسکی وجہ سے شیطان ان کو اصل دین ہی کی طرف سے شک وشبہ میں ڈال دیتا ہے۔ یا کبھی یہ ہوتا ہے کہ کیا عوام اور کیا خواص سب ہی اللہ تعالی کی ذات اور صفات میں تفکر کرنے لگ جاتے ہیں یہانتک کہ شیطان انکے قلب میں کفر وبدعت تک کے حال کو مزین کردیتا ہے اور یہ لوگ اسکو معرفت کا ایک درجہ اور یقین کا کوئی مرتبہ تصور کرتے ہیں (اور کس قدر ناواقف ہیں اس سے کہ) اللہ تعالی کی ذات میں تو تفکر کرنیکی ممانعت آئی ہے ارشاد ہے کہ اللہ تعالی کی ذات میں تفکر نہ کرو ہلاک ہوجاؤ گے۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی رحؒ نے اسکی وجہ اپنے وعظ میں بیان فرمائی ہے کہ جو آنکھ کہ اٹھی ہوئی ہو جب وہ ہوا کے سامنے پڑ جائے تو سمجھو کہ اس نے اپنے آپ کو اضافہ مرض کے محل میں پیش کیا ہے۔ (یعنی یوں تو ہوا کیسی عمدہ چیز ہے مگر دکھتی آنکھ والے کیلئے سم قاتل ہے اسی طرح سے نااہل کیلئے خوض فی العلم بالخصوص تفکر فی ذات اللہ دینی موت کے مرادف ہے)

پس عوام کے مناسب حال تو یہی ہے کہ بس ایمان لائیں اور اسلام اختیار کریں اور عبادت کے کاموں میں نیز کسب معاش کے امور میں مشغول رہیں باقی علم کو علماء ہی کیلئے چھوڑ دیں اسلئے کہ جو شخص اللہ تعالی کے متعلق یا اس کے دین کے بارے میں بدون تحقیق کوئی گفتگو کرے گا تو کفر اس کے نقد وقت ہوگا جسکی اسے خبر بھی نہوگی۔ اور شیطان کی گمراہیاں عقائد اور مذاہب سے متعلق بے شمار ہیں منجملہ اسکے طریقوں کے ایک طریقہ مسلمانوں کے ساتھ سوءظنی

سوء الظن بالمسلمين ومهما رائيت
انسانا يسيئ الظن بالمسلمين طالبا
لعيوبهم فاعلم انه خبيث الباطن
اذا ساء فعل المرء ساءت ظنونه
وصدق مايعتاده من توهم
فان المومن يطلب المعاذير
والمنافق يطلب العيوب فهذا بعض
مداخل الشيطان الى القلب ولا
يمكن استقصاء جميعها وبالجملة
فليس فى الآدمى صفة مذمومة
الا وهى سلاح الشيطان ومدخل من
مداخله ولابد فى دفع الشيطان
عن القلب من سلاح التقوىٰ والذكر
معا واما الذكر وحده فلا يجدى نفعًا
من دون التقوىٰ واعظم هٰذه الابواب
الدنيا ونعنى بها مازاد على الحاجة من
المطعم والمسكن والملبس والمنكح فان
الدنيا بنت الشيطان ومن تزوج بنته
اكثر التردد الى بيته وهذا قبل الكمال
كما تقدم +

بھی ہے چنانچہ جب تم کسی شخص کو یہ دیکھو کہ مسلمانوں کے ساتھ
سوءِ ظن رکھتا ہے اور ان کے عیوب پر تجسس کرتا ہے تو سمجھ
لو کہ وہ خبیث الباطن ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔
جب کسی انسان کے افعال برے ہوتے ہیں تو اس کا گمان بھی فاسد ہو جاتا ہے
اور جن مقامات میں وہ وہم کا خوگر تھا وہاں اب تصدیق کرنے لگ جاتا ہے۔
یہ اسلئے کہ مومن عذر تلاش کرتا ہے اور منافق عیوب ہی ڈھونڈھتا
ہے۔ غرض یہ بعض وہ دروازے ہیں جن سے شیطان قلب میں داخل
ہوتا ہے اور تمام ابواب کا تو احاطہ مشکل ہے۔ حاصل کلام یہ کہ
انسان میں جو بھی کوئی صفت مذمومہ ہے وہ شیطان کا ہتھیار
ہے اور اس کے داخل ہونے کے راستوں میں سے ایک راستہ
ہے لہذا ضروری ہے کہ شیطان کو قلب سے تقویٰ اور ذکر کے ہتھیار
سے ایک ساتھ دفع کیا جائے کیونکہ تنہا ذکر بدون تقوی کے اس
باب میں چنداں مفید نہیں ہے اور ان ابواب میں سے
سب سے اعظم باب دنیا ہے اور مراد اس سے وہ مال ہے جو
کھانے پینے رہنے سہنے پہننے اوڑھنے اور ازدواجی تعلقات
کے ضروری اخراجات سے زائد ہوں اسلئے کہ دنیا شیطان کی
بیٹی ہے اور جو اس کی بیٹی سے نکاح کرے گا تو اس کے
گھر آمد و رفت بھی کثرت سے رکھے گا۔ لیکن یہ چیز تکمیل سے
پہلے پہلے ہے جیسا کہ اس سے قبل بیان گذر چکا ہے

فما دام المرید یملک شیئاً فوق حاجتہ ولو دیناراً واحداً لا یدعہ الشیطان فی صلاتہ من الوسوسۃ فی الفکر فی دینار وانہ کیف یحفظہ وفی ماذا ینفقہ وکیف یخفیہ حتی لا یعلم بہ احد وکیف یظہرہ حتی یتباھی بہ الی غیر ذلک من الوساوس فمن انشب مخالبہ فی الدنیا وطمع فی ان یتخلص من الشیطان کان کمن انغمس فی العسل وظن ان الذباب لا یقع علیہ و ذلک محال +

پس جب بھی مرید اپنی حاجت سے زاید کسی چیز کا مالک ہوگا اگرچہ وہ ایک ہی دینار کیوں نہ ہو تو شیطان اسکو نماز میں یہ وسوسہ ڈالے گا کہ اسکی حفاظت کیسے کروگے اور کہاں اسکو خرچ کروگے اور کیونکر اس کو چھپاؤگے تاکہ کوئی جان نہ سکے اور کس طرح اسکو ظاہر کروگے تاکہ دوسروں پر فخر ومباہات کرسکو۔ غرض اسی طرح کے دنیا بھر کے وساوس قلب میں ڈالتا رہے گا۔ پس جس شخص نے اپنے پنجے دنیا میں گڑوائے اور پھر اس بات کی بھی طمع کی کہ شیطان سے خلاصی پا جائے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص شہد میں غوطہ لگائے اور یہ توقع رکھے کہ اس پر مکھی نہ بیٹھے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ امر محال ہے۔ (

(وقیل فی ھذا المعنی) ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

؎ (قولہ فما دام المرید یملک الخ) مؤلف رح فرماتے ہیں کہ اسی کی مثل وہ واقعہ ہے جو میرے عم محترم شیخ محمود رافعی رح کے ساتھ پیش آیا۔ اس لئے کہ انھوں نے جب مصر جاکر شیخ احمد صاوی سے طریق حاصل کیا اور حسب معمول خلوت نشین ہوئے تو شیطان نے ان کی جائداد وغیرہ کے متعلق جو کہ ہمارے دیار طرابلس (شام) میں تھیں ان کو وسوسہ ڈالنا شروع کیا اور یہاں تک پریشان کیا کہ وہ چلہ ترک کرکے طرابلس واپس آئے اور اپنی تمام جائداد فروخت کردی اور اسکی رقم فقراء پر تقسیم کرنا شروع کردیا یہاں تک کہ ان کے شیخ حضرت صاوی کو اسکی اطلاع ہوئی انھوں نے سید محمد کتبی رح کو لکھا کہ محمود سے سب رقم لے لو اور ان پر پابندی لگادو کہ کسی سے کوئی معاملہ نہ کریں اور نہ کوئی ان سے کرے۔

حاصل یہ کہ دیکھو ان بزرگ کو صفائے وقت حاصل نہ ہوسکا جب تک کہ مال سے بالکلیہ نہ نکل گئے اور کچھ بھی پاس نہ رہ گیا ان کی اس حالت کو دیکھ کر شیخ صاوی نے فرمایا کہ میرا یہ بچہ محمود (جسے آج تم ایسا دیکھ رہے ہو کل کو اس کا ایسا وقت آنے والا ہے کہ) ان کے قدموں کے نیچے کی زمین کو بوسہ دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

افادہ قولہ شیطان نے جائداد وغیرہ کے متعلق ان کو وسوسہ ڈالنا شروع کیا)

میں کہتا ہوں کہ جب یہ وسوسہ تھا تو علاج بھی وسوسہ ہی کا ہونا چاہیئے تھا اور وہ یہ کہ اس کی جانب التفات ہی نہ کیا جاتا کیونکہ اسکی جانب توجہ کرنے اور اس پر عمل کرلینے سے تو وہ اور قوی ہوجاتا ہے اور زیادہ پریشان کرتا ہے۔ ایک مادہ سے ختم ہوا

دوسرے میں کام کرنے لگتا ہے۔

اور اگر اسکو حُبِّ مال کا علاج کہا جائے تو اس کے متعلق کہتا ہوں کہ حب مال سے نکلنے کا یہ طریقہ شرعاً مطلوب تو کیا ہوتا جائز بھی نہیں ہے اور عجب نہیں کہ اسی وجہ سے ان کے شیخ حضرت صاویؒ نے ان کو تصرفات سے روک دیا ہو۔

شرعاً جو درجہ مطلوب ہے وہ صرف یہ ہے کہ مال کی محبت انسان کے قلب میں اللہ تعالیٰ اور اسکے دین کی محبت سے بڑھ کر نہو۔ چنانچہ قرآن شریف میں دنیا کی اَحَبیّت کی ممانعت آئی ہے باقی مال سے یا دنیا سے نفس محبت منع نہیں ہے اسلئے کہ مال دنیا میں صرف ضروریات کی تحصیل کا ذریعہ ہے لہٰذا اسکو حاصل کرنا بھی منع نہیں اور اس کا پاس ہونا بھی مذموم نہیں۔ اہل اللہ اسکو مقصود بنانے سے منع فرماتے ہیں اور مقصود بنانا یہ ہے کہ اسکی محبت اور اس میں انہماک انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکام ہی سے روک دے مثلاً کسی کے پاس مال ہے اور وہ اس سے محبت کی وجہ سے اسکی زکوٰۃ نہیں ادا کرتا یا فرض حج کو نہیں جاتا محبت کا یہ درجہ مذموم ہے ورنہ تو نفس مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اللہ تعالیٰ نے اسے قوام زندگی فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے نعم المال الصالح للرجل الصالح۔ نیز حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ مال جمع رکھنا پہلے زمانہ میں چاہے قبیح سمجھا جاتا رہا ہو۔ بہرحال آج کے دن تو وہ مومن کی ڈھال ہے اور یہ فرمایا کہ اگر ہمارے پاس مال نہوتا تو یہ امراء تو ہمکو رومال یعنی صافی بنا لیتے اور یہ فرمایا کہ جس شخص کے پاس مال ہو وہ اسکی اصلاح کرے یعنی حفاظت کرے اور خوب بڑھائے اسلئے کہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اگر آدمی خدانخواستہ محتاج و تنگدست ہوا تو سب سے پہلی چیز جو برباد کرے گا وہ اپنا دین و ایمان ہوگا۔

دیکھئے ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو ہم دنیا سمجھتے ہیں وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم نہیں ہے بلکہ کسب و استعمال کیوجہ سے ہم اسکو مذموم بنا لیتے ہیں۔ لہٰذا مال سے اسدرجہ نفرت کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔ اگر رذیلہ حب مال موجود ہو تو اس رذیلہ کو قلب سے نکالنا چاہیئے محبت قلب کی صفت ہے لہٰذا قلب کو اس سے خالی کرنا چاہیئے اسکے لئے مال کو ختم کر دینا ضروری نہیں جب قلب اسکی محبت سے خالی ہو جائے بس یہ کافی ہے اسکے بعد اگر جیب اور بکس میں مال موجود ہو کچھ مضر نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں ضروری ہے کہ مسلمان کے پاس مال ہو جیسا کہ مذکورہ بالا نصوص اس پر شاہد ہیں۔

اور یہ جو میں نے کہا کہ رذیلہ حب مال کے ازالہ کیلئے مال کا صرف کر دینا کافی نہیں تو اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ انسان کے پاس مال بالکل موجود نہ ہو لیکن رذیلہ حب مال اب بھی اس کے اندر موجود ہو اسی طرح سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بظاہر ایک شخص کے پاس بہت مال و دولت موجود ہے مگر قلب کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ذرا سی بھی غفلت نہیں ہے۔ محققین کی اس مسئلہ میں یہی تحقیق ہے۔ لیکن عام طور سے اس بارہ میں لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے کہ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ جسکے مال نہیں ہے وہ دنیادار نہیں ہو سکتا۔ حاصل یہ کہ حب مال ایک قلبی مرض ہے۔ خارج میں مال ہونے نہ ہونے پر موقوف نہیں ہے۔

وحاصل وساوسه انه يأتي
الانسان من قبل المعاصي فان
امتنع اتاه من وجه النصيحة حتى
يلقيه في بدعة فان ابى امره
بالتحرج والشدة حتى يحرم ما ليس
بحرام فان ابى خفف عليه اعمال
البر حتى يراه الناس صابرا عفيفا
فتميل قلوبهم اليه فيعجب بنفسه
وبه يهلكه وعند ذلك تشتد
الحاجة فانها آخر درجة ويعلم
انه لو جاوزها افلت منه الى
الجنة +

(تتمه) الخواطر التي ترد على
القلب اربعة ربانی وملکی وشیطانی
ونفسی فعلامة الخاطر ربانی انه
لا يندفع بالدفع لان له على القلب
صولة الاسد الضاري لوروده من
حضرة قهار وعلامة الخاطر الملكي
ان تعقبه لذة مع برودة ولا يجد
صاحبه المًا ولا تغيرًا في صورته وانما
هو كالناصح + وعلامة الخاطر النفسي
ان يعقبه في القلب الحرو في الصدر
ضيق وفي الطلب الحاح فان النفس
كالطفل تلح في مطالبها ولا تستبدل
به غيره - وعلامة الخاطر الشيطاني

اور اس کے وساوس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کے پاس پہلے معاصی کی راہ سے آتا ہے اب اگر وہ اس سے باز رہتا ہے یعنی (اسکے وسوسہ کو قبول نہیں کرتا) تو پھر نصیحت کے راستہ سے آتا ہے تاکہ اسکو کسی بدعت میں ڈالدے لیکن اگر مرید سعید نے اسمیں بھی اسکی اطاعت نہ کی تو پھر وہ اس کے (قلب میں) تقویٰ میں غلو کا خیال ڈالتا ہے تاکہ وہ اپنے اوپر خوب تنگی اور سختی کرے یہانتک کہ غیر حرام کو حرام کرے اگر اس میں بھی اسکی پیش نہ چلی تو پھر نیکیوں کا کرنا اس پر آسان کر دیتا ہے (یعنی اس سے خوب عبادت کراتا ہے) تاکہ اسکو لوگ جفاکش اور عفیف سمجھیں اور ان کے قلوب اسکی طرف مائل ہوں جسکی وجہ سے اس میں عجب پیدا ہو جائے اور اس طور پر یہ اسکو ہلاک کردے اور اس مقام پر پہونچ کر تو اس کی کوشش اور بھی تیز ہو جاتی ہے اسلئے کہ وہ جانتا ہے کہ سالک کا یہ آخری درجہ ہے اگر اس نے اسکو عبور کر لیا تو پھر وہ جنت میں ہی داخل ہو جائے گا۔

وہ خواطر جو قلب پر وارد ہوتے ہیں چار طرح کے ہوتے ہیں ربانی۔ ملکی۔ شیطانی۔ نفسی۔ پس علامت خاطر ربانی کی یہ ہے کہ وہ دفع کرنے سے دفع نہیں ہوتا اس لئے کہ قلب پر اسکی صولت شکاری شیر کی طرح ہوتی ہے کیونکہ وہ حضرت قہار کی جانب سے وارد ہوتا ہے اور علامت خاطر ملکی کی یہ ہے کہ اسکے پیش آنے پر سالک کو لذت اور ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اور اسکو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور نہ یہ اپنی صورت میں کچھ تغیر پاتا ہے بلکہ اسکی حیثیت مانند شفیق ناصح کے ہوتی ہے۔ اور خاطر نفسی کی علامت یہ ہے کہ اسکے آنے پر قلب میں ایک تکلیف اور سینہ میں ایک تنگی محسوس ہوتی ہے۔ طلب میں الحاح پیدا ہو جاتا ہے اس لئے کہ نفس کی مثال طفل کی سی ہے جو کہ اپنی خواہش کے حاصل کرنے میں بڑی عاجزی اور خوشامد سے کام لیتا ہے اور اپنے مطلوب کے بدلے کسی دوسری چیز کے لینے پر راضی بھی نہیں ہوتا۔ اور خاطر شیطانی کی علامت یہ ہے کہ اس کے آنے

ان تعقبه المرواذا حولته لامر آخر
تحول فان الشیطان یرید اغواءك
بای وجه کان +

ثم الخاطر الشیطانی والنفسی یجب
طردهما من اول وهلة فلا یردد دهما فی
نفسه حتی یصیرا هماً وعزماً بل یکون
کالسیاف واقفاً علی باب قلبه فیجرد
ما یخطر له خاطر من ذینك الخاطرین
یطرده ولا یقبله ولا یتفکر فیما سوی
الخاطر الملکی لیقوی + واما الخاطر الربانی
فلا یحتمل الدفع[ف] والتردد مطلقاً ولا
یکون للعبد تماسك معه بسبب سطوته
علی القلب لوروده من حضرة قهار
کما تقدم +

کے بعد طبیعت میں ایک رنج والم سا رہتا ہے اور جب تم اس خیال کو دوسری جانب پھیر دو تو آسانی سے منتقل ہو جائیگا اس لئے کہ شیطان کا مقصود تو تمہیں بہکانا ہے اس خیال سے نہ سہی اُس خیال سے سہی۔

پھر یہ سمجھو کہ خاطر شیطانی اور خاطر نفسانی ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان خواطر کے آتے ہی ان کو ہٹانا چاہیئے۔ یعنی ان سے صرف نظر کرنا چاہیئے اپنے نفس میں انکو باقی نہ رکھے اور ان میں فکر نہ کرنے لگے کیونکہ اسکی وجہ سے یہ وسوسے نکل کر مقصد اور عزم بن جائیں گے لہذا انسان کو چاہیئے کہ اپنے قلب کے دروازہ پر مانند جلاد کے تلوار لئے کھڑا رہے اور جیسے ہی یہ دونوں خواطر اس میں قدم رکھنا چاہیں تلوار سے ان کا خاتمہ کر دے یعنی نہ انھیں قبول کرے اور نہ ان میں تفکر کرے۔ البتہ خاطر ملکی میں تفکر کر سکتا ہے تاکہ وہ اور راسخ ہو جائے رہا خاطر ربانی تو وہ تو دفع اور تردد کا مطلقاً احتمال ہی نہیں رکھتا اور عبد کے لئے اس کے آنے پر کوئی زور اور بس بھی نہیں رہ جاتا اس لئے کہ وہ قلب پر مستولی ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت قہار کے یہاں سے وہ بھیجا جاتا ہے۔

ف (قولہ فلا یحتمل الدفع الخ) الحمد للہ یہ خاطر تو مجھے خود اپنے نفس میں بھی حاصل ہوا ایک زمانہ میں میں نے یہ ارادہ کیا کہ اس جماعت پر بد دعا کروں جن لوگوں نے مجھے ستایا تھا جوں ہی میں نے ان پر بد دعا کرنے کیلئے اپنے ہاتھ اٹھائے میرے قلب پر نہایت ہی قوت اور شوکت کے ساتھ یہ چیز وارد ہوئی کہ اللہ تعالی کے نزدیک بڑائی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو تمہیں محروم کرے تم اسکو دو جو تم پر ظلم کرے تم اسکو معاف کرو اور جو تمہارے ساتھ برائی کرے تم اسکے ساتھ احسان کرو۔ اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے اپنا ہاتھ مجبور ہو کر نیچے گرا لیا اور میں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ میں نے ان لوگوں کو معاف کر دیا۔ (افادہ) میں کہتا ہوں کہ مظلوم کیلئے اگرچہ ظالم پر بد دعا کرنا جائز ہے تاہم خلق سے بعید تر ہے۔ اسلئے ارباب طریق کے نزدیک ناپسندیدہ امر ہے۔

اسی طرح سے ہمارے ایک دوست خلیل یمین آفندی اپنا ایک واقعہ بیان کرتے تھے جو اسکے قریب قریب ہے وہ یہ کہ جس سال انھوں نے حج کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک حمیہ قصیدہ بھی کہا جس میں آپ سے یہ خواہش بھی کیگئی تھی کہ آپ انکی جانب سے انکے دشمنوں سے بدلہ لیں وہ شعر یہ تھا۔

واعد الی اهلکم وبدد شملهم … فانك سیف الله بالحق قاطع

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ میرے دشمنوں کو آپ ہلاک کر دیجئے اور ان کے احوال کو پراگندہ کر دیجئے اسلئے کہ آپ اللہ کی تلوار ہیں اور حق کے ساتھ کاٹنے والے ہیں۔ چنانچہ جب وہ ہمارے دوست روضۂ اقدس کے پاس حاضر ہوئے اور قصیدہ پڑھا اور اس شعر پر پہونچے تو قبل ان کے پڑھنے کے بعض حاضرین نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی امت کے بارے میں ایذا نہ پہونچاؤ اسی طرح آپ فرماتے ہیں چنانچہ انہوں نے اسی وقت اپنے اس شعر کا پہلا مصرعہ بدل کر اس طرح سے کر دیا۔ ع واعد الی اصلحهم واصلح شملهم یعنی میرے جو دشمن ہیں آپ انکی اصلاح فرما دیجئے۔ اور ان کے حالات کو درست فرما دیجئے۔ اھ منہ ۱۲

(تنبیہ) مراتب القصد خمس اولہا الہاجس وھو اول مایبدو فی القلب ثانیہا الخاطر وھو الذی یخطر ویمر فیہ ثالثہا حدیث النفس تتحدث فیہ ھل تفعلہ ام لا رابعہا الھم وھو ترجح فعلہ خامسہا العزم وھو التصمیم علیہ وکلہا لا یؤاخذ بہ العبد سوی[a] الاخیر وھذا فیما عدا الحرام فانہ یؤاخذ فیہ بالارادۃ ایضاً[b] وھی دون العزم المذکور بقولہ تعالیٰ

قصد کے مراتب پانچ ہیں پہلا مرتبہ ھاجس کہلاتا ہے اور یہی سب سے پہلا درجہ ہے جو کسی چیز کے متعلق قلب میں آتا ہے۔ دوسرا مرتبہ خاطر کہلاتا ہے اور یہ ایک ایسا درجہ ہے کہ اس میں کسی چیز کا خیال قلب میں آتا ہے اور گذر جاتا ہے تیسرا مرتبہ حدیث النفس کہلاتا ہے کہ جس میں انسان کا نفس خود باتیں کرتا ہے کہ آیا اس فعل کو کرے یا نہ کرے اور چوتھا مرتبہ ہم کہلاتا ہے اور اس میں جانب فعل راجح ہو جاتی ہے جانب ترک پر اور پانچواں مرتبہ عزم کہلاتا ہے اس مرتبہ میں اگر انسان اس کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے چنانچہ انسان سے قصد کے ان مراتب خمسہ میں سے صرف اخیر پر مواخذہ ہوتا ہے اور دیگر مراتب میں مواخذہ نہیں ہے اور یہ حکم حرم کے علاوہ دیگر مقامات کا ہے کیونکہ حرم[b] میں کسی کام کے

---

[a] (قولہ سوی الاخیر الخ) یعنی یہ جو کہا گیا کہ قصد کا جو آخری مرتبہ ہے عزم اسی پر مواخذہ ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے پر تلوار سے حملہ کریں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قاتل کا جہنمی ہونا تو ظاہر ہے لیکن یہ مقتول کیوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا قصد بھی تو اپنے مقابل کو قتل کر دینے کا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عزم پر مواخذہ ہوگا۔

[b] (افادہ) قولہ حرم میں ارادہ فعل پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مصنف کا یہ استنباط محققین کے قول کے خلاف ہے گو ایک قول مفسرین کا وہ بھی ہے جو مصنف نے بیان کیا لیکن دوسرا قول بھی ہے اور وہی صحیح ہے حضرت مولانا رح بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ :۔

یُرِدْ سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ ارادہ کا جو مرتبہ دوسری جگہ موجب تعذیب ہو وہاں موجب تعذیب نہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ یُرِدْ بمعنی یتعمد کی قید سے یہ فائدہ ہوگا کہ نسیان وخطاء کے عفو پر دلالت کرے گا۔ (بیان القرآن صہ ۶۹ ج ۷)

اس سے معلوم ہوا کہ یہاں یرد کے معنی تعمد ہی کے ہیں اور یہ قید نسیان اور خطاء کے اعتبار سے ہے یعنی یہ دونوں معاف ہیں تو یہ مطلب نہیں کہ ارادہ پر بھی وہاں مواخذہ ہے۔ پس حرم اور غیر حرم کا حکم ایک ہونے کے باوجود حرم کی تخصیص سے معصیت کی تشدید کی جانب بھی اشارہ نکلتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جو چیز غیر حرم میں بری ہے وہ حرم میں اور زیادہ بری ہے جس طرح سے کہ جو شے غیر حرم میں طاعت ہے حرم میں کرنے سے اس کا ثواب اور زیادہ ہو جاتا ہے یہ شرف مکان کا اثر ہے اس کا انکار نہیں۔

(فائدہ) حدیث شریف میں آتا ہے انسان اگر کسی طاعت کا صرف ارادہ کرتا ہے اور ابھی اسکو کرتا بھی نہیں تب بھی اسکے لئے ایک نیکی لکھ لی جاتی ہے اور جب اس کام کو کر لیتا ہے تو حسب قاعدہ الحسنۃ بعشر امثالہا اس کا ثواب دس گنا ملتا ہے۔ لیکن اگر کسی معصیت کا محض ارادہ کرتا ہے اس کو کئے نہیں ہوتا تو اس پر اسکو کچھ گناہ نہیں ہوتا۔ ہاں جب اس کام کو کر لیتا ہے تب اسکے لئے ایک سیئہ لکھا جاتا ہے۔

سبحان اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور حال عبد پر شفقت ہے کہ نیکی کی بھی نہیں محض ارادہ اور نیت پر ثواب دیدیا۔ اور اسکے کرنے پر ایک نہیں دس گنا عطا فرمایا۔ اور برائی کرنے پر بھی صرف ایک بدی لکھی گئی اور نہ کرنے پر یعنی محض ارادہ کر لینے کو معاف فرمایا۔ یہ ان کی رحمت اور شان کریمی ہے ۔ ونعم ما قیل۔

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھکو انشا
ادھر سے ایسے گناہ پیہم اُدھر سے وہ دم بدم عنایت

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ
مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ +

ارادہ پر بھی مواخذہ ہوتا ہے حالانکہ وہ عزم مذکور سے کم ہی ہوتا ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اسمیں یعنی حرم میں ظلم کرنے کا ارادہ بھی کریگا تو اسکو ہم دردناک عذاب چکھائینگے اس میں تصریح ہے کہ حرم کے اندر ارادہٗ معصیت پر بھی مواخذہ ہے۔

(تنبیہ) قد تعرض للذاکر خواطر تشغلہ عن ربہ فاذا ھجمت علیہ فلیجدد الوضوء اولاً فان لم تذھب فلیرفع الصوت بذکر الی ان تقل برفع الصوت فلیتوجہ بھمۃ شیخہ الی دفعھا فاذا ذھبت ثم عادت فلیضع یدہ علی قلبہ ویقل سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْخَلَّاقِ سبعۃ مرات ثم یقول اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ وَقِيْلَ اِنَّ الملازمۃ علیھا عقب الصلوات سبعاً او ثلاثا تنفع فی زوال الوسوسۃ +

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ذاکر کو اسقدر وساوس آتے ہیں جو کہ اسکو اپنے رب کی یاد سے روکدیتے ہیں تو جب تم پر ایسے خواطر کا ہجوم ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے تازہ وضو کرو اگر اس سے نہ جائے تو ذکر بالجہر شروع کر دو۔ یہانتک کہ وہ کم ہو جائیں پھر آہستہ آہستہ معمول کے مطابق کرنا شروع کردو لیکن اگر ذکر جہر سے بھی نہ جائیں تو اپنے شیخ کی ہمت سے اس کے دفع کی طرف متوجہ ہو اور اگر وہ وساوس ایسے ہوں کہ جا کر پھر لوٹ آتے ہوں تو اپنے ہاتھ کو اپنے قلب پر رکھ کر سات بار یہ دعا پڑھو اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ +

کہا گیا ہے کہ اس دعا پر مداومت صلوات خمسہ کے بعد سات بار یا تین بار زوال وسوسہ کے لئے بہت نافع ہے۔

وذکر البونی فی شمس المعارف الصغریٰ ان مما ینفع لدفع استیلاء الخواطر علی القلب ان یتوضأ ویذکر یاقدیر سبعۃ انفاس حتی یذیق کل نفس فانھا تذھب عنہ ـ

اور بونی نے شمس المعارف صغریٰ میں لکھا ہے کہ قلب پر جب خواطر کا استیلا ہو جائے تو ان کے دفع کرنے کا نافع طریقہ یہ ہے کہ وضو کرے اور یاقدیر سات سانس میں اس طرح سے پڑھے کہ ہر سانس اس سے بھر جائے یعنی اسکی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے ہر سانس میں اتنی بار کہے کہ سانس تنگ ہونے لگے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے وہ وساوس دور ہو جائیں گے۔

وقال بعضھم من ادرک جوع بسبب تقلیل الطعام وبہ قلق و تشویش وخاطر من اختلاف الافکار

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ کھانے کی قلت کی وجہ سے جسکو بھوک لگی ہو اور اس کی وجہ سے ایک قلق اور بے چینی ہو اور افکار کثیرہ کی وجہ سے تشویش خاطر

فليتوضأ ويذكر يا امين يا هادی سبعة انفاس متوالية فان الله تعالى يذهب جوعه ويسكن خاطره ويصفى وقته ۔

میں مبتلا ہو تو اسے چاہیئے کہ وضو کرے اور یا امین یا ھادی کا ذکر سات سانس بھر پے درپے کرے۔ اللہ تعالیٰ بھوک کی تکلیف کو دور فرما دینگے۔ طمانیت خاطر عطا فرما دیں گے اور صفائے وقت میسر ہوگا۔

وذكر غيره ان مما ينفع للجوع اسمه تعالى الصمد فانه اذا ذكره الجائع ظهر اثره فى الحال واسمه تعالى الجليل اذا تلاه الظمآن سكن ظموءه وقيل ان سورة تبارك الملك اذا تلاه الظمآن ويده على قلبه سكن عطشه وذكر فى شمس المعارف ايضاً انه قد يعرض للذاكر ضعف و فتور همته وخصوصاً المختلى وقد يعتريه جوع او ظمأ فاذا وجد ذٰلك فليغتسل ويذكر يا قوی سبعة انفاس متوالية فان الله تعالى يقويه ومن وجد فى قلبه قسوة فليكتب يٰس والقرآن فى جام به زعفران ثم يشرب به فتزول عنه القسوة بحوله تعالى ۔

ایک دوسرے بزرگ نے یہ فرمایا ہے کہ بھوک کے دفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا اسم الصمد بہت نافع ہے اس لئے کہ جب کوئی بھوکا اس کا ذکر کریگا تو اس کا اثر فوراً ظاہر ہوگا۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا نام الجلیل جب کوئی پیاسا شخص اس کا ورد کرے تو اس کی پیاس جاتی رہے گی۔ اور کہا گیا ہے کہ سورہ تبارک الذی بیدہ الملک جب اس کو انسان اپنے قلب پر ہاتھ رکھ کر پڑھے تو ازالہ عطش کے لئے مفید ہے۔ شمس المعارف میں یہ بھی لکھا ہے کہ کبھی ذاکر کو ضعف اور فتور ہمت پیش آتی ہے۔ خاصکر کہ خلوت نشین کو اسی طرح سے کبھی اسکو بھوک اور پیاس بھی پیش آتی ہے تو جب ان امور میں سے کوئی چیز پیش آئے تو اسکو چاہیئے کہ غسل کرے اور سات سانس بھر یا قوی کا ورد پے درپے کرے اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں قوت پیدا فرما دینگے اور جو شخص اپنے قلب میں قسوۃ اور سختی پائے تو چاہیے کہ سورہ یٰسین کسی چیز یا شیشہ کی طشتری پر زعفران سے لکھے اور اس کو پی جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسکی قساوت جاتی رہے گی۔

(تنبیہ مہم)

قد ذكرنا لك سابقا ان فتح باب الغيب موقوف على عمل الطاعات وترك المخالفات وتصفية القلب من الاخلاق الذميمة فاعلم الآن ان العبادة شطران شطر الاكتساب

ہم نے تم سے پہلے بیان کیا ہے کہ باب غیب کا فتح طاعات کے کرنے اور مخالفات کے ترک کرنے اور اخلاق ذمیمہ سے قلب کو صاف کرنے پر موقوف ہے۔ اب یہ سمجھو کہ عبادات کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ تو طاعت کا کرنا ہے اور دوسرا حصہ معاصی سے بچنا ہے۔ انہی معاصی میں سے اخلاق ذمیمہ

للطاعة وشطر الاجتناب للمعصية التي من الاخلاق الذميمة وان شطر الاجتناب افضل و اشرف للعبد من شطر الاكتساب فان ترك المضار مقدم على جلب المصالح ولذلك ترى الاكتساب شان المبتدئين والاجتناب شان ارباب البصائر اذ همتهم حفظ القلوب عن الميل لغيره تعالى وحفظ البطون عن فضول الاطعمة وحفظ الالسن عن اللغو وحفظ الاعين عن النظر بما لا يعني وهذا كله من ثمرة انصلاح القلب فبقدر صلاح القلب تنصلح الجوارح اكتسابا واجتنابا +

بھی شامل ہیں اور پھر ان دونوں حصوں میں سے اجتناب کا حصہ افضل واشرف ہے اکتساب کے حصہ سے یعنی بندے کے لئے ترک معصیت زیادہ بہتر ہے۔ عمل طاعت سے اس لئے کہ مضرت سے بچنا نفع کے حاصل کرنے پر مقدم ہوا کرتا ہے۔

(یہی مطلب ہے اس کا کہ تخلیہ مقدم ہے تحلیہ پر)

اسی واسطے تم دیکھتے ہو کہ عمل طاعت تو مبتدیوں کی شان ہے اور معاصی سے اجتناب اہل بصیرت کی شان ہے ہے اس لئے ان کا قصد قلوب کو غیر اللہ کی جانب میلان سے بچانا ہوتا ہے اور اپنے بطون کو زائد از حاجت کھانوں سے بچانا ہوتا ہے اور اپنی زبانوں کو لغویات سے اور اپنی آنکھوں کو ممنوعات کے دیکھنے سے محفوظ کرنا ہوتا ہے۔

اور یہ سب کی سب چیزیں انصلاح قلب کا ثمرہ ہیں چنانچہ جسقدر قلب درست ہوگا اسی قدر جوارح اصلاح پذیر ہوں گے۔ کرنے والے امور میں بھی اور نہ کرنے والے امور میں بھی۔

(تنبیہ) الاعمال الصالحة انواع۔ نوع الفرض ونوع الواجب ونوع المسنون المؤكد ونوع المندوب وعلى المكلف ان يبدأ بالاهم فالاهم فان خالف هذا الترتيب فهو جاهل مغرور كمن عليه قضاء فوائت وهو

اعمال صالحہ کی چند قسمیں ہیں۔ فرض، واجب سنت موکدہ اور مستحب۔ چنانچہ مکلف پر یہ لازم ہے کہ اہم فالاہم کو شروع کرے۔ یعنی ترتیب کا لحاظ رکھے جو اہم ہو اسکو مقدم کرے غیر اہم پر۔ اگر کسی نے اس ترتیب کے خلاف کیا تو سمجھ لو کہ وہ جاہل شخص ہے اور دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔ جیسے کسی شخص پر فرض کی قضا

ـه (قولہ فبقدر صلاح القلب الخ) اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جب وہ صلاح پذیر ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ سن لو کہ وہ گوشت کا لوتھڑا قلب ہے اھ منہ

مشتغل بالتنفل او عليه دين او
زكوٰة مفروضة وهو مشتغل بالصدقة
النافلة. او يترك خدمة والديه
وطاعتهما لفعل مستحب فكل ذالك
غرور وعصيان يظلم به القلب
وهذا الترتيب لا يمكن القيام به
على الوجه المطلوب الا بمعرفة المرشد
الكامل او تعلم فن الفقه ولذلك
قالوا الصوفي عبارة من العالم العامل
بعلمه۔

ہو اور وہ نفل میں مشغول ہو جائے یا اس پر قرض ہو یا
زکوٰۃ فرض ہو اور وہ صدقہ نافلہ میں لگ جائے یا والدین
کی خدمت کو ان کی طاعت کو کسی مستحب کی خاطر چھوڑ
دے تو یہ سب کی سب چیزیں سراسر دھوکہ ہیں اور معصیت
ہیں۔ ان کی وجہ سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ لیکن
اس ترتیب پر عمل کما حقہ ممکن بھی نہیں بدون کسی
مرشد کامل کے بتلائے ہوئے یا بغیر علم فقہ کے سیکھے
ہوئے۔ اسی واسطے مشائخ نے فرمایا ہے کہ صوفی
کہتے ہیں اس عالم کو جو اپنے علم پر
عامل ہو۔

(تنبيه) النفس للنوافل اميل من
جهة انها تعمل ما تعمل بتصرفها
ورائها فلها في ذالك لذة التصرف
والاطلاق وفي الفرائض هي مقهورة
تحت حكم التكليف ومن هنا والله
اعلم كانت الفرائض اعظم ثوابا لمشقتها
على النفس من حيث انها لا حظ
لها فيها وذالك من جملة الحكم
باشتراط الدخول تحت تربية

نفس نوافل کیجانب زیادہ مائل ہوتا ہے اسلئے کہ وہ جو عمل کرتا ہے وہ
اپنے تصرف اور اپنی رائے سے کرتا ہے۔ پس اسکے لئے اس میں تصرف کی
لذت اور اختیار کی آزادی ہوتی ہے اور فرائض میں تو وہ
حکم شرع کا پابند ہوتا ہے۔ یعنی طبیعت چاہے نہ چاہے وقت
کی و دیگر شرائط کی اسکو پابندی کرنی پڑتی ہے۔ شاید
یہی وجہ ہو (واللہ اعلم بالصواب) کہ فرائض میں ثواب زیادہ
ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں نفس پر مشقت زیادہ پڑتی ہے۔
اس لئے کہ اس کا کوئی حصہ اس میں نہیں ہوتا اور یہ بھی منجملہ
دیگر دلائل کے ایک دلیل ہے اسکی کہ کسی مرشد کی تربیت

اضافہ جدید۔ کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفل سے مراد اس موقع پر وہ نوافل ہیں جن کو انسان اپنے طور پر پڑھے۔ باقی
وہ سنن یا نوافل جو کسی نام سے موسوم ہیں یا ان کا ذکر روایات میں آتا ہے جیسے تحیۃ المسجد یا صلوٰۃ التسبیح یا چار رکعت قبل
عصر وال وغیرہ یہ نمازیں مراد نہیں ہیں۔ فی رد المحتار عن المضمرات الاشتغال بقضاء الفوائت اولیٰ واھم
من النوافل الا سنن المفروضة وصلوٰۃ الضحی وصلوٰۃ التسبیح والصلوٰۃ التی رویت فیها الاخبار
انتهی ای تحیة المسجد والاربعة قبل العصر والست بعد المغرب۔
(ملخص از امداد الفتاویٰ مبوب ج ۱ ص ۳۰۸)

ع۵ اختتام کتاب پر اضافہ جدید بعنوان فرائض و نوافل کی تفریق ملاحظہ فرمائیے۔ ص ۳۲۴ تا ص ۳۳۵

المرشد لتدخل النفس تحت قهر امره ونهيه فلا تعمل بحظها و شهوتها حتى قالوا لان تكون تحت حكم هرّة خير لك من ان تكون تحت حكم نفسك +

(تنبيه) بعض المشائخ يأمر مريدهٗ بالصوم حتى اذا قرب وقت المغرب امره بالفطر ليكون(ف) ذالك اشق على النفس وهذا لم تستحسنه اشياخنا لمخالفته للشرع وقالوا ليس لنا طريق الى الله تعالى الا من حيث شرع بل قالوا ان الجوع لا تحصل فائدته بقهر النفس الا اذا كان على الوجه المشروع يعني بالصوم +

اقول قد تتعين المداواة على الوجه المذكور في حق مريد معجب مرائي فاذا صام اعجب بنفسه واذا افطر قويت عليه النفس واتسعت مجاري الشيطان الى القلب فيامره المرشد بالصوم الى اخر النهار ثم

کے تحت داخل ہونا ضروری ہے تاکہ نفس اس کے امر ونہی کا پابند رہے اور اپنی رائے اور اپنی خواہش سے کوئی کام نہ کرے۔ یہانتک کہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ تم اپنے آپ کو کسی بلی کے حکم کا پابند کرلو۔ یہ تمہارے لئے کہیں بہتر ہے اس سے کہ تم اپنے نفس کے حکم کے ماتحت رہو۔

بعض مشائخ اپنے مرید کو روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ یہاں تک کہ جب مغرب کا وقت قریب ہوتا تو حکم دیتے کہ روزہ توڑدو تاکہ یہ امر نفس پر شاق گذرے اور اسکی تیزی ختم ہو لیکن ہمارے مشائخ نے اسکو پسند نہیں فرمایا اس لئے کہ اس میں شریعت کی مخالفت ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بجز شرع کے اور کوئی دوسرا نہیں ہے اور یہ فرمایا ہے کہ محض بھوک سے قہر نفس کا فائدہ نہیں حاصل ہوگا۔ بجز اس طریقہ پر بھوکے رہنے کے جو کہ مشروع ہے یعنی روزہ سے نفس مقہور ہوگا۔ نرے فاقہ سے نہیں ہوگا۔

(مولف کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ بعض دفعہ نفس کا علاج مذکورہ بالا طریق ہی میں منحصر ہوتا ہے مثلاً وہ مرید جس میں عجب اور ریاکار ذیلہ ہے تو وہ جب روزہ رکھے گا تو اس کو عجب پیدا ہوگا اور روزہ نہ رکھیگا تو نفس اور قوی ہوگا۔ اور قلب تک شیطان کے پہونچنے کے راستے کشادہ ہوں گے۔ لہذا مرشد اسکو دن بھر تو روزے کا حکم دیگا تاکہ کسر نفس ہو اور شام کو غروب سے پہلے افطار کا حکم دیگا تاکہ روزہ ہی نہ ہوسکے۔

(ف) قوله ذالك اشق الخ) اور یہ نفس پر زیادہ شاق اس لئے ہوگا کہ سارے دن خود بھوکا بھی رکھا اور روزہ کا ثواب بھی نہیں ملا قبل از وقت افطار کرادیا۔ لہذا یہ عجب کا محل بھی نہ ہوسکا۔

یا غمرہ بالفطر من قبیل التداوی بالمکروہ اذا تعین ولکل وجہۃ۔

کہ اس پر اسکو عجب ہو تو ایسا کرنا تداوی بالمکروہ کے قبیل سے ہو گا کہ آخر یہ جائز ہے بشرطیکہ علاج کیلئے وہی دوا متعین ہو غرض اس باب میں مشائخ کی رائیں مختلف ہیں جنھوں نے مرید کے مرض کا لحاظ کیا اور اس میں اس کا نفع دیکھا تو اسکو جائز کہا۔ اور جس نے شرع کی مخالفت کا خیال کیا اس نے اس طریقہ کو پسند نہیں کیا۔ بہر حال ہر ایک کے پاس اس کے قول کی وجہ اور دلیل موجود ہے۔

(۵ قولہ من قبیل التداوی بالمکروہ الخ) چنانچہ اہل طریق سے اس نوع کے بہت سے اعمال ثابت ہیں ایک شخص نے بیان کیا کہ میں حضرت شبلی رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نئے صوف کا کپڑا پہنے ہوئے تھا اور حضرت شبلی کے سر پر جو ٹوپی تھی وہ (میرے) اس لباس کے جوڑ کی تھی میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ کاش یہ ٹوپی مجھے مل جاتی اتنے میں حضرت شبلی رح نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو مکان میں اندر لے گئے اور کہا کہ تم اپنا یہ صوف اتار دو اور میں اپنی ٹوپی اتارتا ہوں۔ یہ کہہ کر دونوں کو نذر آتش کر دیا۔

افادہ ۔ قولہ نذر آتش کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ چیز طریق میں غیرت کہلاتی ہے جو کہ اہل اللہ کا ایک خاص حال ہوتا ہے یہ حضرات اسی حال کے تحت کبھی اس قسم کے امور کا ارتکاب بھی فرما لیتے ہیں۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کے پاؤں کاٹ دیئے تھے جنکے معائنہ کی مشغولی میں سورج غروب ہو گیا تھا اور آپ نے ابھی نماز عصر نہیں پڑھی تھی۔ بس صاحب حال تو معذور بھی ہو سکتا ہے دوسروں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

حضرت شبلی رح کو یہ بات غیرت کی معلوم ہوئی کہ اس کا ظاہر حال تو مجھ سے خدا کیلئے تعلق ہے اور دل میں یہ دنیا لئے ہوئے ہے یعنی اس کا قلب ابھی جبہ و دستار ہی میں ملوث ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بس اس خیال کا آنا تھا کہ سب کو لیکر جلا ہی تو دیا۔

(افادہ) قولہ مشائخ کی رائیں مختلف ہیں الخ۔ میں کہتا ہوں کہ انھیں مشائخ کی رائے صائب ہے جنھوں نے خلاف شرع دیکھ کر اس کے ترک کا حکم فرمایا ہے اس لئے کہ شریعت میں امراض نفسانیہ کا پورا علاج موجود ہے۔ بلکہ شریعت کی وضع ہی اسکے لئے ہوئی ہے۔ چنانچہ ہر مرض کا جائز علاج شریعت میں ہے اب اسکے بعد خلاف شرع امور کا ارتکاب کرنا اور کرانا موہم اس امر کا ہوتا ہے کہ شریعت ناقص ہے اور اسکے جائز علاج سے قاصر ہے۔ اور بات دور تک پہونچتی ہے تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔ (نوٹ) اس مسئلہ پر قدرے مفصل کلام صفحہ ۳۷ پر بھی گذر چکا ہے جہاں شیخ نے کسی مرید کو حلق لحیہ کا امر فرمایا تھا۔ وہاں ملاحظہ فرما لیا جائے۔ (ناقل ۱۲)

(تنبیهات) الاول. علی الشیخ ان لا یقبل المرید حتی یختبره وینظر قابلیته[۱] فان وجده غیر قابل رده واذا وجده قابلا للسلوك فلیاخذه بطریق المجاهدة ولیحاسبه علی انفاسه وحرکاته ویضیق علیه علی قدر صدقه

فما ظفرت بالود روح مراحة
ولا بالولا نفس صفا العیش ودت[۲]

ومتی وقعت من المرید حرکة مغایرة ولم یسئله الشیخ عنها ولم یبحث معه فیها فقد اساء فی حقه وفعل مالم تقتضه مرتبة الشیوخ +

الثانی - اذا طلب المرید من شیخه دلیلا شرعیا او عقلیا علی ما ذکره له من المعارف الالهیة والاشارات الربانیة فلیزجره ویهجره وان لم یفعل فقد خانه فی التربیة حتی ان بعض المریدین رای فی الرؤیا ان شیخه اخبره بشیٔ فقال له لم فلما قص الرویا علی الشیخ هجره الشیخ شهراً وقال له لو لم تکن مجوزا فی

(تنبیهات)، اوّل. شیخ کے لئے ضروری ہے کہ کسی مرید کو بغیر اس کا امتحان لئے ہوئے اور بغیر اس کی استعداد اور قابلیت کے دیکھے ہوئے اپنے سلسلہ میں داخل نہ کرے اگر اُسے غیر قابل دیکھے تو اسکو اپنے پاس سے واپس کر دے اور اگر اسکو سلوک کا اہل دیکھے تو اسکو مجاہدہ کی راہ سے چلے اور اس کے جملہ حالات کا محاسبہ کرے اور اسکی تمام حرکات و سکنات پر نظر رکھے اور بقدر اس کے صدق اور اسکی طلب کے اس پر تنگی کرے۔[۲]

اور جب مرید سے کوئی ناروا حرکت وقوع میں آئے اور شیخ اس پر مواخذہ نہ کرے اور اس سے اس کی تفتیش نہ کرے (کہ کیوں ہوئی اور کیسے ہوئی) تو شیخ نے اس کے حق کو ادا نہیں کیا اور منصب شیخوخت کے خلاف کام کیا۔

دوم - شیخ مرید کو اگر کچھ معارف الٰہیہ اور غیبی اشارات تبلائے تو اگر مرید اپنے شیخ سے ان پر کوئی دلیل شرعی یا عقلی طلب کرے تو شیخ کو چاہیئے کہ اسکو تنبیہہ کرے اور اسکو اپنے پاس سے ہٹا دے اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو تربیت کے باب میں خیانت کی چنانچہ ایک مرید نے خواب میں دیکھا کہ اس کے شیخ نے اسے کسی چیز کی خبر دی اس پر اس نے کہا کہ لِمَ یعنی ایسا کیوں ہوا۔ تو جب اس نے اپنے اس خواب کو شیخ سے بیان کیا تو شیخ نے اس کو ایک مہینہ کے لئے نکال دیا اور یہ کہا کہ اگر تم اپنے نفس میں اس کیوں کہنے کو بیداری کی حالت میں جائز

---

[۱] (قولہ وینظر قابلیتہ الخ) یعنی یہ دیکھے کہ اس مرید میں سلوک طریق کی ہمت اور صلاحیت بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ مرید اگر تین دن کے بعد بھوک کی شکایت کرے تو شیخ کو چاہیئے کہ اسکو بازار کا راستہ تبلا دے اور حکم دے وہاں جاؤ اور کماؤ کھاؤ۔ [۲] ترجمہ شعر۔ کوئی شخص محض نرمی اور محبت سے ذرا بھی کامیاب نہیں ہو سکا ہے اور نہ کبھی کسی نفس کو دوستی کے ذریعہ صفائے عیش حاصل ہوتی ہے۔

نفسك ان تقولها في اليقظة ما قلتها في النوم +

وذالك لان الواجب في هذا الطريق التصديق للمرشد والتسليم لغيره و يحرم على المريد الفكر والنظر في الادلة ويجب عليه الصمت وعدم التكلم في غير ماشاهده و عاينه وكل شيخ ترك مريده على هذه الحالة فانه غاش له ساع في هلاكه مضاعف لحجابه عامل في طرده عن باب ربه فان لم يرجع فليطرده لئلا يفسد عليه بقية اصحابه كما يجب عليه طرده اذ اعلم ان حرمته سقطت من قلبه لكن على الشيخ ان لا يتسبب في طرد المريد فلا يحدثه بما لا يحتمله عقله ولا يستعمله بغير ظواهر الشريعة +

وليكن له ثلاثة مجالس مجلس للعامة و مجلس للخاصة و مجلس لكل واحد بانفراده فاما مجلس العامة فيجب عليه ان لا يترك احدا من المريدين يحضره وان لا يخرج فيه عن نتائج المعاملات من الاحوال والكرامات وما كان

نہ رکھتے تو بحالت خواب بھی نہ کہتے۔ (کیونکہ آدمی نیند میں بھی وہی باتیں کرتا ہے جسکو بیداری کی حالت میں تصور میں کیا کرتا ہے)

اور یہ (لجر کہنا) اسلئے (منع ہے) کہ اس طریق میں واجب یہ ہے کہ اپنے شیخ کی تو تصدیق کرے اور غیر شیخ کی باتوں کو بھی تسلیم کرے (یعنی انکا انکار نہ کرے) اور مرید پر دلائل میں نظر و فکر کرنا حرام ہے اور اسپر سکوت لازم ہے اور یہ کہ جس چیز کا خود مشاہدہ اور معاینہ نہیں کیا ہے اس میں لب کشائی نہ کرے بلکہ زبان کو بند رکھے۔ اور جس شیخ نے اپنے مرید کو اس حال پر رہنے دیا (یعنی اسکے چون و چرا کرنے پر تنبیہ نہیں کی بلکہ اس حال پر اسکو باقی رکھا) تو اس نے اس مرید کیساتھ دھوکے کا معاملہ کیا اور اسکی ہلاکت کا سامان کیا اور اسکے حجاب کو بڑھایا اور اسکو حق تعالیٰ کے دروازے سے نکالے جانے میں اسکی مدد کی۔ اگر مرید اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو شیخ کو چاہیے کہ اسکو اپنے یہاں سے نکالدے تاکہ یہ شخص اور لوگوں کو خراب نہ کرے۔ اسی طرح سے اس وقت بھی مرید کا اخراج ضروری ہے جبکہ شیخ یہ محسوس کرے کہ میری حرمت اسکے قلب سے نکل گئی ہے مگر مرید کے اخراج میں خود شیخ کو سبب نہیں بننا چاہیئے یعنی اس سے اس قسم کی باتیں بھی نہ بیان کرے جو اسکی عقل کے تحمل سے بالاتر ہوں اسی طرح اس سے کوئی کام خلاف شرع بھی نہ کرائے (سب سے زیادہ ضروری چیز ہے تاکہ اسکو انکار نہ پیدا ہو)

اور چاہیئے کہ شیخ کے لئے تین قسم کی مجلسیں ہوں ایک مجلس عام لوگوں کے لئے۔ ایک مجلس خواص کے لئے اور ایک مجلس علیحدہ علیحدہ ہر شخص کے لئے۔ مجلس عامہ میں شیخ کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی مرید کو اس کی شرکت سے معاف نہ کرے اور یہ لازم ہے کہ اس میں نتائج معاملات کے مضامین سے باہر نہ ہو۔ مثلاً احوال و کرامات بیان کرے اور آداب شریعت کی محافظت کے بارے میں اور اس کے احترام کے باب

عليه اهل الله من المحافظة على آداب الشريعة واحترامهم اياها۔

میں اہل اللہ کا جو طریقہ رہا ہے ان کا بیان کرے۔

واما مجلس الخاصة فلا يخرج فيه عن نتائج الاذكار والخلوات والرياضات وايضاح السبل المترتبة على المجاهدة فی قوله تعالیٰ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

بہرحال مجلس خاصہ تو اس میں اذکار وخلوات اور ریاضات کے ثمرات کا ذکر کرے اور طریق کی وضاحت کا ذکر کرے جو مجاہدہ پر مرتب ہوتی ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے رستے ضرور دکھا دیں گے۔

واما مجلس الانفراد مع الواحد من اصحابه فلا يخرج فيه عن زجره وتقريعه وتوبيخه وان الذی يأتی به اليه حال ناقص وينبهه على زيادة همته ونقصها ولا يفتنه بحاله +

اور انفرادی مجلس جو ہر ہر مرید کے ساتھ ہوگی اس میں ان امور سے باہر نہ ہو یعنی اسکو اس کی کوتاہیوں پر زجر وتوبیخ کرے اور اسکے باطن کو کھڑکھڑائے اور اس سے یہ کہے کہ اس وقت جو تمہارا حال ہے وہ ناقص ہے اس سے عمدہ حالات کی اسکو ہمت دلادے اور کم ہمتی پر تنبیہ کرے لیکن کسی حال میں اسکو مفتون نہ کرے (یعنی فتنہ میں نہ ڈالے)

ولابد للشيخ ايضا من وقت مع ربه[۵] وذالك ان النفس انما حصلت لها القوة باستمرار العادة فی الحضور مع الحق سبحانه وتعالیٰ وترك ماسواه فی الظاهر والباطن فاذا ترك الحضور رجعت النفس لطبعها وعادتها فان مالم تنفطر النفس عليه سريع الذهاب

اسی طرح سے شیخ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا ایک وقت حق تعالیٰ کے لئے بھی ہو[۵] یعنی اس وقت میں کوئی دوسرا کام نہ کرے بجز حضوری حق تعالیٰ کے اور یہ اسلئے کہ نفس کو جو قوت حاصل ہوتی ہے تو اسی کیلئے کہ اسکو حضوری حق کی عادت دائمہ ہوجاتی ہے یعنی اس وقت وہ ظاہر اور باطن میں ماسوا اللہ کو ترک کردیتا ہے تو اگر یہ حضور ترک کردیا جائے گا تو نفس پھر اپنی اصلی عادت اور طبیعت کی طرف لوٹ آئے گا اس لئے کہ جو حالت نفس کی فطری اور جبلی نہ ہو وہ اس سے بہت جلد زائل ہوجاتی ہے۔ اور

۵ (قوله مع ربه الخ) اور یہ جو کہا گیا کہ شیخ کیلئے ایک وقت اپنے رب کی معیت کے لئے بھی ہونا چاہئے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے ایک وقت میرے رب کے ساتھ ہوتا ہے جس میں میرے رب کے علاوہ کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ۱۲ منہ

ومتی لم یتفقد الشیخ حالہ فی کل یوم بالامر الذی حصل لہ ھذا التمکین کان مخدوعا فیفقد الانس ویجد الوحشۃ ومن ھذا المکان سقط من سقط من الشیوخ +

اگر شیخ ہر دن اپنے حال میں تفقد نہ کریگا اور جس چیز کی وجہ سے اسے یہ تمکین اور مقام حاصل ہوا ہے اسکو اپنے میں ڈھونڈھے گا یعنی مراقبات حضور مع اللہ نہ کریگا تو وہ مخدوع ہو جائیگا اور دھوکہ کا شکار ہو جائیگا۔ یعنی انس کو خلوت میں مفقود پائیگا اور بجائے انس کے وحشت پائیگا چنانچہ مشائخ میں سے جو لوگ اپنے مقام سے گرے ہیں اس کا سبب یہی ہوا ہے کہ وہ خود اپنے باطن سے غافل ہو گئے۔

افادہ۔ (قولہ من ھذا المکان سقط من سقط من الشیوخ) قال الشیخ نور اللہ مرقدہ من ھذا المکان ای من علم تفقد الشیخ حالہ کل یوم بالامر الذی حصل لہ ھذا التمکین :۔

یعنی مصنف علیہ الرحمۃ نے جو یہ فرمایا کہ مشائخ میں سے جو لوگ اپنے مقام سے گرے ہیں اس کا سبب یہی ہوا ہے کہ وہ خود اپنے باطن سے غافل ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقام شیخوخت پر پہنچ کر بھی شیخ سے اس کے مقام کے مناسب کوئی تقصیر ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ مقام شیخوخت سے عند اللہ ساقط ہو جاتا ہے یعنی اب وہ شیخ نہیں رہ جاتا۔ اس مضمون کو شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے بھی یوں فرمایا ہے کہ وقد رأینا شیوخا سقطوا یعنی ہم نے بہت سے شیوخ کو دیکھا ہے جو اپنے مقام سے ساقط ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ بھی کبھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ تمام اہل طریق کا اس پر اجماع ہے پھر یہ کس قدر قابل اہتمام چیز ٹھہری۔

باقی اس سقوط کے اسباب مختلف ہوتے ہیں مثلاً ایک سبب تو یہی ہے جو اس جگہ مذکور ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ خلوت کا اہتمام اور اس کی ضرورت کو باقی نہیں سمجھا۔ اس لئے خلوت میں جو مراقبات واذکار وغیرہ کئے جاتے ہیں وہ بھی باقی نہیں رہے۔ پھر حالات جو اس سے حاصل تھے وہ بھی ختم ہو گئے۔

اس موضوع پر ایک مستقل مضمون بشکل رسالہ لکھ رہا ہوں جو انشاء اللہ آئندہ ملاحظہ سے گذرے گا۔

(حضرت مصلح الامت نور اللہ مرقدہ نے جس مضمون کا حوالہ یہاں دیا ہے تتمیم فائدہ اور ناظرین کی مزید بصیرت کے لئے اس کو بھی اس کتاب کا جزو بنا کر کتاب کے اخیر میں اضافہ جدیدہ کے عنوان سے ملحق کر دیا گیا ہے۔ اس مقام کی وضاحت کے لئے اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔)

(مرتب)

دیکھئے ص ۳۳۹ عنوان مشائخ کے سقوط کا سبب۔

(الثالث) يجب على الشيخ اذا اخبره المريد برؤيا او مكاشفة او مشاهدة ان لا يتكلم له عليها البتة ولكن يعطيه من الاعمال ما يرفع به ما فيها من مضرة او حجاب او يرقيه الى ما هو اعلى وكذلك المريد لا يسأله عن شيء من ذالك وانما شددوا على المريد في ترك السؤال من الشيخ عن شيء ما مطلقا لئلا تسقط حرمة الشيخ من قلبه وذالك ان النفس اذا باسطها الشيخ يسقط من حرمته عندها بقدر ما باسطها واذا سقطت الحرمة وقع التوقف عن قبول ما يامره به فيترك الاستعمال واذا ترك الاستعمال وقع الحجاب والطرد وخروج من حكم الطريق فان سر الشيخ ومدده في ورده الذي امر به المريد +

(الرابع) يجب على الشيخ ان لا يترك مريده يجالس احدا سوى اخوانه الذين معه تحت حكمه ولا يزور ولا يزار ولا يكلم احدا الا في خير ولا في شر ولا يتحدث بما طرأ عليه من كرامة او وارد مع اخوانه +

سوم - جب کوئی مرید شیخ سے اپنا کوئی خواب یا مکاشفہ یا مشاہدہ بیان کرے تو شیخ پر لازم ہے کہ اس کے متعلق اس سے کچھ نہ کہے لیکن ایسے اعمال کا اسکو حکم کرے جس سے (ان میں اگر کوئی) مضرت ہو تو وہ دفع ہو جائے یا کوئی حجاب ہو تو اٹھ جائے یا وہ اعمال اسکو ترقی دیکر اعلیٰ مقام تک پہونچا دیں، اسی طرح مرید بھی اس سے ان چیزوں میں سے کسی کا سوال نہ کرے۔ اور مشائخ نے مرید کو شیخ سے سوال کرنے کو سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے تاکہ شیخ کی حرمت مرید کے قلب سے ساقط نہ ہو جائے اور یہ اسلئے کہ جس شخص سے شیخ بے تکلفی کا برتاؤ کریگا تو ضرور اسکی حرمت اس شخص کی نگاہوں سے شیخ کے انبساط اور بے تکلفی کے بقدر زائل ہو جائیگی اور جب حرمت ہی ختم ہو جائیگی تو پھر شیخ جن چیزوں کا اسکو حکم کرے گا ان کے قبول کرنے میں اسکو توقف اور رکاوٹ ہوگی اور جب اسکی باتوں کو قبول نہ کرے گا تو ان پر عمل بھی نہ کرے گا۔ اور جب عمل ترک کردے گا تو حجاب اور طرد میں پڑ جائے گا اور طریق کے حکم سے خارج ہو جائیگا اسس لئے کہ شیخ کی توجہ اور اسس کی مدد انھیں اوراد اور اعمال کے واسطہ سے مرید کو پہونچتی ہے جن کا شیخ حکم کرتا ہے اور مرید اس کے حکم کے بموجب اس پر عمل کرتا ہے۔

چہارم - شیخ پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنے کسی مرید کو کسی دوسرے کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے کی اجازت نہ دے بجز ان اخوان طریقت کے جو کہ حکم طریق میں اس کے متفق ہیں اور اسکی ہدایت کرے کہ یہ لوگ نہ کسی کی ملاقات کو جائیں اور نہ ان کی ملاقات کو کوئی آئے اور کسی سے بالکل گفتگو نہ کریں نہ اچھی بات نہ بری بات اور جو کرامت یا وارد ان کو پیش آئے اس کا ذکر اپنے اخوان طریق سے بھی نہ کریں۔

الخامس - من شرط الشيخ ان لا يجالس تلامذته الا مرة واحدة في اليوم والليلة وان يكون له حجرة تخصه لا يدخل عليه فيها احد الا من يختصه والاولى ان لا يدخل عليه احد مطلقا حتى لا يشاهد فيها نفس مخلوق فان ذالك مؤثر في الحال على قدر قوة روحانية ذالك المتنفس فربما يتغير الحال على الشيخ في خلوته مع ربه من اجل ذالك النفس وهذا لا يعرفه كل شيخ +

(السادس) من شرط الشيخ ايضا ان تكون له زاوية لاجتماعه باصحابه وان يجعل لكل مريد حجرة تخصه ينفرد بها وحده لا يدخل معه غيره وينبغي للشيخ ان يدخلها قبله ويركع فيها ركعتين وينظر قوة روحانية ذالك المريد ومزاجه وما يعطيه حاله فيجتمع في تينك الركعتين جمعية تليق بحال المريد ثم يقعده فيها فان الشيخ اذا فعل ذالك قرب الفتح على ذالك المريد وعجل له خيره

پنجم - منجملہ شیخ کی شرائط کے ایک یہ ہے کہ اپنے مریدین نے ساتھ دن رات میں ایک سے زیادہ مجلس نہ کرے اور یہ کہ اس کے لئے ایک ایسا مخصوص حجرہ ہونا چاہیئے کہ جس میں کوئی دوسرا شخص نہ جا سکے بجز اس کے جس کو شیخ ہی بلانا چاہے اور بہتر تو یہ ہے کہ اس حجرہ میں کوئی شخص بھی مطلقاً جائے ہی نہیں تاکہ اس میں کسی مخلوق کا اسکو مشاہدہ ہی نہ ہو اس لئے کہ اس کا بھی فوری اثر پڑتا ہے جس قدر کہ اس آنے والے کی روحانیت قوی ہوگی اتنا ہی اثر شیخ پر پڑے گا پس بسا اوقات شیخ کا حال باوجودیکہ وہ اپنے رب کے ساتھ خلوت اختیار کئے ہوئے ہوتا ہے اس آنے والے کی وجہ سے متغیر ہو جاتا ہے جس کو ہر شیخ سمجھتا بھی نہیں۔ پھر اس کے ضرر سے خود کو کیا بچا سکتا ہے۔

(ششم) منجملہ شرائط شیخ کے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے لئے ایک ایسی جگہ ہونا چاہیئے جہاں اس کے اصحاب جمع ہوں (یعنی ایک الگ خانقاہ ہو) اور اس پر لازم ہے کہ ہر مرید کو الگ الگ حجرہ میں رکھے کہ جس میں اس مرید کے سوا کوئی دوسرا نہ جا سکے اور شیخ کو چاہیئے کہ پہلے اس حجرہ میں خود داخل ہو اور اس میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے اور اس مرید کی جس کو اس حجرہ میں رکھنا ہے روحانی قوت کو دیکھے اور اس کے مزاج کو دیکھے اور اس کے احوال کو دیکھے۔ پس ان دو رکعتوں میں ویسی ہی توجہ رکھے جو اس مرید کے حال کے مناسب ہو پھر اس میں اس کو بٹھلائے۔ کیونکہ شیخ جب اس طرح سے کرے گا تو اس مرید پر فتح قریب ہو جائے گی اور شیخ کی برکت سے اس کو خیر جلد میسر ہو جائے گی۔ اور شیخ کو چاہیئے کہ اپنی موجودگی کے بغیر

ببرکتہ ولا یترک الشیخ المریدین یجتمعون اصلا دونہ +

مریدین کو باہم نہ ملنے دے۔

(السابع) یجب علی الشیخ ان لا یطلع المرید علی حرکة من حرکاتہ اصلا من نوم او طعام او شراب ونحو ذالک ولا یعرف لہ سرا قطعا ولا یخرج للمریدین الا فی اکمل صورة من التنزیہ فان المرید اذا وقف للشیخ علی شیئ مما ذکر نقص فی عینہ لضعفہ ولا یدری ان للشیخ اعمالا قلبیة وان نومہ[1] لا ینقصہ بل ربما یتلقی فی نومہ من الاسرار ما لا یتلقاھا فی الیقظة +

(ہفتم) شیخ پر لازم ہے کہ مرید کو اپنے کسی فعل مثلاً کھانے پینے۔ سونے اور اس کے مثل پر مطلع نہ ہونے دے اور اس سے اپنا کبھی کوئی بھید نہ کہے اور جب مریدین کے سامنے آئے تو صفائی اور ستھرائی کے اعلیٰ طور کے ساتھ آئے اس لئے کہ مرید جب شیخ کے مذکورہ بالا افعال و حالات پر واقف ہوگا تو اس کے ضعف اعتقاد کی وجہ سے اس کی نظروں میں شیخ کی وقعت کم ہو جائیگی اور وہ اس کو تو جانے گا نہیں کہ شیخ کے لئے بہت سے اعمال قلبیہ ہیں اور نہ اسکو جانے گا کہ کسی کامل کا سونا بھی اس میں نقص نہیں پیدا کرتا بلکہ بسا اوقات وہ سونے ہی کی حالت میں ایسے ایسے رموز و اسرار پر مطلع ہوتا ہے جو بیداری کی حالت میں اسے حاصل نہیں ہوتے۔

(الثامن)[2] یجب علی الشیخ

(ہشتم)[2] شیخ پر یہ بھی واجب ہے کہ مرید کو مجلس سماع

عله (قولہ وان نومہ لا ینقصہ الخ) کاملین کیلئے اعمال قلبیہ ہوتے ہیں جن میں نوم کی وجہ سے کوئی خلل نہیں پڑتا۔ اسی طرح سے کھانے پینے سے بھی اس میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ سیدنا عبدالقادر جیلانی رح کی حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک عورت کا لڑکا حضرت سے مرید تھا اور حضرت ہی کی خدمت میں رہتا تھا۔ ایک دن اسکی ماں آئی اور دیکھا کہ حضرت مرغ مسلم بیٹھا ہوا نوش فرما رہے ہیں عرض کیا کہ آپکے لئے یہ کیا مناسب ہے کہ آپ تو مرغ مسلم کھائیں اور میرا بچہ موٹا جھوٹا کھانا کھائے حضرت نے یہ سنکر زبان مبارک سے فرمایا کُش (یعنی قُش) اسکے سنتے ہی مرغ زندہ ہوکر صحن سے نکلکر بھاگا۔ حضرت نے اس عورت سے فرمایا کہ دیکھا۔ جب تیرا لڑکا بھی اس مرتبہ کا ہو جائے (یعنی ایسا کرنے لگ جائے) تو اس کے لئے بھی مرغ مسلم کے کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔۱۲۔ (وقیل فی ہذا المعنی ۔ نکتہ و لقمراست کامل را حلال + تو نۂ کامل مخور می باش لال۔۱۲

عله (قولہ الثامن یجب علی الشیخ الخ) اور اگر اتفاق سے کوئی سالک مجلس سماع میں اپنے شیخ کے ہمراہ چلا گیا تو اول تو شیخ نے یہ کام اس کے حق میں کچھ اچھا نہیں کیا۔ کیونکہ اسکو لے ہی نہ جانا چاہیئے تھا۔ تاہم اب اس مرید پر یہ لازم ہے کہ اگر اسکو وہاں حال پیدا ہوا تو جب تک اپنے تن بدن پر اسکو قدرت اور قابو حاصل ہو ذرا بھی حرکت کرے اور نہ جھومے اور اگر اس حال میں بیخود ہی ہو جائے اور اپنے تن بدن کا ہوش ہی جاتا رہے جسکی وجہ سے بدن کو حرکت ہوگئی اور رقص کرنے لگا تو جیسے ہی ہوش آجائے خاموش بیٹھ جائے اور سکون اختیار کرے اور اگر اسوقت اسنے ایسا نہ کیا تو وہ پورا منافق ہے (یعنی ریاکار ہے) ریا بھی نفاق ہی کا شعبہ ہے۔۱۲) بایں ہمہ شیخ پر واجب ہے کہ اسکو اسکی اس حرکت پر تنبیہ کرے اگرچہ اسنے حالت فنا میں سبب کچھ کیا ہو اس لئے کہ شیخ کا یہ مواخذہ اس کی ہمت کو اور قوی کریگا (یہ واجب ہونے کی دلیل ہے) اور بقدر قوت استعداد ہی کے اس پر وارد کا نزول ہوتا ہے۔۱۲

ان لايدع المريد يحضر السماع اصلاً۔[ف]

(التاسع) يجب على الشيخ ان لايترك اصحابه يزورون شيخا آخر ولا يجالسون اصحابه لئلا يكون شيخهم نهاهم عما امره به شيخه او العكس وهو لايدري ان شيخهم انما امرهم بما هو مخالف لهوىتهم وانما نهاه شيخه عنه لموافقته لهواه وانه لو انتقل الى الشيخ الاخر وكان كاملا لابد وان يامره بما امره به شيخه الاول وهذا كله في حق المريدين اصحاب الخلوات والاذكار الذين لايحضرون مجالس العامة مع الشيخ ولا يجلس بعضهم مع بعض

میں شریک[ف] نہ ہونے دے، بلکہ اس سے اس کو منع کرے۔

(نہم) اسی طرح شیخ پر یہ بھی واجب ہے کہ اپنے اصحاب کو (زمانہ تعلیم و تربیت میں) کسی دوسرے شیخ سے ملنے کی اجازت نہ دے اور نہ کسی دوسرے شیخ کے مریدین سے ملنے جلنے کی اجازت دے اسلئے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے شیخ نے کسی ایسی چیز سے انھیں منع کیا ہو جس کی اس کے شیخ نے اجازت دی ہو یا اس کے برعکس صورت پیش آجائے اور اس مبتدی سالک کو اسکی خبر تو نہیں کہ ان کے شیخ نے انھیں جس چیز کا حکم دیا ہے وہ ان کی خواہش نفس کے خلاف ہے (اس لئے ان کا یہی مجاہدہ ہے) اور اس کے شیخ نے اس کو جو منع کیا ہے تو اس لئے کہ وہ اس کی خواہش کے مطابق ہے (اس لئے اس کا مجاہدہ اس کے ترک ہی میں ہے پس بظاہر دونوں شیوخ کی تعلیم گو باہم مخالف معلوم ہوتی ہیں لیکن منشا دونوں کا ایک ہے یعنی سالک کا مجاہدہ اسکی شہوت کی ترک میں) نیز اگر یہ کسی دوسرے شیخ کے پاس چلا گیا اور شیخ اول کی طرح وہ بھی شیخ کامل ہوا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اسکو اسی چیز کا حکم کرے جس کا حکم شیخ اول نے کیا

ف (قولہ یجب علی الشیخ ان لایدع المرید الخ) سماع کے باب میں قوم صوفیہ کی مختلف رائیں ہیں بعض حضرات نے اسے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ یہ سماع صاف پانی اور زلال سہی مگر لوگوں کے قدم اس میں پھنس گئے ہیں (شیطان کے تصرف کا اچھا موقع اسی میں ملتا ہے) اسلئے اجتناب ہی مناسب ہے اور بعض حضرات نے اجازت دی ہے لیکن چند شرطوں کے ساتھ مطلقاً نہیں۔ مثلاً ایک شرط یہ ہے کہ اس مجمع میں کوئی اجنبی اور غیر جنس نہ ہو (ماشاء اللہ تعالیٰ کیا ضروری شرط ہے) یعنی سب کے سب سالکین ہی ہوں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مجمع میں کوئی امرد (نوعمر لڑکا) نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ قوال بھی صوفی ہی ہو۔ اور اشعار پڑھنے پر اجرت کا طالب نہ ہو۔ اور مضمون اشعار میں بزرگوں کے کلام سے تجاوز نہ کیا گیا ہو (آگے مؤلفؒ فرماتے ہیں کہ) ہمارے مشائخ بھی اسکے جواز کے قائل تھے لیکن جس سماع کو وہ جائز کہتے تھے وہ صرف اشعار پڑھنے کا نام تھا۔ آلات لہو و لعب (ڈھولک، طبلہ، ستار اور ہارمونیم یا بانسری اور تالی کے) ساتھ وہ بھی ناجائز کہتے تھے (غور فرمایئے) ۱۲۔

واما غیرهم فلا حرج علیهم فی زیارة[علہ] الشیوخ والتبرک بهم ولا علی شیخهم من حرج اذا اذن لهم فی ذالک +

تھا۔ اور یہ تمام باتیں ان سالکین سے متعلق ہیں جو اصحاب خلوت اور اصحاب ذکر ہیں جن کا حال یہ ہے کہ شیخ کے ساتھ بھی مجالس عامہ میں نہیں جاتے اور باہم ایک دوسرے کیساتھ بھی نہیں اٹھتے بیٹھتے۔ لیکن جو لوگ کہ ایسے نہیں ہیں تو دیگر مشائخ کی ملاقات کرنے میں اور ان سے برکت حاصل کرنے میں ان پر کوئی تنگی نہیں اور نہ ان کے شیخ ہی پر اس امر کی اجازت دینے میں کوئی حرج ہے +

(العاشر) لا تظن ان الشیخ انما یمنع مریدیه اصحاب الخلوات من مجالسة غیره حبًا للریاسة فان ذالک لایکون من الشیوخ[عسہ] بل لو رائی الشیخ شیخا آخر فوقه فمن نصحه انه یلزم تلامذته ملازمة ذالک الشیخ وخدمته ومتی کان ذالک الشیخ موجودا لایتقدم هولاء عطاء العهود ومنهم من شرط شروطا اخرلا یقدر علیها الا القلیل۔ فلذلک أضربنا عن

(مضمون سابق سے) کہیں تم یہ نہ گمان کر لینا کہ کوئی شیخ اپنے خلوت نشین مریدین کو دوسروں کی صحبت میں بیٹھنے سے اپنے حب ریاست کی وجہ سے منع کرتا ہے اسلئے کہ مشائخ کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ (طریق کا تو حکم یہ ہے) کہ اگر کوئی شیخ کسی دوسرے شیخ کو دیکھے جو اس سے مرتبہ میں بڑھا ہوا ہے تو اسکی خیر خواہی کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے تلامذہ کو اس شیخ کی صحبت میں پابندی سے حاضر ہونے کا حکم کرے۔ اور ان کی خدمت کو لازم کرے اور جب اس مرتبے کا ہو (یعنی اپنے سے بڑا) کوئی شیخ موجود ہو تو خود اس شیخ پر لازم ہو کر سالکین سے عہد لینے کے لیے (یعنی بیعت کرنیکے لئے) خود نہ پیش قدمی کرے۔ چنانچہ بعض مشائخ نے تو اس حالت کے لئے بہت سی شرطیں بیان فرمائی ہیں جن پر

علہ (قوله فی زیارة الشیوخ الخ) چنانچہ ہمارے شیخ رح (محمد رشید رح) شیخ حادی رح کی زیارت کو اپنے شیخ یعنی حضرت قصبی رح کی اجازت سے جایا کرتے تھے اور مجھے شیخ کے صاحبزادہ شیخ علی آفندی سے یہ روایت پہونچی ہے کہ شیخ حادی اور شیخ قصبی باہم ایک دوسرے کو ہمارے شیخ محمد رشید کے ذریعہ سلام کہلا بھیجا کرتے تھے۔ ۱۲

عسہ (قوله لایکون من الشیوخ الخ) مطلب کہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ شیخ ہو کر حب ریاست وغیرہ سے انسان خالی ہی ہوجاتا ہے کیونکہ یہ چیز مشائخ کے حق میں نقص کی بات ہے باقی اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شیخ سے حب ریاست کا صدور ہی نہیں ہوتا اسلئے کہ (محققین نے فرمایا ہے کہ) مشائخ کے قلوب سے سب کے آخر میں جو چیز نکلتی ہے وہ حب ریاست ہی ہے۔ ۱۲

ذکرها۔

منها انه یجب علی الشیخ تربیة یقین المرید فی القوت ابتداء فیجعله فی موضع لا یعرفه فیه احد وحدیثه مقطوع عن عمر الخلق ویترکه فیه علی التجرید والجلوس مع الله تعالیٰ علی الصفاء ویکون الشیخ عنده بالهمة فاذا صدق المرید فی هذا الجلوس فلابد من ان الله تعالیٰ یفتح علیه اما بالیقین دفعة ابتداء واما برزق یاکله حتی یفاجئه الیقین ۔

ومنها ان المرید اذا خرج من خلوته لیخبر الشیخ عن امر عرض له فیجب علی الشیخ ان یوبخه و یقول له کنت تطلبنی بصدقك و توجه همتك حتی تحرکنی الیك و انت فی خلوتك و یعاقبه علی ذلك بما یراه من الاعراض عنه وهجره ۔

یقول هذا الحقیر عندی فی وجوب ماذکر وقفة فان الیقین یحصل بعد الاخذ باسبابه فی وقته التی جرت عادة الله تعالیٰ بالتفضل به فیه فلا حاجة لارتکاب هذه المجاهدة الشدیدة من

شاذ و نادر ہی کوئی قادر ہو پاتا ہے اسی لئے ہم ان کا ذکر یہاں ترک کرتے ہیں۔

منجملہ اور امور کے شیخ پر ایک چیز یہ ضروری ہے کہ روزی کے باب میں مرید کے یقین کی تربیت کرے یعنی ابتداءً اسکو ایسے مقام میں رکھے جہاں اسکا کوئی جاننے والا ہی نہ ہو۔ اور نہ اس کا تذکرہ لوگوں کی گذرگاہوں میں ہوتا ہو۔ چنانچہ اسے اس جگہ تمام علائق سے خالی کرکے چھوڑ دے اور یہ ہدایت کردے کہ بس اللہ تعالیٰ کے ساتھ صفائے قلب اور قلبی توجہ کے ساتھ بیٹھے رہو اور شیخ اپنی قلبی توجہ کے ساتھ اس کی جانب متوجہ رہے۔ جب مرید اس نشست میں کامیاب ہوجائے تو (قریبی امید ہے) کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر یقین کا کشف فرمائیں۔ یعنی یا تو اس کے قلب میں دفعتاً یقین ہی آجائے اور یا اسے رزق ملنے لگے۔ جو اچانک یقین پیدا ہونے کا ذریعہ بنجائے۔

اور منجملہ شرائط کے ایک یہ ہے کہ مرید جب اپنی خلوتگاہ سے شیخ کو کسی وقتی یا عارضی امر کی اطلاع کرنے کے لئے باہر نکل آئے تو شیخ پر یہ لازم ہے کہ اسکو تنبیہ کرے۔ اور اس سے کہے کہ تمہیں اپنی صدق توجہ کے ذریعے مجھے طلب کرلینا تھا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آجاتا اور تم خلوت ہی میں رہتے تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ اور اسکو اس کی حکم عدولی پر یعنی ترک خلوت پر سزا دے۔

(احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ) میرے نزدیک مرید میں یقین پیدا کرنے کے لئے شیخ پر جس طریقہ تربیت کے وجوب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں کلام ہے۔ اس لئے کہ یقین تو اسباب یقین کے اختیار کرنے کے بعد محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے مقررہ وقت ہی میں جو اللہ کے علم و عادت کے مطابق ہے حاصل ہوتا ہے۔ لہذا شروع ہی سے اس قدر شدید مجاہدے

اول الامر +

الحادی عشر:- اذا کان للمرید همۃ صادقۃ یحرک بها استاذہ للمجیٔ لخلوتہ واعطائہ الدواء اللازم فی ازالۃ ماعرض لہ فلا اری ذلک من الادب بل اللازم ان یسعی المرید بنفسہ لبین یدی استاذہ و یخبرہ بما عرض لہ +

(تنبیہ مہم) ان تعظیم الشیوخ بالقدر المذکور والآداب الزائدۃ علی آداب الملوک انما ھو لمحض تعلیم آداب الحضرۃ العلیۃ +

فان المرید طالب لدخول تلک الحضرۃ المشار الیها بمقام الاحسان فالشیخ انما یعلمہ آداب الحضرۃ ویامرہ ان یجریها معہ علی سبیل التمرین نظیر مالو اشتری السلطان عبدا جاهلا بآداب الملوک فانہ یسلمہ ابتداء لبعض عبیدہ المؤدبین بآداب حضرتہ لیعلمہ تلک الآداب وبعد استکمالہ للآداب المذکورۃ یدخلہ علی الملک ویتخلی عن ذالک المعلم ولا یلزمہ حینئذ ان یتادب

کے ارتکاب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح سے (میں یہ کہتا ہوں کہ) جب مرید کے اندر ایسی ہمت صادقہ پیدا ہو جائے کہ جس سے وہ اپنے شیخ کو اپنی خلوت گاہ میں آنے پر مجبور کر سکے تاکہ وہ وہاں ہی آکر اسکو کوئی ایسی دوا دے جس سے اس کی پیش آئی ہوئی بیماری کا ازالہ ہو جائے تو میں تو اسے ادب کے خلاف سمجھتا ہوں بلکہ مرید پر یہ لازم ہے خود اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو۔ اور وہاں جاکر اسے اپنے پیش آئے ہوئے حالات کی اطلاع کرے۔ نہ کہ خود اس کو آنے کی زحمت دے۔

(ایک اہم تنبیہ) مشائخ کی اس قدر تعظیم جیسی کہ اوپر بیان کی گئی ہے اور ان کے ایسے ایسے آداب جو بادشاہوں کے آداب سے بھی بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں یہ محض اس لئے ہیں کہ یہ حضرت حق تعالیٰ جل وعلا کی بارگاہ کے آداب کے معلم ہیں۔

اس لئے کہ مرید مقام احسان کے ذریعہ حق تعالیٰ کے دربار کی حضوری ہی کا طالب ہے تو شیخ اسکو آداب بارگاہ قدس سکھلاتا ہے۔ اور اسے حکم کرتا ہے کہ بطور مشق کے ان آداب کا مجھ پر تجربہ کرے بالکل اس طرح جیسے کوئی بادشاہ کسی نئے غلام کو خریدے جو شاہی آداب سے ناواقف ہو تو وہ اسکو شروع شروع میں اپنے کسی ایسے غلام کے حوالے کر دیتا ہے جو آداب حضوری سے واقف ہو تاکہ وہ اسے ان آداب کی تعلیم کرے۔ اور آداب شاہی سے واقف کرکے اسکو بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے (چنانچہ جب وہ اسکو آداب سکھا کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے) تو اب اس کا تعلق اس عبد معلم (یعنی سکھلانے والے غلام) سے ختم ہو جاتا ہے چنانچہ اب اس کے بعد اس نئے غلام پر یہ لازم نہیں ہے کہ اپنے سکھلانے والے کے ساتھ انھیں آداب سے پیش آئے (جن

معه بتلك الآداب بل يحترمه من حيث ان له عليه حق التربية فالمشائخ بالحقيقه مواشط عرائس الحضرة العلية والا فهم فى حد نفوسهم بغاية التواضع والانكسار حتى انهم لا يرون نفوسهم شيوخا قال سيدى احمد بن الرفاعى برئت من الله ان كنت ارى نفسى شيخا على هولاء يعنى الفقراء الذين عنده غير ان المريد لا يعلم ذلك ولا ينبغى ان يعلم الحكمة فيه ولا فى غيره مما يامره به استاذه وانما يعلم اجمالا ان شيخه على بصيرة من ربه وشريعة ولا يمكن ان يامره الا بما فيه نفعه وصلاحه وليعلم ان الادب المذكور واجب عليه مع شيخه كما قال الشيخ الاكبرؒ +

ماحضرة الشيخ الاحضرة الله
فقم بتعظيمها لله بالله

کے ساتھ وہ زمانہ تعلیم میں پیش آتا تھا) بلکہ اب اس کے ذمہ صرف اتنا ہے کہ اس کا احترام کرے اس لئے کہ اس پر اس کا حق تربیت واجب ہے۔ اسی طرح سے مشائخ بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے دربار کی جو دولھنیں ہیں یعنی سالکین ان کے لئے بمنزلہ مشاطہ کے ہیں (اسلئے ابتداءً یہ بھی اپنا ادب کراتے ہیں) ورنہ تو یہ حضرات فی نفسہ غایت درجہ متواضع اور منکسر المزاج ہوتے ہیں یہانتک کہ یہ تو اپنے کو شیخ بھی نہیں سمجھتے چنانچہ سیدنا احمد رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے بری ہو جاؤں اگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں اپنے ان پاس رہنے والوں کا شیخ ہوں۔ مگر بات یہ ہے کہ مرید تو شیخ کی اس حالت کو سمجھتا نہیں۔ اسی طرح مرید کے لئے نہیں مناسب ہے کہ اس بات میں یا اس کے علاوہ کسی اور چیز میں جس کا حکم اس کا شیخ کرے حکمت اور مصلحت تلاش کرے اس کے لئے یہ قدر بس ہے کہ اجمالاً اتنا سمجھ رکھے کہ اسکا شیخ ایک باشرع انسان ہے اور اپنے رب کی طرف سے بصیرت پر ہے لہذا وہ اسے انھیں چیزوں کا حکم ہی کرے گا جن سے اس کا نفع اور اس کی صلاح وابستہ ہوگی اور یہ سمجھ رکھے کہ یہ ادب مذکور مرید پر اپنے شیخ کے لئے واجب ہے جیسا کہ شیخ اکبرؒ نے فرمایا کہ

شیخ کی حضوری اللہ تعالیٰ کی حضوری ہے۔ لہذا اللہ ہی کیلئے شیخ کی حضوری کی بھی تعظیم کرو۔ یعنی شیخ کے ساتھ بھی تعظیم سے پیش آؤ اور آداب کی رعایت کرو اسلئے کہ شیخ کی تعظیم گویا اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔

الباب الثانی

فی آداب المرید فی نفسه

باب دوم

مرید کے ذاتی آداب کے بیان میں

وھی کثیرۃ (فمنھا) ان لا یصحب من الشیوخ الامن تقع حرمتہ فی قلبہ بعد استکمالہ شروط الارشاد السابقۃ وحینئذ یتابعہ علی المنشط والمکرہ ولا یکتم عنہ شیئا مما یخطر لہ ولا یعترض علیہ فیما یکون منہ البتۃ فان الاعتراض علی الشیوخ حرام علی المریدین والمرید المبتلی بذلک مسخرۃ للشیطان

یوں تو مرید کے آداب بہت ہیں لیکن ان میں سے ایک یہ ہے کہ مشائخ میں سے انھیں حضرات کے پاس بیٹھے جنکی عظمت اپنے قلب میں پائے بعد اس کے کہ ان میں شیخ کی وہ تمام شرائط بھی پائی جاتی ہیں یا نہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اور پہلے یہ دیکھ لے کہ اب اس کے بعد جس کی صحبت اختیار کرے تو منشط و مکرہ (یعنی رضا و ناگواری) ہر موقعہ پر اس کا اتباع کرے اور اسکے قلب میں جو خطرہ گذرے اس کو اس سے نہ چھپائے۔ اور جو چیزیں شیخ کی جانب سے پیش آئیں ان کی وجہ سے اس پر قطعی اعتراض نہ کرے اس لئے کہ مریدین کے لئے مشائخ پر اعتراض کرنا حرام ہے (اور سم قاتل ہے) اور جو مرید اس میں مبتلا ہوگیا ہو اس کو مسخرہ شیطان ہی سمجھنا چاہیئے۔

(ومنها) ان لا یتعدی أمرہ ولا یتاؤلہ بل یقف عند ظاھر کلامہ ویبادر لامتثالہ سواء عقل معناہ ام لم یعقل الی ان یرتقی الی باب الاشارات ویفتح لہ وکذلک اذا نھاہ عن شئ ترکہ وان کان مباحا أو قربۃ واذا احتج علی شیخہ

(اور ایک ادب یہ ہے کہ) اس کے حکم سے تجاوز نہ کرے اور نہ اسکی تاویل کرے بلکہ کلام کا جو ظاہری مطلب ہو اسی پر عمل کرے اور اس کے امتثال امر میں جلدی کرے خواہ اسکے معنی سمجھے یا نہ سمجھے (یعنی اس کام کی عقلی مصلحت نہ تلاش کرے) یہانتک کہ خود اسکے لئے فتح ہو جائے اور وہ اشارات کے باب تک پہونچ جائے۔ اسی طرح جب شیخ کسی چیز سے منع کرے تو اس کو فوراً چھوڑدے اگرچہ وہ مباح اور قربت ہی کا کام کیوں نہ ہو۔ اور اگر اپنے شیخ کے ارشاد کے مقابلے میں اقوال علماء سے دلیل پکڑی اور حجت لائی

ے (قولہ ولا یتاؤلہ الخ) کتاب الذھب الابریز میں لکھا ہے کہ کسی شیخ نے اپنے مرید سے کہا کہ اپنے باپ کا سر قلم کرکے میرے پاس لاؤ۔ مرید یہ سنکر فوراً اٹھا اور اپنے باپ کے گھر آیا دیکھا تو اس کا باپ اپنی بیوی کے پاس یعنی اس مرید کی ماں کے پاس سویا ہوا ہے پس اس کا سر قلم کرکے شیخ کی خدمت میں لیجا کر پیش کردیا۔ شیخ نے جب اسکو دیکھا تو کہا یہ کیا ہے؟ کہا والد کا سر۔ کہا ارے تم نے یہ کام کیوں کرڈالا میں نے تو تم سے محض مذاق سے کہا تھا اس نے عرض کیا اے میرے سید میں تو آپ کی ہر بات کو حقیقت ہی پر محمول کرتا ہوں چنانچہ اپنے کئے ہوئے پر وہ نادم بھی نہیں ہوا اس کے بعد شیخ نے کہا کہ اچھا ذرا مجھے تو وہ سر دکھلاؤ۔ اس پر نظر جو ڈالی تو دیکھا کہ وہ ایک یہودی کا سر تھا جو کہ اس مرید کی والدہ پر عاشق تھا اور اس مرید نے بوقت قتل گھبراہٹ میں اسکو اپنا باپ جان لیا تھا۔

اسی طرح سے اسی کتاب میں ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مرید نے ایک عورت کو جو بظاہر طوائف معلوم ہوتی تھی اپنے شیخ کے حجرے میں جاتے ہوئے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ شیخ نے اس کے ساتھ صحبت کی پھر شیشہ کے برتن میں شراب تھی اسے پیا۔ پھر باہر نکلے اور بغیر غسل کئے ہوئے امام بنکر لوگوں کو نماز بھی پڑھائی لیکن مرید کا اعتقاد اپنے شیخ سے ذرا بھی متزلزل نہیں ہوا اور نہ اس کا احترام اسکے قلب میں گھٹا پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس مرید کے قلب پر فتح فرمائی تو نظر کشفی سے دیکھا کہ وہ عورت شیخ کی بیوی تھی جو ظاہری مشابہت بازاری عورتوں سے رکھتی تھی جسکی بنا پر اس نے اسے زانیہ ہی سمجھا تھا اور یہ دیکھا کہ شیخ نے شیشہ کے گلاس میں جو چیز پی تھی وہ دوا تھی جس کا صرف رنگ شراب جیسا تھا اور یہ دیکھا کہ شیخ کو ان دنوں کچھ ایسا مرض لاحق تھا جسکی بنا پر پانی کا استعمال مضر تھا۔ اس لئے غسل کا تیمم کرکے لوگوں کو نماز پڑھادی تھی۔ کیونکہ تیمم کرنے والے کے پیچھے وضو کرنے والوں کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ پس پاکی ہے اس ذات کیلئے جس نے اس مرید کے قلب کو ایسے امور عظیمہ کے مشاہدے کے وقت بھی ثابت قدم رکھا اور متزلزل نہ ہونے دیا۔ انتہیٰ (سبحان اللہ انقیاد کی عجیب مثال ہے۔)

(افادہ) قولہ شیخ نے مرید سے کہا کہ اپنے باپ کا سر قلم کرکے میرے پاس لاؤ الخ ——

میں کہتا ہوں اور پہلے بھی اس مسئلہ کو کسی قدر وضاحت سے عرض کرچکا ہوں کہ شیخ دراصل وہی ہے جو خود متبع شریعت ہو اور اپنے مریدین سے بھی شریعت ہی کا اتباع کرائے اور صاحب بصیرت ہو۔ پس مرید کے لئے یہ ضروری ہے کہ شیخ کے کسی حکم پر عمل کرنے سے پہلے اس بات کو دیکھ لے کہ وہ خلاف شریعت تو نہیں ہے اگر شریعت سے اس فعل کے

کرنے کا جواز نہ پائے تو ہرگز اس پر عمل نہ کرے اس لئے کہ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق ۔ اور کسی مرید کا ایسا کرنا شیخ سے بد اعتقادی نہ کہلائے گی بلکہ شریعت سے اعتقاد اور اس کی تعظیم سمجھی جائیگی ۔

ہو سکتا ہے کہ شیخ نے یہاں جو کچھ فرمایا ہو وہ کشف سے فرمایا ہو لیکن کشف کوئی دلیل شرعی نہیں ہے ۔ خود صاحب کشف پر بھی حجت نہیں ہے دوسروں پر تو کیا ہوتی لہذا مرید کو یہ چاہئے تھا کہ شیخ نے جب اس سے یہ فرمایا تھا تو شیخ کی تصدیق کرتے ہوئے یہ تو سمجھتا کہ اس میں کچھ بھید ہے لیکن اس کے مقتضیٰ پر بدون دلیل شرعی کے عمل کر لینا یہ اس کے لئے کسی طرح جائز نہ تھا ۔ شیخ سے سن کر واقعہ کی تحقیق کرتا حقیقت حال کا سراغ اسے لگ ہی جاتا جیسا کہ حضرت نظام الدین بلخی رح کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ آپ جب بلخ تشریف لے گئے تو گھر ہی پر نماز پڑھتے تھے مسجد تشریف نہ لیجاتے تھے لوگوں نے اس کی شکایت امیر بلخ سے کی ۔ انھوں نے شیخ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ مسجد کیوں نہیں تشریف لاتے ۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے کچھ عذر شرعی ہے ۔ امیر اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا دوبارہ کہلایا کہ آخر کیا عذر ہے اس کو بتلانا ہوگا ۔

شیخ یہ سنکر امیر کے پاس خود پہونچے اور اس سے کہا ۔ کہ اس مسجد کا امام جہاں ہو اور جس حال میں ہو فوراً طلب کیا جائے چنانچہ امام صاحب بلائے گئے حضرت نے فرمایا اسکے جوتے اتروا کے اس کا تلا ادھیڑ دیا جائے دیکھا تو اس میں ایک کاغذ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام درج کر کے اس کو پاؤں کے نیچے رکھا تھا ۔ شیخ نے امیر کو اسے دکھلا کر فرمایا ملاحظہ فرمائیے یہ رافضی ہے اور کس قدر گستاخ و بے ادب ہے یہ سبب تھا میرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا ۔ اب تو آپ کو بھی اطمینان ہوا ۔ امیر شیخ کے اس کشف کو دیکھ کر دنگ رہ گیا ۔ شیخ کا معتقد ہو گیا اور اس رافضی کو قتل کر دیا ۔

غرض اس واقعہ کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ دیکھئے ان بزرگ نے کشف سے اس کا حال معلوم کر لیا تھا لیکن امیر سے ابتداً یوں نہیں فرمایا کہ وہ رافضی ہے اس لئے میں اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ۔ بلکہ جب تفتیش کے بعد دلیل شرعی سے اس کا رافضی اور بے ادب ہونا امیر کے سامنے ثابت کر دیا تب اس پر حکم لگایا ۔

اسی طرح سے عرب کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ دو نوجوان اونٹ پر سوار کہیں جا رہے تھے آگے آگے ان کا غلام اونٹ کی مہار پکڑے چل رہا تھا ۔ اتنے میں کسی قیافہ شناس کا ان پر گذر ہوا ۔ اس نے ایک نظر ان نوجوان لڑکوں پر ڈالی اور ایک نظر سے اس غلام کو دیکھا اور کہا کہ یہ لڑکے اس غلام کے کیا ہی مشابہ ہیں ۔ ان لڑکوں نے جب یہ سنا تو کھٹک گئے اور غلام سے کہا کہ گھر واپس چلو ۔ مکان پر پہونچکر اپنی ماں کے سامنے دونوں تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور اس سے کہا کہ سچ بتاؤ کیا واقعہ ہے ۔ آج ایک قیافہ شناس نے ہم دونوں کو اس غلام کے مشابہ بتایا ہے اس نے کہا بات بالکل صحیح ہے ۔ تمہارے باپ کے انتقال کے بعد میں نے اس غلام کو ایک بار اپنے اوپر قابو دیدیا تھا تم لوگ اسی کے نطفے سے ہو ۔ خیر یہ تو اہل قیافہ کی حکایت تھی میرا مقصد اس کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ ان لڑکوں نے محض اس قیافہ شناس کے کہنے سے اپنی ماں کو قتل نہیں کر دیا بلکہ پہلے اس واقعہ کی تفتیش کی تب کوئی قدم اٹھایا ۔

اسی طرح سے یہاں کہتا ہوں کہ شیخ کا اس مرید سے یہ کہنا کہ جاؤ اپنے باپ کو قتل کر دو یہ جائز نہ تھا ۔ اسی طرح

سے اس مرید کا امتثال امر شیخ کے لئے چل پڑنا یہ بھی اس کے لئے جائز نہ تھا۔ بلکہ مرید کو یہ کرنا چاہیئے تھا کہ شیخ کے اس فرمانے کے بعد ماں کے پاس جاتا اور اس سے اس امر کی تصدیق کرتا اور واقعہ کی تفتیش کرتا، ظاہر ہے اس سے یہ عقدہ کھل ہی جاتا اس وقت اس یہودی کے ساتھ جو چاہتا معاملہ کرتا۔ کیونکہ اب حدود شرع کے اندر ہو کر وہ فعل اسکے لئے جائز ہوتا۔

حاصل یہ کہ پیر ہو یا مرید دونوں اس امر کے مکلف ہیں کہ شریعت کی اتباع کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت کی پیروی کریں۔ بلکہ شیخ سے تعلق ہی اسی لئے کیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ حق تعالیٰ کی معرفت مرید کو حاصل ہوگی اور اتباع سنت آسان ہوگی لیکن اس جماعت سے بھی اگر ظاہر شرع کے خلاف لوگ کچھ امور صادر ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو جماعت ہی سے بدعقیدہ اور بدظن ہو جائیں گے۔ چنانچہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اس زمانہ میں طریق میں ایسے لوگ داخل ہو گئے ہیں جو حقیقۃً شیخ نہیں ہیں اور انھوں نے اسی قسم کی باتیں کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی نظروں میں شریعت کا احترام اور اسکی عظمت باقی نہیں رہی اسلئے کہ انھوں نے دیکھا کہ جب خلاف شرع امر کا ارتکاب کر کے بھی ایک شخص بزرگ اور مقبول کہا جا سکتا ہے تو پھر ان کے نزدیک شرع کی مخالفت کچھ زیادہ ملامت کی چیز نہیں رہ گئی۔ یہ اثر تو عوام پر پڑا باقی خواص یعنی اہل علم نے جب یہ دیکھا کہ اس جماعت سے شریعت کو نقصان پہونچ رہا ہے اس لئے کہ انھوں نے حرام و حلال جائز و ناجائز کی بحث ہی اڑا دی ہے تو اسکی وجہ سے علماء کی جماعت بھی ان سے خفا ہو گئی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی ان دو بڑی جماعتوں میں ایک خلیج حائل ہو گئی اور جوں جوں جہالت بڑھتی گئی یہ خلیج وسیع تر ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چنانچہ اس کی انتہا اس عقیدے پر ہوئی کہ آج عام طور سے یہ سنا جاتا ہے کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے جس کے متعلق قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

دخیال نباید کرد کہ حقیقت خلاف شریعت است کہ ایں سخن جہل و کفر است

اور اس طرز عمل کا ایک ضرر یہ بھی ہوا کہ شریعت بالکل معطل ہو کر رہ گئی۔ مشائخ نے مریدین سے اپنا اتباع کرایا اور اس میں کسی فعل کے شریعت کے خلاف ہونے یا موافق ہونے کا کچھ بھی لحاظ نہیں کیا بلکہ ان کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا ؎

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید　　کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

مرید نے بھی حکم شیخ کو وحی منزل من اللہ جانکر آنکھ بند کر کے اس کا امتثال کیا۔ چاہے وہ امر شرع کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس میں شیخ کے محق اور مبطل ہونے کی بھی تمیز باقی نہیں رکھی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مشائخ کے اس استقلال کی وجہ سے سارا نظام دین اور شریعت ہی درہم برہم ہو گیا۔ کیونکہ جب معیار حق و باطل بجائے کتاب و سنت کے مشائخ کے افعال و اقوال قرار دے لئے گئے تو ان میں تو اختلاف و تشتت تھا ہی ہر شخص نے اپنی اپنی ٹولی الگ بنائی اور اصل یعنی شرع سے اپنا تعلق ہی منقطع کر لیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

باقاویل العلماء فذلک مرید لایفلح ابدا ۔ — تو سمجھ لو کہ یہ مرید کبھی فلاح یاب نہ ہوگا۔

(ومنھا) ان لایتصرف فی غیر ماحددہ لہ الشیخ ولایجالس احدا الا فی الذکر الذی امرہ بہ شیخہ۔ — (اور ایک ادب اس کا یہ ہے) کہ شیخ نے اس کے لئے جو حدود مقرر کر دی ہیں ان میں تصرف نہ کرے اور کسی کے پاس نہ بیٹھے بجز اس حلقۂ ذکر کے جس کا اسکے شیخ نے اسکو حکم دیا ہے۔

(ومنھا) ان یری نفسہ اقل الناس واقل المریدین ولایری ان لہ حقا علی احد اوان لاحد علیہ حقا یلزمہ اداؤہ مادام فی حالۃ العزلۃ والسلوک بل یکون بحیث یری کانہ مافی الوجود الاھو وشیخہ۔ — (اور ایک ادب اس کا یہ ہے) کہ اپنے کو سب لوگوں سے کمتر جانے اور تمام مریدین سے اپنے کو حقیر سمجھے۔ اور جب تک حالت عزلت و سلوک میں ہے اسوقت تک یہ نہ سمجھے کہ اس کا کسی پر حق بھی ہے یا اس پر کسی کا حق ہے جسکی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہے بلکہ بس اس طرح سے رہے کہ گویا اسکے اور اسکے شیخ کے علاوہ اور کوئی موجود ہی نہیں ہے۔ یعنی بجز شیخ کے کسی سے ربط و سروکار نہ رکھے۔ (اس پر غور فرمائیے کیسی عمدہ چیز ہے)

(ومنھا) ان لایطأ لہ سجادۃ ولا یلبس لہ ثوبا الا اذا کساہ ایاہ فیلبسہ اذا کان متادبا باٰداب شیخہ ومتی کان لایجد من نفسہ ذلک فلا یلبسہ فی ذالک الوقت۔ — (اور ایک ادب مرید کا یہ ہے) کہ شیخ کے مصلے کو اپنے پاؤں سے نہ روندے اور اس کے کپڑے کو نہ پہنے مگر جبکہ شیخ ہی نے اسے پہنایا ہو۔ تو اگر اپنے شیخ کے آداب سے متأدب ہو چکا ہے تو پہن لے اور اگر اپنے قلب میں یہ بات نہیں پاتا تو اس وقت بھی نہ پہنے۔

(ومنھا) ان لایسألہ عن شئی منتظرا جوابہ بل یذکر لشیخہ ماخطر — (اور ایک ادب اس کا یہ ہے) کہ شیخ سے (اپنے کسی حال کا) اس طرح ذکر نہ کرے کہ اس سے جواب کا منتظر رہے بلکہ جو خطرہ گذرا

لہ (قولہ ولایلبس لہ ثوبا الخ) میں کہتا ہوں کہ میں اپنے شیخ کو یعنی (شیخ رشیدؒ کو) شیخ عبداللہ شرقاوی کا تاج پہنے ہوئے کبھی نہیں دیکھا جسے ان کو ان کے شیخ قصبیؒ نے مرحمت فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے ان کو یعنی اپنے شیخ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب میں اسے پہن لیتا ہوں تو مجھ میں عجیب و غریب حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس کے اندر کچھ سر (مشائخ کے تصرفات) ایسے موجود تھے کہ ہمارے شیخ محمد رشید رحمۃ اللہ علیہ باوجود حال قوی اور راسخ رکھنے کے ان کے تحمل کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ انتہی ۱۲۔

له اوطرأ عليه غير طالب للجواب فان اجابه فبها والا فلا يسأله عن جوابه فقد لا يكون عقله يحتمل ذالك الجواب وقد يكون فی مجاوبته ضرر له امابدخول العجب عليه او یفتر همته و متى ساله عن جوابه فقد اساء الادب +

ہو یا جو چیز بھی پیش آئی ہو اسکو شیخ سے بیان کرے اور جواب کا طالب نہ ہو۔ اب اگر اس نے خود ہی جواب دیدیا تو فبہا ورنہ اس سے جواب کا تقاضا نہ کرے اس لئے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس مرید کی عقل سے اس سوال کا جواب بالاتر ہوتا ہے (اسلئے اسکو جواب دینا مناسب نہیں ہوتا) اور کبھی جواب دینے میں خود اسی مرید کا ضرر ہوتا ہے یا تو اس طور سے کہ عجب کا اندیشہ ہوتا ہے اور یا اس طور سے کہ آئندہ اس کی ہمت ہی سست پڑ جائیگی اس لئے اگر شیخ سے جواب کا تقاضا کیا تو سخت بے ادبی کی۔

عہ (قوله فقد اساء الادب الخ) مولف کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے ان امور سے کسی کے متعلق کبھی کوئی سوال کیا ہو اور نہ مجھے یہی یاد پڑتا ہے کہ کبھی میرے کسی خواب یا باطنی حالت کے پیش کرنے پر حضرت شیخ نے کوئی جواب دیا ہو۔ علاوہ دو بار کے ایک تو اس وقت جواب دیا تھا جب میں نے یہ عرض کیا کہ مجھے اپنے بعض حالات میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں بالکل مردہ ہوں چنانچہ اس حالت میں اپنے جسم کے بعض حصے کو دیکھا تو مجھے بہت رنج ہوا اس پر شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ اچھا تو کیا تم موت کو مکروہ سمجھتے ہو۔ میں نے کہا بے شک۔ شیخ نے فرمایا کہ اپنا تو یہ حال ہے کہ بہت سی ایسی چیزیں پیش آئی ہیں کہ ان پر صبر نہیں ہوتا۔ اور تسلی جو ہوتی ہے تو محض اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا زمانہ قریب آرہا ہے۔ چنانچہ اس کے کچھ ہی مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس بندے پر احسان فرمایا۔ کہ لقاء اللہ کی محبت کے سبب سے مجھے بھی موت محبوب کر دی۔ اور دوسری بار مجھے اسوقت جواب دیا تھا جب شیخ نے یہ چاہا تھا کہ مجھے اسم رابع تلقین فرمائیں (اسکی تفسیر آگے معلوم ہو جائے گی)

تو میں نے اس سے انکار کیا اور یہ عرض کیا کہ اے میرے سید میں اس کا مستحق نہیں ہوں اسلئے کہ یہ مقام کمال ہے اسپر شیخ ہنس دیئے اور مجھ سے فرمایا کہ کامل اپنے کو کامل نہیں سمجھتا پھر مجھے وہ اسم مذکور تلقین فرمایا۔ باقی ان دو مواقع کے علاوہ جب بھی میں انھیں اپنی کسی ایسی باطنی حالت کی اطلاع کرتا تھا جس میں میرے لئے بشارت ہوتی تھی تو حضرت کو اس سے زیادہ فرماتے نہیں سنا کہ یوں فرما دیتے کہ قل بفضل الله وبرحمته فبذالك فليفرحوا۔

• یہ قرآن شریف کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ:۔

(پس لوگوں کو خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیئے) انتہی ۱۲

(ومنها) ان لا یخون شیخه فی امرها ولا یکتم عنه شیئا مما یتکرر فی سره اصلا فان مضرته تعود علیه لانها کلها علل وامراض فاذا سکت عنها حرم الدواء واهلك بعلته ونقض عهد شیخه وفی المثل من اخفی علته قتلته ولیس[۵] من شرط الشیخ ان یکاشف والغالب انه یکون ترقیٰ عن مقام الکشف +

(اور ایک ادب مرید کا یہ ہے) کہ شیخ سے کسی چیز میں خیانت نہ کرے اور نہ اس سے کوئی ایسی چیز چھپائے جو اس کے قلب میں بار بار آتی ہو۔ اسلئے کہ اس کا ضرر خود اس سالک ہی کو ہوگا کیونکہ یہ سب چیزیں نقائص اور امراض ہیں تو اگر ان کی جانب سے سکوت اختیار کریگا (یعنی طبیب سے بھی ان کو نہ بیان کریگا) تو ظاہر ہے کہ دوا اور علاج سے محروم رہے گا۔ اور اس مرض میں ہلاک ہو جائیگا اور شیخ سے کئے ہوئے عہد کا جو نقض ہوا اس کا وبال الگ رہا۔ چنانچہ مثل بیان کیجاتی ہے کہ جس نے اپنی بیماری کو چھپایا تو وہ بیماری اسکو ہلاک ہی کردیگی، اور شیخوخت[۵] کی شرط یہ بات ہے نہیں کہ اسکو ہر بات کا کشف ہی ہو جایا کرے بلکہ غالب تو یہ ہے کہ وہ مقام کشف سے ترقی کر چکا ہوتا ہے۔

(ومنها) تعمیرة الوقت بالذکر الذی امره به شیخه ومتی غفل عنه او خطر له خاطر بغیره من شهرة ونحوها فلیسرع الی ذکره من حینه فان المحل یضیق عن حمل امرین فی زمان واحد ولولا الغفلة عن الذکر ما خطر له ذالك الخاطر المذموم +

(اور ایک ادب مرید کا یہ ہے) کہ اپنے وقت کو اس ذکر کے ساتھ مشغول رکھے جس کا اسکو اسکے شیخ نے حکم دیا ہے۔ اور جب کبھی اس سے غفلت ہو جائے یا اسکے قلب میں کسی اور چیز کا مثلاً طلب شہرت وغیرہ کا خطرہ گذرے تو چاہئے کہ اسی وقت ذکر کرنا شروع کردے (اس پر غور فرمائیے) اور اس میں جلدی کرے اسلئے کہ ایک محل (یعنی قلب) زمان واحد میں دو چیزوں کے تحمل سے قاصر رہتا ہے (چنانچہ اس خطرے کا بھی سبب ذکر سے غفلت ہی بنا) ورنہ اگر ذکر سے غفلت نہ ہوئی ہوتی تو یہ خاطر مذموم اسکے قلب میں نہ آتا۔ (بہت عمدہ بات ہے)

---

[۵] (قوله ولیس من شرط الشیخ ان یکاشف الخ) کشف کا ہونا لوازم شیخت سے نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کبھی اسکو کشف ہی نہیں ہوتا بلکہ کبھی مرید یا غیر مرید کی مصلحت سے ہو بھی جاتا ہے لیکن اسکو یہ نہ کہا جائیگا کہ مقام شیخوخت کے تقاضا سے ایسا ہوا۔ یوں بعض مشائخ کے مرید ایسے بھی ہوئے ہیں جو صاحب کشف تھے۔ چنانچہ اس کے انتقال کے بعد شیخ کہا کرتے تھے کہ جب سے فلاں کا انتقال ہوا ہے افسوس ہم سے آسمانی خبروں کا سد باب ہو گیا۔

انتہی ۱۲

(ومنها) الاستسلام لما يحكم به شيخه اذا وقع فی زلة من سیاحة ونحوها

(اور ایک ادب مرید کا یہ ہے) کہ جب سالک سے کوئی لغزش واقع ہوجائے مثلاً وہ سیر و سیاحت وغیرہ میں پڑ جائے تو شیخ اس پر جو تنبیہ کرے اور حکم دے اس کا اپنے ظاہر و باطن سے انقیاد کرے۔

(ومنها) انه اذا صار صاحب همة عالية فلينزل ما وقع له من مشكلة ونحوها فی باب الفتاح العليم ولا يسأل الشيخ عنه فاما ان الحق تعالى يفتح له فی تلك المسئلة بعلم لدنی او يحرك همة الشيخ ليتكلم عليها فان فتح عليه بشئ فليعرضه على الشيخ وان لم يفتح عليه بشئ ولا تكلم الشيخ عنها فليعلم انه ليس اهلا لتلك المسئلة اما لعلوها وعدم استعداده لقبولها واما لقصور همته وعدم صدقه فی التوجه بطلبها بسبب مشاركة امر آخر فی حين التوجه واذا وقعت المشاركة ضعفت الهمة فان الهمة لا تتقوى الا بصفة الاحدية ومتى كانت الهمة واحدة تكون عونا لمعرفة الشيخ وحينئذ فلا بد ان يفتح[1] الله تعالى على المريد بذلك +

(اور منجملہ آداب مرید کے ایک ادب یہ ہے) کہ جب اسکی ہمت قوی ہوجائے تو اس وقت اسے طریق میں جو مشکلات اور عوارض پیش آئیں انھیں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں خود ہی پیش کرے اور انھیں سے فتح طلب کرے اور شیخ سے نہ سوال کرے پھر یا تو حق تعالیٰ سبحانہٗ سالک کو علم لدنی عطا فرماکر اس مسئلہ کا فتح فرما دینگے اور یا ہمت شیخ ہی کو حرکت دیدینگے تاکہ وہ اس مسئلہ پر سالک سے گفتگو کرے۔ اب اگر سالک پر کسی چیز کا فتح ہو تو اسکو چاہئے کہ وہ شیخ پر پیش کرے اور اگر نہ تو اسکے قلب پر کچھ مفتوح ہوا اور نہ اس سے شیخ نے اس مسئلہ کے بارے میں گفتگو کیا تو یہ سمجھ لے کہ میں اس مسئلہ کے جاننے کا اہل ہی نہیں ہوں یا تو اسلئے کہ وہ مسئلہ عالیشان ہے اور یا اس لئے کہ خود اس میں اسکے قبولیت کی استعداد نہیں اور یا یہ سمجھے کہ میری ہی ہمت قاصر ہے اور میرے ہی اندر اسکے جاننے کی جانب توجہ میں صدق و خلوص نہیں ہے اسلئے کہ توجہ کے وقت کسی دوسرے چیز کی شرکت ہوجاتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب مشارکت واقع ہوگی تو یکسوئی فوت ہوجائیگی اور ہمت ضعیف ہوگی اسلئے کہ ہمت بدون یکسوئی کے قوی نہیں ہوتی اور جب کسی سالک کی ہمت یکسو ہوتی ہے تو وہ شیخ کی معرفت کیلئے معین و مددگار ہوتی ہے اور اس وقت میں ضروری ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ شیخ کے لئے اس معرفت کو مفتوح فرمادیں جس سے مرید کی ہمت بھی متعلق ہے اور یا اللہ تعالیٰ خود اس مرید پر ہی (بلاواسطہ) اس کا انکشاف فرمادیں۔

---

[1] (قولہ ان یفتح اللہ تعالیٰ علی المرید الخ) مؤلف کہتے ہیں کہ میں نے خود اسکا تجربہ کیا چنانچہ میں نے اطفال کا مسئلہ (غالباً اس سے مراد مسئلہ ذراری مشرکین ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہوا ہے کہ ان کا حشر کیا ہوگا) جو کہ ایک مشہور مسئلہ ہے اور اس میں روایات مضطرب ہیں چنانچہ ابو حنیفہ رحسے بھی توقف ثابت ہے یعنی ان سے سوال کیا گیا تو انھوں نے لاعلمی ظاہر فرمائی۔ اس مسئلہ کو میں نے فتاح علیم کی بارگاہ میں پیش کیا اپنی ایک مجلس ذکر میں بس اچانک مجھ پر اسکو کھول دیا یعنی مجھے اس مسئلہ میں بالکل شرح صدر ہوگیا۔ باقی اس کا ذکر تفصیل سے خالی نہیں اور وہ سب باتیں (جو میرے قلب میں آئیں) نصوص سے مؤید ہیں پس کیا ہی پاک ہے وہ ذات جو ہر مشکل کو کھولنے والا ہے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور ایسی ذات ہے کہ اس سے سوال کرنے والا کبھی خائب خاسر نہیں ہوتا اور اس کا قصد کرنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا۔ انتہیٰ ۱۲

(ومنها) ان لا تكون له ارادة في غير ما يأمره به شيخه ومتى كان للمريد ارادة بشئ سوى ما ذكر كان صاحب هوى وهو مع نفسه لا مع شيخه والشأن ان يكون مع شيخه كالميت بين يدي الغاسل لا تدبير له في نفسه مطلقاً بل هو مع الشيخ على ما يريده الشيخ كما قيل ؎

مرادي منك نسيان المراد
اذا رمت السبيل الى الرشاد

وكان حقه ان لا يسمى مريداً لانه لا ارادة له مع شيخه وكانه انما سمى مريداً بالنظر لاول امره فانه كان مريداً وطالباً للكمال الذي خلق لاجله وطريق هذا المطلوب مجهول عنده ولذلك اضطر الى طلب عالم به يعرفه اياه وبعد وجوده يلزمه التسليم له والانقياد اليه وترك الارادة معه وعدم الاعتراض عليه ولا يزال كذلك حتى يفتح له فحينئذٍ يعمل بما يؤمر به من ربه +

(اور ایک ادب یہ ہے) کہ شیخ طالب کو جس بات کا حکم دے سالک کے لئے اسکے غیر کا ارادہ ہی نہ ہونا چاہیئے چنانچہ اگر کسی مرید کے لئے مذکورہ بالا امور کے علاوہ کسی اور چیز کا ارادہ ہوا تو وہ مرید نہیں صاحب ھوٰی ہے۔ (یعنی اپنے نفس کا متبع اور اس کا مرید ہے شیخ کا نہیں) کیونکہ مرید کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ اسطرح سے رہے جیسے مردہ بدست زندہ یعنی جسطرح میت غسل دینے والے کے ہاتھ میں رہتی ہے کہ اسکو اپنے مراد پر کوئی اختیار نہیں ہوتا اسی طرح مرید کو چاہیئے کہ وہ شیخ کیساتھ اسطرح رہے کہ شیخ اسکے ساتھ جو معاملہ چاہے کرے کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

جبکہ میں نے رشد وہدایت کے راستے کا ارادہ کیا تو پھر میری مراد
آپ سے یہ ہے کہ میں ساری مراد کو بھول جاؤں۔

اور مرید ہو کر بھی جو شخص اپنا ارادہ رکھے تو وہ سزاوار اس بات کا ہے کہ اسکو مرید ہی نہ کہا جائے اسلئے کہ مرید تو اسکو کہا جاتا ہے جسکے لئے اپنے شیخ کے سامنے کوئی ارادہ ہی نہ ہو باقی ایسے شخص کو مرید جو کہا جاتا ہے تو وہ اسکے ابتدائی حالات کے اعتبار سے۔ اسلئے کہ وہ شروع میں مرید تھا یعنی اس کمال کا طالب ہو کر آیا تھا جسکے لئے وہ دنیا میں بھیجا گیا ہے (یعنی اللہ تعالےٰ سے نسبت کی تحصیل) مگر اسکا یہ مطلوب اسکے نزدیک چونکہ مجہول تھا اسلئے پہلے وہ کسی جاننے والے اور واقف راہ کا بھی طالب ہوا جو کہ اس کا مقصود اسے حاصل کرادے (اب اس سے غلطی یہ ہوئی کہ) ایسے رہبر کو پالینے کے بعد (خود کو اس کا منقاد نہیں بنایا بلکہ اپنا ارادہ اسکے سامنے باقی رکھا) حالانکہ اسکو چاہیئے یہ تھا اپنے کو اسکے سپرد کردیتا اور اسکا دل وجان سے منقاد ہو جاتا اور اس کے آگے اپنی رائے اور اپنے ارادے کو بالکل فنا کردیتا۔ اور اسکے کسی قول وفعل پر زبان و دل سے اعتراض نہ کرتا اور جب تک اسکی تکمیل نہ ہو جاتی۔ اسی حال پر باقی رہتا پھر جب حق تعالیٰ راہ کو خود اس پر کھول دیتے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے جس کام پر مامور ہوتا اسے کرتا۔

والشيخ اذا علم ان المريد قد استقل وكملت تربيته وحل اوان فطامه وجب عليه ان يقطع عنه الامداد ويتركه مع ربه ويقول له ها انت وربك كالفرخ يزقه ابوه حتى يقوى على الطيران فاذا قوى عليه اخرجه من العش و تركه يرتزق بنفسه وبعد ذلك لا يبقى للشيخ حكم على المريد ولكن يلزمه الادب معه و احترامه وان لا يتصدى للارشاد بدون اذنه وان ساواه في المقام او جاوزه الا اذا امر بالارشاد من ربه فحينئذ لا يكون للشيخ عليه مواخذة +

اور شیخ جب یہ دیکھے کہ مرید اب اپنے پیروں پر خود کھڑا ہوگیا ہے یعنی اس کا سلوک تام اور تربیت کامل ہوچکی ہے اور اب اسکے دودھ چھڑانے کا وقت آگیا ہے تو اسپر واجب ہے کہ اس سے اپنی امداد منقطع کرلے اور اسکو اسکے رب کے حوالہ کردے یعنی اس سے یہ کہدے کہ جاؤ اب صرف اپنے رب ہی سے تربیت کا معاملہ رکھو (یعنی بلا شرکت غیرے انھیں کی نگرانی میں ترقی کرو) جس طرح سے کہ پرندہ کا بچہ ہوتا ہے کہ اس کا باپ ابتداء میں تو اپنی چونچ سے اسکے منہ میں دانہ ڈالتا ہے یہانتک کہ وہ خود اڑنے لگے چنانچہ جب وہ خود اڑنے لگتا ہے تو اب اسکے والدین اسکو آشیانہ سے نکال دیتے ہیں تاکہ اب وہ خود دانہ چگے اور زندگی بسر کرے

اب اسکے بعد اس شیخ کا اس مرید پر کوئی حکم لازم تو نہیں رہجاتا تاہم اسکا ادب اور احترام بہرحال ضروری ہے۔ اسی طرح سے اس مرید پر یہ بھی لازم ہے کہ بغیر شیخ کی اذن و اجازت کے مسند ارشاد پر کبھی نہ بیٹھے اگرچہ مرتبہ میں اس کے برابر یا زیادہ ہی کیوں نہ ہوگیا ہو۔

البتہ ایک صورت یہ ہے کہ اسکو ارشاد کا حکم حق تعالیٰ ہی کی جانب سے عطا ہو تو اب شیخ اس پر عدم اذن کا مواخذہ بھی نہیں کرسکتا۔

(ومنها) البحث عن هذه اللقمة فان احرام سم الدين فان لم يجد الحلال فليأكل عند الاضطرار الذي يبيح له اكل لحم الميتة وقد ذكرنا ان الشيخ هو يدين المريد في مدة خلوته و تربيته +

اور منجملہ مریدین کے ان آداب کے جو انکی ذات سے متعلق ہیں ایک ادب اس لقمہ کی بحث بھی ہے (جسکو وہ استعمال کرتے ہیں) اسلئے کہ حرام لقمہ تو دین کے حق میں سم قاتل ہی ہے۔ لیکن اگر حلال روزی کسی کو میسر نہ ہو تو مجبوراً بوقت اضطرار مردار کھانا بھی جائز ہوجاتا ہے اور ابھی ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ مدت خلوت و تربیت میں بھی در اصل شیخ ہی مرید کی اعانت کرتا ہے۔

(ومنها) الخروج[1] من المسائل الخلافية الى الاجماع ان امكن والتراعى[2] مذهبه واذا كانت المسئلة خلافية فى مذهبه اخذ بالاصح والاشق ولا يترخص ولا يتأول فان الطريق جِدٌّ والترخص شان الضعفاء ومتى جنح المريد للرخص كان ساعيًا فى هوى نفسه۔

اور ایک ادب مرید کا یہ ہے کہ جہانتک ہوسکے اختلافی مسائل سے نکلکر اجماعی صورت کو لے۔ اور اگر کہیں ایسا ممکن نہ ہو تو پھر اپنے مسلکِ خاص ہی کی رعایت کرے۔ اور اگر وہ مسئلہ خود اس کے یہاں بھی مختلف فیہ ہو تو اصح قول کو لے اور وہ جہت اختیار کرے جو اشق ہو کہ وہی احوط ہوگی اور نفس کو ڈھیل نہ دے اور نہ تاویل کی راہ چلے اس لئے یہ طریق محنت اور مجاہدہ کا طریق ہے۔ اس میں سہولت پسندی ضعفاء کی شان ہے کیونکہ مرید اگر رخصت اور سہولت کا طالب ہوجائیگا تو وہ اپنے نفس کی خواہش ہی پر عمل کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہے گا۔

---

[1] (قولہ الخروج من المسائل الخلافیۃ الخ) مثلاً یہ کہ اگر حنفی ہے تو وضو میں نیت کرے ترتیب وار وضو کرے پے در پے اعضاء کو دھوئے اور بدن کو ملے (کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ اسکے مذہب میں ضروری نہیں ہیں تاہم دوسرے آئمہ کے نزدیک ضروری ہیں اس لئے مناسب ہے کہ ایسا وضو کرے جس میں سارے مذاہب کی رعایت ہوجائے) اسی طرح سے اگر شرمگاہ کو چھولیا یا کسی اجنبی عورت کو ہاتھ لگادیا تو وضو کا اعادہ کرے (کیونکہ یہ چیزیں دوسرے مذاہب میں ناقض وضو ہیں اگرچہ احناف کے نزدیک نہیں ہیں) اور اگر کوئی شافعی ہے تو جب اس کے بدن سے خون نکل کر بہہ پڑے تو اس کا وضو کا اعادہ کرنا چاہیئے (اگرچہ خروج دم موجب وضو نہیں ہے)

[2] (قولہ والتراعی مذھبہ الخ) جیسے مسئلہ قرات خلف الامام کہ اس میں اختلاف سے نکلنا ممکن ہی نہیں (کیونکہ ایک مذہب میں یہ حرام ہے اور دوسرے کے یہاں واجب ظاہر ہے کہ انسان قرأت اور ترک دونوں کیسے کرسکتا ہے تو اس صورت میں اپنے مذہب کو ترجیح دے) اور اسی کی رعایت کرے۔ اگر اس کے لئے امام ہونا ممکن نہ ہو (کیونکہ اگر امام بن جائے تب بھی اختلاف سے بچ سکتا ہے۔ ۱۲)

(ومنها) الخروج عن المال والجاه والخروج آكد من الخروج عن المال والخروج عنه بان يتعاطى من الامور المباحة ما يسقط حرمته عند الناس كحمل حاجة اهله اذا كان من ذوى الهيات او بما يأمر به المرشد۔

اور ایک ادب مرید کا یہ ہے کہ علاقۂ مال وجاہ سے نکلے اور جاہ سے نکلنا مال کے نکلنے سے زیادہ ضروری ہے اور اس سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ امور مباحہ میں سے ایسے امور کا ارتکاب کرے جس سے اسکی حرمت لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو جائے مثلاً اپنی خانگی ضروریات کی چیزوں کو (بازار سے) اپنے سر پر لیکر گذرے جبکہ یہ شخص ظاہری عزت اور وقار والا ہو۔ یا اسی قسم کا اور کوئی کام کرے جس کا حکم اسے اس کا مرشد دے۔

(ومنها) ان یعتقد ان طریقه اشرف الطرق والا تشوقت نفسه لما هو الاشرف +

اور ایک ادب مرید کا یہ ہے کہ دل سے اس بات کا اعتقاد رکھتا ہو کہ اس کا طریقہ سب طریقوں سے افضل واشرف ہے کیونکہ اگر ذھن میں یہ بات نہ ہوگی تو اسکا نفس ہمیشہ اشرف وافضل ہی کا خواہاں اور جویاں رہیگا۔

(ومنها) ترک فضول النظر والکلام حتی ان بعضهم هجر مریده لما بلغه انه کسر جرة خمر رآها فی السوق وقال انما هجرته لازالة المنکر وانما هجرته لفضول النظر فلو کان طرفه لا یعدو موضع قدمیه ما رآها کانوا بحیث لو سئل احدهم عن صفة جلیسه لا یعرفها فضلا عن صفة شیخه +

ایک ادب یہ ہے کہ نظر کرنے اور کلام کرنے میں لغو اور فضول امر سے پرہیز کرے یہانتک کہ بعض مشائخ نے اپنے مرید کو صرف اسبات پر نکالدیا ہے جب انھیں یہ اطلاع ملی کہ اسنے شراب کا مٹکا توڑدیا ہے جو کہ بازار میں اسے نظر آگیا تھا اور پھر یہ فرمایا کہ میں نے اسے ازالۂ منکر کیوجہ سے نہیں نکالا ہے بلکہ فضول نظر کے سبب سے نکالا ہے اسنے اسے دیکھا ہی کیوں اگر اسکی نظر اپنے موضع قدم پر ہوتی تو وہ مٹکا اسے نظر ہی نہ آتا چنانچہ سالکین کا یہ حال ہوتا تھا کہ اگر ان میں سے کسی سے اسکے ہم نشین کے بارے میں دریافت کیا جاتا کہ اسکی صورت شکل لباس کیسا ہے تو وہ نہ بتلا نہیں سکتا تھا (بڑا عمدہ خلق تھا) اسلئے کہ اسے نظر بھر کر کبھی دیکھا ہی نہیں تھا (یہ حال تو اپنے ساتھی کے ساتھ تھا) اور اپنے شیخ کی صفات اور انکا حلیہ تو کیا بیان کرتا۔

(ومنها) ان یکون مطرقا ساکنا بین یدی شیخه کان علی راسه الطیر کما قیل ؎

کانما الطیر منهم فوق رؤسهم
الاخوف ظلم ولکن خوف اجلال

اور ایک ادب یہ ہے کہ اپنے شیخ کے سامنے سر جھکائے ہوئے ادب اور سکون کے ساتھ اس طرح بیٹھے گویا کہ اس کے سر پر چڑیا بیٹھی ہے (یعنی ذرا حرکت ہوئی نہیں کہ وہ اڑی نہیں) جیسا کہ کہا گیا ہے کہ وہ لوگ اس طرح سے بیٹھے ہوئے ہیں گویا کہ ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے لیکن ان کا سکون کسی ظلم کے ڈر سے نہیں تھا

بل قال بعضهم ينبغي للمريدين ان يكون بين يدي شيخهم كانهم لصوص عرضوا على السلطان للعقوبة وهكذا حالهم في كلامهم وحركاتهم ۔

بلکہ ممدوح کی جلالت شان اس کا باعث تھا۔ بلکہ بعض لوگوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ مریدین کو چاہئے کہ اپنے شیخ کے سامنے اس طرح سے رہیں گویا کہ وہ چور ہیں اور سزا کیلئے بادشاہ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ یہی حال ان کا بھی اپنے کلام اور حرکات و سکنات میں ہونا چاہیئے۔

ومنها ان تكون اعمالهم كلها قربا فلا تحركهم الا فريضة او فضيلة دون المباح وهذا ممكن فان النيات تصيّر العادات عبادات ۔

اور ایک ادب مریدین کا یہ ہے کہ ان کے سارے اعمال قربت اور ثواب ہی والے ہونے چاہئیں۔ پس ان کو اپنی جگہ سے حرکت دینے والی کوئی اور چیز نہ ہونی چاہئے۔ بجز فریضہ کے یا فضیلت کے یعنی انھیں چاہیئے کہ مباح کے درپے نہ ہوں بلکہ صرف وہی کام کریں جو یا تو ان پر فرض ہوں اور یا ان کا کرنا افضل ہو اور ایسا ممکن ہے اس لئے کہ نیت کیوجہ سے عادت بھی عبادت بنجاتی ہے ۔

(ومنها) ان يعتقد في شيخه انه على شريعة من ربه وبينة منه فلا يزن احواله بميزانه فقد يصدر من الشيخ ما صورته مذمومة وهو محمود في الباطن ۔ وان في قصة موسى والخضر لعبرة لكل شخص معتبر ۔ ومنهم من يجسد روحانيته[1] على صورته ويقيمها في فعل من

مریدین کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ اپنے شیخ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے شریعت اور برھان پر ہیں (یعنی کوئی کام خلاف شرع اور خلاف مرضی مولےٰ نہیں کریںگے) لہذا ان کے احوال کو اپنی ترازو میں نہیں تولنا چاہیئے اسلئے کہ کبھی شیخ سے ایسا بھی کوئی فعل صادر ہو جاتا ہے جو بظاہر تو مذموم معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ ٹھیک اور پسندیدہ ہوتا ہے ۔ بلاشبہ حضرت خضر اور موسیٰ علیہما السلام کے قصہ میں ہر صاحب عبرت کیلئے عبرت موجود ہے (کہ وہاں بھی ظاہراً بعض افعال حضرت خضرؑ کے خلاف شرع معلوم ہوتے تھے چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے ان پر نکیر بھی فرمائی تھی مگر باطناً وہ مصالح عظیمہ پر مشتمل تھے غرض بزرگوں کو اپنے میزان میں نہیں تولنا چاہیئے کیونکہ) مشائخ ہیں

[1] (قوله ومنهم من يجسد الخ) مجھ سے عبدالقادر آفندی البرکہ نے جو کہ ہمارے شیخؒ کے خلیفہ تھے شیخ کی موجودگی میں یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت شیخ ایک مرتبہ جامع مسجد کے ایک حجرہ کے اندرونی حصہ میں خلوت نشین تھے اور صمدیت کا وظیفہ زیر ورد تھا کہ اتنے میں بعض احباب انکی زیارت کو آگئے شیخ تو ان سے ملنے کیلئے حجرہ سے باہر تشریف لے آئے مگر ان کی آواز سورہ اخلاص پڑھنے کی اور شیخ کے دانوں کی کھٹکھٹاہٹ بدستور آتی رہی یعنی سورت ختم ہونیکے بعد کھٹ سے ۔ ایک دانہ کا گرنا باہر سے سنائی دیتا تھا حالانکہ شیخ خلوت خانہ سے نکلکر حجرہ سے باہر دروازہ کے پاس اپنے مسند پر رونق افروز تھے اور اس آنیوالے سے گفتگو میں مشغول تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ بعض اور حضرات کا سنا گیا ہے کہ وہ دو مختلف مقامات پر ایک ہی وقت میں دیکھے گئے ۔

الافعال ویراها الحاضرون فیقولون رأینا فلانا یفعل کذا وھو بمعزل من ذلک الفعل۔

سے بہت سے حضرات ایسے بھی ہوئے ہیں جو اپنی روح کو اپنے ہمشکل جسد مثالی میں داخل کرکے دوسرا جسم بنالیتے ہیں اور اسکو جس کام میں چاہتے ہیں لگادیتے ہیں چنانچہ حاضرین مجلس اسی جسم مثالی کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو ایسا کرتے دیکھا ہے حالانکہ اس شخص کو اس فعل سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔

وھذہ کانت حالۃ قضیب البان وکثیرا ما تصدر عن المجاذیب افعال من ھذا القبیل وکانھم[علہ] انما یفعلون ذلک لیصرفوا الناس

چنانچہ قضیب بان کی یہی حالت تھی اور بھی بہت سے مجذوبوں سے اسی قسم کے افعال صادر ہوتے رہے ہیں۔ اور شاید[علہ] وہ لوگ ایسا اس لئے کرتے ہوں تاکہ لوگوں کی توجہ کو اپنی جانب سے ہٹادیں۔ اور لوگ ان کے معمولات میں مخل اور حارج نہ ہوں۔ اور

علہ (قولہ وکانھم انما یفعلون ذلک الخ) اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حمام کے چور کا واقعہ مشہور ہے کہ جس بستی میں وہ جاتا اور اسکی بزرگی لوگوں میں مشہور ہوجاتی تو اپنی اس شہرت کے مٹانے کیلئے وہ یہ کرتا تھا کہ اس بستی کے حمام میں جاکر اپنے کپڑوں کے نیچے کسی دوسرے کا کپڑا پہن لیتا تھا اور اسطرح سے پہنتا کہ اس کا کچھ حصہ نظر بھی آتا ہے اور بہنکر وہاں سے چلدیتا بالآخر لوگ اس کا پیچھا کرتے اور پکڑ کر مسروقہ کپڑا اس سے چھین لیتے چنانچہ اسکی وجہ سے اس کا لقب ہی لص الحمام (یعنی حمام کا چور) رکھدیا گیا تھا مگر اس کا یہ حال ابتدائی دور میں تھا بعد میں اسکے حالات بہت عمدہ ہوگئے اور صفائے وقت کی دولت اسے نصیب ہوئی۔ اھ منہ ۱۲

(افادہ) اس مقام پر بھی وہی تقریر پیش نظر رکھی جائے جو اس سے قبل متعدد بار عرض کرچکا ہوں جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی خلق حسن کے حاصل کرنے یا کسی رذیلہ سے خلاصی پانے کیلئے کسی محذور کا ارتکاب جائز نہیں ہے اپنی بزرگی کا جتلانا اور ریاءً وسمعۃً اس کا اظہار تو منع ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسکو مخفی رکھنے کیلئے آدمی چوری کرے انسان صرف اسکا مکلف ہے کہ ریا وعجب اور دعوی وغیرہ سے بچے اب اسکے بعد اگر اللہ تعالیٰ ہی کسی کا مرتبہ مخلوق پر ظاہر فرمادیں تو یہ اس میں دخل دینے والا کون؟ ہاں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اسکے شر سے پناہ مانگتا رہے۔ اپنے کمالات کو محض حق تعالیٰ کا عطیہ سمجھے اور اس کا غرہ نہ ہونے دے کہ ان چیزوں کو اپنی قوت بازو کا ثمرہ سمجھے۔ یہ سب چیزیں تو قابل لحاظ بیشک ہیں باقی انکی تحصیل کیلئے ناجائز امور کا ارتکاب نہیں کرنے دیا جائیگا۔ یہ بزرگ جو دوسرے کا کپڑا چرا لیتے تھے تو ان کی نظر ایک لازمی فائدہ پر تو گئی لیکن اس میں جو متعدی ضرر تھا وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اور وہ ضرر یہ کہ جس کا کپڑا لیکر بھاگے تھے اگر بالفرض اس سے ملاقات نہ ہوئی تو حق العباد کے ضیاع کے مرتکب ہوئے اور ان کا یہ فعل اس ضرر سے تو خالی ہی نہیں تھا کہ انکی اس حرکت سے دوسرے صالحین بدنام ہوجائیں گے اور لوگوں کی نظروں میں ساقط الاعتبار ہوجائیں گے گویا سب ہی نیک لوگوں کی بے آبروئی کا سبب انکا یہ فعل بن جائیگا۔ اور ع حفظت شیئا وغابت عنک اشیاءُ کا مصداق ہوگا۔

اس لئے امن واطمینان صرف اتباع شریعت اور عمل بالسنۃ ہی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے۔ ۱۲

عنهم لئلا یشغلوهم عملهم فیه فان من لم یبلغ درجة الکمال لا یقدر علی مخالطة الناس کما قال سیدنا عبد القادر الجیلانی لا یضحك فی وجه الفاسق الا العارف یضحك فی وجهه لیستنقذه من ید الشیطان لانه طبیب والطبیب یصبر علی صحبة المرضی والمجانین ومن لم یبلغ تلك الدرجة فلا یسعه الا الفرار من بلدة لبلدة وقریة لقریة کلما عرف فی محل فرمنه وهکذا کان سیدنا عبد القادر جیلانی فی بدایته یتخارس ولا یبیت فی قریة لیلتین ولما بلغ الدرجة التی لا تضره معها مخالطة الناس جلس للارشاد +

(تنبیه) لو ان الحاکم عاقب من تظاهر بمثل هذه الامور علی مقتضی الشریعة فلا اثم علیه ولا حرج الا ان الغالب فیمن هذه حاله ان تکون له سلطنة علی الخلق فلا یتوصلون الی اذیته مع هذا فلا تصدر مثل هذه الافعال الا من

اس وجہ سے کہ جو شخص بھی ان مشائخ میں سے کمال کے درجہ کو نہیں پہونچا ہوتا تو وہ اپنے کو اختلاط اس کے ضرر سے بچا نہیں سکتا جیسا کہ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ فاسق کے منہ پر (اس کی کسی بات کیوجہ سے) ہنسنا بجز عارف کے کسی اور کو زیب نہیں دیتا وہی اس کے رو برو ھنس سکتا ہے (یعنی فی الجملہ اس کے ساتھ مجالست اور مصاحبت اختیار کر سکتا ہے) تاکہ اس کو شیطان کے پنجہ سے نکال لے اس لئے کہ یہ حضرات طبیب (روحانی) ہوتے ہیں اور طبیب بیماروں بلکہ مجنونوں تک کی صحبت میں رہ سکتا ہے باقی جو شخص کہ اس درجہ کا نہ ہو اس کیلئے تو فسّاق و فجار کی صحبت سے سوا فرار کے چارۂ کار نہیں۔ اس سے بستی بستی، قریہ قریہ بھاگنا چاہیئے یعنی جس مقام میں اس کا ہونا معلوم کرے وہاں سے خود کھسک جائے۔ یہی حال تھا ہمارے سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کا انکے ابتدائی زمانہ میں کہ بالکل چپ رہتے تھے اور کسی بستی میں دو شب بھی قیام نہ فرماتے تھے لیکن جب اس درجہ پر پہونچ گئے جس مرتبہ میں کہ مخالطت کا ضرر ختم ہو جاتا ہے تو پھر ایک جگہ مسند ارشاد پر جم کر بیٹھ گئے۔

(تنبیہ) اگر کوئی حاکم ایسے لوگوں پر جن سے اس قسم کے امور کا صدور رہتا ہو (یعنی جسد مثالی وغیرہ بنا کر اس سے کام لیتے ہیں) شریعت کے احترام میں مواخذہ کرے یا اسکو کوئی سزا دے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اسکو گناہ بھی نہ ہوگا۔ مگر یہ کہ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جس شخص کا ایسا حال ہوتا ہے تو مخلوق کے قلب پر اس کا ایک رعب اور دبدبہ قائم ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ لوگ ایسے شخص کو ایذا پہونچانے کی ہمت ہی نہیں کر سکتے۔ بایں ہمہ جن لوگوں سے اس نوع کے افعال صادر

ضعيف كما تقدم واما الرجل
الكامل فهو الذي يخرج مع
الخلق بحكم العادة ولا يظهر
عليه شئ مما يذمه الشرع
او تستغربه العادة .

ومن اولياء الله تعالى
من اطلعهم الله تعالى على
ما قدر عليهم من الافعال في
باقي اعمارهم من طاعة ومعصية
فهم يبادرون اليها [عه] وبالجملة
فان للمحققين موازين لا يعرفها
علماء الرسوم ولهذا قالوا
بتسليم احوالهم كما ذكرنا .

(ومنها) ان يمضي لما
يأمره به شيخه من دون
توقف ولا تاخير ولا يصرفه
عنه صارف حتى قال بعض
الشيوخ لبعض المريدين

بھی ہوتے ہیں وہ کامل نہیں ہوتے بلکہ جیسا کہ کہا گیا ہے ناقص اور ضعیف لوگ ہوتے ہیں کیونکہ کامل وہ ہے جو عام عادت کے مطابق مخلوق سے ملتا جلتا ہو اور ان کے ساتھ رہتا سہتا ہو اور اس سے کوئی ایسی شے نہ ظاہر ہو جو شریعت کے خلاف ہو یا جسکو عرفاً لوگ عجیب یا معیوب سمجھتے ہوں۔ (بہت نفیس مضمون ہے)

اسی طرح سے بہت سے اولیاء اللہ ایسے بھی ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام ان افعال پر مطلع فرما دیا تھا جو ان سے ان کی باقی عمر میں سرزد ہونے والے تھے خواہ وہ طاعت کے قبیل سے ہوں یا معصیت کے۔ چنانچہ اس کی علم کے بعد بھی انھوں نے ان سب ہی کاموں کو کیا۔ حاصل یہ کہ محققین کے میزان کو علماء رسوم نہیں سمجھ سکتے۔ اسی لئے ان حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ ہر ایسے لوگوں کو احوال کو بس تسلیم ہی کر لیا جائے اسکے سوا چارہ نہیں۔

اسی طرح سے منجملہ آداب کے ایک ادب یہ ہے کہ شیخ نے جس چیز کا امر فرمایا ہے اسکو بلا تاخیر اور توقف کے کر گذرے تاکہ کوئی پھیرنے والی اسکو اس سے پھیر نہ دے یہاں تک کہ بعض مشائخ نے اپنے کسی مرید سے فرمایا کہ یہ تبلاؤ کہ اگر تمہارا شیخ تم کو کسی کام سے بھیجے اور تمہارا

عه (قوله فهم يبادرون اليها) یعنی یہ حضرات ان معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں جو ان کیلئے مقدر ہو چکے ہیں اور جن پر اللہ تعالیٰ ان کو مطلع بھی فرما دیتے ہیں گو یا گناہ ایسی حالت میں کرتے ہیں کہ وہ ان سے معاف بھی کئے جا چکے ہوتے ہیں بس گویا یہ حضرات اہل بدر ہوئے کہ جن پر کسی تنگی کا خوف نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ شاید کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے اخلاص پر مطلع ہو گئے۔ چنانچہ فرما دیا کہ تم اب جو چاہے کرو میں نے تم کو بخش دیا۔ بس یہی فرق ہے۔ ولی اور فاسق میں۔ یعنی ولی گناہ بھی کرتا ہے مگر استغفار بھی کرتا ہے اور جبراً علی قدر اللہ کرتا ہے نہ یہ کہ تکلیفات شرعیہ ان سے ساقط ہو جاتے ہیں اس لئے کہ یہ اعتقاد تو کفر ہے لہذا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حج مبرور کی جزا بس جنت ہی ہے تو علماء فرماتے ہیں کہ اسکی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اسکے سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیں گے۔ (اور پھر جنت میں داخل کر دیں گے) اور اللہ تعالیٰ تو بہت فضل والے ہیں۔ اھ منہ ۱۲۔

أرأيت لو وجهك شيخك في أمر فمررت في طريقك بمسجد تقام فيه الصلاة ما تصنع ؟

گذر ایک مسجد کے پاس سے ہو جس میں نماز ہونے جارہی ہو تو تم ایسے موقع پر کیا کروگے ؟

فقال أمضي لأمر الشيخ ولا أصلي حتى أرجع فقال أحسنت۔

اس مرید نے کہا کہ میں اپنے شیخ کے بھیجے ہوئے کام کو چلا جاؤں گا اور اس سے فارغ ہو کر لوٹ کر نماز ادا کرونگا۔ یہ جواب سن کر شیخ نے اسکی تحسین فرمائی۔ عه

ومنها النشاط والنهضة وأن لا يرمي بنفسه إلى العجز والكسل ولا يرجف على مقعدته ومتى تناول شيأً بعيداً عنه وهو قاعد بحيث لا تناله يده حتى يخرج عن موازاة جلسته فتمطى لتناوله وخرج عن الجلسة المعتادة فهو

اسی طرح سے آداب مریدین میں سے چستی اور نشاط بھی ہے اور یہ کہ خود کو عجز اور کسل کے ساتھ متہم نہ گردانے مثلاً شیخ کے سامنے آگے پیچھے ہٹنے میں) سرین کے بل نہ گھسیٹے اور جب شیخ کو کوئی شے دینی ہو اور شیخ اس سے ذرا دور بیٹھا ہو ایسا کہ بدون اپنی ھیئت کے بدلے ہوئے اور اس کے لینے کیلئے بلا تکلف ہاتھ بڑھائے ہوئے اور بدون اپنی نشست معتادہ کو بگاڑے ہوئے اس شے کو اس مرید کے ہاتھ سے نہ لے سکتا ہو تو اس کے اس طرح سے

عه **افادہ** ۔ اس واقعہ کا ظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا شرعاً مطلوب ہے اور قاعدہ مشہور ہے۔ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ پس اس مقام کی تاویل کی جائیگی وہ یہ کہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر بقدر چار آنہ کے نقصان ہو رہا ہے تو جماعت کا چھوڑ دینا بلکہ توڑ دینا تک جائز ہو جاتا ہے۔ لہذا یہاں بھی شیخ نے کسی ایسے ہی کام پر اسکو بھیجا ہوگا کہ اس میں تاخیر موجب نقصان ہوگی اس لئے جماعت کے ترک کرنے کو کہا ورنہ تو بدون کسی شرعی ضرورت کے نہ تو مرید کیلئے نماز یا جماعت کا ترک کرنا جائز ہے اور نہ پیر ہی کو اس کا حق پہونچتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس قسم کا امر کرتا ہے تو اپنی حد سے تجاوز کر رہا ہے اور حق شرع میں مزاحمت کر رہا ہے جو کہ اس کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ شیخ مستقل نہیں ہوتا بلکہ متبع شریعت اور انبیاء علیہم السلام کا پیرو ہوتا ہے اور اس کا منصب صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ و رسول کی معرفت کرائے اور ان کے احکام پر لگائے نہ یہ کہ ادھر سے ہٹائے اور اپنی اتباع کرائے۔

عاجز كسلان والواجب ان يقوم اليه قياماً

دینے کی وجہ سے اسکو کاہل و عاجز اور کسلمند سمجھا جائے گا (کہ خود تو آرام سے رہا اور شیخ کو زحمت دی) ایسی صورت میں مرید پر لازم تھا کہ شیخ کے قریب جا کر کھڑا ہو جاتا اور اطمینان کیساتھ وہ چیز اسے دیدیتا۔

وكذلك اذا قيل له احمل هذا الشيئ الى فلان او الى السوق او اشتر كذا فقال هل ثم حاجة اخرىٰ حتى يكون خروجاً واحداً۔ او يقول اصبر حتى اخرج الى الصلوٰة او الى كذا وافعل هذا فى طريقى فهذا عندهم كسلان عاجز لا يشم مادامت هذه صفته رائحة من التوحيد الذوقى فان الحقائق تعطى ان لا يحصل توحيد الا لمن كانت حركة واحدة متعلقة بواحد فمتى ماخرج المريد بحركة واحدة للصلوٰة وشراء حاجة او بيعها فلا ينشق رائحة للتوحيد اصلا ۔

اسی طرح جب کسی مرید سے یہ کہا جائے کہ لو یہ سامان بازار تک پہونچا آؤ یا فلاں شخص کو دے آؤ یا یہ کہا جائے کہ فلاں چیز خرید لاؤ اس پر وہ یوں کہے کہ حضرت اس طرف کا کوئی اور کام تو نہیں ہے تاکہ ایک ہی دفعہ میں ہو جائے یا یوں کہدے کہ بہت اچھا ذرا سا ٹھہر جایئے میں جب نماز پڑھنے جاؤں گا یا فلاں کام کرنے نکلوں گا تو راستہ میں آپ کا یہ کام بھی کرتا جاؤنگا پس یہ شخص بھی ان حضرات کے نزدیک عاجز کاہل اور اہل کسل میں سے ہے جب تک اس میں یہ صفت باقی رہے گی توحید ذوقی کی بو بھی اسکو نہ ملیگی۔ اس لئے کہ حقائق کا یہ خاصہ ہے کہ وہ مقام توحید تک صرف اسی کو پہونچاتے ہیں جس کیلئے ایک ہی حرکت ہو اور ایک ہی کے لئے ہو تو جب مرید ایک ہی حرکت میں نماز اور بیع یا شراء دو کاموں کے لئے نکلے گا تو یہ سمجھو کہ اس نے توحید کی بو بھی نہیں سونگھی ہے۔ (اس کے ساتھ متصف ہونا تو بجائے خود رہا)

ومنها الوفاء بكل ما يشرطه عليه الشيخ سواء صعب ذلك عليه او سهل فان طريق الله تعالىٰ طريق مجاهدة ومكابدة ۔

اور منجملہ آداب کے ایک ادب یہ ہے کہ شیخ نے اس سے جو عہد لئے ہوں اور جو شرائط مقرر کی ہوں ان سب کی دل سے پابندی کرے خواہ اسکو دشوار معلوم ہوں یا آسان اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ تو مجاہدہ اور نفس پر مشقت ہی برداشت کرنے کا راستہ ہے۔

ومنها ان لا يكلف احدا عمل شيئ يقدر على عمله بنفسه وان يرفع كلفه عن الخلق ما استطاع +

منجملہ آداب کے مرید کا ایک ادب یہ ہے کہ جس کام کو خود کرسکتا ہو اسکی فرمائش کسی دوسرے سے نہ کرے اور جہاں تک اس سے ہو سکے مخلوق کو کلفت سے بچائے۔

ومنها ان لا يتحرك بحركة اصلا مالم يعلم انها في مرضاة الله تعالى اوحظ النفس فاذا وجد فيها حظ[۱] نفس اصلحه بالاعراض عنه او اخلص النية لله تعالى ويؤدها بما يقتضى من الادب والحضور +

اسی طرح سے ایک ادب یہ ہے کہ کسی کام کے لئے حرکت تک نہ کرے جب تک کہ یہ نہ جان لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے یا اپنے حظوظ نفس کی خاطر ہے۔ پس اگر اس میں ذرا سا بھی نفسانی حظ دیکھے تو اسکی اصلاح کرے بایں طور کہ یا تو اس کام ہی کو ترک کردے یا اپنی نیت ہی کو درست کرے اور اسکو اس طریقہ سے انجام دے جیساکہ آداب طریق اور حضوری حق کا تقاضا ہے۔

ومنها ان لا يترك احداً يتبرك به ويعظمه ومتى ما ترك المريد الناس يتبركون به ويلحظون بعين التعظيم فاشهد بعدم فلاحه فان المريد فى اول امره كقرص العسل اذا اجتمع الناس عليه ويتركوا به مصّوا ما فيه من العسل ولا يبقى

اور منجملہ مریدین کے آداب کے ایک ادب یہ ہے کہ کسی کو اس بات کا موقع نہ دے کہ وہ اسے تبرک بنائے یا اسکی تعظیم کرے کیونکہ جب کوئی مرید لوگوں کو موقع دے کہ وہ اسکو تبرک بنائیں اور تعظیم کی نگاہ سے دیکھیں تو تم سمجھ لو بلکہ گواہ رہو کہ وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا اسلئے کہ مرید اپنے ابتدائی حال میں شہد کے چھتے کے مانند ہوتا ہے تو اگر لوگ اس کے ارد گرد جمع ہوتے ہیں اور اسکو تبرک بناتے ہیں تو گویا اس کے شہد کو چوس لیتے ہیں اور اب وہاں صرف موم

---

[۱] قوله فاذا وجد فيها حظ النفس الخ) مؤلف کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ایک سال مجھے سفر حج میں جانے کا اتفاق ہوا اس زمانہ میں مکہ کا امیر شریف عبداللہ بن عون تھا چنانچہ میرے اور اسکے درمیان اچھے تعلقات تھے تو جب بھی میں حج کے لئے اپنی نیت خالص کرتا تو مجھ سے میرا نفس کہتا کہ اچھا حج کو چل رہے ہو چلو وہاں شریف سے بھی ملاقات ہو گی۔ اس طور پر میرے نفس نے میری نیت میں شرکت پیدا کر دی تھی اور میں یہ چاہتا نہ تھا چنانچہ میں نے اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ میں شریف سے ملنے جاؤنگا ہی نہیں اور نہ اس کے ساتھ کہیں جمع ہونگا۔ پس اسوقت جاکر جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں میری نیت اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہو گئی۔ وللہ الحمد ۱۲

الا الشمع ولهذا كانوا يفرون من مكان لمكان ومن قرية لقرية حتى لا يعرفوا وكان اقبح الدعاء عندهم ان يقول الرجل منهم لصاحبه اذاقك الله طعم نفسك فانه من ذاق طعم نفسه وهو التذاذه اذا نظر الناس اليه بعين التعظيم والتبرك لا يرجع فلاحه ابدا +

ہی موم رہ جاتا ہے اسی وجہ سے پہلے زمانہ میں لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ اس بستی سے اس بستی بھاگے بھاگے پھرتے تھے تاکہ ان سے کوئی واقف ہی نہ ہوسکے چنانچہ بدترین بددعا جو قوم میں رائج تھی وہ یہ تھی کہ ایک سالک اپنے ساتھی سے کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو تیرے نفس کا مزہ چکھائے کیونکہ جس شخص نے اپنے نفس کا مزہ چکھا تو پھر اسکی فلاح کی کوئی امید نہیں اس لئے کہ نفس کی لذت سے مراد ان کی یہ ہوتی تھی کہ لوگ اسکو تعظیم اور تبرک کی نگاہ سے دیکھیں جس کا لذیذ ہونا ظاہر ہے۔

ومنها ان لا يعتقد في شيخه العصمة فانها لا تكون الا للانبياء صلوات الله وسلامه عليهم وغاية[1] ما يعتقد في شيخه انه عالم بالله و

اور ایک ادب یہ ہے کہ اپنے شیخ کے متعلق عصمت کا عقیدہ نہ رکھے یعنی اپنے شیخ کو معصوم نہ سمجھے اس لئے کہ عصمت انبیاء علیہم السلام ہی کے لئے ثابت ہے زائد سے زائد اپنے شیخ کے بارے[1] میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ عارف باللہ ہے۔ اور اللہ کی مخلوق کے لئے ناصح

---

[1] (قولہ غایة ما یعتقد الخ) حکایت ہے کہ بعض مریدین نے اپنے شیخ کو ایک عورت سے زنا کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے نفرت کی اور نہ انکی خدمت میں کوتاہی کی اور نہ اپنے رسوما میں کچھ خلل ڈالا اور نہ اپنی نظروں میں ان کا احترام ہی کم ہونے دیا اور شیخ یہ جانتے تھے کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہے پس اسے ایک دن دریافت کیا کہ عزیز من میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے مجھے اسوقت دیکھا ہے جبکہ میں اس عورت کے ساتھ مرتکب ہو کر فاسق ہوگیا تھا اور مجھے تو اس کا انتظار تھا کہ اب اسکے بعد تم میرے پاس سے بھاگ ہی جاؤ گے اور مجھ سے نفرت کرنے لگو گے (مگر تم نے ایسا نہیں کیا اسکی وجہ کیا ہوئی) اس نے جواب دیا کہ اے میرے سید انسان اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے جاری ہونے کے محل میں واقع ہوا ہے اور میں نے اسی وقت سے جسوقت کہ آپکی خدمت کے لئے آپکے پاس حاضر ہوا ہوں یہ سمجھ رکھا ہے کہ میں اس طور پر آپکی خدمت نہیں کر رہا ہوں کہ آپ معصوم ہیں بلکہ میں تو آپکی خدمت یہ سمجھ کر کر رہا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے طریق کے عارف ہیں اور اللہ تعالیٰ تک پہونچنے والے راستہ کے عارف ہیں جو کہ میرا مقصود و مطلوب ہے باقی رہی یہ بات کہ آپ معصیت کرتے ہیں یا نہیں تو یہ ایک ایسی چیز ہے جو آپکے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے اسکے بارے میں مجھ سے کچھ سوال نہ ہوگا تو اے میرے سید آپ سے ایسی کوئی چیز تو واقع نہیں ہوئی جو آپکی جانب سے میری نفرت کا موجب ہو۔ مرید رشید کا یہ جواب سنکر شیخ نے فرمایا کہ تم سعید ہو اور موفق من اللہ ہو (بیشک یہی بات ہے اور مرید کو ایسا ہی ہونا چاہیئے ورنہ اسکے پلہ کچھ بھی نہ پڑیگا اور وہ محروم رہیگا) چنانچہ یہ مرید کامیاب ہوگیا اور سب ساتھیوں پر فوقیت لے گیا اور اسے حال اور مقام کے ایسے ایسے محاسن اور ایسے ایسے بلند و بالا کارنامے صادر ہوئے کہ جنہیں دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے تثبیت کا ایک نمونہ تھا کہ وہ مرید اپنے شیخ کے اسرار کا وارث ہوا لیکن اگر کسی کے قلب میں اپنے شیخ کے نقص کا خیال آئے تو اس کے لئے شیخ کے پاس قیام کرنا جائز ہی نہیں ہے (اسلئے کہ) جو مرید بھی اپنے شیخ میں نقص دیکھے اور پھر اس کے پاس جمع رہے تو وہ منافق ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکو اسکی جوابدہی کرنی ہوگی۔ انتہیٰ ۱۲۔

ناصح لخلق اللہ۔ قیل لبعض السادۃ ایزنی العارف فقال وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔

اور خیر خواہ ہے (اور شیخ کے معصوم نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ) بعض مشائخ (یعنی حضرت جنیدؒ) سے سوال کیا گیا کہ کیا عارف بھی زنا کا مرتکب ہو سکتا ہے انھوں نے فرمایا کہ اللہ کی تقدیر غالب آکر رہتی ہے۔

ومن شروط المرید اذا دخل منزل الشیخ ان یجعل منزلہ والخلوۃ التی افردہ شیخہا یرہا مثل قبرہ ولا یحدث نفسہ بالخروج منہا الی ان یموت +

اور منجملہ آداب مرید کے ایک ادب یہ ہے کہ جب شیخ کی خانقاہ میں داخل ہو تو اپنے اس حجرہ اور خلوت گاہ کو جہاں اس کے شیخ نے اسے تنہا رکھا ہے مانند اپنی قبر کے بنائے اور دل میں خیال بھی نہ لائے کہ مرنے سے پہلے اس سے نکلنا ہے۔

ومن اداب المرید ان یکون مشغولا بمہم نفسہ وھو العمل الذی امرہ بہ شیخہ لا غیر فلو اشتغل بترفیہ نفسہ وھو مدبر لانہ فی سفر والسفر مبنی علی المشقۃ الحج اشعث اغبر وکل مرید غسل ثوبہ لغیر نجاسۃ او اکتحل او رجل شعرہ او حسن شیئا من زینۃ ظاھرۃ لغیر ضرورۃ او امر شیخ فھو عامل لنفسہ وقالوا لبعضھم مالا تمشط لحیتک فقال انی اذن فارغ +

اسی طرح سے منجملہ آداب مریدین کے ایک ادب ہے کہ اپنی اصلاح نفس کی مہم میں مشغول رہے اور مراد اس سے وہ عمل ہے جس کا حکم اسے اسکے شیخ نے دیا ہے اسکے سوا کوئی دوسرا کام نہ کرے اور اگر اپنے نفس کی آسائش میں مشغول ہو گیا تو یہ شخص ناکام و بد نصیب ہے اسلئے کہ وہ ایک سفر میں ہے اور سفر میں مشقتوں کا برداشت کرنا ناگزیر ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حج شکستہ حالی پراگندہ بالی اور گرد آلودگی کا نام ہے چنانچہ جو مرید کہ بدون نجس ہوئے اپنے کپڑے دھوتا ہو یا آنکھوں میں سرمہ لگاتا ہو یا اپنے سر میں کنگھا کرتا ہو یا بلا ضرورت اپنے ظاہر کی تزئین کرتا ہو یا بدون امر شیخ کے ان چیزوں کا مرتکب ہو تو وہ ان کاموں کو اپنے نفس کیلئے کرنیوالا سمجھا جائیگا۔ مشہور ہے کہ لوگوں نے کسی سالک سے پوچھا کہ اپنی داڑھی میں کنگھی کیوں نہیں کرتے اس نے جواب دیا کہ اگر میں کنگھی کروں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اتنا وقت میرا خالی ہے۔

ومنھا الحفظ والامانۃ فانہ فی

لہ قولہ ومنھا الحفظ والامانۃ الخ حکایت بیان کیجاتی ہے کہ ایک مرید اپنے شیخ سے اس امر کی درخواست کرتا تھا۔ کہ وہ اسکو اسم اعظم بتادے اور شیخ اس سے یہی فرماتے تھے کہ تم امین نہیں ہو اور مرید دعوی امانت کرتا تھا چنانچہ شیخ نے ایک بار اسکا امتحان لیا اسطور پر کہ ایک مینڈھا ذبح کیا اور اسکو ایک گٹھری میں باندھ کر رکھ دیا اتنے میں مرید آیا شیخ نے اسکو بطور اشارہ کے بتایا کہ دیکھو جی فلاں شخص نے مجھے غصہ دلایا تو میں نے اسکو قتل کردیا اور اسکے قتل سے عمر اد یہ لیا کہ اسکی خواہش کے مخالف کام کیا اور دیکھو یہ بات جو میں تم سے کہہ رہا ہوں امانت ہے لہذا میرے اس راز کو چھپانا اور شیخ نے یہ کیا کہ اس دکھے مرید کو جسکے متعلق تعریض کی تھی کہ اسکو قتل کردیا ہے کمرے کے اندر چھپا دیا اور اس مرید کے سامنے اس گٹھری کو اٹھایا اور اسکو اپنے مکان میں دفن کردیا (جس سے مرید نے یہ سمجھا کہ یہ وہی میر مقتول ساتھی ہے) اور پھر شیخ نے اس مرید کو اپنے فعل اور قول کے ذریعہ سے خوب غصہ دلایا اور مشتعل کیا۔ یہانتک کہ شیخ سے ناراض ہو کر اس مرید نے اس مقتول کے والد کو یہ اطلاع کردی کہ شیخ نے تو اسکو کسی بات پر ذبح کر دیا ہے اور اپنے گھر میں دفن کردیا ہے یہانتک کہ اسنے سلطان کے پیام رقعہ کردیا اور اس مرید نے جو مدعی امانت تھا یہی تلوار شیخ پر اٹھائی (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری پولس آگئی ہوگی اور شیخ کے مکان پر چھاپہ مارا ہوگا اور شیخ کا جرم ثابت ہونے میں صرف اتنی کسر رہ گئی ہوگی کہ اسکے گھر سے مقتول کی لاش برآمد کردیجائے چنانچہ اسکے لئے یہی مدعی امانت صاحب ہی مامور ہوئے ہونگے کہ ادھر لاش برآمد ہو اور یہ شیخ کا سر صاف کردیں) پھر جس جگہ وہ گٹھری دفن کی گئی تھی اسے کھود کر اس گٹھری کو نکالا جب دیکھا تو اس میں مینڈھا نکلا اور اسکے بعد ہی دوسری جانب سے وہ چھپا ہوا مرید نکلا جو مدعی قتل کا لڑکا تھا اس واقعہ کو دیکھ کر یہ مدعی امانت صاحب رسوا ہو گئے۔ انتہی ۱۲

لہ قولہ سر ہی لطیفۃ مودعۃ فی القلب کالروح فی البدن وھو محل المشاھدۃ کما ان الروح محل المحبۃ والقلب محل المعرفۃ (تعریفات سید)

طریق وهب الاسرار ولا توهب الاسرار الا للامناء ؎

اور منجملہ آداب مریدین کے ایک ادب حفظ اورامانت بھی ہے اسلئے کہ وہ ایسے طریق میں داخل ہے جسمیں اسرار ہبہ کئے جاتے ہیں اوراسرار عطا نہیں فرمائے جاتے مگر ان لوگوں کو جو امین ہوں۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

یقولون حدثنا فانت امینها
وما انا ان حدثتهم... بامین

لوگ کہتے ہیں کہ فلاں بات جو تمہیں معلوم ہے اور تم جسکے امین ہو ہمکو بھی بتا دو میں کہتا ہوں کہ اگر وہ بات میں لوگوں کو بتا دوں تو پھر امین ہی کہاں رہ جاؤنگا۔

ومنها ان لا یقبل رفقا من احد حتی لا یکون فی قلبه مقدار لغیر شیخه والقول الجامع فی احوال المرید ان لا یتصرف ولا یسکن الا فیما یأمره به شیخه انتهیٰ بتصرف و زیادة فی کلام الشیخ الاکبر +

اور منجملہ آداب مریدین کے ایک ادب یہ ہے کہ کسی سے دوستی نہ کرے تاکہ اسکے قلب میں اپنے شیخ کے علاوہ کسی دوسرے کیلئے جگہ باقی نہ رہے اور ایک جامع بات مریدین کے احوال کے سلسلہ میں یہ ہے کہ کوئی تصرف نہ کرے اور کسی چیز میں اسے سکون نہ حاصل ہو سوائے اس کے کہ جس کا حکم اس کو اس کا شیخ کرے۔ انتہی کلامہ۔ یعنی شیخ اکبر کے ارشاد فرمائے ہوئے آداب ختم ہوئے کسی قدر زیادتی کمی کے ساتھ۔

وزاد السید مصطفی البکری فی بلغة المرید بعض اداب وهی ان لا یولیه ظهره اذا انصرف ولا یمشی امامه الا بلیل او سیل ولا یساویه فی الصلوٰة الا فی الفرض ولا یهب ما یتداوی به ولا ینام علی وسادته ویستاذن الخادم فی الدخول علیه ولا یاکل معه علی المائدة الا ان اذن له فی شئی من ذالك ولا یتزوج بزوجته من بعده ولا یتکلم مع لصیقه بحضرته الا علی قدر الضرورة ولا یجیب سائلا فی حضرته وان یخفض صوته اذا تکلم بحضرته

اور سید مصطفی بکریؒ نے اپنی کتاب بلغۃ المرید میں بعض آداب کا اضافہ فرمایا ہے مثلاً یہ کہ جب شیخ کے پاس سے پھرے تو اسکی جانب اپنی پیٹھ نہ کرے۔ نیز اسکے آگے آگے نہ چلے سوائے لیل یا سیل کے یعنی رات کو چل سکتا ہے یا کسی سیلاب اور پانی میں گذرنا ہو تو آگے چلے اور نماز میں اس کے برابر نہ کھڑا ہو سوائے فرض نماز کے اور اسے ایسی کوئی چیز ہبہ نہ کرے جسے وہ بطور دوا کے استعمال کرتا ہو اور اس کے تکیہ پر نہ سوئے اور خادم کو بھی چاہیئے کہ حجرہ میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لے لے اور اس کے ساتھ دسترخوان پر نہ کھائے مگر یہ کہ وہ ان میں کسی چیز کی اجازت دیدے تب کر سکتا ہے اور شیخ کی بیوی سے اسکے وصال کے بعد نکاح نہ کرے اور شیخ کی مجلس میں اپنے ہم نشین سے بات نہ کرے مگر بقدر ضرورت اور شیخ کی موجودگی میں کسی سائل کا جواب نہ دے اور جب شیخ کے سامنے تکلم کرے تو اپنی آواز کو پست کرے اور اس کی

ولا يصحبه لعلة ولا يشطح مع خاطر عنده وليترك الضحك والخصام ومسابقة الكلام واذا نظر اليه فلينظر اليه بالمسارقة وليجلس عنده على ركبته كهيئة المصلى وليعتقده اكمل اهل العصر +

وزاد شيخ شيخنا السيد القصبي ان لا يدخل عليه الا متطهراً ولا يطرق عليه باب خلوته او داره بل ينتظر خروجه وان لا يتكلم بحضرته الا ان اذن له واذا تكلم خفض صوته وان لا يذكر له خاطراً او حالاً من احوال الطريق بحضرة الناس ولا ينصرف من عنده الا باذنه واذا انصرف فلا يوله ظهره حتى يتوارى عنه بجدار او نحوه ولا يكثر من مجالسة واذا دخل مكانه ولم يره جلس متادباً كانه بين يديه +

وعليه اكرام اولاده واصحابه واصدقائه وعشيرته ومن يلوذ به حتى ما لا يعقل فى حياته وبعد مماته ويدخل عليه السرور ما امكن +

ولقد سألت استاذنا رحمه الله

صحبت میں کسی غرض کی وجہ سے نہ رہے اور شیخ کی خدمت میں رہتے ہوئے اگر کوئی وسوسہ آوے تو اسکے تقاضے سے زبان سے کوئی بُری بات نہ نکالے اور ہنسنا۔ جھگڑنا اور بات میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا یہ سب چیزیں ترک کرے اور جب شیخ کی طرف دیکھے تو اسکو کنکھیوں سے دیکھے اور اسکے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھے جیسا کہ نماز کے قعدہ میں بیٹھا جاتا ہے۔ اور اسکو تمام اہل زمانہ سے کامل سمجھے۔

اور ہمارے شیخ کے شیخ حضرت سید قصبیؒ نے ان آداب میں کچھ اور اضافہ فرمایا ہے وہ یہ کہ شیخ کی خدمت میں پاکی کے ساتھ حاضر ہو اور شیخ اگر اپنے خلوت خانہ یا گھر میں ہو تو دروازہ کی کنڈی نہ کھٹکھٹائے بلکہ اسکے باہر نکلنے کا منتظر رہے اور یہ کہ اسکی موجودگی میں بدون اسکی اجازت کے گفتگو نہ کرے اور جب بات بھی کرنی ہو تو اپنی آواز کو پست کرے اور یہ کہ اس سے اپنے کسی خاطر یا طریق کے احوال میں سے کسی حال کا تذکرہ لوگوں کے سامنے نہ کرے اور اس کے پاس سے بدون اجازت کے نہ ہٹے اور جب ہٹے بھی تو اس کی جانب پشت نہ کرے یہاں تک کہ اسکی نظروں سے پوشیدہ ہو جائے یعنی کسی دیوار کی یا کسی مکان وغیرہ کی آڑ ہو جائے اور اس کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے۔ اور جب اپنے شیخ کے مکان میں داخل ہو اور شیخ کو وہاں نہ پاوے تو وہاں ادب کے ساتھ بیٹھے۔ گویا کہ شیخ اس کے سامنے موجود ہے۔

اور مرید پر شیخ کی اولاد کی اور اس کے اصحاب کی اور اس کے احباب کی اور اس کے اعزہ کی یہاں تک کہ جو چیز شیخ کے یہاں رہتی سہتی ہو مثلاً کوئی جانور وغیرہ پلا ہوا ہو ان سب کی تعظیم و تکریم لازم ہے۔ شیخ کی موجودگی میں بھی اور شیخ کے بعد بھی اور یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اسے خوش رکھیں۔

میں نے اپنے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان امور

تعالیٰ عن امور تعرض لی اخاف ان ذکرتها له ان یدخل علیه غم بسببها لما اعلم من شفقته واریدہ ذکرها له رجاء دعاءہ وحسن توجهاته مالادب فی ذلک فقال ذکرها ثم رایت بعد ذالك فی کلام شیخ شیخنا السید قصبی مانصه اذا طرقت المرید آفة فلیبادر الی شیخه فانه لن یصیب المرید افة مادام شیخه متوجها الیه +

کے متعلق جو مجھے پیش آئے اور مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر میں ان کا ذکر شیخ سے کرتا ہوں تو اسکی وجہ سے شیخ غمگین ہوں گے اس لئے کہ مجھے ان کی شفقت کا خوب اندازہ تھا لیکن میں نے یہ چاہا کہ ان کا تذکرہ شیخ سے کروں تاکہ مجھے دعا ہی دیدیں اور میری جانب توجہ فرمائیں (ان امور کے متعلق) میں نے سوال کیا کہ ایسی صورت میں کیا مناسب ہے؟ یعنی مجھے ذکر کرنا چاہیئے یا نہ کرنا چاہیئے تو شیخ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں بیان کر دینا چاہیئے۔ پھر اسکے بعد میں نے اپنے شیخ کے شیخ سید قصبی کے کلام میں یہ دیکھا کہ جب کسی مرید کو کوئی آفت پیش آئے تو فوراً اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو اسلئے کہ کبھی کسی مرید کو کوئی مصیبت نہیں پہونچتی جب تک کہ اس کا شیخ اس کی جانب متوجہ رہتا ہے۔ (اس لئے امید ہے کہ اس کی توجہ سے یہ مصیبت دور ہو جائے گی۔)

ومنها الصبر علی جفاء استاذہ له فلعله فعل ذلك لیمتحنه +

اور منجملہ آداب مریدین کے ایک ادب یہ ہے کہ اپنے شیخ کی سختیوں پر صبر کرے اسلئے کہ شاید اس نے اس کا امتحان لینے کے لئے ایسا کیا ہو۔

ومنها ان لا یفعل شیأ من امور الدنیا الا باذنه ولا یخرج عن اذنه ظاهراً وباطناً ولو بلغ[عله] غایة الکمال ولا یفارق مجلس ذکرہ او وعظه او درسه الا لضرورة ولا یتثاءب بحضرته وکذا لا یتربع ولا یستند الی شیء الا بامرہ ولا یاکل وهو ینظر الیه +

اور منجملہ آداب مریدین کے ایک ادب یہ ہے کہ دنیوی امور میں سے بھی کوئی کام بدون اسکی اجازت کے نہ کرے اور ظاہر و باطن میں اسکی اجازت سے تجاوز نہ کرے اگرچہ غایت کمال کو پہونچ جائے[عله] اور شیخ کے ذکر اور پند و نصیحت اور درس کی مجلس کو بلا ضرورت ترک نہ کرے اور اسکے سامنے جمائی نہ لے اسی طرح اسکے روبرو چہار زانو ہو کر نہ بیٹھے اور کسی چیز سے ٹیک نہ لگائے بدون اس کی اجازت کے اور اس کے سامنے کوئی چیز نہ کھائے۔

عله (قوله ولو بلغ غایة الکمال) یہ تو مصنف نے اسکے خلاف بات فرمائی جو پہلے فرما چکے ہیں کہ مرید جب کمال کے مرتبہ کو پہونچ جائے تو اسکو اپنے شیخ سے کسی معاملہ میں اجازت لینے کی حاجت نہیں اور نہ اب وہ اس کے احکام کا تابع ہوتا ہے۔ شاید یہاں خود فرماتے ہیں وہ اس شخص کیلئے ہو جس کا سلسلہ اخذ فیض ابھی اپنے شیخ سے منقطع نہ ہوا ہو ورنہ تو اس وقت اسکو فیض حق تعالیٰ ہی سے لینا چاہیئے نہ کہ شیخ سے۔

(افادہ)

اس مقام پر کتاب ہذا کا باب ثانی ختم ہوتا ہے جس میں مصنف نے مریدین کے آداب بیان کئے تھے اور اس سلسلے میں ایک جامع قول یہ بیان فرمایا تھا کہ ان لا یتصرف ولا یسکن الامایامرہ بہ شیخہٗ۔ یعنی مرید کا سب سے بڑا ادب یہ ہے کہ اپنے کو تصرف سے خالی کرے اور کسی چیز میں اس کے دل کو قرار نہ ہو بجز شیخ کے ارشادات کے۔ بلاشبہ یہ ایک جامع اصول ہے اور بہت سی جزئیات پر حاوی ہے اسی طرح سے آداب شیخ و مرید سے متعلق میں بھی ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتا ہوں غور سے سنیئے:۔

وہ قاعدہ یہ ہے کہ شیخ تعلیم و تربیت کے باب میں مستقل نہیں ہے بلکہ نائب اور پس رو ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور یہ اس لئے کہ خود ولایت ہی فرع ہے نبوت کی۔ لہذا مشائخ کے آداب بھی فرع ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کے۔ چنانچہ کتاب و سنت میں صحابہ کے جو آداب منقول ہیں یعنی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ حضرات اس طرح پیش آئے تھے تو علماء و مشائخ کے ساتھ ان کے مریدین اور مطیعین بھی صرف انھیں آداب کو برت سکتے ہیں۔ ان سے تجاوز کرنا جائز نہیں لہذا نہ تو کسی شیخ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے مریدین سے ایسے آداب کا خواہاں ہو جو حضرات صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں برتے باوجودیکہ ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا مانا ہے کہ کسی نے کسی کو اتنا نہیں مانا اور نہ مریدین ہی کے لئے جائز ہے کہ وہ مشائخ کی اتباع ان امور میں کریں جنمیں یہ حضرات خود متبع سنت نہیں ہیں۔

یہ ایک ایسا قاعدہ اور معیار ہے کہ اگر آج مشائخ اور مریدین اپنے اپنے آداب کو اس پر ڈھال لیں تو پھر کسی کو بھی اس تصوف پر انکار نہیں ہو سکتا۔ بات جو بگڑی ہے اور لوگوں کو تصوف پر انکار و اعتراض جو ہوا ہے وہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ ساتھ مشائخ کا بھی طور طریق جاری ہو گیا جس کا ضرر یہاں تک پہونچا کہ طریقت ایک مستقل شے ہو کر شریعت کے مقابل آگئی چنانچہ زبانوں پر یہ مقولہ آنے لگا کہ طریقت اور ہے اور شریعت اور ہے۔ حالانکہ علماء نے فرمایا ہے کہ یہ کلمہ کفر ہے۔

دین خدا کا ہے اور شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہے اصل متبوع حضور ہی ہیں اور علماء و مشائخ کی جو اتباع کی جاتی ہے تو اسی لئے کہ یہ حضرات متبع سنت اور پابند شریعت ہوتے ہیں اسلئے شیخ کو سب سے پہلے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ہم نائب ہیں اور اگر بر بنائے بشریت و عدم عصمت اس سے کوئی کام خلاف شرع ہو جائے تو اسے اپنی غلطی کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اور لوگوں سے (اگر ان کو بھی اس غلطی کا علم ہو جائے) یہ کہنا ہوگا کہ ہم سے اس باب میں غلطی ہوئی اور شریعت کا حکم اس موقع پر یہ تھا۔ دین کا انقیاد کرنا ہوگا اور شریعت سے منازعت اس کے لئے جائز نہ ہوگی یہ معیار ہے کسی کے شیخ کامل ہونے کا۔

مثال کے طور پر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ملا حسام الدین محتسب نے حضرت کی خدمت میں سماع اور وجد چھوڑنے کے بابت ایک فرمان شرعی بھیجا حضرت قطب العالم نے قبول فرمالیا جب دو تین روز اسی طرح گذر گئے کہ حضرت نے نہ اس زمانہ میں گانا سنا اور نہ آپ کو وجد ہوا۔ اہل قصبہ نے طعنہ زنی شروع کی اور کہا کہ حضرت نے شیخ اودھر کی سزا کے خوف سے گانا بجانا اور وجد چھوڑ دیا اور توبہ کرلی۔ بعض لوگوں نے حضرت کی خدمت میں یہ ماجرا عرض کیا۔ کہ لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ "ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کی اولاد ہیں۔ شریعت کے حکم کو ہم نے مان لیا اور قبول کرلیا" سبحان اللہ حضرت کے جواب سے کس قدر فتویٰ شرعی کا انقیاد معلوم ہوتا ہے۔ اصل بزرگی یہی ہے۔ شیخ خود بہت بڑے عالم تھے۔ لیکن محتسب کے احتساب پر فوراً سماع کو ترک فرمادیا۔

دوسرا واقعہ سنئے۔ توکل شاہ صاحب ایک بزرگ تھے۔ کتا پالے ہوئے تھے۔ حدیث شریف میں کتا پالنے کی ممانعت آئی ہے کہ جس گھر میں کتا ہوتا ہے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں داخل ہوتے۔ ان بزرگ کے یہاں کوئی عالم صاحب تشریف لے گئے۔ اور ان کے کتا پالنے پر نکیر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ان کی زبان سے یہ سنتے ہی شاہ صاحب نے کتے سے فرمایا کہ بھیا تم یہاں سے چلے جاؤ۔ مولوی صاحب کہہ رہے ہیں کہ نبی صاحب نے کتا پالنے کو منع فرمایا ہے۔ یہ سننا تھا کہ کتا اٹھا اور ایک طرف کو چلدیا۔ پھر اس کے بعد کسی نے اس کتے کو دیکھا ہی نہیں۔ معلوم نہیں کسی اور شہر میں چلا گیا یا کہیں ڈوب کر مر گیا۔ اس واقعے سے بتلانا یہ مقصود ہے کہ جو حضرات کہ متبع سنت ہوتے ہیں وہ ہر ہر موقع پر سنت اور شریعت ہی کو مقدم

رکھتے ہیں۔ یہاں بھی شاہ صاحب کے لئے گنجائش تھی کہ ان عالم سے فرمادیتے کہ میں نے ضرورۃً بال رکھا ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں جہاں ممانعت آئی ہے وہیں حراست یا تنکار کا استثنا بھی آیا ہے۔ لیکن ان بزرگ نے شریعت کا حکم سنکران عالم سے منازعت بھی گوارا نہ کی۔ اور فوراً کتے کو باہر نکال دیا۔

اس قسم کے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ اہل حق کے نزدیک کتاب و سنت سب سے مقدم چیز ہے اور ان حضرات نے قولاً و لساناً اس کا اعتراف بھی کیا ہے کہ ہمیں طریق میں جو کچھ ملا ہے وہ اتباع صادق ہی سے ملا ہے۔ چنانچہ علامہ شعرانی الیواقیت والجواہر میں کرامات الاولیاء کے مبحث میں لکھتے ہیں کہ نحن مع الرسل فی خرق العوائد التی یختص بہا ورثناھم فیہا بحکم صدق التبعیۃ لاغیر یعنی رسولوں کے ساتھ ہمارا معاملہ ان خوارق میں جو ان کے ساتھ مخصوص تھے اور جنھیں ہم نے ان سے وراثۃً پایا ہے یہ ہے کہ ہم نے اسکو ان کی سچی اتباع کی بدولت پایا ہے۔ اسی طرح سے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ وتقدم فی مبحث المعجزات تقیید قولھم ما کان معجزۃ لنبیّ جاز ان یکون کرامۃ لولیٍّ بما اذا اظہر الولی الکرامۃ بحکم التبع لا بحکم الاستقلال من غیر اتباع للمشروع یعنی پہلے معجزات کی بحث میں ہم کہہ آئے ہیں کہ مشائخ کا یہ قول جو مشہور ہے کہ جو چیز کسی نبی سے بطور معجزہ کے صادر ہو تو جائز ہے کہ وہی چیز ولی سے بطور کرامت کے صادر ہو تو یہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ ولی سے وہ کرامت نبی کی تبعیت کے طور پر ہو یعنی بطور استقلال کے نہ ہو اور استقلال کا مطلب یہ ہے کہ وہ متبع شریعت نہ ہو۔

دیکھئے علماء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ جس طرح ولایت مستقل چیز نہیں ہے اور ولی مستقل نہیں ہوتا اسی طرح سے کرامت بھی مستقل نہیں ہے اور جس طرح ولایت نبوت کے تابع ہے اسی طرح کرامت بھی معجزہ کی فرع ہے غرض مستقل نہ ولی ہے نہ ولایت ہے اور نہ کرامت ہے اور جس کو یہاں استقلال کہا گیا ہے صاحب روح المعانی نے اسی کو استبداد سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ آیت یا ایھا الذین آمنوا لاتقدموا بین یدی اللّٰہ ورسولہ کے تحت فرماتے ہیں کہ فالنھی عن الاستبداد بالعمل فی امر دینی لامطلقاً من غیر مراجعۃ الی الکتاب والسنۃ یعنی آیت بالا میں اللہ اور رسول کے حکم پر تقدیم سے جو منع فرمایا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی معاملہ میں ان کے حکم سے تجاوز نہ کرو اور کسی عمل میں مستقل نہ ہو تو یہ استبداد بالعمل جو منع ہے تو

دین میں منع ہے مطلقاً نہیں اور استبداد بالعمل یہ ہے کہ کتاب و سنت کی جانب مراجعت کئے بغیر اپنی طبیعت سے جو چاہے کرے۔

دیکھا آپ نے استبداد اور استقلال کی قباحت نص میں وارد ہے لیکن آج یہ ہوگیا ہے کہ مشائخ مستقل بن بیٹھے ہیں اور ان کی سنت واجب العمل قرار پاگئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت متروک ہوگئی ہے یہ ایک ایسی بدعت اور بنیادی خرابی پیدا ہوگئی ہے جسکی وجہ سے تصوف ہی بدنام ہوگیا ہے چنانچہ تصوف کی کتابوں میں جہاں بہت سی اچھی اچھی اور کام کی باتیں موجود ہیں وہیں اس قسم کے واقعات اور حالات بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ حضرات اپنے کو مستقل سمجھتے ہیں اسی چیز نے بہت سے علماء کو مشائخ کا مخالف اور تصوف کا منکر بنادیا اس لئے کہ ان کے سامنے جب اس قسم کے واقعات آئے جو بالکل خلاف شرع ہیں تو انھوں نے سمجھا کہ یہ لوگ تو دین ہی کو ڈھادیں گے کیونکہ ایک فعل جس کا کرنا بلکہ اس کا زبان پر لانا بھی شریعت میں منع ہو اسی کو یہ حضرات مرید کی عقیدت کا امتحان لینے کے لئے پیش کر رہے ہیں اور پھر اس پر مرید کی تعریف و تحسین بھی فرمائی جارہی ہے تو اس سے انھوں نے سمجھا کہ ان لوگوں کی لائن ہی بدل گئی ہے اور راستہ سنت کے خلاف اختیار کیا گیا ہے اور بات بھی یہی ہے کہ کوئی شخص جب بداعتقادی کا کام کرے گا تو لوگ ضرور اس سے بداعتقاد ہوں گے پس کھلم کھلا کسی کو شریعت کے خلاف کام کرتے ہوئے دیکھ کر اس سے بداعتقاد ہوجانا کچھ برا نہیں ہے بلکہ شریعت کے ساتھ عین اعتقاد ہے اور دین سے محبت کی دلیل ہے اسی لئے میں کہتا ہوں کہ جس طرح مرید کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ شیخ کے ساتھ اعتقاد رکھے اسی طرح مشائخ بھی اس کے مکلف ہیں کہ کوئی کام بداعتقادی کا نہ کریں۔ اور اگر کوئی ایسی چیز وقوع میں آہی جائے جس سے دوسروں کو کچھ شبہہ یا غلط فہمی پیدا ہو تو مشائخ کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے اس فعل کی وجہ بیان کردیں نہ یہ کہ اس سے یہ کہیں کہ "میں جانتا ہوں کہ تم نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا ہے جب کہ میں فلاں عورت کے ساتھ مرتکب زنا ہوکر فاسق ہوگیا تھا کیونکہ جس طرح شریعت میں معصیت حرام ہے اسی طرح اظہار گناہ بھی گناہ ہے اور جس طرح فسق کرنا برا ہے اسی طرح مواقع تہمت سے بچنا بھی ضروری ہے۔

احیاء العلوم میں ہے کہ شریعت نے تہمت کے موقعوں میں پڑنے سے بھی منع کیا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ اور نہ یہ کہ صرف ارشاد ہی

فرمایا بلکہ آپ کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔ علی بن حسینؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ بنت حییؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے۔ میں آپ سے کچھ گفتگو کرنے کے لئے مسجد گئی جب شام ہوئی اور میں گھر آنے لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھڑے ہوئے اور ہمارے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہوئے اتنے میں انصار کے دو شخص پاس سے گذرے سلام کیا اور آگے بڑھ گئے۔ آپ نے ان دونوں کو بلایا اور فرمایا کہ یہ بی بی جو میرے ساتھ ہیں میری زوجہ صفیہ بنت حیی ہیں ان دونوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم تو آپ کے ساتھ خیر ہی کا گمان رکھتے ہیں آپ نے فرمایا پھر کیا ہوا بلاشبہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے اور مجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں تم دونوں میں سے کسی کے قلب میں وہ کوئی وسوسہ نہ ڈالے (جسکی وجہ سے تم ہلاک ہو جاؤ) اس کے بعد امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

فانظر کیف اشفق صلی اللہ علیہ وسلم علی دینھما فحرسھما وکیف اشفق علی امتہ فعلمھم طریق الاحتراز من التھمۃ حتی لایتساھل العالم الورع المعروف بالدین فی احوالہ فیقول مثلی لایظن بہ الا الخیر اعجابا منہ بنفسہ + (احیاء العلوم صفحہ ۲۷ ج ۳)

دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے دین پر کیسی شفقت فرمائی کہ ان دونوں کو سوء ظن سے بچا لیا۔ اور دیکھو آپ نے امت پر کیسی شفقت فرمائی کہ ان کو تہمت سے بچنے کا طریقہ تعلیم فرمادیا تاکہ کوئی عالم۔ پرہیزگار جس کو دین کا خیال ہو وہ سستی نہ کرے یعنی عجب و ناز میں آکر یہ نہ کہنے لگے کہ مجھ جیسے شخص سے تو لوگ اس باب میں بدگمانی کریں گے نہیں لہٰذا اس فعل میں کیا مضائقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سدباب فرمادیا۔

دیکھئے اس میں امام غزالی تصریح فرما رہے ہیں کہ تہمت کے موقعوں سے بچنا اور دوسروں کو بدگمانی سے بچانا یہی طریق سنت ہے اب اہل طریق کا انہیں سب نصوص پر عمل نہیں رہا اسلئے لوگوں میں طریق کا انکار پیدا ہو گیا ورنہ اصل میں تو تصوف راہ صفا اور طریق سنت ہی کا نام تھا۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ؎

میندار سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز برپئے مصطفےٰ

(وفی نسخۃ) محال است سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز برپئے مصطفےٰ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

کتاب وسنت پر عمل کرنے کے تو ہم مکلف ہیں باقی اس کے مکلف نہیں ہیں کہ کسی عالم یا بزرگ کا اتباع ہر ہر جزئی میں کریں اگرچہ وہ خلاف شریعت ہی کیوں نہ ہو۔ زیادہ سے زیادہ ایسے مواقع پر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ان حضرات کے اس قسم کے اقوال وافعال کی تاویل کرلیں بشرطیکہ اپنے عام حالات میں ان کا متبع سنت ہونا ثابت ہو چکا ہو اور اس کے مکلف ہیں کہ ان کے ساتھ حسن ظن رکھیں نہ ان پر سب وشتم کریں اور نہ ان کی عیب جوئی کریں۔ دل سے ان کا احترام کریں۔ لیکن اس خاص قول وفعل میں جو سنت کے خلاف ہے ان کا اتباع بھی نہ کیا جائے گا۔

یہی وہ قاعدہ کلیہ تھا جسے آداب شیخ والمرید کے بیان کے سلسلہ میں میں بھی بیان کرنا چاہتا تھا۔ اس سے ان تمام اشکالات کا جواب ہو جاتا ہے جو مشائخ کے قول وفعل پر کئے جاتے ہیں میں نے اس سے قبل باب کے درمیان میں کہیں کہیں اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے اور اب اخیر میں اس پر مفصل کلام اسلئے کردیا تاکہ مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

مزید توضیح کے لئے اس موقعہ پر مصنفؒ کا بیان کردہ ایک ادب بیان کرتا ہوں اور اس پر کلام کرتا ہوں۔ مثلاً مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے آداب مریدین میں سے ایک ادب حفظ وامانت بھی بیان فرمایا تھا اور اس سلسلے میں ایک حکایت بیان کی ہے کہ کوئی شخص شیخ سے سر کا طالب ہوا شیخ نے فرمایا کہ تم امین نہیں ہو اس لئے اس کے اہل نہیں ہو اس نے امانت کا دعوی کیا اس پر شیخ نے اسکا امتحان لیا اس میں تو کوئی شک نہیں کہ امتحان نہایت ہی پُرلطف اور بہت ہی خوب تھا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس قسم کا امتحان شرعاً بھی جائز ہے یا نہیں ؟ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ مرید کا تو امتحان پیر کے سامنے ہر آن ہی ہوتا ہے یعنی اس کے قول وفعل وحال سے شیخ سمجھ لیتا ہے کہ یہ ناقص ہے یا کامل۔ باقی ایسے مواقع بہم پہونچانا اور ایسے افعال کرنا کہ جن سے مرید بدظن اور بدعقیدہ ہو جائے بلکہ شیخ کے مدمقابل ہو کر اس پر جری ہو جائے یہ تو کسی طرح بھی جائز نہیں۔

چنانچہ یہاں بھی مرید کے امتحان کا اثر اچھا نہیں پڑا۔ یوں بزرگوں نے مریدوں کے امتحان بھی لئے ہیں لیکن حدود کے اندر رہتے ہوئے۔ مثلاً ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کو کسی رافضی نے جھک کر فرشی سلام کیا (یعنی جھک کر زمین کے قریب تک ہاتھ لے گیا اور پھر کھینچتے ہوئے اٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھ لیا) ان بزرگ نے اس پر اسے ٹھینگا دکھا دیا اس کے بعد اس شخص نے ان کی خدمت میں اشرفی پیش کی ان بزرگ نے اسے منہ چڑھا دیا لوگوں نے عرض کیا حضرت جواب کی حقیقت نہیں سمجھ میں آئی

آخر اس طرح جواب دینے میں کیا راز تھا۔ فرمایا کہ میں نے اس کے تکلفات کی اصلاح کرنی چاہی تھی اس لئے اس انداز سے اس نے مجھے جب سلام کیا اور پھر اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ میں نے اسے اس پر محمول کیا کہ وہ مجھ سے یہ کہہ رہا ہے کہ میری تو قسمت پھوٹ گئی تو میں نے اسے ٹھینگا دکھا دیا کہ تیری قسمت پھوٹ گئی تو میرے ٹھینگے سے اس کے بعد اس نے اشرفی پیش کی۔ میں نے یہ خیال کیا کہ ظاہر میں تو یہ مجھے دے رہا ہے لیکن دل سے مجھے مانتا نہیں اس لئے میں نے بھی اسکو منہ چڑھا دیا اور یہ سب اس لئے کیا تاکہ یہ معلوم کریں کہ اس کا کیا اثر لیتا ہے۔ دیکھئے یہاں ان بزرگ نے بھی اس شخص کے اعتقاد کا امتحان لیا لیکن کوئی چیز ایسی نہیں کی جو کہ خلاف شرع ہوتی۔

اسی طرح سے شاہجہاں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کی خدمت میں جایا کرتے تھے ایک مرتبہ ان کے ساتھ ایک عالم بھی تشریف لے گئے حضرت پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے۔ ان حضرات کے پہونچنے کے بعد بھی اسی طرح بیٹھے رہے ان عالم کو ناگوار ہوا۔ بادشاہ کو بدظن کرنے کے لئے حضرت سے پوچھا کہ حضرت نے یہ پاؤں کب سے پھیلا رکھے ہیں۔ حضرت نے برجستہ جواب دیا کہ جب سے ہاتھ سکوڑ لئے ہیں۔ نہایت ہی لطیف جواب دیا اس پر ان عالم صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اپنے سے طمع کی نفی فرما رہے ہیں؟ حالانکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ یشیب ابن آدم ویشب فیہ خصلتان الحرص وطول الامل یعنی انسان بوڑھا ہوتا ہے اور دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی ہیں۔ ایک حرص دوسرے طول امل۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی جوان تو وہ ہو جو پہلے کبھی پیدا بھی ہوئی ہو اور میرے اندر حرص کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی پھر وہ جوان کیا ہوتی۔ یہ جواب سن کر عالم صاحب خاموش ہو گئے۔

مجھے اس واقعہ سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شیخ نے بادشاہ کے سامنے پاؤں قصداً پھیلا رکھے ہوں تاکہ اس کا کسر نفس ہو اور شیخ کی عظمت و جلالت اس کے قلب میں جاگزیں ہو اور اپنی بڑائی اور انانیت سر سے نکلے اس لئے ان عالم صاحب کا اعتراض صحیح نہیں تھا بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ انھیں اعتراض کرنا بھی نہ آیا اگر وہ ان بزرگ سے یہ فرماتے کہ آپ نے ہاتھ سکوڑنے کے متعلق جو فرمایا ہے تو یہ بہت خوب ہے زہد و ترک دنیا ہے لیکن بادشاہِ وقت کے سامنے اس طرح سے جو آپ پاؤں پھیلائے ہوئے ہیں تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ توقیر سلطان اور اکرام مسلم کے خلاف ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نشست کے ساتھ کبھی صحابہ کے درمیان نہیں بیٹھے لہٰذا آپ کے اس عمل کی وجہ سے آپ سے کئی سنتیں متروک ہو گئیں۔ یہ بات اگر وہ عالم صاحب فرماتے

توشاید وہ بزرگ لاجواب ہوجاتے۔

غرض مرید تو ہر وقت امتحان ہی میں رہتا ہے اب اس کے لئے امتحان کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یوں تو شیخ کو اجازت ہے کہ وہ مرید کے صدق واخلاص وعقیدت کا امتحان لے۔ لیکن نہ ایسے طریقوں سے کہ جو بظاہر موحش ہونے کے علاوہ خلاف شرع بھی ہوں۔

دوسری بات مصنف رح نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر کسی وجہ سے مرید کے قلب سے شیخ کی عظمت کم ہوجائے اور اس کا اعتقاد جاتا رہے تو اس کے بعد اس کے پاس رہنا نفاق ہے اس کو کہیں اور چلا جانا چاہیئے۔

میں کہتا ہوں کہ ابھی ابھی تو یہ ادب بتایا گیا ہے کہ مرید کے لئے جائز نہیں کہ مشائخ میں عصمت کا عقیدہ رکھے جب یہ بات ہے تو اب اگر کسی مرید کے قلب میں شیخ کے کسی فعل کی وجہ سے کوئی وسوسہ اور بدعقیدگی پیدا ہوجائے۔ تو اسکو سمجھنا چاہیئے کہ یہ اسی کا نقص ہے چنانچہ اسکی اصلاح کرنی چاہیئے یہ نہیں کہ وہ شیخ کے پاس سے بھاگ جائے یا شیخ ہی اسکو نکال دے۔ اسلئے کہ جب یہ معلوم ہے کہ شیخ معصوم نہیں ہوتا تو پھر اس سے اگر کوئی بات سرزد ہوگئی تو تعجب ہی کیا ہے۔ معصوم نہ ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ معصیت اس سے صادر ہوسکتی ہے۔ اور یہ عیب نہیں عیب جو ہے وہ یہ کہ کسی غیر معصوم سے کوئی معصیت صادر ہو اور وہ اس سے توبہ بھی نہ کرے بلکہ مصر رہے تو یہ چیز تو ایک مومن کی شان سے بعید ہے، چہ جائیکہ کسی شیخ کامل سے۔ مرید اگر اس طرح سے کسی ایک بات کو دیکھ کر شیخ سے بدعقیدہ ہوجائے گا اور اسکو ترک کردیگا تو دوسرے جس کسی کے پاس جائیگا تو وہ بھی تو معصوم نہ ہوگا یا لفرض اس سے بھی کوئی معصیت صادر ہوئی۔ تو اسکو چھوڑ کر تیسرے کے پاس جائیگا۔ ہمچنیں سلسل پس اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ اصلاح سے محروم رہ جائے اس لئے یہ اصول ہی غلط ہے کہ شیخ کی معصیت دیکھ کر اس کے پاس سے بھاگ جائے۔ معصیت کا تعلق خدا کے ساتھ ہے وہ اگر شیخ سے ہوئی ہے تو وہ استغفار کریگا۔ مرید کو اس میں دخل دینے کی کیا ضرورت۔ جس معاملہ میں یہ اس کا محتاج ہے یعنی تعلیم وتربیت اس میں تو وہ کامل ہی ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے عیوب دیکھنے کے بجائے اپنے عیوب کو دیکھے اور ان کی اصلاح کرے۔ اور اس کے لئے عدم عصمت کا اعتقاد کافی ہے۔ شیخ کا مرید کے سامنے معصیت کرکے تجربہ کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ جائز بھی نہیں۔

علماء تصوف نے اس مسئلہ کو کتابوں میں نہایت واضح اور مدلل بیان کیا ہے چنانچہ رسالہ

قشیریہ میں ہے۔ ولا ینبغی للمرید ان یعتقد فی المشائخ العصمۃ بل الواجب ان یذرھم واحوالھم فیحسن بھم الظن۔ یعنی مرید کو نہ چاہیئے کہ مشائخ کے بارے میں عصمت کا عقیدہ رکھے بلکہ واجب ہے کہ ان کو اور ان کے احوال کو چھوڑ دے تاکہ ان کے ساتھ حسن ظن باقی رہے۔

محشیؒ لکھتے ہیں کہ مشائخ میں عصمت کا عقیدہ نہ رکھے یعنی مشائخ کو معصوم نہ سمجھے۔ اگرچہ یہ حضرات محفوظ ہوتے ہیں اور عصمت کا عقیدہ اس لئے نہ رکھے کہ اول تو یہ واقعہ کے بھی خلاف ہے (کیونکہ یہ لوگ معصوم نہیں پس انھیں معصوم سمجھنا غیر معصوم کو معصوم سمجھنا ہوگا) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ مفضی ہوگا ان سے نفرت کی جانب اور ان سے عدم انتفاع کی جانب جبکہ ان سے کوئی گناہ صادر ہوگا۔ (کیونکہ بزعم خود جب یہ انھیں معصوم سمجھے گا۔ اور فی الواقع وہ لوگ معصوم ہونگے نہیں لہٰذا جب ان سے کوئی گناہ صادر ہوگا تو مریدین کو ان سے نفرت ہوگی وہ بدعقیدہ ہوجائیں گے اور یہ سبب بن جائے گا ان سے عدم انتفاع کا) باقی عصمت میں اور حفظ میں فرق یہ ہے کہ عصمت منع کرتی ہے جواز وقوع ذنب کو اور حفظ اسکو منع نہیں کرتا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں محفوظ رکھتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اسکی حفاظت ترک فرمادیتے ہیں۔ اور وجہ اس کی کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں یعنی ان سے گناہ صادر ہی نہیں ہوسکتا اور اولیا محفوظ ہوتے ہیں یعنی ان سے گناہ صادر ہوسکتا ہے) یہ ہے۔ کہ اولیاء کی لغزش قواعد دین کے لئے قادح نہیں۔ بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ ان کے معجزات دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جن باتوں کی وہ خبر دے رہے ہیں یا خود کر رہے ہیں اس میں وہ خطا سے معصوم ہیں۔ (پس ان سے معصیت کا صدور ہدایت میں قادح ہوگا اور اولیاء کی خطا دین میں قادح نہیں ؛

پس جب ولی کے متعلق عصمت کا عقیدہ ہی رکھنا منع ہے تو پھر اس کی لغزش پر انسان بدعقیدہ ہی کیوں ہو چونکہ وہ معصوم نہیں ہوتا۔ اس لئے اس سے گناہ بھی صادر ہو جاتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نہ جانے کیا کیا مصلحتیں ہوتی ہیں۔ ہاں چونکہ وہ محفوظ ہوتا ہے اس لئے وہ اس پر قائم نہیں رہے گا بلکہ فوراً توبہ کرے گا۔ اور استغفار کر کے اپنے گناہوں کو معاف کرائے گا۔ میرے نزدیک محفوظ ہونے کا یہی مطلب ہے۔ کہ معصیت پر اصرار نہ ہو اور توبہ کی توفیق ہو جائے۔ تاکہ اس کے اثر و ضرر سے محفوظ رہے۔

حاصل یہ کہ اس قسم کے اصول طریق مشائخ نے مقرر کئے ہیں۔ مریدین کو ان کا بتادینا اور

سمجھا دینا ضروری ہے لیکن اس قسم کا عملی امتحان جس میں شیخ کوئی معصیت کر کے دکھائے ہرگز جائز نہیں۔ اور کرنا تو بعد کی بات ہے ان کا زبان پر لانا بھی جائز نہیں۔ احترام شرع کے بالکل خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں ایک بات یہ سمجھئے کہ شیخ کے جتنے بھی آداب ہیں وہ اسی وجہ سے ہیں کہ وہ ایصال الی اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو شیخ اس منصب میں جس قدر بڑا ہوتا ہے یعنی اس کے ذریعہ جس قدر زیادہ لوگ اللہ تعالیٰ کا راستہ پکڑتے ہیں اور خدا تک پہونچتے ہیں اسی قدر زیادہ وہ احترام اور آداب کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا کسی شیخ کا ادب (اس اعتبار سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ تک پہونچاتا ہے اور عبد و معبود میں رابطہ قائم کر دیتا ہے) جتنا بھی زیادہ کیا جائے کم ہے اور اس کے منصب کا حق ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھنا ضروری ہوگا کہ شریعت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی بھیجی ہوئی ہے لہٰذا وہ بھی قابل احترام اور واجب التعظیم چیز ہے۔ پس کسی شیخ کا ادب اور تعظیم اس طور پر کرنا جس میں شریعت سے مزاحمت اور اس کے حدود سے تجاوز ہو جائے جائز نہ ہوگا۔ البتہ شریعت کی حد میں رہتے ہوئے مشائخ کے ساتھ تعظیم کا جو بھی معاملہ کیا جائے سب جائز ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اسلئے کہ اہل اللہ کی تعظیم بعینہ اللہ کی تعظیم ہے۔ پس ان حضرات کا ادب للہ فی اللہ سمجھا جائیگا۔

شیخ کی خوشنودی مطلوب ہے اس لئے کہ وہ اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے کیونکہ اہل طریق فرماتے ہیں کہ ربط قلب بالشیخ واسطہ ہے ربط قلب باللہ کا لہٰذا جتنا ربط قلب بالشیخ زیادہ ہوگا اسی قدر ربط قلب باللہ بھی حاصل ہوگا اسی لئے حضرات مشائخ نے مرید کے لئے حفظ قلوب مشائخ ضروری قرار دیا ہے اور ان کی بے ادبی کو موجب حرمان و خسران سمجھا ہے یعنی کسی شیخ کے حقوق کا لحاظ اگر اول ہی دن سے نہ کیا تو ظاہر ہے کہ اس کے فیض سے بالکل محرومی رہے گی۔ اس کا نام حرمان ہے اور اگر ادب کرتے کرتے درمیان میں بے ادبی صادر ہو گئی تو یہ سبب بن جائیگا اس کے خسران کا اور حرمان ہو یا خسران دونوں ہی قابل اجتناب چیزیں ہیں۔

اسی قاعدہ کے پیش نظر مشائخ محققین نے ہر دور میں مریدین سے ادب کا مطالبہ کیا ہے چنانچہ اس قریبی دور میں حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رح کے یہاں جو قواعد و ضوابط تھے جس کے متعلق بہت سے لوگ یوں سمجھتے تھے کہ حضرت کے یہاں بہت سختی ہے۔ آپ سے کہتا ہوں کہ

در اصل سختی وغیرہ کچھ نہ تھی حضرت بس یہ چاہتے تھے کہ لوگوں سے مشائخ کا ادب فوت نہ ہوتا کہ یہ چیز سبب نہ بن جائے ان کی محرومی کا اس لئے ہر شخص سے آداب کا مطالبہ تھا جو کہ بہت سے لوگوں پر ان کی طبیعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاق تھا اور سختی معلوم ہوتی تھی۔

اور اس میں کچھ مولانا تھانویؒ ہی کی خصوصیت نہ تھی بلکہ پہلے بھی کبھی مشائخ نے مریدین کے لئے بے ادبی کو پسند نہیں کیا اس لئے کہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر اس سے ادب فوت ہوا اور اس کی طبیعت میں بے اصولی آئی تو یہی چیز اسکو کبھی پہنچنے نہ دیگی اور بزرگوں کے فیض سے ہمیشہ محروم رکھے گی جیسا کہ حضرت مرزا جانجاناںؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنے آپ کو حضرت نور محمد بدایونی مریدوں میں سے بیان کرتا تھا ایک دن اس شخص نے بدبختی میں آکر آنحضرت کے حضور میں سخت بے ادبی کی اور بہت برا بھلا کہا جس کے جواب میں آپ نے کچھ نہ فرمایا دوسرے دن وہ شخص حاضر ہوا تاکہ آنحضرت سے توجہ اور فائدہ حاصل کرے میں نے (مرزا) چاہا کہ اس کو سزا دوں۔ آنحضرت نے مجھ کو منع کیا اور اس شخص پر اس طرح متوجہ ہوئے جس طرح دوسرے مخلصوں پر توجہ فرمائی تھی۔ فقیر اس بات سے بہت تنگ دل ہوا اور اسکو تمام مخلصوں کے برابر سمجھنے کے باعث آنجناب کی خدمت میں ملتمس ہوا تو فرمایا کہ مرزا صاحب اگر میں اسکو سرزنش یا ملامت کرتا اور توجہ نہ دیتا تو مجھ سے اللہ تعالیٰ پوچھتا کہ میں نے تیرے سینے میں ایک نور امانت رکھا تھا اور میرے بندوں میں سے ایک اس نور کو طلب کرنے آیا تونے کیوں اسکو محروم رکھا تو اس وقت کیا میں یہ جواب دیتا کہ الٰہی اس نے مجھے گالی دی تھی اسلئے میں نے اسکو محروم رکھا اور کیا یہ جواب قبول ہوتا۔ کچھ مدت تک میں تنگدلی کے ساتھ خاموش رہا۔ تھوڑے دنوں بعد آنحضرت نے فرمایا کہ اے بچہ اگرچہ میں نے اسکو مخلصوں کی طرح توجہ دی ہے۔ مگر حق تعالیٰ منافق کو کب مخلص کے برابر جانتا ہے واللہ یعلم المفسد من المصلح۔ کام کی حقیقت خدا کے ہاتھ میں ہے فیض صرف مخلص اور مودب دوستوں کو پہونچتا ہے۔

(تحفۃ السالکین ترجمہ ارشاد الطالبین صفحہ ۳)

اسی طرح کے اور بھی واقعات ہیں چنانچہ اسی کی مثال عبد اللہ ابن ابی منافق کا قصہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے روکا کہ یا رسول اللہ یہ وہی شخص ہے جس نے آپ کے ساتھ ایسی ایسی بے ادبی کی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے بھی فرمادیا ہے کہ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔

یعنی آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستّر بار بھی مغفرت طلب کرینگے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہ فرمائیں گے اس پر گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں ستر سے زائد بار استغفار کروں گا اسکی نماز جنازہ پڑھی لیکن منافق کے حق میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا استغفار قبول نہ فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔ یعنی ان میں سے کسی کے لئے کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیے اور ان کی قبر پر نہ کھڑے ہویئے اور ایک آیت اور نازل ہوئی سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔ اس آیت کے نزول کے بعد پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے باوجود اس کی بے ادبی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا اس کے حق میں قبول نہیں فرمائی۔ بس یہی واقعہ سند ہے اس کا کہ مشائخ کے ساتھ بے ادبی کرنے والا بھی ان کے فیض سے محروم رہتا ہے۔

اس جگہ ایک بات اور سمجھئے وہ یہ کہ جس طرح سے کہ بے ادب خود محروم رہتا ہے اسی طرح سے باادب کامیاب بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کے حالات سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً اور پھر آپ کے واسطے سے امت کو ثانیاً یہ تعلیم فرمائی کہ وہ مؤدب اور مخلصین کو قریب کریں اور ان کی رعایت کریں اور غیر مخلص اور بے ادبوں کی جانب التفات نہ کریں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔ یعنی آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو کہ صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اسکی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیے جسکے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا حال حد سے گذر گیا ہے۔ سورۂ کہف

حضرت مولانا تھانوی رح نے مسائل السلوک میں فرمایا ہے کہ قولہ تعالیٰ ولا تعد عینٰک

عنھم الخ اس میں پیروں کو حکم ہے کہ طالبین پر توجہ رکھیں اور ان سے اکتائیں نہیں۔ وقولہ تعالیٰ ولا تطع من اغفلنا الخ اس میں محجوبین و غافلین کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدائی قانون یہ ہے کہ مخلصین و طالبین کو قریب کیا جائے اور ان کی جانب توجہ رکھی جائے۔ اور غیر مخلصین اور طالبین کا یہ حکم نہیں۔

حاصل اس تمامتر گفتگو کا یہ ہے کہ مشائخ کی تعظیم و تکریم اور ان کا ادب و لحاظ نہایت ضروری ہے بلکہ کلید کامیابی ہے اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ تعلق مع اللہ کا اصل اور قریب ترین راستہ یہی ارتباط قلب بالشیخ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ نے ہر زمانہ میں اپنے پاس آنے جانے والوں کو ادب سکھانے کا اہتمام کیا ہے اور ان میں ادب دیکھنا چاہا ہے اسی سلسلہ میں کبھی کبھی ان کا امتحان بھی لیا ہے۔ مشائخ اہل حق کا خلفاً عن سلف اسی پر عمل رہا ہے۔ چنانچہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح کا واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دن انھوں نے بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میاں فرید سنا ہے شہر میں کوئی بزرگ آئے ہوئے ہیں جن کے آگے آگے ایک نقیب یہ صدا لگاتا چلتا ہے کہ جو شخص حضرت کی زیارت کرے وہ جنتی ہے بابا فرید نے عرض کیا کہ جی ہاں سنا تو میں نے بھی ہے حضرت نے فرمایا کہ پھر تم نے ان کی زیارت کیوں نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنے کسی بندے کو یہ درجہ عطا فرمادیں تو اس میں کچھ تعجب نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کے ساتھ یہی معاملہ ہو۔ عرض کیا کہ آپ نے بھی تو زیارت نہیں کی۔ اب اگر میں ان کی زیارت کر کے جنت میں چلا جاؤں اور آپ کا جنتی ہونا یقینی نہیں نیز آپ نے ان کی زیارت بھی نہیں کی ہے اس لئے اگر آپ بالفرض جنت میں نہ داخل ہوئے تو پھر میں ایسی جنت کو لیکر کیا کروں گا جس میں آپ ہی نہ ہوں اور اس میں مجھے کیا خوشی اور راحت ملیگی۔

مرید رشید کا یہ جواب سنکر حضرت بختیار کاکی رح پر ایک حال طاری ہوگیا۔ فرمایا کہ اچھا وہ بزرگ تو یہ کہتے ہیں کہ جو میری زیارت کرلے وہ جنتی ہوگا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص تمہاری قبر کی زیارت کریگا وہ جنتی ہے۔

دیکھا آپ نے یہ تھا مرید کا امتحان۔ ایسا امتحان لینا جائز ہے (ناقل عرض کرتا ہے مریدین کے اعتقاد کا اس نوع کا امتحان حضرات مشائخ کی طرف سے برابر لیا جاتا ہے چنانچہ ایک مولوی صاحب نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ ابتدا میں جب میں نے حضرت والا مدظلہ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہا تو اس وقت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے۔ حضرت والا نے مجھ سے نہایت شفقت

کے ساتھ فرمایا کہ اگر تم حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنا اصلاحی تعلق رکھنا چاہو تو میں حضرت کو سفارش لکھ سکتا ہوں امید ہے کہ حضرت قبول بھی فرمالیں گے اس پر ان مولوی صاحب نے عرض کیا، میں تو حضرت والا ہی کے قریب کا رہنے والا ہوں مجھے تو حضرت ہی سے اپنی اصلاح کرانی ہے اس لئے میں کہیں اور نہ جاؤں گا حضرت ہی سے اصلاحی تعلق رکھونگا۔

دیکھئے یہ بھی ان مولوی صاحب کا ایک امتحان ہی تھا کہ اگر خلوص و عقیدت کی ذرا کمی ہوتی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت اور علو سند کے خیال سے فوراً حضرت سے تعلق کو پسند کرتے اور سفارش کو غنیمت سمجھتے۔ بہر حال مریدین کا اس قسم کا امتحان ہمیشہ سے مشائخ کا معمول رہا ہے۔

لیکن بعد کے مشائخ کے یہاں اسی سلسلے میں بعض ایسی چیزیں بھی دیکھی جاتی ہیں جن کا ظاہر خلاف شریعت ہے اس کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی شیخ ایسا ہے کہ صرف دو ایک واقعات کے علاوہ اپنے عام حالات میں متبع سنت ہے تو یہی کہا جائیگا کہ مشائخ متقدمین کے امتحانات کو دیکھ کر انھوں نے بھی مرید کا امتحان کرنا چاہا جس میں نیت ان کی درست تھی اور منشاء ان افعال کا صحیح تھا مگر شریعت بہر حال شریعت ہے اسلئے اسکو تو مقدم ہی رکھا جائیگا۔

میں جو دربارۂ مشائخ اکثر کہا کرتا ہوں وہ شریعت کی نصرت میں کہا کرتا ہوں۔ شریعت کی حفاظت تمام امت کے ذمہ ہے اور خواص امت پر یہ ذمہ داری زیادہ ہے۔ مشائخ جو خدمت ایصال الی اللہ کی انجام دیتے ہیں بلاشبہ وہ ایک زبردست منصب ہے جس کے حقوق کی بجاآوری طالبین پر لازم ہے اور اس میں اخلال منع ہے۔ مشائخ جو آداب بیان کرتے ہیں وہ اخلال سے منع کرتے ہیں جو گاہے گاہے طالبین سے صادر ہوا کرتے ہیں ورنہ وہ طالب کی بہت قدر کرتے ہیں بلکہ ان کے متلاشی رہتے ہیں۔

امید کہ آپ حضرات کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔

اوپر ایک صفحہ پر حضرت مصلح الامۃؒ نے یہ فرمایا ہے کہ تعلق مع اللہ کا قریب ترین راستہ ارتباط قلب بالشیخ ہے اسکی مزید وضاحت کے لئے حضرت ہی کا ایک مختصر مضمون نقل کرتا ہوں جو بعض اہل علم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا چونکہ حضرت مرشدنا نور اللہ مرقدہٗ کا باب اصلاح میں ایک خاص طرز یہ بھی تھا کہ گاہے گاہے مسترشدین سے سوالات و استفسار فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ بعض حضرات سے دریافت فرمایا کہ طریق میں سب سے زیادہ ضروری چیز کیا ہے اگر آپ لوگوں نے سمجھا ہو تو اس کا جواب دیجئے۔

جواب میں کسی نے عقیدت کہا۔ کسی نے اتباع کو کہا۔ کسی نے عقل و فہم کہا۔ کسی نے کچھ اور کہا۔
فرمایا کہ یہ سب نہیں ہاں اتباع بھی ضروری ہے اور اسکی ضرورت تو نص سے ثابت ہے۔ میں ایسی شے پوچھ رہا ہوں کہ اتباع بھی جس پر متفرع ہے وہ یہ کہ اصل شے طریق میں ربط قلب بالشیخ ہے اسی سے ربط قلب باللہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اصل چیز طریق میں اپنے قلب کا ربط، شیخ کے قلب سے پیدا کرنا ہے اور اسی ربط قلبی کا دوسرا نام محبت ہے اور سب سے اقرب طرق یہی ہے۔ لیکن جو لوگ کہ خشک ہیں وہ اس پر نہیں آتے۔ بلکہ کرتے یہ ہیں کہ ایک کام کو لیا پھر دوسرا کام اس سے زیادہ مفید سمجھ میں آگیا اسکو لے لیا اور پہلے کو چھوڑدیا۔ اسیطرح سے کوئی تیسری بات سمجھ میں آئی تو اسکو لے لیا اور دوسرے کو چھوڑدیا بس اسی طرح لگے رہتے ہیں اور راستہ طویل کر لیتے ہیں۔
اسی لئے آسان اور سہل راستہ یہی ہے کہ قلب شیخ سے اپنے قلب کو متعلق کردے اور تمام مجاہدات کی مشقتوں سے راحت پا جائے۔ یہی ربط بالقلب نسبت کہلاتی ہے۔ حضرت صحابہ کرام کو یہ نسبت اور محبت سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھی اسی لئے وہ حضرات کامیاب ہوئے اور اب اسی چیز کا انکار ہوگیا ہے یا اسکی جانب سے سستی پیدا ہوگئی ہے اسلئے برسہا برس تک کسی کے پاس آنے جانے کے باوجود جہاں تھے وہیں رہتے ہیں بلکہ بہت سے لوگ تو اسکو بھی نہیں سمجھتے کہ مشائخ کے پاس کیا دولت ہوتی ہے اور کس چیز کی تحصیل کے لئے ان حضرات کی خدمت میں جایا جاتا ہے تو اس کے متعلق سنئے۔
قاضی بیضاوی نے آیت وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے تحت اسکی باطنی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ ہم نے ان کو جن انوار معرفت کے ساتھ خاص کیا ہے دوسروں پر اسکا افادہ فرماتے ہیں۔
اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ سے حاصل کرنے کی جو چیز ہے وہ نور معرفت ہے اسی کو حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

نور باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از سینۂ درویشاں	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی نور کو درویشوں کے سینہ کے ڈھونڈنا
باید جست وبداں نور سینۂ خودرا روشن باید کرد	چاہئے اور اس نور سے اپنے سینہ کو روشن کرنا چاہئے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ جب طریق میں سب سے ضروری چیز ربط قلب بالشیخ ہے تو اب یہ سمجھئے کہ اس کے حصول کا طریق یہ ہے کہ دیگر تعلقات سے قلب کو فارغ کیا جائے۔

تعلق حجاب است وبے حاصلی   چوں پیوندہا بگسلی واصلی

(الباب الثالث فی ادب المرید مع اخوانه ومایںبغی لاهل الطریق ان یتعاملوا به فیما بینهم وان یعاملوا به طریقهم علی ماذکره الشیخ الاکبر والسید البکری وشیخ مشیخنا السید القصبی قدس الله تعالیٰ ارواحهم

(تیسرا باب مرید کے ان آداب کے بیان میں جو اپنے پیر بھائیوں کے ساتھ اسکو برتنا چاہیئے۔ اور ان امور کے بیان میں جو اہل طریق کو باہم ایک دوسرے کے ساتھ رکھنا چاہیئے یا جن آداب کو انھیں طریق میں برتنا چاہیئے بیان فرمودہ شیخ اکبر قدس سرہٗ وسید بکری وشیخ شیخنا سید القصبی قدس الله اسرارھم

فمن ادابهم فی انفسهم الذل و الفاقة والمسکنة واخذهم من کل شیٔ احسنه وترک الحظوظ والمالوفات ومخالفة النفس الی الممات والزهد والقناعة و الجد والمجاهدة وعدم استبطاء الوصول وعدم مسامحة النفس فی الغفلة وعدم ترک العمل ولو قلیلا وعدم النوم فی ثلث اللیل الاخیر وان لا یتزوج المرید حتی یکمل وان کان متزوجا فلا یطلق ولیکن ملقیا نفسه فی تیار القضاء لا یسخط شیئا تقضی به مولاه۔

من جملہ ان آداب کے جن کا مریدین کو خود اپنے اندر حاصل کرنا ضروری ہے ایک ذلت ہے اور فاقہ و مسکنت ہے اور یہ کہ ہر چیز سے اس کا اعلیٰ فرد اور بہتر سے بہتر اختیار کریں اور یہ کہ حظوظ نفس اور اپنی خواہشات و مالوفات کو ترک کریں اور یہ کہ مرنے دم تک نفس کی مخالفت کرتے رہیں اور زہد و قناعت اختیار کریں اور کوشش اور مجاہدہ سے نہ گھبرائیں وصول کو دور نہ سمجھیں اور غفلت ہونے پر نفس کیلئے سامحت روا نہ رکھیں اور کوئی عمل ترک نہ ہونے دیں اگرچہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اور یہ کہ رات کے آخری تہائی میں نہ سوئیں بلکہ عبادت کریں اور یہ کہ مرید تکمیل سے پہلے نکاح نہ کرے[۱] اور اگر شادی شدہ ہے تو طلاق نہ دے اور چاہیئے کہ اپنے آپ کو قضا کے موج مارتے ہوئے سمندر میں ڈالدے چنانچہ اپنے مولیٰ کی کسی قضا پر ناراض نہ ہو۔

---

[۱] بشرطیکہ نکاح کی ضرورت نہ محسوس کرے ورنہ تو ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے ۱۲۔

وان عارضه حقان فليقدم حق الحق تعالى وان يكون ابن وقته حافظا لانفاسه وان يدفن نفسه فى ارض الخمول ولا يترك اوراده ولا يظن انه ينال ما يطلب بكده او بجده بل يعتمد على فضل الله تعالى وليلازم الآداب فى الذكر وسائر الاوراد وستأتى آداب الذكر +

ثم اعلم ان طريق الله تعالى مقدس عن المنازعة فيه والمجادلة والمراء وظهور النفس ولا اعتذار فيه لاحد ولا مسامحة فى امر يؤدى الى الخروج عن الطريق وعدم الصفح عن الزلات التى لا مسامحة للشرع فيها ويتسامحون فى حقوقهم وما يرجع اليهم +

ومن شرط اهل هذه الطريقة ان ينصفوا الناس من انفسهم ولا ينتصفوا من احد ويقبل المعذرة من الاجانب ولا يعتذروا وينصروا ولا ينتصروا ويعاملوا الناس بالرحمة والشفقة ويتعاملوا فيما بينهم بالمناصحة والانقاذ و المنافرة ولا يسلم واحد منهم لصاحبه ما لا يقتضيه طريقهم

اور اگر اس کے سامنے بیک وقت دونوں حق معارض ہوں تو اسے چاہیئے کہ حق تعالیٰ کو حق العبد پر مقدم کرے نیز مرید کو چاہیئے کہ ابن الوقت ہو اپنے انفاس کا محافظ ہو اور اسے چاہیئے کہ اپنے نفس کو گمنامی کی زمین میں دفن کردے اور اپنے اوراد کو ترک نہ کرے اور یہ نہ سمجھے کہ جس چیز کو وہ طلب کرتا ہے اسے کد اور جد یعنی مشقت اور اپنی قوت بازو سے حاصل ہی کرلیگا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کرے اور ذکر میں اور دیگر اوراد میں آداب کا پابند رہے۔ اور ذکر کے آداب آگے آتے ہیں۔

پھر یہ جانو کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ منازعت۔ مجادلہ جھگڑا اور فساد اور نفسانیت سے پاک وصاف ہے اور اس میں کسی کے لئے عذر کا کوئی موقع نہیں اور نہ کسی ایسی چیز کے کرنے میں مسامحت ہے جو طریق ہی سے نکل جانے کا سبب بنے اسی طرح سے طریق میں ان لغزشوں پر بھی چشم پوشی نہیں ہے جنکے لئے شریعت میں کوئی وجہ جواز نہ ہو یوں اہل طریق اپنے باہمی حقوق میں خوب تسامح کیا کرتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص انکا حق ادا نہ کرے تو اس پر کوئی ملامت نہیں کرتے

جو لوگ کہ اہل طریق ہیں ان کا ایک ادب ہے کہ لوگوں کے ساتھ انکے معاملہ میں تو انصاف سے کام لیں اور اپنے حقوق میں ان سے انصاف کے خواہاں ہوں یعنی تقصیر پر صبر کریں اور خود ان سے معذرت نہ کریں بلکہ ان کا حق ہی ادا کریں۔ اسی طرح اپنے اخوان الطریق کی خود تو مدد کریں لیکن ان سے مدد کے خواہشمند نہ ہوں۔ لوگوں کے ساتھ رحمت اور شفقت کا معاملہ کریں اور آپس میں قلبی خیر خواہی کے ساتھ ساتھ ظاہری بُعد اور منافرت ہی کا رویہ رکھیں۔ (ع کسے را باکسے کارے نباشد) اور نہ تسلیم کرے کوئی شخص ان میں سے اپنے ساتھی کے لئے ان چیزوں کو جو ان کے طریق کے تقاضے کے خلاف ہوں

الا ان یکون صاحب الحرکۃ اعلیٰ فالتسلیم واجب وما تقدم ففی الحق الا کفاء ۔ ولیس بین القوم بغض ولا سقف ولا حسد فی المواہب ولیس فی طریقھم من یقول لی ولا عندی ولا نعلی ولا ثوبی وھم فی ما یفتح لھم علی السواء بمعنی انہ یتصرف کل منھم فیما لاخیہ تصرفہ فی مال نفسہ وھذا بینھم معروفٌ ومعلوم لیس فیھم من ھو علی خلاف ذلک فلا حاجۃ لصریح الاذن حتی ان بعضھم جاءہ ضیف ولم یکن عندہ ما یطعمہ فذھب لبیت اخیہ فی الطریقۃ فلم یجدہ ووجد القدر علی النار فیہ طعام فاخذ القدر بما فیہ وقدمہ لضیفہ ولما حضر اخوہ واُخبر بذلک دخل سرورٌ کبیرٌ و یشھد لھذا قولہ تعالیٰ او صدیقکم ولیس المراد انہ لا ملک لاحد منھم فی شیئ مما بیدہ حقیقۃ وان ما بیدہ

مگر یہ کہ وہ ساتھی کسی اعلیٰ مقام پر فائز ہو اسوقت تو اس کے حال کا اسکے لئے تسلیم کرنا واجب ہے یعنی اس پر انکار جائز نہیں ہے اور جو بات پہلے کہی گئی ہے وہ اپنے برابر والوں کے متعلق ہے اور اس قوم کے لوگوں میں بغض نہیں ہوا کرتا اور نہ کم عقلی٥ و نا سمجھی ہوتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے عطایا میں حسد ہوتا ہے چنانچہ ان حضرات کے طریق میں وہ شخص داخل نہیں ہے جو یہ کہے کہ یہ چیز میری ہے (اور وہ چیز تیری ہے) یا باوجود ایک شے پاس ہونیکے یہ کہدے کہ میرے پاس نہیں ہے اسی طرح سے وہ شخص بھی طریق سے دور ہے جو یہ کہے کہ یہ میرا جوتہ ہے یا یہ میرا کپڑا ہے اسلئے کہ سب کے سب اہل طریق ان تمام چیزوں میں جو بطور فتوحات کے ملیں برابر کے شریک دار ہوتے ہیں یعنی ان میں سے ہر شخص اپنے بھائی کے مال میں بھی بالکل اسی طرح تصرف کرسکتا ہے جس طرح سے کہ اپنے مال میں اور یہ ان میں کثرت سے شائع تھا اور یہ بات معلوم ہے کہ ان میں کوئی شخص اس کا مخالف نہیں تھا لہذا صریح اذن کی چنداں حاجت نہ تھی یہانتک کہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی صوفی کے یہاں ایک مہمان آیا اور اسکے پاس اسوقت کوئی چیز کھانے کی نہ تھی۔ چنانچہ وہ اپنے ایک پیر بھائی کے گھر گیا وہ تو گھر پر موجود نہ تھا لیکن چولھے پر ہانڈی رکھی تھی جس میں کوئی چیز کھانے کی تھی۔ اس نے کھانے سمیت ہانڈی اٹھالی اور اس میں سے اپنے مہمان کے سامنے کھانا پیش کیا۔ جب اس کا پیر بھائی آیا اور اسے اس واقعہ کی خبر دی گئی تو وہ بہت ہی خوش ہوا اور اس فعل کے استحسان کی شہادت حق تعالیٰ کے اس قول سے بھی ملتی ہے کہ فرمایا او صدیقکم۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل طریق میں سے کسی کے قبضہ میں اگر کوئی چیز ہو تو اس کا حقیقتاً کوئی شخص مالک ہی نہیں

٥ اس پر غور فرمائیے۔ اسی کو کہا کرتا ہوں کیونکہ لوگ اس زمانے میں دین اور طریق میں کم عقلی کو ضروری سمجھتے ہیں۔

كل واحد منهم مشترك بينهم بالملكية فان ذلك خارج عن الشرع بل عده بعضهم من الكفر۔ قال ابن الشحنه بد رويش درويشان كفر بعضهم ومن قال شيئٌ لله بعض يكفر بناء على ان معنى درويش درويشان مال الدرويش مشترك وقيل معنى درويش درويشان نقير الفقراء انتهى۔

ومن شرط طريقهم ترك ارفاق النسوان ومجالستهن ومواخاتهن وكذا ترك صحبة الاحداث وعدم مكالمتهم۔ قال الواسطيؒ اذا اراد الله تعالى هوان عبد القاه الى هولاء الانتان والجيف فليحذرعلى المريد من مجالسة الاحداث ومخالطتهم اشد الحذر +

ہوتا اور نہ یہ مطلب ہے کہ جو چیز بھی ان میں سے کسی کے پاس ہے تو وہ سب لوگوں میں بطور ملکیت کے مشترک ہے اس لئے کہ یہ تو شریعت کے بھی خلاف ہے بلکہ بعض لوگوں نے تو اسے کفر قرار دیا ہے چنانچہ ابن شحنہ فرماتے ہیں اگر کسی نے کہدیا کہ درویش درویشاں تو بعضوں نے اسکی تکفیر فرمائی اور جس شخص نے کہا شیئٌ للہ تو بعض علماء نے تکفیر کی ہے اسلئے کہ معنیٰ درویش درویشاں کے یہ ہو سکتے ہیں کہ (درویش دروے شاں یعنی) درویشوں کا مال مشترک ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ درویش درویشاں کا مطلب یہ ہے کہ فقیر الفقراء (اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں)

اور منجملہ طریق کے شرائط کے عورتوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ان کے ساتھ دوستی کرنا اور ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ ترک کرنا ہے اور اسی طرح امارد (لڑکوں) کی مصاحبت اور ان کے ساتھ ہم کلامی سے اجتناب کرنا ہے۔ حضرت واسطیؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اسے انھیں گندہ اور مردار چیزوں میں ڈالدیتا ہے لہذا مرید کو لڑکوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے اور ان کے ساتھ اختلاط کرنے سے بہت زیادہ احتیاط رکھنا چاہیئے۔

علہ (قولہ فلیحذر المریدین مجالسۃ الاحداث الخ) میں کہتا ہوں کہ میں اپنے سلوک کے زمانہ میں حسین اور خوبصورت لڑکوں کو دیکھنے سے بھی اپنی نظر کو روکے رہتا تھا بالکل اسی طرح جس طرح سے کہ اجنبی عورتوں سے اپنی نظر کو بچاتا تھا اور یہ اسلئے کہ حسین امارد شیطان کے مضبوط جال ہیں اور انکی صحبت اور ان سے اختلاط تو مریدین کے حق میں بہت ہی سخت مضر ہے (دیکھو) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حسین لڑکے کو جو وفد عبد القیس کے ہمراہ آیا تھا اپنی پشت کے پیچھے بٹھلایا اسی طرح سے ہمارے حضرت امام ابوحنیفہؒ امام محمد بن حسن شیبانی کو انکی داڑھی نکلنے تک اپنے پیچھے ہی بٹھاتے تھے تو پھر ہم جیسے ضعفاء کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ نیز یہ کہ مشائخ نے مرید کے آداب میں بیان فرمایا ہے کہ اسکو وہی قول لینا چاہیئے جس میں احتیاط ہو اور اسکو رخصتوں سے بچنا چاہیئے اور قول احوط اس باب میں یہی ہے جسکو علامہ نووی رحؒ نے لکھا ہے کہ امارد کی جانب مطلقاً نظر کرنا حرام ہے خواہ شہوت سے ہو یا بدون شہوت کے ہو۔ اھ منہ

ومن اداب الاخوان[1] مطلقا ان
يكون كل واحد منهم محبا لجميعهم
ساعيا في مراضيهم اذا وافقت رضاه
تعالى مقدما حاجاتهم على حاجته
مشاهدا في حال خدمته لهم ان
الفضل في ذلك لهم حيث ارتضوه
لخدمته وليجلس مع كبارهم وصغارهم
بالادب ولا يعترض عليهم وليذب
عن اعراضهم ويثني عليهم بما يعتقد
فيهم اذا سئل عنهم وليسأل الدعا
من كل من لقيه منهم ولا يسمع فيهم
قول الوشاة وليصفح عن كل من اذاه
ولا ينصر نفسه على احد منهم وليكن
ستارا لزلاتهم ولا يعير[2] احدا منهم
بذنب الا اذا كان مجاهرا فليذكره
لعله يتوب وفيما عدا المجاهر فلينصحه

اور منجملہ اخوان الطریق کے آداب کے ایک یہ ہے کہ ہر شخص ان میں سے سب سے محبت کرنے والا ہو اور ان کی رضا کی تحصیل میں کوشش کرنے والا ہو بشرطیکہ ان کی رضا حق تعالی کی رضا کے موافق ہو اور ان کے حوائج کو اپنے حوائج پر مقدم رکھنے والا ہو اور جس وقت کہ ان لوگوں کی خدمت کر رہا ہو تو یہ سمجھے کہ اس میں انھیں کا احسان ہے کہ ان لوگوں کو اسکی خدمت پسند آئی
(منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی   منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت)
اور اسے چاہیئے کہ چھوٹے اور بڑے سبھی کے ساتھ انکے مناسب آداب کا لحاظ رکھے اور ان پر اعتراض نہ کرے بلکہ ان کی عزت اور آبرو پر سے اعتراض کو دفع کرے اور جب ان کے متعلق اس سے سوال کیا جائے تو اسکو جو اعتقاد ہے اسکی رو سے انکی تعریف کرے اور ان میں جس کسی سے ملاقات ہو طالب دعا ہو اور چغلی کھانے والوں کا قول انکے بارے میں ہرگز نہ سنے اور چاہیئے کہ اپنے کو ایذا دینے والے سے درگذر کرے اور کسی کے مقابلہ میں اپنے نفس کی حمایت نہ کرے اور چاہیئے کہ دوسروں کا عیب چھپانے والا ہو اور ان میں سے کسی کو اس کے کسی گناہ پر عار نہ دلائے بجز اسکے کہ جب وہ شخص کھلم کھلا کوئی

---

[1] (قولہ الاخوان مطلقا) یعنی عام اسکے کہ مرید ہوں یا طریق میں داخل ہونے سے ان کا مقصد محض تبرک حاصل کرنا ہو سلوک مقصود نہ ہو انتہی ۱۲۔

[2] (قولہ ولا یعیر الخ) میں کہتا ہوں کہ اس پر عمل کرنا اور اسکی حفاظت کرنا اہمات دین میں سے ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم میں سے کسی نے اپنے بھا کتیا کا دودھ پینے کے ساتھ عار دلائی تو اس عار دلانے والے کو بھی اسکا دودھ پینا پڑے گا مصنف کہتے ہیں کہ اور مجھے تو خود اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہوا ہے کہ میں نہیں مبتلا کیا گیا ظالم حاکموں کے پاس آمد و رفت رکھنے کے ساتھ اور افتاء و قضاء اور امارت میں خوض کرنیکے ساتھ مگر اسی لئے کہ میں نے اپنے بعض دوستوں کو جو سچے صوفی تھے عار دلائی تھی اس بات پر کہ وہ ظالموں سے اختلاط رکھتے ہیں حالانکہ ان کے پیش نظر ہمیں مقاصد حسنہ تھے شعر ؎ وعذلت اهل العشق حتى ذقته + فعذرتهم ولقيت منهم ما لقوا
اور میں نے اہل عشق کو ملامت کی چنانچہ خود مجھے بھی چکھنا پڑ گیا اور جب خود چکھا تو انکو معذور سمجھا اور پھر میں اس دُکھی پُرخار میں ان تمام مشکلات سے دوچار ہوا جو انھیں پیش آئی تھیں اور میں اللہ تعالی سے امید کرتا ہوں کہ اب ان دشواریوں کے خاتمہ کا وقت آگیا ہوگا۔ انتہی (یعنی جو ہو چکا بہت ہو چکا اب سے اللہ تعالی بچائے اور اپنی حفاظت میں لے لے)

في نفسه برفق وليدع لهم في الخلوة والجلوة ويخلص لهم في المحبة فان ذالك من علامة حبه لاستاذه فان من احب ابا احب ولده ولو سأله اخوه ان يشاطره فيما يملك فلينشرح لذلك ولا يوافق من حط عليهم ولو كان مصيبا وليزجره وليؤثرهم على نفسه ولا يعامل صغيرهم الا بما يعامل به كبيرهم وان غاب احد منهم فليسئل عنه فان كان محتاجا اعانه وان كان محبوسا لدين سعى في اطلاقه وليتبسم في وجوههم ولا يمتحنهم بشيء وليخدم من قدمه الاستاذ عليهم وان كان دونه في الحال وهكذا من كان ماذونا من الاستاذ بيدء الذكر وختمه تجب عليهم متابعته ولا يتقدم احد منهم عليه واذا غاب فليبدأ واحد من المقدمين۔

ولا يوبخ مذنبا على ذنب سلف منه وليعتقد انه تاب منه وفي الحديث ليس منا من عير التائب۔

معصیت کر رہا ہو تو اس کے بیان کر دینے میں کچھ مضائقہ نہیں شاید کہ اسے توبہ کی توفیق ہو جائے باقی اگر معصیت کھلم کھلا نہیں ہے تو چاہیئے کہ اسکو نرمی کے ساتھ نصیحت کرے اور انکے لئے خلوت اور جلوت میں دعا مانگے اور ان کیلئے اپنی محبت کو خالص کرے اسی لئے کہ یہ علامت ہوگی اپنے شیخ سے محبت کی کیونکہ جس نے کسی باپ سے محبت کی تو اس کا لڑکا اسے ضرور محبوب ہوگا اور اگر اس کے اخوان طریق اس سے کہیں کہ جن چیزوں کا وہ مالک ہے اسمیں انکا بھی حصہ لگائے تو اسے چاہیئے کہ اس پر خوشی اور انشراح ظاہر کرے اور جو شخص ان اخوان پر کسی معاملہ میں تنگی کرے تو اگر حق بجانب ہو اسکی موافقت اور تائید نہ کرے بلکہ چاہیئے کہ اسکو منع کرے (اور ان سے دفع کرے) اسی طرح سے مرید کو چاہیئے کہ اپنے اخوان طریق کو اپنے اوپر ترجیح دے اور ان کے چھوٹوں کیساتھ بھی وہی معاملہ کرے جو ان کے بڑوں کے ساتھ کرتا ہے اور اگر کوئی شخص ان میں سے موجود نہ ہو تو اس کا حال معلوم کرے اور اگر وہ محتاج ہو تو اسکی اعانت کرے اور اگر اپنے قرض کی وجہ سے قید ہو گیا ہے تو اسکے چھڑانے میں کوشش کرے اور ان کے سامنے ہشاش بشاش رہے اور ان کا کسی چیز کے ذریعہ امتحان نہ کرے اور چاہیئے کہ خدمت کرے اس شخص کی کہ شیخ نے جسے ان پر مقدم کیا ہے اگرچہ وہ حال میں اس سے کم ہی ہو اسی طریقہ سے وہ شخص جسے شیخ کی جانب سے ذکر کے شروع کرانے کی اور ختم کرانے کی اجازت ملی ہو تو ان مریدین پر واجب ہے کہ اس کا اتباع کریں اور کوئی شخص ان میں سے اس شخص پر مقدم نہ ہو البتہ جب کہیں چلا جائے اور موجود نہ ہو تو چاہیئے کہ ان آگے ہونے والوں میں سے کوئی شخص بھی ذکر کو شروع کرادے۔

نیز سالکین کی صفات میں سے ایک یہ ہے کہ کسی گنہگار کو کسی ایسے گناہ پر جو اس سے پہلے کبھی صادر ہو چکا ہو توبیخ نہ کرے بلکہ یہ سمجھے کہ اب اس نے اس سے توبہ کرلی ہوگی چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کسی تائب کو عار دلائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

قال شيخ شيخنا السيد القصبي في آداب الاخوان وان يكونوا على قلب رجل واحدٍ وكلمةٍ واحدةٍ واذا درج منهم احد الى رحمة الله تعالى شيعوه ثم اجتمعوا له ربعة وتهليلة وهبوه ثواب ذالك قائلين اللهم اجعل ذلك فداءً له من النار وان لا يمتحن بعضهم بعضا بما لا تسمح به النفوس عادة بل لا يطلب بعضهم من بعض الا عند الاضطرار الكلي ولكن الطلب برفق والاعطاء ببشاشة وفرح وان يتعاملوا فيما بينهم بالذلة والانكسار وسلامة الصدر والتواضع والدعاء لمحسنهم ومسيئهم في ظهر الغيب وترك الجدال والبحث والمراء والتجسس في العادات والعبادات ٭

ہمارے شیخ کے شیخ سید قصبیؒ نے آداب الاخوان میں فرمایا ہے کہ سب لوگوں کو ایک دل اور ایک کلمہ ہونا چاہیئے اور جب ان میں سے کوئی شخص اللہ کو پیارا ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین کے بعد دوسرے احباب کو چاہیئے کہ جمع ہوں اور اس کے لئے کچھ پڑھکر (کم از کم) مثلاً چاروں قل اور کلمہ شریف اس کو ایصال ثواب کریں اور یہ دعا مانگیں اے اللہ ان آیات کے ثواب کو اس کے جہنم سے رہائی کا ذریعہ بنا دیجئے۔ اور ایک ادب یہ ہے کہ اخوان الطریق میں سے ایک کسی دوسرے کا امتحان ایسی چیزوں کی فرمائش کے ساتھ نہ کرے جس کو عادۃ لوگ خوشی سے دینا پسند نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے سے کوئی چیز مانگنے ہی نہیں بجز اس کے کہ اسکو اضطرار کلی ہی ہو جائے۔ پھر چاہیئے یہ کہ مانگنا نرمی سے ہو اور دینا بشاشت اور نشاط کے ساتھ ہو اور یہ کہ باہم ایک دوسرے سے معاملہ اور رہن سہن۔ ذلت عاجزی۔ انکساری، سینے کی صفائی تواضع اور دعا کے ساتھ رکھیں خواہ وہ شخص نیکوکار ہو یا بدکار ہو (سامنے بھی) اور پس پشت بھی اور لڑائی جھگڑا اور بحث اور تجسس کو ترک کریں۔ عادات میں بھی اور عبادات میں بھی۔

ومن اوصافهم عدم الالتفات الى خلف واذا التفت التفت جميعا ونادى رجل الشبلي من خلفه فلم يجبه وقال انهم لا يلتفتون الى الوراء ولا يجيبون من

اسی طرح سے اہل طریق کے اوصاف میں سے ہے کہ وہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے۔ اور جب انھیں پیچھے دیکھنا ہوتا ہے تو پورے ہی جسم سے ادھر گھوم جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک آدمی نے حضرت شبلیؒ کو پیچھے سے آواز دی تو انھوں نے اسکا کوئی جواب دیا اور یہ فرمایا کہ اہل سلوک پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا کرتے اور نہ اس شخص کو

نا داھم خلفا +

ومن اخلاقھم التیمن بالفال الحسن وترك الطیرة دخل رجل منھم علی قوم فقالوا له اغلق الباب فقال ان الصوفیة یفتحون الابواب المغلقة ولا یغلقون الابواب المفتحة وقرع رجل علی ابی مدین الباب فخرج الیه ولم یکن من نیته ان یدخله فی ذلك الوقت فقال ما اسمك فقال الرجل احمد الفائدة فقال الشیخ ادخل فان العاقل لا یطرد الفائدة من بابه وھو یطلبھا وکان ھذا الفائدة من سادات القوم۔ ومن اوصافھم العدل فی جوارحھم وتصرفات اعضائھم وحالاتھم مع الخلق ومع اھلیھم ومن ھنا خلع رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم نعله حین انقطع شراك نعله الاخری فسوی بین قدمیه فی الحفا +

جواب دیتے ہیں جو انھیں پیچھے سے پکارتا ہے۔

اسی طرح سے اہل طریق کے اخلاق میں سے ایک یہ بات ہے کہ وہ کسی اچھی بات سے فال نیک تو لیتے ہیں لیکن بدفالی نہیں اختیار کرتے چنانچہ اہل طریق میں سے ایک شخص صوفیہ کی ایک قوم کے یہاں گیا لوگوں نے اس سے کہا کہ دروازہ بند کرلو اس پر اس نے کہا کہ واہ صوفی لوگ تو بند دروازوں کو کھولا کرتے ہیں نہ کہ کھلے ہوئے دروازوں کو بند کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک شخص نے حضرت ابی مدینؒ کا دروازہ کھٹکھٹایا چنانچہ دروازے تک وہ آئے لیکن انکی نیت نہیں تھی کہ اس شخص کو اسوقت اپنے پاس اندر بلائیں پس اس سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اس آنے والے نے کہا کہ مجھے احمد فائدہ کہتے ہیں شیخ نے یہ سنکر فرمایا کہ اچھی بات ہے اندر آجائیے اسلئے کہ عاقل آدمی فائدہ کو اپنے دروازے سے دور نہیں کیا کرتا بلکہ اس کا طالب ہی ہوتا ہے اور یہ صاحب (احمد فائدہ) سادات قوم میں سے ہوئے ہیں۔ اسی طرح سے صوفیاء کی صفات میں سے اپنے جوارح کے ساتھ بھی عدل کرنا اپنے اعضاء کے ساتھ تسویہ کا معاملہ کرنا اسی طرح سے مخلوق کے ساتھ اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرنا ہے یہی سبب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دوسرا نعل مبارک بھی قدم مبارک سے نکال لیا جبکہ ایک پیر کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا تھا اور اسکو اتار لینا پڑا تھا۔ اسطور پر آپ نے ننگے پیر چلنے میں اپنے دونوں قدم کو برابر ہی رکھا۔

ومن اخلاقهم انهم لا يفعلون
شيئًا من العادات كالطعام والشراب
واللباس ونحوها الا عن ضرورة و
فضيلة فيخرج بذلك عن حد المباح
ومنهم من يفعل المباحات بنية
اظهار العبودية والعجز وبهذه
النية يصير فضيلة ايضًا كنية
الاعانة على الطاعات اوطلب ما
يرد عليه من المعاني فى تلك
الافعال واعلى ذلك كله ان
لا يفعل شيئًا من ذلك حتى
يضطر اليه فيكون فعله حينئذٍ
فرضًا واين ثواب الفرض من
ثواب النفل +

ومن اوصافهم ايثار و
تقديم الفقراء على الاغنياء
وتقديم ابناء الآخرة على ابناء
الدنيا حتى انه لو اعد احدهم
كرامة او ضيافة لاحد
من ابناء الدنيا فدخل
عليه فقير وتحكم فيها
حتى لم يبق منها شيئًا لا يتغير
ولا يغير خاطر ذلك الفقير
وان لم يكن عنده غير ذلك
فلا يعتذر للغني - وان سأله

اسی طرح اخلاق صوفیا میں ایک خلق یہ ہے کہ یہ حضرات امور عادیہ میں سے کسی شے کو مثلاً کھانا، پینا پہننا وغیرہ کو بطور ضرورت یا بغرض فضیلت ہی کیا کرتے ہیں اس طور پر وہ شے حد مباح سے نکل جاتی ہے اور بعض حضرات ایسے ہیں جو مباحات کو بھی اظہار عبودیت اور اپنی عاجزی واحتیاج ظاہر کرنے کے لئے عمل میں لاتے ہیں۔ مگر اس نیت کے بعد تو وہ مباح صرف مباح ہی نہیں رہ جاتا بلکہ فضیلت بھی بنجاتا ہے مثلاً (کھانے پینے وغیرہ سے) اعانت علی الطاعۃ کی نیت کرنا یا ان افعال کے کرنے میں ان پر جو معانی منکشف ہوتے ہیں ان کا طالب ہونا باقی ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان سب چیزوں کو نہ کرے بجز حالت اضطرار کے تاکہ اب اس وقت اسکا کرنا فرض ہوجائے اور ظاہر ہے کہ فرض کا ثواب نفل سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔

اسی طرح سے صوفیا کی صفات میں سے ایک صفت ایثار اور فقراء کو اغنیاء پر مقدم کرنا ہے اور ابناء آخرت کو ابناء دنیا پر مقدم کرنا ہے یہاں تک کہ اگر صوفیا میں سے کوئی شخص کوئی تقریب یا کوئی دعوت کسی دنیوی شخص کے لئے تیار کرتا تھا اور اس وقت کوئی فقیر آداخل ہوتا یہاں تک کہ سامان ضیافت میں تصرف کرلیتا یعنی اسے استعمال کرلیتا اور اس میں سے کچھ نہ چھوڑتا تب بھی اس صوفی کے مزاج میں (جو داعی ہوتا تھا) ذرا بھی تغیر واقع نہ ہوتا تھا اگرچہ اسکے پاس سوا اس سامان کے اور دوسرا سامان نہ موجود ہو اور اسکی وجہ سے وہ اس مہمان غنی سے کچھ معذرت بھی نہ کرتا تھا۔ اور اگر وہ دریافت ہی کرلیتا (کہ دعوت دے کے پھر خلاف کرنا کیسا)

ذکر لہٗ ماجریٰ وعرفہ ان ھذا طریقھم ومن اوجع قلب فقیر من اجل غنیٍّ فقد سقط من دیوان القوم لان ادخال السرور علی الفقراء واجب عندھم لکن این ذلک الفقیر الذی تراعی لہٗ ھذہ الحرمۃ والفقر مقام و حالٌ ولہٗ رجالٌ ولیس من شرطہ ان لا یکون لہ واسم الفقیر باصطلاح القوم یشملھم جمیعاً۔

تو وہ پیش آئی ہوئی صورت کو بلا تکلف اس سے بیان کر دیتا (کہ ایک صوفی صاحب آگئے تھے میں نے ان کی دعوت کردی) اور اس پر واضح کر دیا کہ ہملوگوں کا یہی طریقہ ہے (کہ ہم کسی فقیر کے دل کو نہیں دکھاتے بلکہ ہمارا اصول یہ ہے کہ) جس شخص نے کسی امیر کی خاطر کسی فقیر کے قلب کو ایذا پہونچائی اس کا نام صوفیاء کے دفتر ہی سے خارج کر دیا جاتا ہے اسلئے کہ فقراء کے قلب میں سرور کا داخل کرنا اس قوم کے نزدیک واجب ہے (آگے مصنف فرماتے ہیں) کہ یہ بات تو بہت عمدہ ہے اور بلا شبہہ فقراء (اولیاء اللہ) کا حق یہی ہے کہ انکی ایسی ہی تعظیم وخاطر کیجائے) مگر اب ایسے فقراء ہیں کہاں جنکی ایسی رعایت کیجائے اور جنکے لئے ایسا اہتمام کیا جائے (یعنی یہ حضرات مخلص تھے طالب دنیا نہ تھے اور اب تو دنیا داری آگئی ہے) کیونکہ فقر تو ایک مقام اور حال قلبی کا نام ہے جسکے ساتھ خاص ہی لوگ متصف ہوتے ہیں۔ باقی اسکی شرط سے یہ نہیں ہے کہ اسکے پاس مال نہ ہو بلکہ کبھی ایک شخص (کو فقر کا مقام حاصل ہوتا ہے اور اس) کے پاس مال بھی ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نہیں بھی ہوتا۔ باقی اصطلاح قوم میں فقیر دونوں ہی کو کہا جاتا ہے (یعنی صاحب حال ومقام کو خواہ مال ہو یا نہ ہو۔)

ؔلہ **افادہ**:۔ (قولہ ومن اوجع قلب فقیر من اجل غنیٍّ فقد سقط من دیوان القوم) (یعنی جس شخص نے کسی امیر کی خاطر کسی فقیر کا دل دکھایا تو اس کا نام قوم صوفیہ کے دفتر سے خارج کر دیا جاتا ہے۔)

اسکو ملاحظہ فرمائیے کہ کیا فرما رہے ہیں۔ آگے اسکی دلیل بیان کرتے ہیں کہ دیوان قوم سے یہ شخص اس لئے خارج کر دیا جاتا ہے کہ فقراء کے قلب میں سرور کا داخل کرنا واجب ہے اور وجع یعنی دل دکھانا اور ایذا پہونچانا سرور کی ضد ہے۔ لہذا جب سرور کا داخل کرنا واجب تھا تو دل کا دکھانا حرام ٹھہرا۔ اور یہ شخص فعل حرام کا مرتکب ہوا اس لئے صوفیہ کی فہرست ہی سے اس کا نام کاٹ دیا گیا۔

اور یہ جو فرمایا کہ ادخال السرور علی الفقراء واجبٌ اس کے متعلق کہتا ہوں کہ احیاء العلوم میں ہے

کہ کسی مسلمان کی دعوت سے مقصود تین چیزیں ہونی چاہئیں :۔

(۱) استمالۃ قلوب الاخوان۔ یعنی اپنے بھائیوں کے قلوب کو اپنی جانب مائل کرنا۔

(۲) والتسنن بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اطعام الطعام یعنی اطعام طعام کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہونا۔

(۳) ادخال السرور علی قلوب المومنین یعنی مومن کے قلوب میں سرور کا داخل کرنا۔

تو جب دعوت سے ایک مقصد عامۃ المؤمنین کے قلوب میں سرور کا داخل کرنا بھی ہے جس سے اس فعل کا استحسان معلوم ہوا تو پھر جو خواص مومنین ہیں یعنی اہل اللہ و فقراء ظاہر ہے کہ ان کے قلوب کو خوش کرنا کس درجہ ضروری ہوگا اسی سے نکلا کہ ان کے قلوب کو آزردہ کرنا اور مکدر کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ اسی بات کو یہاں صاحب ترصیع فرما رہے ہیں :۔

میں یہاں ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ قوم کے دفتر سے اس شخص کا نام اسلئے کٹ جاتا ہے کہ اس نے ایسے شخص کے جَنْب میں کوتاہی کی جو کہ اللہ تعالیٰ کا ولی یعنی محبِّ مقبول ہے چنانچہ اس کی شان میں تقصیر، تفریط فی جنب اللہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی ہے) پس یہاں سرکار عالی مدعی ہوگئی۔ اس لئے اس کا نام ہی کاٹ دیا گیا۔

اور ایک دوسری وجہ دفتر سے اس کے نام کے کٹ جانے کی یہ ہے کہ قوم کا جو دفتر ہے اس میں جس طرح سے قوم کے افراد کے نام درج ہیں اسی طرح سے ان کی صفات بھی لکھی ہوئی ہیں۔ یعنی یہ کہ ان میں یہ یہ صفات ہونی چاہیئے تب یہ لوگ فقراء کہلائے جانے کے مستحق ہوں گے۔ ان میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ قوم صوفیہ کا احترام اور اسکی عظمت اس کے قلب میں ہو۔ اب جس شخص نے ابناء دنیا کو ابناء آخرت پر ترجیح دی بایں طور کہ کسی غنی کی خاطر عزیز رکھی اور کسی فقیر الی اللہ کے قلب کو دکھایا تو اس نے گویا قوم کا احترام فوت کر دیا۔ پس قوم کی ایک خاص صفت اس میں باقی نہیں رہ گئی لہذا اس شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کا نام ان کے دفتر ہی سے خارج کر دیا گیا ہے جس طرح سے کہ کسی مدرسہ کی شرائط پوری نہ کرنے کی وجہ سے طالب علم کا نام مدرسہ سے خارج کر دیا جاتا ہے۔

وصل فی آداب النقابة وشروطها

(فصل خوانق کے نگراں کے شرائط اور اس کے آداب)

وهی کثیرة ایضاً لکن یحیط
بمهماتها الخمسة عشر أدبا التی
ذکرها شیخ شیخنا السید القصبی
وهی تحمل الاذی عن جمیع الاخوان
وخدمة الفقراء الواردین علیه
او علی شیخه وحسن الخلق مع
العوام والجهلة والامانة التامة
علی الاعمال والاموال والاحوال
والخدمة مع الضعفاء علی الصفاء
والاخلاص من غیر تکدر والقناعة
والعفة والحفظ للنفس عن جمیع
ماکره الله تعالی وان یکون هینا
لینا محترما للشیخ واصحابه غایة
الاحترام کاتما لاسرارهم
ینصفهم من نفسه ولا ینتصف
لنفسه منهم ولا ینکر علی من
یعتریه حال منهم ساعیا فی
اصلاح ذات بینهم یؤثرهم
علی نفسه بما یملك من طعام
وشراب وغیر ذلك صادقا فی
اقواله وافعاله ابتغاء مرضاته

یوں تو یہ آداب بھی بے شمار ہیں مگر ان میں جو مہمات ہیں ان کا حاصل وہ پندرہ آداب ہیں جنھیں ہمارے شیخ کے شیخ سید قصبی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہیں۔ اپنے تمام ساتھیوں کی ایذا برداشت کرنا۔ اور ان فقراء اور مساکین کی خدمت کرنا جو اس کے پاس آمد و شد رکھتے ہیں یا اس کے شیخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ناواقفین اور عام لوگوں کے ساتھ حسن خلق سے پیش آنا۔ اور اعمال و اموال اور احوال (ان سب چیزوں) میں کامل دیانت داری سے کام لینا۔ اور کمزوروں اور ناتوانوں کی خدمت پورے اخلاص و محبت کے ساتھ کرنا۔ ایسے طور پر کہ اسکی وجہ سے قلب میں ذرا بھی تنگی اور ناگواری نہ ہو (اسی طرح سے) ایک ادب نقابت کا قناعت و عفت اختیار کرنا اور اپنے نفس کی ان تمام چیزوں سے حفاظت کرنا جو اللہ تعالی کو ناپسند ہیں اور ایک ادب ہے کہ انسان کا نرم مزاج اور نرم خو ہونا شیخ کا اور اسکے متعلقین کا غایت درجہ احترام کرنے والا ہونا نیز ارباب طریق کے اسرار کو چھپانے والا ہونا، اپنی جانب سے ان کا پورا حق ادا کرنا، اور خود اپنا ان کے اوپر کچھ حق نہ سمجھنا، اور اگر ارباب طریق میں سے کسی کو کبھی کوئی برا حال پیش آجائے تو اسپر انکار نہ کرنا۔ بلکہ ان میں باہم پیش آنیوالے اختلافات (نزاعات) کی اصلاح میں سعی بلیغ کرنا اور ان کو اپنے اوپر ان کھانے پینے کی چیزوں میں جو اس کے پاس ہیں مقدم رکھنا اور ترجیح دینا۔ اسی طرح اپنے اقوال میں اور افعال میں سچا ہونا اور اللہ تعالی کی رضا

الله تعالیٰ لا طمعاً فی ثواب ولا خوفاً من عقاب لا یغتم لذم ولا یفرح او یغتر بمدح ولا ینام علی فعل مذموم بل یتوب منه قبل نومه ولا یطأ او یجلس علی سجادة الشیخ بل یطویها وهو علی رکبتیه متادباً ولذا قالوا الطریق قیراط والنقیب ثلاثة وعشرون قیراطاً ای لماله من تحمل المشاق وکثرة الخدمة ـ وقال بعضهم خادمهم السوء افضل من العابد فیهم ویشهد لذلک ما ورد ان جماعة الصحابة رضوان الله تعالیٰ علیهم اجمعین ـ سافروا لجهة فلما رجعوا قالوا یا رسول الله خیرنا فلان کان اذا رکبنا لا یزال یذکر الله حتی ینزل واذا نزل لا یزال یصلی حتی نرکب قال فمن کان یتکفل بطعامه وشرابه والعلف دابته قالوا کلنا قال کلکم خیر منه ـ

کا طالب ہونا یہ کہ ثواب کی طمع سے یا عذاب کے خوف سے کوئی کام کرنا اسی طرح سے کسی کے برا کہنے اور برائی کرنے سے غم نہ کرنا اور نہ مدح پر خوش ہی ہونا اور نہ اس سے دھوکہ میں پڑنا اور نہ کسی مذموم فعل کو کر کے اسی حالت میں شب گذارنا بلکہ یہ کرنا کہ سونے سے پہلے ہی اس سے توبہ کرنا اسی طرح سے شیخ کا مصلیٰ نہ تو روندنا اور نہ اس پر بیٹھنا بلکہ اسکو تہ کرکے علیحدہ رکھدینا اور چاہیے کہ اپنے گھٹنوں کے بل اسکے سامنے متادباً کھڑا ہے اسی واسطے مشائخ نے فرمایا ہے کہ طریق اگر بقدر ایک قیراط کے فرض کیا جائے تو نقیب اسکے تیئیس ۲۳ حصوں کے برابر ہیں یعنی نقیب کی یہ فضیلت اس لئے ہے کہ اسکو طریق میں بہت خدمت کرنی پڑتی ہے اور بہت مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ بزرگوں کا خادم بھی خواہ وہ بدخلق ہی ہو عابد سے کہیں بڑھکر ہے اور اس قول کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے کسی جانب کا سفر کیا جب واپس ہوئے تو عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں کا فلاں شخص بہت بہتر ثابت ہوا اسلئے کہ جب تک ہم سفر میں ہوتے وہ برابر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہتا یہانتک کہ جب ہم کہیں مقیم ہوتے تو وہ نماز پڑھنا شروع کر دیتا اور سارے وقت پڑھتا رہتا، یہانتک کہ ہم آگے کوچ کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ پھر اسکے کھانے پینے کی اور اسکی سواری کے چارے کی کفالت کون کرتا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم سبھی لوگ ملکر اسکی کفالت کرتے تھے۔ آپ نے یہ سنکر فرمایا کہ پھر تو تم سبھی لوگ اس سے بہتر ہو۔

واما حقوق النقیب علی المریدین فخمسة اذا قدم او اخر احداً من

بہرحال نقیب کے جو حقوق مریدین پر ہیں وہ پانچ ہیں۔ ایک یہ کہ جب وہ کسی شخص کو مجلس میں مقدم یا مؤخر

المجلس فليمتثل امره لانه اعلم باحوال المريدين وان لا يعملوا عملاً الا باذنه وان لا يرفعوا اصواتهم فوق صوته كمعاملتهم مع الشيخ وان لا يكلموه بكلام خشن واذا دعاهم لامر فلا يقولوا الى اين ولا لم +

کرے تو لوگوں کو چاہیئے کہ اسکے امر کا امتثال کریں۔ اسلئے کہ وہ مریدین کے احوال سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی کام بغیر اسکے امر کے نہ کریں اور تیسرے یہ کہ اپنی آواز کو اسکی آواز سے اونچی نہ کریں چنانچہ ان سب امور میں اسکے ساتھ شیخ ہی جیسا معاملہ کرنا چاہیئے اور چوتھے یہ کہ لوگ اسکے ساتھ درشت گوئی اور سخت کلامی کیساتھ نہ پیش آئیں اور پانچویں یہ کہ جس وقت وہ ان سب لوگوں کو کسی معاملہ کے لئے بلائے تو اس سے یہ دریافت نہ کریں کہ کہاں لیجانا چاہتے ہو اور کیوں لیجانا چاہتے ہو۔

(وصل فی الذکر وآدابه والسماع وآدابه وتوجهات الاسماء السبعة)

(فصل۔ ذکر اور اس کے آداب، سماع اور اس کے آداب اور اسماء سبعہ کا بیان)

اعلم ان اسرع الطاعات فی جلاء القلب وتنویره وتبدیل الاوصاف الردیئة بالاوصاف الحمیدة ذکر الله تعالی قال تعالی ان الصلوٰة تنهی عن الفحشاء والمنکر ولذکر الله اکبر +

جانو کہ قلب کو منور اور روشن کرنے میں اور اس کے اوصاف ردیہ کو اوصاف حمیدہ کے ساتھ بدلنے میں سب طاعات سے زیادہ سریع الاثر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ نماز بے حیائی اور ناشایستہ باتوں سے روکنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر (یعنی اس کی یاد) تو بڑی چیز ہے۔

وقالوا ان عمل الذکر فی جلاء القلب عمل الرمل فی جلاء النحاس وعمل بقیة الطاعات فی جلائه عمل الصابون فی جلاء النحاس فواظب علی الذکر الذی لقنك ایاه شیخك آناء اللیل واطراف النهار سرًّا وجهرًا فهو اسهل العبادات

اور علماء نے فرمایا ہے کہ ذکر کا عمل قلب کے جلاء کرنے میں ایسا ہی ہے جیسا کہ ریت کا کام تانبے کے صاف کرنے میں ہوتا ہے۔ اور دیگر طاعات کا کام قلب کی صفائی میں ایسا ہے جیسا کہ صابون کا عمل تانبے کے صاف کرنے میں۔ لہذا اے سالک تجھ کو جو ذکر تیرے شیخ نے تلقین فرمایا ہے اس پر پابندی کے ساتھ قائم رہ اور شب و روز ذکر سری یا جہری کے ساتھ لگا رہ کیونکہ ایک تو یہ کہ یہ سب عبادات سے زیادہ سہل ہے۔ دوسرے

يمكنك في القيام والقعود و الاضطجاع والصحة والمرض ولا بد من اوقات تجلس فيها مستقبل القبلة تذكر بهمة ونشاط بالآداب الآتية وبقدر ما تكثر من الذكر يقرب عليك الطريق ويزداد حبك الله تعالى وحبه لك فان التاثير من الاسماء لا يحصل الا بالاكثار ليلا ونهارا قال تعالى يا ايها الذين آمنوا اذكروا الله ذكرا كثيرا - واختلفوا في حد الاكثار فقيل ثلاث مائة وقيل ثلثة آلاف وقيل اثنا عشر الفا ثم ان لا اله الا الله اعظم انواع الذكر تاثيرا في كنس الاغيار من القلب وازالة الحجب الظلمانية

یہ کہ تیرے لئے کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے۔ لیٹے لیٹے حالت صحت میں اور حالت مرض میں غرض سب حالات میں ممکن ہے۔ اسی طرح سے ایک وقت مرید کے لئے ایسا بھی ہونا چاہیئے جس میں وہ مستقبل قبلہ ہوکر بیٹھے اور ہمت ونشاط کے ساتھ ان آداب کی رعایت رکھتے ہوئے ذکر کرے جنکی تفصیل آگے آتی ہے۔ اور جس قدر تم ذکر میں تکثیر کروگے اسی قدر خدا کا طریق تم سے قریب ہوگا اور تمہاری محبت اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کی محبت تم سے زیادہ ہوگی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تاثیر اسوقت تک ظاہر نہیں ہوتی جب تک کہ ان کا نام کثرت سے نہ لیا جائے اور شب و روز نہ لیا جائے دیکھو اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔ لیکن علماء کا اسمیں اختلاف ہے کہ کثرت کی مقدار کیا ہے تو ایک قول یہ ہے کہ تین سو بار ذکر کرے ایک قول تین ہزار کا ہے اور ایک قول بارہ ہزار کا بھی ہے۔ پھر یہ سمجھو کہ جملہ انواع ذکر میں لا الہ الا اللہ قلب سے اغیار کو دور کرنے اور حجابات ظلمانیہ کے زائل کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے۔

(افادہ)

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے طریق میں نفع تام کے لئے تکثیر ذکر کو فرمایا ہے۔ اور اس تکثیر کی مطلوبیت کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد اذکروا اللہ ذکرا کثیرا سے ثابت فرمایا ہے۔ اسکے متعلق تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اچھی بحث فرمائی ہے۔ ناظرین کے افادے کے لئے اس کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وھو ھذا

قال ابن عباس رضی لم يفرض الله تعالى على عباده فريضة الا جعل لها حدا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو بھی فرائض مقرر فرمائے ہیں تو ان کی حدود بھی مقرر

معلوماً ثم عذر اهلها في حال العذر غير الذكر فانه لم يجعل له حداً ينتهي اليه ولم يعذر احداً في تركه الا مغلوبا على عقله فامر به في الاحوال كلها فقال فاذكروا الله قياماً وقعوداً وعلى جنوبكم وقال اذكروا الله ذكراً كثيراً بالليل والنهار في البر والبحر والصحة والسقم في السر والعلانية +

وقال مجاهدؒ الذكر الكثير ان لا ينساه ابداً قلت وهذا لا يتصور الا بعد فناء القلب ودوام الحضور وسبحوه اي صلوا له بكرة يعني صلوٰة الصبح واصيلاً قال الكلبي يعني صلوٰة الظهر والعصر والعشائين۔

وقال مجاهد يعني قولوا سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم۔ فعبر بالتسبيح عن اخواته وقيل المراد بالذكر الكثير هذه الكلمات يقولها الطاهر والمحدث والجنب +

قلت امر الله سبحانه اولاً بتعميم الذكر ابداً بحيث لا ينساه ثم خصه باوقات مخصوصة فالمراد بالاول هو الذكر الخفي والحضور الدائم وبالثاني الذكر الجلي

کر دی ہیں۔ اور اہل عذر کو حالت عذر میں معذور رکھا ہے مگر ذکر میں یہ اصول نہیں ہوتا۔ اس کے لئے نہ تو کوئی حد ہے مقرر کی ہے جس پر کہ اس کی انتہا ہو اور نہ اس کے ترک پر کسی حال میں کسی کو معذور ہی رکھا ہے مگر یہ کہ کوئی شخص مغلوب العقل ہی ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ پس ذکر کا حکم ہر حال میں دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ خدا کی یاد کرو کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرو۔ رات میں بھی دن میں بھی خشکی میں بھی تری میں بھی۔ صحت میں بھی مرض میں بھی اور پوشیدگی میں بھی علانیہ طور سے بھی۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ذکر کثیر یہ ہے کہ انسان اسکو کسی حال میں اور کبھی نہ بھولے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا تو فناء قلب اور دوام حضور کے حاصل ہونے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں وسبحوہ بکرۃً واصیلا یعنی اس کے لئے نماز پڑھو۔ صبح کی۔ ظہر و عصر کی اور مغرب و عشاء کی۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے کہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہو۔ ان پانچوں ہی کو صرف تسبیح کے لفظ سے تعبیر فرمادیا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کلمات کو حالت طہارت میں۔ حدث میں۔ جنابت میں سب میں کہا کرو۔

میں کہتا ہوں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ذکر میں تعمیم فرمائی اور یہ فرمایا کہ انسان ہمیشہ ذکر کرے کسی وقت اللہ تعالیٰ کو بھولے نہیں۔ مگر پھر اسکو اوقات مخصوصہ کیساتھ مختص کردیا۔ پس اول سے مراد ذکر خفی اور حضور دائمی ہے اور ثانی سے مراد ذکر جلی ہے

والعبادات الراتبة من الفرائض والسنن +

اور عبادات مقررہ مراد ہیں خواہ فرائض ہوں یا سنن۔

(تفسیر مظہری) صفحہ ۳۸۲ پ ۲۲)

مجھے اس سلسلے میں خیال ہوا کہ ذرا دیکھوں تو سہی مفسرین والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات کا کیا مطلب بیان کرتے ہیں تو تفسیر مظہری میں یہاں بھی قریب قریب وہی لکھا ہے جو اذکروا اللہ ذکرا کثیرا میں بیان ہوچکا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

قال مجاهدؒ لا یکون العبد من الذاکرین اللہ کثیرا حتی یذکر اللہ قائما وقاعدا ومضطجعا یعنی لا یفتر ذکرهم حین من الاحیان +

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کا شمارہ ذاکرین اللہ کثیرا میں نہ ہوگا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے بیٹھے اور لیٹے نہ کرنے لگ جائے یعنی کسی وقت اس کے ذکر سے سستی وغفلت نہ کرے۔

قلت ذالك لا یتصور الا بعد فناء القلب واستغراق القلب وحصول الحضور الدائم +

(قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ) یہ تو اسی وقت ہوسکتا ہے جب انسان کو فناء قلب، استغراق قلب اور دوام حضور کا مرتبہ حاصل ہوجائے۔

پھر آگے الذاکر فی الغافلین کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ:۔

عن مالك قال بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یقول ذاکر اللہ فی الغافلین کالمقاتل خلف الفارین وذاکر اللہ فی الغافلین کغصن شجر اخضر فی شجر یابس وذاکر اللہ فی الغافلین مثل مصباح فی بیت مظلم وذاکر اللہ فی الغافلین یریه اللہ مقعدہ من الجنة وهو حی وذاکر اللہ فی الغافلین یغفر له بعدد کل فصیح واعجم والفصیح بنو آدم والاعجم بهائم۔

حضرت مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ غافلین کے درمیان کوئی ذاکر رہتا ہو تو وہ ایسا ہے جیسے کہ جہاد میں بھاگنے والوں کے پیچھے کوئی لڑنے والا ہو (کہ اور تو سب بھاگ رہے ہیں اور وہ ڈٹا ہوا ہے) اسی طرح سے غافلین کے درمیان اللہ کو یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے کسی سوکھے درخت میں کوئی سبز ٹہنی رہ گئی ہو۔ اسی طرح سے غافلین کے درمیان ذاکر کا وجود ایسا ہے جیسے کہ تاریک کوٹھری میں کوئی چراغ جل رہا ہو۔ اسی طرح سے غافلین کے درمیان جو ذاکر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ زندگی ہی میں اسکو جنت کا ٹھکانہ دکھا دیتے ہیں۔ اور غافلین کے درمیان کوئی ذاکر رہتا ہے تو اسکے لئے تمام انسان اور تمام بہائم دعا کرتے ہیں۔

(مظہری ص ۳۷۶ پ ۲۲)

پھر آگے فرماتے ہیں۔ کہ فرائض خمسہ ادا کرنے والا بھی والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات میں داخل ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

قال البغوی قال عطاء بن ابی رباحؒ ومن صلی الصلوات الخمس فھو داخل فی قولہ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات +

بغوی کہتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے پنجوقتہ نماز ادا کرلی وہ بھی والذاکرین اللہ کثیراً والذاکرات میں داخل سمجھا جائے گا۔

(ص ۲۷۶ پ ۲۲)

اس کے بعد مجھے خیال ہوا کہ ذرا بیان القرآن تو دیکھوں۔ حضرت رح نے اس کے متعلق کیا فرمایا ہے۔ جب اس مقام کو نکال کر دیکھا تو جی خوش ہو گیا یعنی جس چیز کو طبیعت چاہتی تھی وہ مل گئی اور حضرت نے اسکی جو تفسیر فرمائی ہے وہ کسی نے نہیں کی۔ فرماتے ہیں کہ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات یعنی بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں (یعنی جو اذکار مفروضہ کے علاوہ اذکار نافلہ بھی ادا کرتے ہیں) اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیماً۔ ان سب کیلئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (بیان القرآن ص۵۰ ج ۹)

دیکھا آپ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات کے اولین مصداق وہ لوگ ہیں جو فرض اذکار یعنی نماز روزہ وغیرہ ادا کرتے ہیں مگر صرف اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ علاوہ اس کے اذکار نافلہ بھی ادا کرتے ہیں۔

اس زمانہ کی بدعات میں ایک بڑی بدعت یہ ہو گئی ہے کہ لوگ خدا کے فریضہ کو کچھ نہیں سمجھتے۔ نوافل پڑھتے ہیں اور زبان سے اللہ اللہ کرتے ہیں اسکو تو ذکر سمجھتے ہیں اور فرض نماز کے ادا کرنے والے کو ذاکر ہی نہیں سمجھتے۔ نہ وہ خود اپنے کو کچھ سمجھتا ہے اور نہ لوگ اسکو کوئی بزرگی کا کام سمجھتے ہیں حالانکہ آپ نے دیکھا کہ مفسرین نے اس کا مصداق صلوات خمسہ کو بھی کہا ہے اور حضرتؒ نے تو والذاکرین کا مصداق اولی ہی اسکو قرار دیا ہے۔ بہرحال یہ نہایت درجہ بدعقیدگی ہے جو اس وقت ابنائے زمانہ میں فرائض کی جانب سے پیدا ہو گئی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ آدمی جب نماز روزہ کے ساتھ ایسی بدعقیدگی دل میں لئے رہے گا تو اس سے اسکو خاک فائدہ ہو گا۔

نماز روزہ میں بھی بزرگی ہے بلکہ بزرگی کی اصل یہی چیزیں ہیں لیکن مخلص کیلئے اسلاف نے عقیدہ صحیح کر کے تب اسکو لیا تھا اس لئے ان کو نفع ہوا اور اب جو نفع نہیں ہو رہا ہے وہ ہماری بدعقیدگی

کی وجہ سے نہیں ہوتا نہ اس لئے کہ اس میں کچھ ہے نہیں۔

ایک جگہ اہل علم کے مجمع میں میں نے یہ بیان کیا کہ آج کل لوگ نماز کو بھی حاکم وقت کی بیگار سمجھتے ہیں چنانچہ خواہی نخواہی ادا کر لیتے ہیں۔ باقی نیت درست کر کے اور اخلاص کے ساتھ تو کوئی ہی کوئی اللہ کا بندہ پڑھتا ہوگا۔ اسلئے آج ہم کو اس سے فیض نہیں ملتا ورنہ تو یہ فیض کی چیز ہے۔ معراج المومنین ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کیلئے معراج میں بطور تحفہ کے یہ ملی ہے۔

میں نے جب یہ مضمون بیان کیا تو لوگوں نے اسے سراہنا شروع کیا کہ خوب بات بیان کی اور بہت سے لوگوں نے لکھ کر دیا کہ اس بات کو سنکر نیت درست کر لی ہے اور فرض نماز ٹھیک کرنے کی فکر پیدا ہوگئی ہے۔ میں نے تو ایک بات یونہی بیان کر دی تھی کہ شاید کوئی آدمی اس خیال کا ہو تو اسکی اصلاح ہو جائے مگر دیکھا کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے حضرات اس کا شکار نکلے۔ جب نماز جیسی اہم عبادت کا یہ حال ہے تو اسی پر اور چیزوں کو قیاس کر لیجئے۔ چنانچہ ذکر کے باب میں بھی ہم سے جو جو غلطیاں ہوتی ہیں ایک مصری عالم کی زبان سے اسکو سنئے۔ ھذا نصہ۔

(بیان ماھو الذکر الشرعی)

واما الذکر الذی یحبہ اللہ و رسولہ واصفیاء الامۃ ویوجر علیہ فاعلہ فھو ماورد بہ کتاب اللہ وسنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وضبطہ الائمۃ الذین یعول علیھم فقد قال سیدی محمد المنیر خلیفۃ الامام الحفنی فی تحفۃ السالکین ولیحذر من اللحن فی لا الہ الا اللہ لانھا من القرآن فیمد اللام علی قدر الحاجۃ وتحقق الھمزۃ المقصورۃ بعد ھا ولا یمد ھا اصلا ویفتح ھاء اِلٰہَ فتحۃ خفیفۃ ولا یفصل بین الھاء و بین الا اللہ وایاک ان تتھاون فی

(ذکر شرعی کا بیان)

وہ ذکر جو اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے اور اللہ کے نیک بندے بھی جسکو پسند کرتے ہیں اور جسکے کرنے والے کو اجر دیا جائیگا وہی ہے جو کتاب و سنت میں وارد ہے اور معتمد ائمہ نے جسکو ضبط کیا ہے۔ چنانچہ سیدی محمد منیر نے جو کہ امام حفنی کے خلیفہ ہیں۔ تحفۃ السالکین میں لکھا ہے کہ لا اِلٰہ الا اللہ کا ذکر کرنے میں لحن اور غلطی سے احتراز کرو اس لئے کہ یہ قرآنی الفاظ ہیں۔ پس لَا کے لام کو بقدر ضرورت ہی کھینچو اور اس کے بعد جو ہمزہ آتا ہے اسکو صاف اور واضح طور سے ادا کرو اور اس کو بالکل نہ بڑھاؤ۔ اور اِلٰہ کی ھا، پر خفیف سا زبر پڑھو اور لا اِلٰہ میں اور الا اللہ میں فصل نہ کرو۔ (ذکر رکھا جاتا ہے کہ) اِلٰہ کے ہمزہ کی ادائیگی میں سستی نہ کرنا ورنہ تم ہمزہ کے بجائے یا پڑھ دو گے۔ اسی طرح سے اِلّا کے ہمزہ کا خیال کرو۔

تحقیق همزة إلٰه فانك ان لم تحققها قلبت ياءً وكذالك همزة إلّا وتسكن آخر لفظ الجلالة +

(ورنہ لا یلاہ یلّا اللہ ہو جائے گا جو غلط ہوگا) اور لفظ اللہ کے آخر کو ساکن پڑھو (یعنی اِلّا اللہ کہو)

ثم قال ويحترز عن تمطيط الذكر والعجلة الشديدة لانها تخرج الذكر عن حده فالميزان ان لا يخرجه عن حده الشرعي انتهى + ونحوه للعلامة السنوسي والعلامة الشجاعي وابي البركات الدرديرو الامام الشعراني وغيرهم من السادة الاكابر وشنعوا جميعًا على من حرف الذكر عن الطريقة الشرعية وحكموا بانه لا ثواب له بل واقع في الخسران والضلال البعيد +

پھر فرمایا کہ ذکر کو بہت زیادہ کھینچنے سے بھی بچو اور اسی طرح بہت زیادہ جلد بازی سے بھی بچو اس لئے کہ یہ ذکر کو اسکی حد سے خارج کر دیتا ہے پس معیار اس باب میں یہ ہے کہ اسکو حد شرعی سے باہر نہ ہونے دو۔

اسی کے مثل کلام علامہ سنوسی۔ علامہ شجاعی ابوالبرکات دردیر اور امام شعرانیؒ وغیرہ نے بھی فرمایا ہے جو کہ اکابر صوفیہ میں سے گذرے ہیں۔ اور ان سب حضرات نے بالاتفاق اس شخص کی مذمت کی ہے جو ذکر کو طریقۂ شرعیہ سے متجاوز کرے اور یہ فرمایا ہے کہ اسکو ایسے ذکر پر ثواب تو کیا ملے گا اُلٹے یہ شخص خسران و ضلال میں پڑ جائے گا۔

(الابداع ص۲۱۶)

صاحب ترصیع نے لا إله الا الله کے الفاظ کی تصحیح کی جانب تنبیہ کر کے فرمایا تھا کہ یہ قرآن کا ایک ٹکڑا ہے لہذا اس میں اگر تبدیل و تغیر ہوا تو ثواب و تنویر دونوں ہی سے محرومی رہے گی۔ اسی طرح سے یہاں صاحب ابداع نے بھی یہی فرمایا کہ ذکر کو طریقۂ شرعی پر ہونا چاہیئے جس نے اسکو بدلا تو نہ صرف یہ کہ اسے اجر و ثواب نہ ملیگا بلکہ وہ خسران میں مبتلا ہوگا۔

علماء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ الفاظ ذکر کی بھی عظمت ضروری ہے اور ان کی تصحیح کا اہتمام کرنا چاہیئے ورنہ نہ صرف یہ کہ تبدیل و تغیر کی وجہ سے وہ ذکر موجب ثواب و تنویر نہ ہوگا بلکہ سبب لعن و مقت ہو جائے گا۔ چنانچہ آج بھی مشاہدہ ہے تکثیر تعداد کے آگے ذاکرین کو اسکی کیفیت کے سنوارنے کا مطلقاً اہتمام نہیں ہے اور یہ محض رسمی ذکر ہے۔ اخلاص سے اسکو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیونکہ ذکر میں کثرت جو مطلوب ہے تو اس کا درجہ کیفیت کے بعد کا ہے یہ نہیں کہ تعداد ہی مقصود ہے بس اسکو پورا کیا جائے چاہے جس طرح سے بھی ہو۔

صاحب روح المعانی نے آیۃ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

ای دُم علی ذکرہٖ تعالیٰ لیلاً ونہاراً علی ای وجہ کان من تسبیح وتہلیل وتحمید وصلاۃ وقراءۃ قرآن وغیر ذلک ۔

اپنے رب کا ذکر کیجئے یعنی رات میں دن میں تمام وقتوں میں اپنے رب کے ذکر پر مداومت برتئے ذکر چاہے جس طرح کا ہو تسبیح ہو کہ تہلیل ہو۔ تحمید ہو یا نماز وتلاوت قرآن وغیرہ ہو۔

وفسر الامر بالدوام لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لم ینسہ تعالیٰ حتی یؤمر بذکرہ سبحانہ والمراد الدوام العرفی لا الحقیقی لعدم امکانہ

(روح المعانی ص۱۰۹ ج۲۹)

اور اُذکُر کی تفسیر دوام سے اس لئے کیگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حق تعالیٰ کو خود ہی فراموش نہیں کئے ہوئے تھے تو پھر یاد کرنے کا مطالبہ کیسا؛ ہاں دوام کا حکم فرمانا ممکن تھا اسلئے یہاں یہی مراد ہے اور پھر دوام سے مراد۔ دوام عرفی ہے (یعنی اکثر اوقات میں) حقیقی نہیں اسلئے کہ وہ امکان سے خارج ہے۔ کیونکہ ایک آن بھی ذکر سے خالی نہ ہو یہ چیز طاقت بشریہ سے خارج ہے۔

اسی طرح سے وذکر اسم ربہ فصلی کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ :-

ذکر اسم ربہ بلسانہ وقلبہ لا بلسانہ مع غفلۃ القلب او مثل ذلک لا ثواب فیہ فلا ینبغی ان یدخل فیما یترتب علیہ الفلاح۔ والذکر القلبی باستحضار اسمہ تعالیٰ فی القلب وان کان محموداً بلا شبہۃ الا ان ارادتہ بخصوصہ عما ذکر خلاف الظاہر ۔

اپنے رب کا نام لیا یعنی زبان سے اور قلب سے ذکر کیا نہ یہ کہ صرف زبان سے ذکر کیا اور قلب غافل رہا اس لئے کہ اس جیسے ذکر میں کوئی ثواب نہیں ملتا۔ لہٰذا جس ذکر پر کہ فلاح مرتب فرمائی جارہی ہو (قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی) اس میں اس کا شمار مناسب نہیں اور ذکر قلبی یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کا نام قلب میں مستحضر کرے یہ اگرچہ پسندیدہ ہے اور ذکر کا فرد ہے تاہم یہاں ذکر کو اسی کے ساتھ خاص کرنا ظاہر کے خلاف ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ عام ہے۔ مگر قلبی توجہ بہرحال ضروری ہے۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر خواہ لسان سے ہو یا قلب سے دونوں مطلوب ہیں البتہ یہ ذکر کہ لسان ذاکر ہو اور قلب غافل یہ کوئی چیز نہیں اور اس پر اجر کا بھی وعدہ نہیں۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر قلب غافل سے کرنا عظمت ذکر اور تعظیم وخشوع کے منافی ہے جس سے اسم رب کی تنزیہ کا امر ہے۔ جیسا کہ

یہی صاحب روح المعانی سبح اسم ربك الاعلی کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

سبح اسم ربك الاعلیٰ ای نزه اسماءه عز وجل عما لا یلیق - فلا تؤول مما ورد منها اسما من غیر مقتض ولا تبقه علی ظاهره اذا کان ما وضع له ما لا یصح له تعالیٰ ولا تطلقه علیٰ غیره سبحانه اصلا اذا کان مختصا کالاسم الجلیل او علی وجه یشعر بانه تعالی والغیر فیه سواء اذا لم یکن مختصا فلا تقل لمن اعطاك شیئاً مثلا هذا رازقی علی وجه یشعر بذلك. وصنه عن الابتذال والتلفظ به فی محل لا یلیق به کالخلاء وحالة التغوط وذکره لا علی وجه الخشوع والتعظیم وربما یعد مما لا یلیق ذکره عند من یکره سماعه من غیر ضرورة الیه - وعن الامام مالك انه کان اذا لم یجد ما یعطی السائل یقول ماعندی ما اعطیك او ائتنی فی وقت آخر او نحو ذلك ولا یقول نحو ما یقول الناس یرزقك الله تعالی او یبعث الله تعالی لك او یعطیك الله تعالی او نحوه فسئل عن ذلك فقال ان السائل اتقل شیئ علی

آپ اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجئے یعنی حق تعالیٰ کے اسماء کو ان امور سے جو ان کے شایان شان نہیں ہیں منزہ رکھئے۔ مثلاً جو نام اللہ تعالیٰ کے شرعاً آئے ہیں ان کو ان کے ظاہر سے بلا وجہ مت پھیریئے۔ یا اگر کوئی ایسا نام اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کیا جاتا ہو کہ اسکے ظاہر کا اطلاق حق تعالیٰ کیلئے شرعاً درست نہ ہو تو آپ اسکو اسکے ظاہر پر نہ رکھئے بلکہ تاویل کیجئے۔ اسی طرح سے اگر کوئی حق تعالیٰ کا مخصوص علم ہو جیسے اللہ اسکو غیر اللہ پر ہرگز نہ بولئے یا اگر خاص نہ ہو تو ایسے طور پر اس کا اطلاق نہ کیجئے جس سے شبہ ہو کہ شاید اللہ تعالیٰ اور وہ غیر دونوں اس وصف میں برابر ہیں (معاذ اللہ) مثلاً کسی نے اگر تم کو کوئی چیز دی تو اسکے متعلق یہ مت کہو کہ یہ تو میرا رازق ہے کیونکہ حقیقتاً تو خدا رازق ہے اس کہنے میں شرک کا ایہام ہے۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے نام کو بے وقعت ہونے سے بچاؤ، اور ایسے مقامات میں انکا تلفظ نہ کرو جو اسکے لئے مناسب نہیں مثلاً بیت الخلا یا بوقت قضائے حاجت اسی طرح سے خود کو اس سے بھی بچاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا نام بدون خشوع اور تعظیم کے لو۔ اور منجملہ ما لا یلیق میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ایسے شخص کے سامنے بلا ضرورت نہ لیا جائے جو کہ اس کا سننا پسند نہ کرتا ہو۔ جیسا کہ امام مالک کا واقعہ منقول ہے کہ ان کے پاس سائل کو دینے کیلئے جب کوئی چیز نہ ہوتی تو اس سے یوں فرماتے کہ بھائی اس وقت تم کو دینے کے لئے کچھ ہے نہیں۔ یا یوں فرماتے کہ جاؤ کسی دوسرے وقت آنا یا اسکے مثل کچھ اور فرما دیتے۔ اور جیسا کہ لوگوں کا قاعدہ ہے کہ ایسے موقع پر جواب کیلئے کہدیتے ہیں۔ جاؤ بھائی اللہ تعالیٰ تمکو روزی دیں یا یہ کہ (دعا کرو) کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حصہ بھیجیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیں یا اسکے مثل کوئی اور کلمہ نہ فرماتے۔ چنانچہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کا

سمعہ وابغضہ الیہ قول المسئول لہ مایفیدہ ردہ وحرمانہ فانا اجل اسم اللہ سبحانہ من ان اذکرہ لمن یکرہ سماعہ ولو فی ضمن جملۃ۔ وھذا منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی غایۃ فی الورع +

(روح المعانی ج ۱ ص ۱۵)

جواب عام لوگوں کے جواب سے مختلف کیوں ہوتا ہے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ سائل کے کانوں پر سب سے زیادہ شاق اور انتہائی ناپسند قول مسئول عنہ کا وہ جواب ہوتا ہے جس میں اس کا رد اور حرمان ہو تو بھائی میں تو اللہ تعالیٰ کے نام کو اس سے کہیں اعلیٰ وارفع سمجھتا ہوں کہ اسکو کسی شخص کے ساتھ ایسے کلام میں استعمال کروں جس کا سننا بھی اسے ناگوار ہو اگرچہ یہ اسم اس جملہ کے ضمن ہی میں کیوں نہ آجائے۔ سبحان اللہ یہ امام مالکؒ کا ادب تھا اور ان کا اعلیٰ درجہ کا ورع تھا۔

دیکھئے صاحب روح نے اسم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی کیسی کیسی صورتیں بیان فرمائیں اور آخر میں امام مالک کے واقعہ سے تو حیرت ہی ہوتی ہے کہ سبحان اللہ یہ حضرات کس درجہ اللہ تعالیٰ کی عظمت پیش نظر رکھتے تھے اور یہی وہ ادب تھا جس نے ان حضرات کے مرتبہ کو دارین میں چمکایا۔

اور امام مالکؒ کا تو کہنا ہی کیا وہ تو امام المتقین ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی جیسی کچھ عظمت فرمائیں ان کا حق ہے ایک نحوی کا بھی قصہ مشہور ہے کہ لفظ اللہ میں جو لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ فلاں سے مشتق ہے یا فلاں سے مشتق اور اسکی اصل یہ تھی اور اس میں یہ تبدیلی ہوئی تو اسکو سن کر اس نے کہا کہ صحیح میرے نزدیک یہ ہے کہ لفظ اللہ علم ذات باری ہے اور جس طرح سے اس کی ذات تبدل و تغیر سے منزہ ہے اسی طرح سے اس کا اسم بھی ایک مستقل اسم ہے یعنی تغیر و تبدل سے پاک ہے۔

چنانچہ اس کے انتقال کے بعد کسی نے اسکو خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا معاملہ ہوا۔ اس نے کہا بخش دیا گیا۔ کیونکہ میں نے جو یہ کہا تھا کہ لفظ اللہ مستقل ہے تغیر و تبدل سے بے نیاز ہے جس طرح سے کہ اسکی ذات اس سے منزہ ہے بس یہی بات حق تعالیٰ کو پسند آئی حکم ہوا کہ جاؤ تمہارے اس حق ادب اور تعظیم کے صلہ میں تم کو بخش دیا۔

سبحان اللہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کے محض اسم کی تعظیم اور لفظ کے ادب کا اسکو یہ صلہ ملا پس اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا کس طرح سے بدون عظمت کے مقبول ہوگا۔ اس لئے ذاکرین کو اس باب میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں کمیت اور مقدار نہیں دیکھی جاتی البتہ قلب کا خشوع اور ادب ضرور دیکھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس سے ہم سب کو حصہ وافر نصیب فرمائے! آمین

ھذا تحقیق لطیف فلیغتنمہا الذاکرون

جب ذکر پر کلام ہو رہا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اسم مفرد (یعنی اللہ اللہ) کے جواز اور عدم جواز کی تحقیق بھی نقل کر دیجائے۔ چنانچہ صاحب ابداع تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وقد اختلف فی جواز الذکر بالاسم المفرد فذهب کثیر منهم الی انه لابد فی الذکر من الجملة لانها هی المفیدة ولا یصح بالاسم المفرد مظهرا او مضمرا لانه لیس بکلام تام ولا جملة مفیدة ولا یتعلق به ایمان ولا کفر ولا امر ولا نهی ولم یذکر ذلك احد من السلف ولا شرع ذلك رسول الله والشریعة انما ورد منها من الاذکار ما یفید بنفسه فقد ورد افضل الاذکار لا اله الا الله وحده لا شریك له له الملك وله الحمد وهو علی کل شیئ قدیر +

اسم مفرد کے ذکر کے جواز میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ بہت سے حضرات کا یہ خیال ہے کہ ذکر میں پورا جملہ ہونا ضروری ہے اسلئے کہ وہی مفید ہے اور اسم مفرد کے ساتھ ذکر صحیح نہیں خواہ اسم ظاہر ہو یا ضمیر ہو اس لئے کہ یہ کلام تام نہیں ہے اور نہ جملہ مفیدہ ہے اسکے ساتھ نہ ایمان متعلق ہے نہ کفر۔ نہ امر متعلق ہے نہ نہی۔ اور سلف میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ ثابت نہیں ہے اور شریعت میں وہی اذکار آئے ہیں جو بذات خود مفید ہیں چنانچہ آتا ہے کہ سب سے افضل ذکر (لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریك له له الملك وله الحمد وهو علٰی کل شیئ قدیر) ہے۔

ورأی آخرون من العلماء ان الذکر کما یکون بالجملة یکون بالاسم المفرد - قال العلامة البنانی فی شرحه علی صلاة ابن مشیش اعلم ان ذکر الاسم المفرد المعظم مجردا عن الترکیب بجملة وهو قول الله الله مما توارثه السادات الصوفیة واستعملوه بینهم الی ان قال وفی الصحیح لا تقوم الساعة حتی لا یبقی

اور دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ ذکر جسطرح سے کہ جملے کے ذریعہ سے ہوتا ہے اسی طرح اسم مفرد کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔ علامہ بنانی رح نے ابن مشیش کی کتاب الصلوٰۃ پر جو حاشیہ لکھا ہے اس میں تحریر فرمایا ہے کہ جانو کہ اسم مفرد جو ترکیب سے خالی ہو یعنی اللہ اللہ جس کا ذکر سادات صوفیہ میں متوارث چلا آرہا ہے اور ان کے یہاں شائع و ذائع ہے (اس کے متعلق یہ سمجھو کہ) حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جب تک زمین پر کوئی اللہ اللہ کا کہنے والا موجود

من يقول الله الله وهو شاهد في الجملة بذكر هذا الاسم وحده لاسيما على رواية النصب ولا نزاع في جواز التلفظ بالاسم الكريم وحده فاي مانع ان يكرره الانسان مرات كثيرات وكونه لم ينقل عن السلف لا يقتضي منعه ولا كراهته وكم اشياء لم تكن في عهد السلف مع انها جائزة الى ان قال فلا ينبغي التوقف في ذلك ولا التشغيب بانكاره +

وقال الشيخ ابو العباس المرسي ليكن ذكرك الله فان هذا الاسم سلطان الاسماء وله بساط وثمرة فبساطه العلم وثمرته النور وليس النور مقصودا لذاته بل لما يقع به من الكشف والعيان فينبغي الاكثار بذكره واختياره على سائر الاذكار لتضمنه لجميع ما في لا اله الا الله من العقائد والعلوم والآداب والحقوق فانه ياتي في الله وفي هو ما لا ياتي في غيرهما من الاذكار۔

وقال الشيخ زروق ولهذا يختاره المشائخ ورجحوه على سائر الاذكار

رہے گا قیامت نہ آئے گی۔ یہ حدیث فی الجملہ شاہد ہے کہ اسم ذات کے ساتھ تنہا ذکر جائز ہے خاصکر جبکہ اللہ اللہ کو بالنصب (زبر) پڑھا جائے۔ اور لفظ اللہ کے تلفظ میں عدم جواز کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ لہذا اگر کسی نے اسکو مکرر سہ کرر یعنی متعدد بار تکرار کیا تو اس میں کون سی حرج کی بات ہوگئی۔ باقی سلف سے اس کا نہ منقول ہونا اس سے یہ چیز نہ ممنوع ہوگی نہ مکروہ ہوگی۔ چنانچہ کتنی ہی چیزیں ہیں کہ سلف کے زمانہ میں نہیں تھیں باوجودیکہ وہ جائز ہیں ـــ لہذا اس کے جواز میں نہ تو توقف کرنا چاہیئے اور نہ اس کے انکار کی آواز بلند کرنا چاہیئے۔

شیخ ابو العباس مرسی نے فرمایا ہے کہ چاہیئے کہ تمہارا ذکر (اللہ اللہ) کا ہو۔ اس لئے کہ یہ نام سلطان الاسماء ہے اور اس کے لئے ایک بساط ہے اور ایک ثمرہ ہے۔ بساط اس کا علم ہے اور ثمرہ اس کا نور ہے اور نور مقصود بالذات نہیں ہوتا ہے بلکہ اس لئے مطلوب ہے کہ ذریعہ کشف و معائنہ بنتا ہے۔ پس اس اسم کا اکثار مناسب ہے اور جملہ اذکار پر اس کو ترجیح دینا چاہیئے کیونکہ لا الہ الا اللہ میں جو بھی عقائد۔ علوم آداب اور حقوق آئے ہوئے ہیں ان سب کو یہ متضمن ہے اس لئے کہ اللہ اور ھو میں ایسی ایسی چیزیں آگئی ہیں جو ان کے علاوہ اور دوسرے اذکار میں نہیں۔

شیخ زروق نے فرمایا ہے کہ اسی لئے مشائخ نے اسکو اختیار فرمایا ہے اور تمام اذکار پر اس کو راجح قرار دیا

وجعلوا له خلوات و وصلوا به الى اعلى
المقامات والولايات وان كان فيهم من
اختار فى الابتداء لا اله الا الله و فى
الانتهاء الله الله۔

وقال ابن الحجر فى الفتاوى الحديثية
ذكر لا اله الا الله افضل من ذكر الجلالة
مطلقاً بلسان اهل الظاهر واما اهل الباطن
فالحال عندهم يختلف باختلاف حال
السالك فمن هو فى ابتداء امره ومقاساة
شهود الاغيار وعدم انفكاكه عن التعلق
بها يحتاج الى النفى والاثبات حتى يستولى
عليه سلطان الذكر فاذا استولى عليه
فالاولى له لزوم الاثبات اعنى (الله الله)
وبهذا يتبين ان الذكر بالاسم المفرد لا
مانع منه شرعاً اذ لم يرد نهى عنه من
الشارع يفيد كراهته او تحريمه۔
(ابداع صـ۳۱۵)

ہے۔ اس کو اپنے خلوات میں جگہ دی اور ولایت
و مقامات عالیہ کی تحصیل کا اسی کو ذریعہ بنایا ہے
اگرچہ بعض حضرات نے ابتداء میں لا الہ الا اللہ کو لیا
ہے اور انتہا میں اللہ اللہ کو۔

ابن حجرؒ نے فتاوی حدیثیہ میں لکھا ہے کہ
لا الہ الا اللہ کا ذکر اسم ذات اللہ اللہ کے ذکر
سے اہل ظاہر کے نزدیک مطلقاً افضل ہے اور اہل باطن
کے نزدیک سالک کے اختلاف حالات کی بنا پر احکام
مختلف ہوتے ہیں۔ پس جو شخص کہ ابتداء طریق میں
ہو اور اغیار کے مشاہدہ کی مشقت جھیلنے سے ابھی باہر نہ ہوا
ہو اور نہ ماسوی اللہ کے تعلق سے اسکو خلاصی حاصل ہوئی
ہو تو اسکو ذکر نفی و اثبات کی ضرورت ہے تاکہ سلطان الذکر
اس پر مستولی ہو جائے اور جب سلطان الذکر اس پر مستولی
ہو جائے تو اب اس کے لئے ذکر اثبات یعنی اللہ اللہ پر
التزام مناسب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر مجرد یعنی اللہ اللہ
میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے اسلئے کہ شارع سے اس باب
میں ایسی کوئی نہی نہیں وارد ہے جس سے اسکی کراہت یا تحریم
معلوم ہوتی ہو۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ تنہا اللہ اللہ کا ذکر صحیح ہے اور بعض اعتبار سے یہ ذکر لا الہ الا اللہ
کے ذکر سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ اور علامہ شامیؒ نے تو امام ابو حنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا
ہے کہ یہی لفظ اللہ "اسم اعظم" ہے۔ ہذا نصہ۔

روى هشام عن محمد عن ابى حنيفةؒ انه اسم
الله الاعظم وبه قال الطحاوى وكثير من
العلماء واكثر العارفين حتى انه لا ذكر عندهم
لصاحب مقام فوق الذكر به كما فى شرح التحرير لابن
امير الحاج۔ (صـ۵ شامى ج۱)

ہشام نے امام محمد سے اور انھوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت
کیا ہے کہ یہی لفظ اللہ۔ اللہ تعالی کا اسم اعظم ہے اور یہی طحاویؒ
نے بھی فرمایا ہے اور بہت سے علماء کا یہی ارشاد ہے اور اکثر عارفین
کے نزدیک تو صاحب مقام کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا ذکر نہیں ابن
امیر الحاجؒ نے شرح تحریر میں ایسا ہی بیان فرمایا ہے۔

(وهذا آخر ما اردنا ان نذكره فى هذا المقام)

ثم لیکن ذکرك لا الٰہ الا اللہ
بتحقیق الھمزتین من الٰہ والا وعدم
مدھا بتحقیق الھاء من الاسم الکریم
والمحافظة علی المدود فی لا والٰہ والاسم
الکریم وفتح الھاء من الٰہ فتحة خفیفة
ولا تمدھا ولا تفصل بینھما وبین
الا اللہ وسکون الھاء من لفظ الجلالة
وبدون ذالك لا یکون ذکرا بل
مقتا ولعنا لما فیہ من تبدیل القرآن
فان ھذا الذکر بعض آیتہ ومع
التغییر لا ثواب ولا تنویر۔

پھر چاہئے کہ تمھارا لا الٰہ الا اللہ کا ذکر اس طرح سے ہو کہ
اِلٰہ اور اِلّا ان دونوں لفظوں کا ہمزہ (یعنی الف متحرکہ)
صاف ادا ہو اور ان دونوں کو بڑھایا نہ جائے اور لفظ اللہ کی
ہا کو واضح ادا کرے اور لا والٰہ اور اللہ کے مدوں کا خاص طور پر
خیال کرے اور الٰہ کی ہا پر خفیف سا فتحہ ظاہر کرے اور اسکو
بڑھائے نہیں اسی طرح سے لا الٰہ اور الا اللہ میں فصل نہ کرے
(یعنی لا الٰہ کہنے کے بعد متصلاً ہی الا اللہ کہے) اور لفظ اللہ
کی ہا کو ساکن پڑھے (ذکر میں ان سب امور کی رعایت ضروری ہے)
کیوں کہ بدون اس کے ذکر، ذکر نہ ہوگا بلکہ سب مقت اور لعن ہوگا
اس لئے کہ اس میں قرآن کی تبدیلی ہے کیونکہ لا الٰہ الا اللہ آیت
قرآنی کا ایک ٹکڑا ہے اور جب الفاظ قرآن ہی کو بدل دیا تو پھر کیا
ثواب اور کہاں کی تنویر۔

(اس کا لحاظ فرمائیے دیکھئے کیا فرما رہے ہیں)

(ثم) آداب الذکر المطلوبة عشرون
خمسة سابقة علیہ واثنا عشر فی اثنائہ
وثلثة بعدہ فالخمسة التی قبلہ اولھا
التوبة وحقیقتھا عند القوم ترك ما سوی
اللہ تعالی قولاً وفعلاً وارادةً و
ثانیھا طھارة الظاھر بالغسل والوضوء
ثالثھا السکوت والسکون لیحصل لہ
الصدق وجمعیة القلب علی اللہ تعالی
فیشتغل قلبہ بالذکر اولاً ثم
یتبعہ اللسان۔

پھر یہ سمجھو کہ ذکر کے آداب جن کو طریق میں ملحوظ رکھنا لازم
ہے وہ بیس ۲۰ ہیں، پانچ ذکر سے پہلے اور بارہ اثناء ذکر میں
اور تین ذکر کے بعد۔ بہر حال وہ پانچ آداب جو ذکر سے پہلے کے
ہیں اُن میں سے اول تو یہ ہے اور اسکی حقیقت قوم صوفیہ کے
نزدیک یہ ہے کہ آدمی ماسوائے اللہ تعالے کو ترک کردے۔ خواہ وہ قول
ہو فعل ہو یا ارادہ ہو۔ اور دوسری چیز طہارت ظاہری کی تحصیل ہے
خواہ غسل کے ذریعے سے ہو یا وضو سے اور تیسری چیز سکوت اور سکون
ہے تاکہ اس کو توجہ تام یکسوئی اور اللہ تعالی کی جانب جمعیت
قلب حاصل رہے۔ اور اسکی وجہ سے پہلے اس کا قلب ذکر سے
مشغول ہو پھر اسکی زبان۔

رابعہا ان یستمد بقلبہ عند الشروع بالذکر من ہمۃ شیخہ ملاحظا ان استمدادہ من شیخہ ھو استمداد حقیقۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان الشیخ ھو الواسطۃ بین المرید وبینہ صلی اللہ علیہ وسلم

(ذکر شروع کرنے سے پہلے جن آداب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ان میں سے) چوتھا ادب یہ ہے کہ ذکر شروع کرنے سے پہلے اپنے قلب سے اپنے شیخ کی جانب متوجہ ہو اور اس کی ہمت اور توجہ سے مدد حاصل کرے اور درحقیقت یہ مدد طلب کرنا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لئے کہ شیخ تو صرف ایک وسیلہ اور ذریعہ ہوتا ہے مرید کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان (باقی مصدر البرکات اور منبع الفیض تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات والاصفات ہے۔)

خامسہا قرائۃ التوجہ الآتی ثلاثاً اوخمساً اوسبعاً بحسب اجتہاد الذاکر

پانچواں ادب یہ ہے کہ توجہات سبعہ جو آگے مذکور ہیں ذاکر تین بار یا پانچ بار یا سات بار جتنی مرتبہ کہ ذاکر کی ہمت ہو پڑھے۔

(واما) للاثنا عشر التی فی اثنائہ فاولہا جلوسہ علی مکان طاہر۔ ثانیہا ان یضع راحتیہ علی فخذیہ بہیئۃ الصلوٰۃ وقال بعضہم ھذا للمبتدی اما المنتہی ومن بہ مرض فیجلس متربعا او کیف شاء۔

رہے وہ بارہ آداب جو کہ اثنا ذکر کے ہیں تو اُن میں سے پہلا[۱] ادب یہ ہے کہ بوقت ذکر کسی پاک وصاف جگہ پر بیٹھے۔ دوسرا[۲] ادب یہ ہے کہ اپنے دونوں ہتھیلیوں کو اپنے رانوں پر اس طریقہ سے رکھے جیسے کہ نماز میں تشہد کے وقت رکھتا ہے اور بعض لوگوں نے یہ کہا ہے یہ ہیئت مبتدی کے لئے ہے۔ منتہی یا جس شخص کو کوئی مرض لاحق ہو وہ آلتی پالتی مار کر بیٹھے یا جس طرح سے اسکو آرام ملے بیٹھے۔

ثالثہا تطییب مجلس الذکر وثیاب الذاکر بالرائحۃ الطیبۃ

تیسرا[۳] ادب یہ ہے کہ ذاکر اپنے جائے ذکر کو اور اپنے لباس کو عمدہ خوشبو سے باس لے اور معطر کرلے۔

رابعہا لبس الثیاب الحلال ولومن شر امیط المزابل وان تیسر الحلال من النفیس کان احسن۔

چوتھا[۴] ادب یہ ہے کہ کپڑے جو پہنے ہو وہ حلال آمدنی کے ہوں۔ اگرچہ گھٹیا ہی درجہ کے ہوں۔ اور کسب حلال کا عمدہ جوڑا نصیب ہوجائے تو کیا کہنا۔

خامسها اختیار المکان المظلم إن وجد	پانچواں۵ ادب یہ ہے کہ اگر میسر آجائے تو ذکر کے لئے کسی تاریک جگہ کا انتخاب کرے (کہ ایسی جگہ یکسوئی کیلئے جالب ہے)
سادسها تغمیض عینه لتنسد طرق الحواس الظاهرة وبسدها تنفتح حواس القلب الباطنة	چھٹا۶ ادب یہ ہے کہ بوقت ذکر اپنی آنکھوں کو بند کرے تاکہ حواس ظاہری کے طرق کا سدباب ہوجائے اور پھران کے بند ہونے کی وجہ سے قلب کے باطنی حواس کھل جائیں۔
سابعها، ان یخیل ع شخص شیخه بین عینیه وهذا آکد الاداب عندهم	ساتواں۷ ادب یہ ہے کہ اپنے شیخ کو ع تصور میں اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے اور یہ جملہ آداب ذکر میں سب سے مؤکد ادب ان حضرات کے نزدیک ہے۔

ع (قولہ سابعها ان یخیل شخص شیخه) (مؤلف کہتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ یہ چیز مجھ پر بہت ہی شاق گزرتی تھی اور اس کے کرنے سے میرا ذوق ابا کرتا تھا اس لئے کہ مجھے یہ گوارا نہ ہوتا کہ میرے سامنے (ذکر کے وقت) میرے رب کے علاوہ کوئی غیر موجود ہو۔ اور میری سمجھ میں اس کی حکمت بھی نہ آسکی کہ آخر مشائخ نے اس کے لئے جو فرمایا ہے تو اس سے ان کا مقصد کیا ہے؟ آیا مرید کو مؤدب بنانا ہے کہ وہ جس طرح شیخ کے سامنے مؤدب رہتا ہے اس تصور کے بعد اس وقت بھی ویسا ہی رہے یا شیخ کے قلب سے اس کے قلب میں مدد کا سلسلہ جاری رہے اس لئے یہ ہے یا اور کوئی غرض ہے میں اس کے سمجھنے سے قاصر رہا۔

بہرحال میں نے جو اسکو یہاں بیان کیا ہے تو کچھ اپنے ذوق کے تقاضے سے نہیں بیان کیا بلکہ مشائخ چونکہ کہتے ہیں اس لئے میں نے انکی بات نقل کردی، لہذا تم پر اصرار بھی نہیں کرتا اگر تمہارا ذوق بھی ابا کرتا ہو تو اپنے نفس کو اس پر مجبور کرنا۔ انتہیٰ

(تصور شیخ)

افادہ۔ (قولہ یہ چیز (یعنی تصور شیخ مجھ پر بہت شاق گزرتی تھی) میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ پر علماء ظاہر کو ہر زمانہ میں انکار رہا ہے کیونکہ بظاہر یہ شرک معلوم ہوتا ہے مگر مولانا رومؒ نے اسکی عجیب وغریب تعبیر فرمائی جس سے ان کی شان تحقیق کا اندازہ لگتا ہے فرماتے ہیں ؎

چوں خلیل آمد خیالِ یارِ من — صورتش بت معنی او بت شکن

یعنی میرے دوست (مراد شیخ) کا تصور جو میرے قلب و ذہن میں آیا تو وہ مثل خلیل علیہ السلام ہوکر آیا کہ اسکی صورت تو بیشک بت ہے مگر اسکے معنی اور حقیقت بت شکن ہیں جس طرح سے کہ حضرت خلیل ع بت شکن تھے۔

مطلب یہ کہ جو حضرات تصور شیخ کو مضر اور شرک فرماتے ہیں مولانا رومؒ نے ان کا رد نہیں فرمایا بلکہ یہ تفصیل فرمادی کہ اگر کوئی شخص شیخ ہی کو مقصود بنالیتا ہے اور اس کی ذات پر قناعت کرلیتا ہے تب تو بلاشبہ یہ ایک قسم کی بت پرستی ہے کہ قلب کو غیر اللہ کے ساتھ مربوط کرنا ہے لیکن اگر اسکو صرف ذریعہ اور واسطہ بنایا جائے حق تعالےٰ سے تعلق کا اور اس سے گذر کر حق تعالےٰ تک پہونچا جائے تو پھر یہی چیز قلب سے غیر اللہ کے نکالنے اور دور کرنے کا سبب بھی ہوجائے گی اس معنی کر گویا یہ بت شکنی ہے نہ کہ بت پرستی۔

سبحان اللہ! کیسی عمدہ تحقیق ہے اور کیسا لطیف محاکمہ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہوا ہے کہ یہ راستہ ضرور ہے مگر ہے پُرخطر لہذا جو اہل ہو وہ اس کو اختیار کرسکتا ہے یہ ہر کس و ناکس کے لئے نہیں ہے۔

حضرتؒ کبھی کبھی اس قسم کے مضامین بیان فرماتے تھے تو اہل مجلس جھوم جاتے تھے۔

تصور شیخ کے متعلق یہ کلام مولانا رومؒ کا آپ نے ملاحظہ فرمایا اب اپنے اکابرین سے حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کی تحقیق بھی پیش کرتا ہوں۔ اپنے ایک مرید منشی محمد قاسم صاحبؒ کو تحریر فرماتے ہیں کہ:

تم نے تصور شیخ کو پوچھا تھا ـــ اے برادر تصور شیخ متقدمین صوفیہ نے جو لکھا ہے اس میں یہ قید کی ہے کہ محبت و تعظیم ہو اور اس سے زیادہ جو کچھ امور ہوئے بعضے متأخرین سے بفرط محبت یا بطرز غلط فہمی کے وہ سب امور اصل تصور شیخ سے باہر ہیں اور جن لوگوں نے منع کیا ہے اس آخر کو منع کیا ہے نہ اول طریق کو۔

اور اصل یہ ہے کہ جیسے تصور دیوار و در کا بلکہ اپنے کسی آشنا کا بلکہ اپنے کسی معشوق کا ممنوع نہیں تصور شیخ کو اس سے محبت دینی ہے ممنوع نہیں۔ ہاں اسکو حاضر و ناظر سمجھ لینا یا ممد و معاون جاننا یا فرط تعظیم (کہ عبادت کے مرتبہ کو پہونچادے) کرنا یہ امور شرکیہ سب ممنوع ہیں۔

قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز سے آدمی کو لگاؤ ہوتا ہے اس کا تصور ہوا کرتا ہے۔ اور جس چیز کا اکثر تصور کرے اس سے ایک لگاؤ ہوجاتا ہے، اور محبت اور عقیدت کا مضبوط ہوجانا اور طبیعت کا ایک جانب لگ جانا (جسکو یکسوئی کہتے ہیں) اس راہ میں نہایت مطلوب ہیں۔

اس لئے ان بزرگواروں نے اسکو تجویز کیا ورنہ طالب خدا کو سوا خدا کے کسی سے کیا کام پڑا ہے۔ بلکہ اتنی توجہ چند ہر شرعاً ممنوع نہیں مگر طریق صوفیہ کے صفائی توحید پر اسکی بنا ہے اس کے خلاف ہے کہ اتنا بھی خیال غیر کا رہے اسی امر کیطرف مولانا رومؒ اس شعر میں اشارہ فرماتے ہیں ؎

چوں خلیل آمد خیالِ یارِ من   صورتش بت معنیٔ او بت شکن

اے برادر! بندگی اور خدمت مطلوب ہے اور یہ سب حیلہ اور وسیلہ کی باتیں ہیں۔ ہوں یا نہ ہوں۔ ہر زمانہ میں طرز تصوف کا بدلا اور ہر شیخ نے ایک جدا طریق برتا ہے۔ اس زمانہ میں اتباع سنت اور استقامت شریعت پر اصل ہے اور بہتیرے امور پہلے جب تک ان سے کچھ خرابی نہیں نکلتی تھی جائز تھے اب وہ مکروہ ہیں کہ منشا کتنی خرابی کے ہیں۔

اول تو تصور کوئی چنداں امر ضروری نہیں۔ اعتقاد اور محبت اور توحید مطالب کافی ہے۔ اور اگر ہو تو محبت اور تعظیم سے ہو۔ اور اس سے زیادہ سراسر خرابی ہے۔

(مکتوبات یعقوبیہ ص ۲۷)

میں کہتا ہوں کہ دیکھئے ہمارے حضرات کا بھی گو اس شغل پر عمل نہیں تھا تاہم یہ حضرات اسکی حقیقت اور اسکی مصلحت سے بے خبر نہ تھے۔ اسکی حکمت اور اسکی نصرت دونوں کو صاف صاف بیان فرمادیا۔ میں اس میں اتنی بات اور کہتا ہوں کہ یہاں دو صورتیں الگ الگ ہیں۔ ایک تو یہ کہ شیخ کا تصور بالقصد و بالارادہ کیا جائے اور اسکی صورت پیش نظر کی جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ شیخ کا تصور خود بخود قلب میں قائم ہوجائے۔ چنانچہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ لوگ اپنے شیخ کو لکھتے ہیں کہ جب ذکر کرنے کے لئے بیٹھتا ہوں تو آپ کو اپنے سامنے پاتا ہوں۔ یا جب کوئی کام کرتا ہوں تو آپ کو اپنے ساتھ دیکھتا ہوں اور اس میں مرید کی بھی تخصیص نہیں بہت سے لوگ جو مرید نہیں بھی ہیں انھوں نے اپنا حال بیان کیا ہے کہ فلاں بزرگ کی وجہ سے ہم گمراہی سے بچ گئے اس لئے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہر وقت وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ حالانکہ ان بزرگ نے نہ اسکو تصور شیخ کی تعلیم دی تھی اور نہ یہ اسکے معمولات میں ہی داخل تھا۔ اسکے متعلق کہتا ہوں کہ اس قسم کا تصور جو از خود ہو منع نہیں ہے بلکہ اس کے جائز ہونے پر سب کا اتفاق ہے چنانچہ اس کا نفع بھی مشاہد ہے کہ لوگ اسکی وجہ سے بہت بہت معاصی سے بچ جاتے ہیں اور کتنوں کو اسکی وجہ سے طاعت کی توفیق ہوجاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اس تصور کا منشا شیخ سے تعلق۔ اسکی محبت اور اس سے مناسبت ہے اور کسی مرید کو جب شیخ سے محبت ہوجائے گی تو وہ شیخ کا تصور کرے گا تھوڑا ہی۔ وہ تو خود بخود ہر وقت ہی اس کے تصور میں رہا کرے گا۔

یہی مطلب ہے مولانا رومؒ کے اس ارشاد کا کہ ؏ صورتش بت معنیٔ او بت شکن، یعنی اگر شیخ کو محض اس کی صورت و شکل ظاہری کے لحاظ سے دیکھو تو اس میں اور بت میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح سے اور دوسرے بت خدا سے حاجب اور مانع ہوتے ہیں اسی طرح سے یہ بھی حاجب ہوجائے گا بلکہ دوسروں سے زیادہ ہوگا اس لئے کہ دوسرے بت کو تو آدمی برا بھی سمجھتا ہے اور اسکو برا بھی نہ جانے گا۔

لیکن اگر اسکی ظاہری صورت سے قطع نظر کرلی جائے اور اسکے معنی کا لحاظ کیا جائے یعنی اس کے تعلق مع اللہ کو دیکھا جائے اور اسکی معیت الٰہیہ اور اسکی روحانیت پیش نظر رکھی جائے تو اس میں شک نہیں کہ اس جہت سے اس کا تعلق اور اسکی محبت دیگر تعلقات اور علائق کو ختم بھی کردینے والی ہیں (اور چونکہ وہ سب علائق بمنزلہ بت کے ہیں کہ خدا کے تعلق کے لئے حاجب ہیں) اس لئے اس اعتبار سے اس کا یہ معنوی تصور بت نہیں ہے بلکہ بت شکن ہے۔

اسی کو یوں سمجھئے کہ اصل میں تو ہادی اللہ تعالےٰ ہیں اور حضرات صوفیہ اس عالم کو اللہ تعالیٰ کا مظہر کہتے ہیں پس حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات اولیاء کرام بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہادی کے مظہر ہیں۔ لہٰذا معنی او بت شکن، میں معنی سے مراد یہی انکی مظہریت ہے۔ کیونکہ جس طرح اللہ تعالےٰ کسی کی ہدایت کے لئے کبھی خواب میں اسکو تنبیہ فرمادیتے ہیں۔ یا کوئی فرشتہ بھیج دیتے ہیں یا کسی ہاتف غیبی کے ذریعے متنبہ فرمادیتے ہیں (اوران سب کو لطائف غیبیہ کہا جاتا ہے) اسی طرح سے شیخ بھی چونکہ مظہر ہدایت ہے اس لئے اگر کسی کو اس کے ذریعہ بھی کبھی تنبیہ فرمادیں تو اس میں کیا بعد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سالک کبھی اس کو بدون قصد تصور اور بلا مشق تصور کے بھی اپنے روبرو موجود پاتے ہیں۔ یہ بھی ایک خدائی ہدایت ہے جس طرح سے کہ خود قرآن شریف میں حضرت یوسف ؑ کے واقعہ میں آتا ہے کہ جب زلیخا کے ساتھ بیت میں خلوت ہوئی اور اس نے دروازے بند کردئے۔ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ترجمہ: اور کہنے لگی کہ آجاؤ تم ہی سے کہتی ہوں یوسف علیہ السلام نے کہا اللہ بچائے ڈیرا مربی ہے کہ مجھ کو کس اچھی طرح رکھا ایسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی۔

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ترجمہ: اور اس عورت کے دل میں تو انکا خیال جم ہی رہا تھا اور انکو بھی اس عورت کا کچھ خیال ہو چلا تھا اگر اپنے رب کی دلیل کو انھوں نے نہ دیکھا ہوتا۔ اس کے متعلق مفسرین لکھتے ہیں کہ برہان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت یعقوب متمثل ہوئے اور انھوں نے یوسف کے سینہ پر ہاتھ مارا جسکی وجہ سے وہ خیال جو (ایسے موقع پر آسکتا تھا) آپ کو نہیں ہوا۔ یا انکی شبیہ اس طرح سے سامنے متمثل ہوئی کہ دانتوں تلے انگلی دبائے ہوں اور کہہ رہے ہوں کہ یوسف خبردار! تم اللہ کے نبی ہونے والے ہو ایسا ارادہ نہ کرنا۔ اس طرح سے آپ محفوظ رہے۔ سبحان اللہ پس اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کسی مقبول بندہ سے بھی اگر مخلوق کی اصلاح کا کام لے لیں تو اس میں کیا استبعاد ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

ثامنها الصدق فی الذکر حتی یستوی عنده السر والجهر

آٹھواں ادب یہ ہے کہ ذاکر ذکر میں صادق ہو جس کا میار یہ ہے کہ ذکر سری اور جہری اس کے لئے (عدم ریا میں) یکساں ہوں۔ (یعنی جس طرح خلوت میں اس کو اخلاص فی الذکر حاصل ہے جلوت میں بھی حاصل ہو یہ نہیں کہ تنہائی میں تو خالق کے لئے کرے اور مجمع میں مخلوق کے لئے جو ایسا ہو وہ صادق نہیں ہے۔)

تاسعها الاخلاص وهو تصفیة العمل من کل شائبة

نواں ادب یہ ہے کہ ذاکر مخلص ہو اور اخلاص اس کو کہتے ہیں کہ اس کا عمل ہر قسم کی آمیزشوں سے پاک ہو۔

عاشرها ان یذکر بالاسم الذی لقنه لہٗ استاذه الا اذا ذکر مع جماعة فیوافقهم

دسواں ادب یہ ہے کہ ذکر انھیں کلمات کے ذریعہ کرے جن کی تعلیم اس کو اس کے شیخ نے دی ہے مگر یہ کہ جب جماعت کے ساتھ ذکر کا اتفاق پڑے تو پھر سب احباب کی موافقت کرے۔

حادی عشرها[ع] احضار معنی الذکر بقلبه علی اختلاف درجات المشاهدة

گیارھواں ادب یہ ہے کہ ذکر کے معنی کا احضار اپنے قلب میں کرے اور یہ معنی سالک کے اندر) اس کے شاہدے

ع (قولہٗ حادی عشرها احضار معنی الذکر بقلبه الخ) میں کہتا ہوں کہ میرا ذوق اس کو کبھی پسند نہ کرتا تھا چنانچہ میں تو صرف ان واردات کا لحاظ کرتا تھا جو بوقت ذکر ادھر سے آتے تھے (اور میں ابتداً ایسا صرف اپنے ذوق ہی سے سمجھتا تھا) لیکن بعد میں شیخ اکبر کے کلام میں بھی یہی ملا کہ فرمایا کہ ذاکر کو ذکر کے معنی کی جانب توجہ نہیں کرنی چاہیئے بلکہ ذکر کو تعبدی طور پر کرے اس کے معنی سمجھنے کے چکر میں نہ رہے تاکہ ذکر کی حقیقت کا جو تقاضا ہے اس کی وہ خاصیت ذاکر پر مرتب ہو انتہی۔ میں نے شیخ اکبر کا جب یہ کلام دیکھا تو اللہ تعالیٰ کا احسن شکر ادا کیا کہ اس نے میرے ذوق کو اس عارف کے ارشاد کے مطابق بنایا ہے۔ بایں ہمہ میں تم کو ذکر کے معنی کا لحاظ کرنے سے منع نہیں کرتا۔ تمھارا ذوق اگر میرے ذوق سے متحد نہیں ہے تو تم یہی کرو، جو تمھارے ذوق کے موافق ہے۔

فما دام عبد الهوىٰ اوالدنيا
اونحو ذلك يلاحظه في
لا اله الا الله لامعبود بحق
الا الله ومعنىٰ كونه عبد
الهوىٰ انقياده له و
عمله على مقتضاه فاذا
صارت اعماله كلها في
مرضاة الله تعالىٰ الا انه
بقي في قلبه التفات الى
الخلق يخافهم ويرجوهم و
يعتمد عليهم لاحظ لامعطي
ولامانع ولاضار
ولا نافع الا الله فاذا
وصل لوحدة الافعال
وهي اول مراتب الوصول
وصار يشهد ان الكل
عبيد مسخرون وان
الله تعالىٰ آخذ بناصية
كل منهم شهودا ذوقيا
وانقطعوا من نظره
وزال تعلقه بهم ولم يبق
له مقصود سوى الحق سبحانه و
تعالىٰ لاحظ لامقصود الا الله

کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں چنانچہ جب
تک یہ شخص اپنی خواہشات کا بندہ ہو یا دنیا کا بندہ ہو یا اسی
کے مثل کچھ اور ہو تو اس وقت اس کے لئے مناسب یہ ہے
کہ لا الہ الا اللہ کہنے میں لا معبود بحق الا اللہ کا مفہوم تصور
میں رکھے اور کسی شخص کے عبد الہویٰ ہونے کا مطلب یہ ہے
کہ وہ ہر معاملہ میں اپنے نفس ہی کا اتباع کرتا ہو اور اسی
کے کہنے پر چلتا ہو لیکن جب اسکے تمام کام اللہ تعالےٰ
کی مرضی کے مطابق ہو جاتے ہیں مگر (بس کسر یہ رہجاتی ہے کہ)
ابھی قلب میں مخلوق کا خیال کچھ کچھ باقی رہتاہے جس کی وجہ
سے یہ اُن سے خوف بھی کرتاہے اور ان سے امید بھی باندھتا
ہے اور ان پر اعتماد بھی کرتاہے تو اس وقت لا الہ الا اللہ
کہتے وقت دل میں یہ خیال کرے کہ سوا اللہ کے نہ کوئی دینے
والاہے نہ منع کرنے والاہے نہ کوئی نقصان پہونچانے والاہے
نہ کوئی نفع پہونچانے والاہے۔ پھر جب اس کو وحدتِ افعال
حاصل ہو جائے جو اصول الی اللہ کے مراتب میں سے سب سے پہلا
مرتبہ ہے یعنی قلب اس کا یہ شہادت دینے لگے کہ تمام جن و انس
وغیرہ اللہ تعالےٰ کے غلام ہیں اور اسکے حکم کے آگے مسخر ہیں اور
سب کی پیشانی اللہ کے ہاتھ میں ہے اللہ تعالیٰ سب کی
چوٹی پکڑے ہوئے ہیں جب یہ عقیدہ ذوق بن جائے اور سب
غیر اللہ اسکی نظروں سے ساقط ہو جائیں اور اس کا سب سے
تعلق ختم ہو جائے اور سوائے حق تعالےٰ سبحانہ کے اس سالک کا
کوئی اور مقصود نہ رہ جائے۔ تو اب بوقت ذکر لا الہ الا اللہ یہ تصور میں
لاوے کہ لا مقصود الا اللہ یعنی اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی مقصود نہیں

واذا وصل لمقام الوحدة وفنيت[ع۵] العوالم في نظره ولم يشهد في الوجود الا الله تعالى وهذا شئ لا تحيط به العبارة ولا يدرك الا ذوقا لاحظ لا موجود الا الله

اور جب سالک اس وحدت کے مقام تک پہنچ جاوے اور اب اسکی نظروں میں تمام عالم فانی[ع۵] معلوم ہونے لگے اور وجود میں سوا خدا کے اسکو کوئی دوسرا نظر نہ آئے تو یہ ایک ایسا مقام ہے کہ (اسکو اور اسکے آثار کو) الفاظ میں نہیں بیان کیا جا سکتا بلکہ ذوقاً اور وجداناً ہی اسکا کچھ ادراک ہو سکتا ہے۔ (بہر حال جب سالک اس مقام پر پہونچ جائے تو اب لا الہ الا اللہ کے ذکر کے وقت) یہ لحاظ کرے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی موجود نہیں ہے۔

ع۵ (قولہ وفنیت العوالم فی نظرہ الخ) میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے طریق کے جملہ مقامات ذوقاً عطا فرمائے اور یہ محض ان کا فضل واحسان ہے لیکن ذوقی طور پر مجھے نہ حاصل ہوا تو صرف یہ ایک مقام جسکو وحدۃ الوجود کہتے ہیں پس مجھے ذوق کے درجہ میں اس کا کچھ بھی حصہ نصیب نہیں ہو سکا۔ البتہ مجھے فناء نفس بھی حاصل ہوا بالکل اسی طرح جیسا کہ کسی بزرگ ابو یزید کا واقعہ ہے کہ کسی نے ان ہی سے دریافت کیا کہ اندر مکان میں ابو یزید ہیں؟ تو خود ہی ابو یزید صاحب جواب میں فرماتے ہیں کہ ابو یزید نے ابو یزید کو بہت تلاش کیا مگر وہ ملے نہیں اور میرا واقعہ یہ ہوا تھا کہ میں نے ذوقی طور پر اپنے اندر کی ہر چیز کو اپنے اصل کی جانب رجوع ہوتے دیکھا چنانچہ میں نے اس کے بعد خود اپنے آپ کو معدوم پایا اور یہ کہنے لگا کہ میں کہاں ہوں، میں کہاں ہوں؟ اور اس مقام کا بس اس سے زیادہ بیان اور اس سے بڑھ کر تعبیر ممکن نہیں اس لئے کہ قوم کے علوم اشارات ہوا کرتے ہیں عبارات ان کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ اگر ان کو عبارت میں مقید کرنے کی کوشش کی جائے گی تو وہ چیستاں ہو جائے گی جسے کوئی سمجھ ہی نہ سکے گا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عبارت اُن معانی کی ادائیگی کے لئے موضوع ہے جو تحت العقل ہوں اور یہ علم تو فوق العقل ہے یعنی ذوقی اور وجدانی ہے اس لئے من ذاق عرف۔ (ومن لم یذق لم یدر) جس نے چکھا اس نے جانا ــــ (انتہیٰ)

(افادہ در تحقیق ذوق)

حضرات صوفیاء کرام کے کلام میں جا بجا ذوق کا لفظ ملتا ہے چنانچہ عشق ومحبت کو یہ حضرات ذوقی

کہتے ہیں اور اس کا ذکر کر کے فرما دیا کرتے ہیں کہ من لم یذق لم یدد یعنی ان کے بیان کو صاحب ذوق ہی ذوق سے ادراک کرتا ہے اور جو ذوق سے خالی ہو اس کو ادراک مشکل ہے۔

چنانچہ عشق کے ذوقی ہونے کا بیان مولانا رومؒ نے مثنوی میں نہایت عمدہ عنوان سے کیا ہے فرماتے ہیں ؎

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیاں ۔۔۔ چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں

یعنی عشق چونکہ ایک ذوقی چیز ہے اور ذوقی امور کا ادراک و فہم وجدان پر موقوف ہے۔ تحریر و تقریر اس میں کافی نہیں اس لئے عشق کی جس قدر شرح کرتا ہوں جب خود عشق کی شان دیکھتا ہوں تو اپنے بیان سے شرمندہ ہوتا ہوں کہ ناحق ہی اسقدر تطویل کی اور پھر بھی عشق کی حقیقت منکشف نہوئی بلکہ اس کے آثار کو بہت کچھ بیان کے خلاف پایا اس سے اور شرمندگی ہوئی آگے اس شعر کی تائید میں فرماتے ہیں ؎

گرچہ تفسیر زباں روشن گر است ۔۔۔ لیک عشق بے زباں روشن تر است

یعنی اگرچہ بیان زبانی اکثر اشیاء کی حقیقت کو زیادہ منکشف اور ظاہر کرتا ہے کیونکہ اقسام دلالت میں سے لفظیہ وضعیہ افادہ اور استفادہ معانی میں اتم و اکمل ہے اس بنا پر عشق کا حال زبان سے زیادہ معلوم ہونا چاہیئے تھا لیکن واقع میں بے زبان کا عشق زیادہ روشن ہے کیونکہ وہ ذوقی امر ہے۔ جب خود اس کا حصول ہوتا ہے اور اسکی کیفیات قلب پر طاری ہوتی ہیں کسی سے سننے کی ضرورت نہیں رہتی خود اسکے آثار کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ اور اسکی حقیقت خوب معلوم ہو جاتی ہے ؎

چوں قلم اندر نوشتن می شتافت ۔۔۔ چوں بہ عشق آمد قلم بر خود شگافت

یعنی اور مضامین کے لکھنے میں تو قلم خوب چل رہا تھا مگر جب عشق کا ذکر آیا تو چونکہ وہ امر ذوقی اور حالی ہے قالی نہیں ہے اسلئے اس کی حقیقت کے لکھنے سے بند ہو گیا ؎

چوں سخن در وصف ایں حالت رسید ۔۔۔ ہم قلم بشکست و ہم کاغذ درید

یعنی جب عشق کے بیان کا موقع آیا تو قلم بھی ٹوٹ گیا اور کاغذ بھی پھٹ گیا مطلب یہ کہ اسکے لکھنے سے عاجز رہ گیا ؎

عقل در شرحش چوں خر در گل بخفت ۔۔۔ شرح عشق و عاشقی ہم عشق گفت

یعنی عقل شرح عشق سے عاجز ہے جس طرح کیچڑ میں گرا اور پھنسا ہوا گدھا چلنے سے عاجز رہ جاتا ہے پس عشق و عاشقی کی شرح خود عشق ہی کر سکتا ہے اس لئے کہ عشق حالی شے ہے جس کو حاصل ہوگا خود

اپنی حقیقت کا کاشف ہوجائے گا۔ آگے اس کی مثال بیان فرماتے ہیں ؎

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب   گر دلیلت باید ازوے رومتاب

یعنی جس طرح آفتاب کے دیکھنے کا ذریعہ خود آفتاب ہے کسی دوسرے واسطہ کی نہ ضرورت نہ کفایت یہی کیفیت عشق کی ہے کہ خود اپنی حقیقت کے انکشاف کا ذریعہ ہے۔ تحریر و تقریر اس کے لئے واسطہ نہیں ہوسکتی۔ یہ تو تمثیل کا حاصل ہوا۔ اور تعلیل کی تقریر یہ ہے کہ یہ قاعدہ عقلی ہے کہ اگر کوئی شے کسی شے کی معرفت کا واسطہ ہو تو واسطہ کا بہ نسبت اس ذی واسطہ کے زیادہ واضح ہونا ضروری ہے اور معلوم عقلی کبھی مفہوم حسی سے زیادہ واضح نہیں ہوتا (بلکہ ہمیشہ محسوسات ہی معقولات سے زیادہ واضح ہوا کرتے ہیں) اور عشق (بوجہ اسکے کہ وجدانی ہے اور وجدان امر حس سے ہے) منجملہ محسوسات کے ہے اور اسکی تعریف و شرح جو کی جاتی ہے وہ امر عقلی ہے۔ اس لئے وہ شرح اس کی شناخت کے لئے کافی نہیں بلکہ اس کا ادراک جب ہوگا بلا واسطہ ہوگا۔ جس کو مولانا اس طرح تعبیر فرماتے ہیں کہ خود آفتاب اپنی ذات کے ادراک کے لئے دلیل یعنی واسطہ اور ذریعہ ہے لہذا اگر تم کو اسکی شناخت کا ذریعہ مطلوب ہو تو اسی کو مشاہدہ کرو اور اس سے اعراض کرکے دوسرے واسطے کو مت تلاش کرو۔ (کلید مثنوی صفحہ ۲۸)

سبحان اللہ اتنے غامض اور دقیق مسئلہ کو کیسی آسانی سے سمجھا دیا۔

ذوق کے معنی مزہ و لذت کے ہیں۔ جس طرح ہمیں عمدہ ماکولات و مشروبات میں ایک لذت محسوس ہوتی ہے اسی طرح سے اہل اللہ کو ایمان و طاعت میں ذکر و تلاوت میں ایک حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ اسی کو یہ حضرات کیف و ذوق اور حال سے تعبیر کرتے ہیں اور لسان شرع میں اسی کو حلاوت اور بشاشت سے تعبیر فرمایا گیا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواہ وان یحب المرء لا یحبہ الا للہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار (بخاری شریف)

تین باتیں جس شخص میں ہونگی وہ ایمان کی لذت پائے گا۔ ایک تو یہ کہ اللہ و رسول اسکے نزدیک ماسوی سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسرے یہ کہ جس سے محبت رکھے تو اللہ تعالیٰ کے لئے رکھے۔ تیسرے یہ کہ کفر میں لوٹنے کو ایسا ہی مکروہ جانتا ہو جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو۔

اس کے تحت صاحب فتح الباری تحریر فرماتے ہیں کہ:

قال الشیخ محی الدین ھٰذہ حدیث عظیم اصل من اصول الدین۔ ومعنی حلاوۃ الایمان استلذاذ الطاعات وتحمل المشاق فی الدین وایثار ذالک علی اعراض الدنیا

شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منجملہ اصول دین کے ایک بڑی اصل ہے۔ اور حلاوت ایمانی سے مراد یہ ہے کہ طاعات کے کرنے اور دین میں مشقت برداشت کرنے میں اس کو لذت آوے اور وہ اس کو اعراض دنیا پر ترجیح دے۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ حدیث شریف میں جس کو حلاوت فرمایا گیا ہے اس کو صوفیہ بھی طاعات کی لذت اور ذوق دین وغیرہ کہتے ہیں۔

اسی طرح سے حدیث ہرقل میں آیا ہے کہ وکذلک الایمان حین یخالط بشاشۃ القلوب۔ یعنی ہرقل نے ابوسفیان رضؓ سے کہا کہ میں نے تم سے ابھی یہ دریافت کیا تھا کہ کیا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کوئی آدمی ناگواری کے طور پر کبھی اپنے دین سے پھر بھی جاتا ہے؟ تو تم نے کہا تھا کہ نہیں۔ لہٰذا سنو! کہ ایمان کا یہی حال ہوتا ہے کہ جب اس کے ساتھ شرح صدر ہوجاتا ہے یعنی قلب میں وہ رچ بس جاتا ہے تو پھر اس سے نہیں نکلتا۔

نیز ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ یزداد بہ عجباً وفرحاً یعنی قلب میں ایمان داخل ہونے کے بعد اس کی خوشی اور انبساط بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اسی طرح سے ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں:

وکذالک حلاوۃ الایمان لا تدخل قلباً فتخرج منہ (فتح الباری ص۲۷-۲۸)

یعنی یہی حال ایمان کی لذت کا ہے کہ جب کسی قلب کو یہ حاصل ہوجاتی ہے تو پھر اس سے نہیں نکلتی۔

حدیث شریف اور اسکی تشریح سے معلوم ہوا کہ سارا دین ہی ذوقی ہے کیونکہ جب ایمان و اسلام جو کہ اصول دین سے ہیں ان میں حلاوت ہوتی ہے تو فروع دین میں کیوں حلاوت نہوگی پس دین کے اصول اور فروع سب ذوقی ہیں اس طور پر کہا جا سکتا ہے کہ پورا دین ہی ذوقی ہے اور یہی ذوق اس کی روح ہے، یہی وجہ ہے کہ محققین صوفیہ سالکین میں ذوق ہی کو دیکھتے ہیں اور یہی ان کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے متعلق ان کے حالات میں لکھا ہے کہ:

"بچپن سے انکو عبادت اور ریاضت میں دلچسپی تھی ان کے والد ماجدؒ نے ہدایت کی تھی کہ۔ "ملائے خشک و ناہموار نہ باشی" (یعنی تم سے خشک اور ناہموار ملا نہ ہوجانا بلکہ محبت اور حال کی تری

بھی اپنے اندر پیدا کرنا) چنانچہ عمر بھر ان کے ایک ہاتھ میں جام شریعت رہا اور دوسرے میں سندان عشق"
اسی کو کسی نے کہا ہے کہ ؎ بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن

پھر اسی ذوق کے متعلق خود ہی شیخ محدثؒ فرماتے ہیں کہ — "بے ذوق چہ نویسد کہ رونق سخن در ذوق است" یعنی بدون ذوق کے یہ عاجز کیا لکھے۔ کلام کی تو تمامتر رونق ذوق ہی سے البتہ ہے۔

جب شیخؒ عام تقریر و تحریر کے متعلق فرما رہے ہیں کہ بدون ذوق کے بے لطف ہے تو اسی سے تصوف کو سمجھ لیجئے کیونکہ اس کا تو سارا سرمایہ ہی یہی ذوق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص فقیہ ہو اور اس نے تصوف اور اسکا ذوق نہ حاصل کیا تو یہ حضرات اسکو زاہد خشک اور پھیکا پھاکا ملا کہتے ہیں۔ چنانچہ امام دارالہجرت حضرت مالکؒ فرماتے ہیں کہ: من تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق و من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق و من جمع بینھما فقد تحقق (یعنی جو صوفی ہوا اور فقہ نہ حاصل کیا پس بلاشبہ وہ زندیق ہوا "یعنی ٹھیٹ کافر" اس لئے کہ امن میں نہیں ہوتا دین کے برباد کرنے سے۔ اور جو کوئی فقیہ ہوا اور تصوف نہ حاصل کیا پس بلاشبہ وہ زاہد خشک اور پھیکا پھاکا ملا ہے اور جس نے ان دونوں کو جمع کیا پس بلاشبہ وہ محقق ہوا۔

الغرض جب تصوف بلکہ سارا دین ہی ذوقی ٹھہرا تو جو شخص دین کا سکھلانے اور بتلانے والا ہوگا تو آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ خود اس کے اندر کیا دین اور طریق کا ذوق کے درجہ میں پایا جانا ضروری نہ ہوگا؟

آج جو لڑکوں میں دین نہیں پیدا ہو رہا ہے حالانکہ مدارس اور جلسوں کی بھرمار ہے تو اسکی وجہ یہی ہے کہ دین کے پیش کرنے والے خود دین کے ذوق سے خالی ہیں۔ شیخ اکبرؒ تو ایسے شخص کو جو صاحب ذوق نہ ہو لوگوں کے حق میں ہلک فرماتے ہیں۔ چنانچہ اپنے رسالہ آداب الشیخ والمرید میں پہلے طبیب کے لئے فن میں ماہر ہونے اور صاحب ذوق و تجربہ ہونے کو ضروری قرار دیکر آگے فرماتے ہیں کہ:-

فکذلک الشیخ اذا لم یکن صاحب ذوق واخذ الطریق من الکتب وافواہ الرجال وتصدی بہ للمرید طلباً للمرتبۃ والریاسۃ فانہ مھلک لمن تبعہ لانہ لا یعرف

اسی طرح سے شیخ طریق بھی جب کہ صاحب ذوق نہ ہوگا اور طریق کو اس نے محض کتابوں سے اور لوگوں کی زبانی تقریریں سے حاصل کیا ہوگا اور اسکے ذریعہ مرید کی تربیت کرنے بیٹھ گیا ہوگا محض مرتبہ اور جاہ طلب کرنے کے لئے تو سمجھ لو کہ وہ

ثانی عشرھا ان ینفیٰ ماسویٰ	بارہواں ادب یہ ہے کہ ذکر کے وقت اپنے قلب سے غیر اللہ
اللہ تعالیٰ من قلبہ حال الذکر	کو بالکلیہ نکال دے۔ اور اگر غیر اللہ کا کچھ خیال آجائے تو
واذا ورد علیہ خاطر فی غیر اللہ	اسکو فوراً دور کردے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بڑے ہی غیور
تعالیٰ نفاہ بسرعۃ لان اللہ تعالیٰ	ہیں اس بات سے غیرت فرماتے ہیں کہ اپنے عبد مؤمن کے
غیور لغار ان یریٰ فی قلب عبدہ المؤمن	قلب میں اپنے غیر کو دیکھیں اور (اوپر تصور شیخ کے متعلق جو کہا
غیرہ ولولا ان الشیخ لہ مدخل فی التربیۃ	ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ) اگر شیخ کو مرید کی تعلیم و تربیت
والترقی ماشرطوا علی المرید تخییلہ	اور ترقی میں دخل نہوتا۔ تو یہ حضرات مشائخ مرید کے لئے تصور شیخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵)

مورد الطالب ولا مصدرہ۔	اپنے متبعین کے لئے مہلک ہی ہے اس لئے کہ وہ طالب کے حالات اور طریق
آداب الشیخ والمرید ۹	کے نشیب و فراز سے ہی واقف نہوگا۔ (تو پھر دوسروں کی کیا رہبری کرے گا ؎

اوخویشتن گم است کرا رہبری کند)

دیکھئے شیخ اکبرؒ اس شخص کے متعلق جس نے ایک ذوقی اور وجدانی چیز کو علمی اور عقلی بنالیا ہو یعنی طریق کا ذوق تو اپنے قلب میں نہ پیدا کیا ہو بلکہ تصوف کی کتابوں سے دیکھ دیکھ کر مریدین کی تربیت کرتا ہو اور نیت بھی اسکی سالکین کو اللہ تعالیٰ تک پہونچانا نہو بلکہ طالب جاہ و مرتبہ ہو اس کے بارے میں کیسا سخت فتویٰ دے رہے ہیں کہ وہ مہلک ہے اور ان کی صحبت سم قاتل ہے۔

اس سے سمجھ میں آیا کہ آج طریق جو ضائع ہوا ہے وہ انھیں لوگوں کی وجہ سے۔ یعنی لوگوں نے ذوق کو ختم کردیا اور اسکی جگہ تصوف کے مسائل کے علم کو کافی جانا حالانکہ اب تو علم بھی باقی نہیں رہا اور ذوق تو پہلے ہی لوگ ختم کرچکے تھے اس لئے نہ ذوق ہی ہے اور نہ علم ہی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ذوق کسی ذوق والے کی صفت ہے اس لئے اس سے حاصل ہوتا ہے۔ کتاب کی صفت نہیں۔ اور کتاب سے ذوق تو کیا حاصل ہوتا علم بھی صحیح نہیں حاصل ہوسکتا۔ حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ اس کو بہت فرماتے تھے کہ جس طرح سے طب کی کتابیں طبیبوں کے لئے ہیں مریض کے لئے نہیں ہیں آدمی خود کتاب دیکھ کر نسخہ لکھے گا تو ہلاک کردے گا۔ اسی طرح سے تصوف کی کتابیں بھی شیخ کے لئے ہیں مرید کے لئے نہیں ہیں اور اس میں شک نہیں کہ نہایت ہی محققانہ بات فرمائی۔

کو لازم نہ قرار دیتے (مگر طریق میں شیخ چونکہ مدار کار ہے اس لئے بوقت ذکر اس کا تصور روا رکھا گیا (اسی معنی کو کہا گیا ہے کہ شیخ عین طریق ہے)

واجمعوا على انه ينبغي للمريد اذا ذكر الله تعالى ان يهتز من فوق راسه الى اسفل قدميه وهذه حالة يستدل بها على انه صاحب همة ويرجى له الفتح عن قريب

اور مشائخ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ مرید کو چاہئے ذکر کرتے وقت سر سے پاؤں تک حرکت میں آجائے (یعنی چاہئے کہ اس کا ایک ایک عضو نشاط و مستی سے جھوم جائے) کیونکہ اسکی اس حالت سے اندازہ لگے گا کہ وہ صاحب ہمت ہو گیا ہے اور ذکر سے اب اس کو نسبت ہو چلی ہے لہذا اسکے لئے حصول و کامیابی کی توقع عن قریب ہی کی جائے گی۔

ويبتدئ بلا اله من جهة اليمين والا الله من جهة الشمال ويخبط بالاعلى القلب واذا ذكر بالاسماء الستة الباقية ضرب بذقنه على صدره ويخبط بالاسم على القلب ولا يميل يمينا ولا شمالا ويكون بسكون آخر كل اسم ايضا

پھر ذکر کی کیفیت یہ ہونی چاہئے کہ لا الٰہ کو دائیں جانب سے شروع کرے اور بائیں جانب سر لاکر الا اللہ کہے اور لفظ اللہ کی ضرب قلب پر لگاوے اور جب بقیہ چھ اسماء کا ذکر کرے (جکی تفصیل آگے آتی ہے) تو اپنی ٹھڈی کو سینہ پر مارتے ہوئے لفظ اللہ کی ضرب قلب پر لگادے اور داہنی اور بائیں جانب کو جھومے نہیں۔ اور ہر لفظ ذکر کے آخر کو ساکن کردیا کرے۔

(واما الثلاثة التي بعد الذكر) فاولها ان يسكن ويخشع ويحضر قلبه مترقبا لوارد الذكر فلعله يرد عليه وارد فيعمر وجوده في لمحة اكثر مما ثمرة المجاهدة والرياضة في ثلاثين سنة فاذا ورد عليه وارد زهد او صبر مثلا

بہر حال وہ تین آداب جو ذکر کے بعد کے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کمال سکون اور غایت خشوع کے ساتھ ذکر کرے اور اپنے قلب کو حاضر رکھے اور ذکر کی برکت سے حق تعالیٰ کی جانب سے قلب میں جو وارد آنے والا ہو اس کا منتظر رہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ ادھر سے کوئی ایسا وارد آجائے جو ایک آن میں اس کے قلب کی آبادی کا سبب بن جاوے اور اس سے بھی کہیں زیادہ اس کا حال درست ہو جائے جتنا کہ تیس

تتهل حتی یتمکن فیہ ذلک الوارد و یذھب

سال کی ریاضت اور مجاہدہ سے بھی شاید درست نہ ہوتا۔ پس جب اس پر ادھر سے کوئی وارد آوے خواہ زہد کا ہو یا صبر کا تو ذرا دیر توقف کرے یہاں تک کہ اس کے اندر وہ خوب اچھی طرح سے تمکن اور راسخ ہو جائے (تاکہ جب جائے تو اپنا پختہ اور گہرا اثر چھوڑ کر جائے)

وثانیھا ان یطرق رأسہ و یکتم نفسہ من انفہ وفمہ خاشعا بحیث لا تتحرک منہ شعرۃ مثل سکون الھرۃ عند الاصطیاد حتی یضیق نفسہ یفعل ذلک ثلاثۃ انفاس اوخمسۃ او اکثر فان لم یأت الوارد

دوسرا ادب (ذکر کے بعد کا) یہ ہے کہ اپنے سر کو جھکالے اور سانس روک لے نہ منہ سے لے نہ ناک سے اور خشوع کی کیفیت اپنے اوپر طاری کر کے ایسا سکون اختیار کرے کہ اس کا ایک رواں بھی نہ ہلے جس طرح سے کہ بلی (چوہے) کے شکار کے وقت دم سادھ لیتی ہے۔ اور یہ عمل اتنی دیر تک کرے کہ دم گھٹنے لگے پھر سانس لے کر اسی طرح سے تین بار یا پانچ بار یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ یہی عمل کرے۔

ختم یقول لا الہ الا اللہ ھو محمد رسول اللہ حقا وصدقا کما یختم بھا قبل السکتۃ عند الفراغ من الذکر

اب اگر کوئی وارد نہیں آیا تو لا الہ الا اللہ ہو محمد رسول اللہ حقاً صدقاً کہہ کر ذکر کو ختم کر دے اور یہی کلمات اس سے پہلے بھی کہے جبکہ ذکر سے فارغ ہوا تھا یعنی حبس دم سے پہلے۔

ثم ان [ع] علامۃ الوارد ان ینزل بین کتفیک برد کبرد الماء

پھر یہ سمجھو کہ وارد کی علامت یہ ہے کہ تمھارے دونوں مونڈھوں کے درمیان پانی جیسی ٹھنڈک محسوس ہونے لگے۔

ع (قولہ ثم ان علامۃ الوارد الخ) میں کہتا ہوں کہ اللہ فتاح عظیم کے فضل و کرم سے مجھ پر بھی بکثرت ادھر سے واردات ہوئے جن میں بعض کی وجہ سے تو میرا رنگ ہی متغیر ہو جاتا تھا اور بعض کے سبب سے مجھ سے غیر اختیاری طور پر کچھ حرکتیں صادر ہونے لگتی تھیں۔ مثلاً اضطراری طور پر کبھی رقص کرنے لگ جاتا اور کبھی بلا اختیار اور بدون ہوش کے کسی بھائی کو اپنی کوئی چیز دیدیتا۔ یا کبھی غلبۂ حال میں آکر ان میں سے کسی کی پیٹھ پر بڑی زور کا ہاتھ رسید کر دیتا جسکو اہل طریق کی زبان میں تھپڑے بتعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ سب کرتا تھا مگر مجھے ان میں سے کسی بات کا بھی شعور نہ ہوتا تھا۔ اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا مجھے علم ہوتا تھا مگر وارد قوی ہونے کے سبب پھر اس کا ذہول ہو جاتا تھا یا یہ کہ سرے سے ان کا علم نہ ہوتا اور میں انکے آثار و علامات سے اصلاً بے خبر ہوتا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقتہ الحال۔ (افادہ) میں کہتا ہوں کہ وجد میں آکر اور چیزیں تو نہیں ہاں رقص کرتے میں نے بھی اور سالکین کو دیکھا ہے کہ دیر دیر تک کیفیت طاری ہے اور وہ اس سے مست ہو کر رقص کرتے رہے۔

او تحصل لك رعشة او قشعريرة او يطيب
في قلبك شيء كحذف الطوبة في الدار
فان حصل لك شيء من ذالك فهو علامة
الوارد فاحمد الله تعالى على ما رزقك من
النفحات والبركات وهذا السكون مجمع على
وجوبه عند القوم فانه اسرع في
تنوير البصيرة وكشف الحجب و
قطع خواطر النفس والشيطان
لما يترتب عليه من اصطياد
الواردات الالهية وهي تمحو عن
العبد جميع رعوناته البشرية وتهدم
عليه مستمر عاداته فان لها
سلطنة عظيمة لانها تأتي
من حضرة قهار فلانها حق ورد
على باطل والباطل لاثبات له
مع الحق بل نقذف بالحق
على الباطل فيدمغه فاذا
هو زاهق فاذا وردت تلك
الواردات على قلب مشحون
بانواع الخبائث والرذائل
والرعونات البشرية ازالت
ذلك بالمرة واثبتت عوضا
عنه اطوارا علية واوصافا

یا اسی مقام پر تھرتھراہٹ یا جھرجھراہٹ سی محسوس ہو۔
یا تمہارے قلب میں کوئی چیز وارد ہو جسکی آواز گھر میں ٹھیکرے کے گرنے کی طرح ہو
پس جب ان اشیاء میں سے کوئی چیز محسوس ہو تو یہی
علامت ہے اُدھر سے وارد کی لہذا اللہ تعالےٰ کی حمد
کرو اس کی اُن نفحات و برکات پر جو اس نے تمہیں
بخشی ہیں اور (سالک کے لئے) اس قسم کا سکون اور یکسوئی
ضروری ہے اس پر قوم صوفیہ کا اجماع ہے اس لئے کہ
قلبی بصیرت کے تنویر اور حجابات ظلمانیہ کے دور کرنے
اور نفس و شیطان کے وساوس کے قطع کرنے میں
اس سے زیادہ مفید اور کارگر کوئی دوسری چیز نہیں
اس لئے کہ اُس کمین گاہ میں سالک واردات الٰہیہ
کا شکار کرتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ انسان
سے اس کی جملہ رعونات بشریہ کو مٹا کر رکھ دیتا ہے
اور اسکی قدیم عادات اور دیرینہ رسومات کو بالکلیہ منہدم کردیتا
ہے۔ اس لئے کہ اس کو حضرتِ قہار (جل جلالہٗ) کے یہاں سے
آنے کی وجہ سے ایک شوکت سلطنت اور دبدبہ حاصل ہوتا ہے
اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ایک حق ہے جس کا ورود
باطل پر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ باطل حق کے مقابلہ میں کہاں
ٹھیر ہی سکتا ہے۔ (حق تعالےٰ فرماتے ہیں) بلکہ ہم حق بات کو باطل
پر پھینک مارتے ہیں سو وہ اسکا بھیجا نکال دیتا ہے سو وہ دفعۃً
جاتا رہتا ہے غرض جب یہ واردات ایسے قلب پر آتے ہیں جس کے
اندر طرح طرح کے رذائل خبائث اور بشری رعونات بھری ہوتی
ہیں تو وہ ان سب کا دفعۃً خاتمہ ہی کردیتے ہیں اور اب ان کے

رضية قال سيدى ابو العباس المرسى ؂

عوض اسکے قلب میں عالی حوصلگی بلند طور طریقے اور پسندیدہ اوصاف پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی کو ہمارے سید ابو العباس مرسیؒ فرماتے ہیں کہ ؂

لو عاينت عيناك يوم تزلزلت ارض النفوس و دكت الاجبال

اے مخاطب! کاش تو اس حالت کا مشاہدہ کرتا جس دن کہ نفوس کی زمین زلزلہ میں آجائے گی۔ اور (اُن کے) پہاڑ ریزہ ریزہ کردیے جائیں گے تو تو دیکھتا کہ حق کے سورج کا نور اس

لرأيت شمس الحق يسطع نورها حين التزلزل والرجال رجال

حالت میں بھی روشن اور درخشاں ہے اور مردان حق اس حال میں بھی مانند پہاڑ کے ثابت قدم ہیں۔

ثم ان الواردات الالهية لا تختص بكونها بعد طاعة ولا تجئ بالتكلف كالعطاس لا يمكن رده ولا يمكن تكلفه و انما هى انوار ع

پھر یہ سمجھو کہ ان واردات الہیہ کے لئے کچھ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ طاعت و ریاضت کے بعد ہی حاصل ہوں اور نہ یہ کہ یہ بہ تکلف ہی حاصل کئے جاسکتے ہیں جیسا کہ چھینک کا حال ہوتا ہے جب آنا ہوتا ہے خود بخود آجاتی ہے پھر نہ تو اس کا روکنا ممکن ہوتا ہے اور نہ بہ تکلف اس کا لے آنا ہی ممکن ہوتا ہے پس یہ وارد ایک خدائی نور ہے ع

ع وارد ۔ ایمان کا وجود غیبی اور عروج آخر بعد النسبۃ یہ سب مواہب الٰہیہ ہیں۔ (قولہ وانما ہی انوار یقذفہا اللہ تعالیٰ الخ) میں کہتا ہوں کہ صاحب مرقات نے شیخ ابو عبد اللہ شیرازی کا ارشاد ایمان کے متعلق نقل فرمایا ہے کہ وہ بھی ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ قلب میں میں قذف کرتے ہیں۔ نہایت عمدہ تحقیق ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یہاں بیان کردوں فرماتے ہیں کہ :۔

و ان للايمان وجوداً غيبياً و وجوداً ذهنياً و وجوداً لفظياً۔ اما الاول فهو ما اشار اليه الشيخ الكبير ابو عبد الله الشيرازى فى

ایمان کے لئے تین وجود ہیں ایک وجود غیبی دوسرا ذہنی تیسرا لفظی اول کی حقیقت اور اس کا مصداق وہ ہے جس کی جانب شیخ کبیر ابو عبد اللہ شیرازی نے اپنے رسالہ معتقد میں ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

معتقدہ من اللہ نور یقذف فی القلب من نور الذات ومعناہ ان اصلہ نور یلقیہ الحق من ملکوتہ الی قلوب عبادہ فیباشر اسرارہم وہو متصل بالحق ثابت فی قلوبہم فاذا انکشف جمال الحق لہ ازداد ذلک النور فیتقوی الی ان ینبسط وان ینشرح الصدر ویطلع العبد علی حقائق الاشیاء و یتجلی لہ الغیب وغیب الغیب ویظہر لہ صدق الانبیاء وینبعث من قلبہ داعیۃ الاتباع فینضاف الی نور معرفتہ انوار الاعمال والاخلاق نور علی نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء

وہ ایک نور ہے نور ذات سے جو کہ (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) قلب مومن میں ڈالا جاتا ہے۔ ان کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اسکی اصل ایک نور ہے جسے حق تعالیٰ ملکوت (یعنی عالم بالا) سے اپنے بندوں کے قلوب میں ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے یہ نور ان کے باطن میں کام کرتا ہے اور انکے قلوب میں ثابت اور قائم رہنے کے ساتھ ساتھ حضرت حق جل وعلا سے بھی متصل رہتا ہے۔ اسکے بعد جب وقت حق کا جمال اس بندہ پر منکشف ہوتا ہے تو یہ نور اور قوی اور زیادہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اسکے سارے سینے میں پھیل جاتا ہے اور اسکی وجہ سے اسکو شرح صدر کا رتبہ حاصل ہو جاتا ہے اور اب وہ حقائق اشیاء پر مطلع ہونے لگتا ہے اور پھر اسکے لئے غیب اور اسکے بعد غیب الغیب منکشف ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اسکے لئے انبیاء علیہم السلام کا صدق خوب ظاہر ہو جاتا ہے اور (اسکی وجہ سے) اسکے قلب میں اتباع کا داعیہ ابھرتا ہے پھر اسکے بعد اس کے اس نور معرفت میں اسکے اعمال (صالحہ) اور اخلاق (حسنہ) کے انوار بھی شامل ہوتے ہیں (جسکی وجہ سے وہ نور علی نور کا مصداق ہو جاتا ہے یعنی) یہ ہے نور علی نور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اپنے اس نور کی طرف رہبری فرماتے ہیں۔

وذلک القذف والکشف یتعلق بمراد اللہ تعالی فی احایین نسیم الصفات لا یقدر علی کسبہ نعم شرائطہ مکتسبۃ

اور (یہ سمجھ لو کہ) اس نور کا قلب میں ڈالنا اور جمال حق کا اسکے لئے منکشف ہونا یہ محض اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے تعلق رکھتا ہے (یعنی یہ ایک وہبی چیز ہے) جو کہ ان اوقات میں سے کسی وقت میں خود بخود ہو جاتا ہے جس وقت کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی نسیم چلتی ہے یعنی بندہ کی قدرت واختیار میں اس کا کسب نہیں ہے البتہ اس کے شرائط اختیاری ہیں۔

چنانچہ منجملہ شرائط کے یہ بھی ہے کہ انسان دعویٰ سے اپنے کو خالی کرے۔ اور اغیار کی غلامی سے اپنے کو آزاد کر دے اور اپنے کو انتہائی ذلت اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جھونکوں کے آنے کے محل میں پیش کر دے جیسا کہ صاحب ترصیع نے ابھی اوپر بیان کیا ہے۔

یہاں ہمارے مقصد کے مناسب تو مرقات کا اتنا ہی مضمون تھا لیکن تتمیم فائدہ کے لیے ہم شیخ ابو عبداللہ شیرازی کا بقیہ کلام بھی نقل کرتے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ:۔

واما الوجود الذهني فملاحظة ذالك النور ومطالعته بالتصديق	ایمان کی دوسری قسم اس کا وجود ذہنی ہے جسکی حقیقت یہ ہے کہ قسم اول کو ملاحظہ میں رکھنا اور تصدیق کے ساتھ اس کا مطالعہ کرنا ہے
واما الوجود اللفظي فهو شهادتان	اور تیسری قسم وجود لفظی ہے یعنی کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرنا
وكما ان ايمان العوام هو التصديق بالجنان والاقرار باللسان والعمل بالاركان	(اور یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ) جس طرح سے کہ عوام کا ایمان تصدیق بالجنان (قلب ۱۲)۔ اقرار باللسان (زبان ۱۲)۔ اور عمل بالارکان (جوارح ۱۲) ہے۔
فايمان الخواص غروب النفس من الدنيا وسلوكه طريق العقبى وشهود القلب مع المولى	اسی طرح سے خواص کا ایمان نفس کو دنیا سے بچانا اور دور رکھنا اور طریق آخرت پر اسکو چلانا ہے۔ اور اپنے مولی تعالے شانہ کے ساتھ قلب کو حاضر اور مشغول رکھنا ہے۔
وايمان خواص الخواص ملازمة الظاهر والباطن في طاعة الله وانابة الخلق الى الفناء في الله واخلاص السر للبقاء بالله ذوقنا الله تعالى	اور اخص الخواص کا ایمان اللہ تعالے کی اطاعت میں اپنے ظاہر و باطن کو لگائے رکھنا۔ اور مخلوق کو فنا فی اللہ کی جانب متوجہ کرنا اور بقاء باللہ کے لئے اپنے سر (یعنی قلب و باطن) کو خالص رکھنا ہے۔ اللہ تعالے ہم کو بھی اس کا ذوق نصیب فرمائے آمین۔
(مرقات ص۴۲ ج۱)	

دیکھیے صاحب ترصیع نے یہاں جس طرح سے وارد کو موہبۃ فرمایا ہے اور اس کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ لا تجئ بالتكلف۔ لا يمكن رده ولا يمكن تكلفه وانما هي انوار يقذفها الله تعالى في قلوب طالبيه۔ یعنی اس عطیۂ خداوندی کو اپنے قوت بازو سے نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ نہ اپنے ارادہ سے اس کا لانا ممکن اور نہ جب آجائے تو رد کرنا ممکن۔ کیونکہ یہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالے اپنے طالب کے قلب میں ڈال دیتے ہیں۔ ولاراد لفضلہ ۔ اس نوع کی موہبۃ ابو عبداللہ شیرازیؒ نے ایمان کے (وجود غیبی) کو بھی قرار دیا اور اسکی تعبیر میں الفاظ بھی قریب قریب ان کے وہی ہیں جو صاحب ترصیع اپنے کلام میں لائے ہیں یعنی فرماتے ہیں کہ انہ نور يقذف في القلب من نور الذات اور آخر میں فرماتے ہیں کہ ذلك القذف يتعلق بمراد الله تعالے۔ لا يقدر على كسبه یعنی وہ ایک نور ہے نور ذات سے جو کہ

قلب میں ڈالا جاتا ہے۔ اور اس کا قلب میں پڑجانا محض اللہ تعالے کے چاہنے پر موقوف ہے بندہ کے کسب سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ ——— میں کہتا ہوں کہ اس نوع کی ایک اور موہبتہ بھی ہے جس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ثم بعد حصول النسبۃ عروج آخر ھو الفناء فی اللہ الخ اور شاہ صاحب نے اس مقام پر نہایت عمدہ کلام فرمایا ہے۔ ناظرین کے افادہ کے لئے ہم اسکو بعینہ نقل کرتے ہیں۔

القول الجمیل میں پہلے نسبت کی تعریف اور اسکے حاصل ہونے کے طرق کا بیان کیا ہے اور یہ فرمایا ہے یہی وہ چیز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث چلی آرہی ہے اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ سالک کی ترقی اور اس کا عروج اس نسبت ہی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ———

ثم بعد حصول النسبۃ عروج آخر ھو الفناء فی اللہ والبقاء بہ۔ والحق عندی انہ لیس متوارثا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بواسطۃ المشائخ بالسند المتصل بل ھو موھبۃ من اللہ تعالیٰ یھبہ لمن یشاء من عبادہ من غیر توارث۔

حصولِ نسبت کے بعد ایک اور عروج ہے جس کو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور میرے نزدیک حق یہی ہے کہ یہ مرتبہ فنا اور بقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ مشائخ سند متصل کے ساتھ متوارث نہیں ہے (جس طرح سے کہ نسبت صوفیہ متوارث اور مسلسل ہے) بلکہ یہ تو ایک خدائی موہبتہ ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں بدون توارث کے عطا فرما دیتے ہیں۔

ومما یشھد لھذا المعنیٰ ما روی ان خواجہ نقشبند سئل عن سلسلۃ شیوخہ فقال لم یصل احد الی اللہ بالسلسلۃ بل وصلت الی جذبۃ فاوصلتنی الی اللہ قضیۃ لما ورد جذبۃ من جذبات اللہ توازی عمل الثقلین ھذا مع ان سلسلۃ شیوخہ معلومۃ ومعروفۃ

اور میرے اس مدعا پر (کہ یہ مرتبہ کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے) حضرت خواجہ نقشبند کا یہ ارشاد شاہد ہے کہ ان کے مشائخ کے سلسلہ کے بارے میں ان سے دریافت کیا گیا؟ تو فرمایا کہ بھائی کوئی شخص اللہ تعالیٰ تک اپنے سلسلہ کے واسطے سے نہیں پہنچا ہے بلکہ مجھ تک تو ایک کشش ربانی پہنچی جس نے مجھے اللہ تک پہنچا دیا۔ اور یہ بات اس حدیث کے بھی مطابق ہے جس میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کششوں میں سے ایک کشش تمام جن اور انس کے عمل کے برابر (بلکہ اس سے بڑھ کر) ہوتی ہے اس بات کو سمجھ لو اور یاد رکھو۔ اور یہ

فمن شاء هذا العروج فليرجع الى سائر كتبنا والله الهادى	جان لو کہ حضرت خواجہ نقشبند (کوئی معمولی شخص نہیں ہیں) آنکے شاگرد کا سلسلہ بھی معروف و مشہور ہے (اسکے باوجود وہ ایسا فرما رہے ہیں) باقی فنا و بقا کے وہبی ہونے کی اگر زیادہ تحقیق درکار ہو تو ہماری کتب کی مراجعت کرو۔
(هذا القول الجميل)	

آپ سے کہتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مضمون کو کیا بیان فرمایا گویا سارا تصوف بیان کردیا۔ اور اس کتاب میں اگر صرف یہی مضمون ہوتا اور کچھ نہ ہوتا تب بھی بس تھا۔ اور اگر دوسرے سارے مضامین ہوتے اور یہی نہ ہوتا تو میرے نزدیک کتاب نا تمام رہ جاتی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مضمون جو یہ حضرت بیان فرما رہے ہیں کہ اُدھر سے ایک وارد آتا ہے جو وہبی ہوتا ہے یا ایک نور قلب مؤمن میں قذف کیا جاتا ہے یا یہ کہ نسبتہ سے آگے ایک عروج ہے جو کہ محض وہبی ہے۔ غرض ان سے نور کا وہبی ہونا جو معلوم ہوتا ہے تو یہ مضمون تو نص میں بھی آیا ہے اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اومن كان ميتاً فاحييناهُ وجعلنا له نوراً يمشي به فے الناس (پ رکوع ۲)	ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا ہم نے اسکو زندہ بنادیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دیا کہ وہ اسکو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں :-

یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله وآمنوا برسوله یوتکم کفلین من رحمته و یجعل لکم نوراً تمشون به ویغفر لکم والله غفور رحیم (پ حدید)	اے ایمان رکھنے والو! اللہ سے ڈرو اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالےٰ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دیگا اور تم کو ایسا نور عنایت کریگا کہ تم اس کو لئے ہوئے چلتے پھرتے ہوگے اور تم کو بخش دیگا اور اللہ غفور رحیم ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

ومن لم یجعل الله له نوراً فما له من نور	یعنی جس کو اللہ تعالےٰ نور نہ عطا فرمادیں پھر اسکو نور نہیں مل سکتا۔

اللہ تعالےٰ نے ان آیتوں میں نور کے ملنے نہ ملنے کو اپنے جعل (یعنی عطا فرمانے) پر مرتب فرمایا ہے یعنی یہ فرمایا کہ ہم نے نور دیا یا اللہ تعالےٰ نور عنایت فرمائیں گے یا جسکو خدا نور نہ دے اسکو نور نہیں مل سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان خدا تک جو پہنچتا ہے وہ جذب الہٰی کے ذریعہ پہنچتا ہے یعنی ادھر ہی سے کشش ہوتی ہے تب ہی انسان واصل ہوتا ہے۔

اب اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ملاحظہ فرمائیے کہ جب ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نور کا عطا فرمانا اپنے قبضہ اور تصرف میں رکھا ہے تو آپ نے پھر اللہ تعالیٰ ہی سے اسکو طلب بھی فرمایا چنانچہ ایک دعا میں آپ نے اللہ تعالیٰ سے اسطرح نور کا سوال کیا ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

اللھم اجعل فی قلبی نوراً وفی بصری	یا اللہ کردے میرے دل میں نور اور میری بینائی میں نور اور میری
نوراً وفی سمعی نوراً وعن یمینی نوراً	شنوائی میں نور اور میرے داہنی طرف نور۔ اور میرے بائیں
وعن شمالی نوراً وخلفی نوراً ومن	طرف نور۔ اور میرے پیچھے نور۔ اور میرے سامنے نور
امامی نوراً واجعل لی نوراً وفی عصبی	اور کردے میرے لئے ایک خاص نور اور میرے پٹھوں میں
نوراً وفی لحمی نوراً وفی دمی نوراً	نور اور میرے گوشت میں نور۔ اور میرے خون میں نور
وفی شعری نوراً وفی بشری نوراً	اور میرے بالوں میں نور اور میرے پوست میں نور
وفی لسانی نوراً واجعل فی نفسی	اور میری زبان میں نور اور کردے میری جان میں نور
واعظم لی نوراً واجعلنی نوراً	اور دے مجھے نور عظیم اور کردے مجھے سراپا نور
واجعل من فوقی نوراً ومن تحتی نوراً	اور کردے میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور
اللھم اعطنی نوراً	یا اللہ دے مجھے نور

(ص ۳۷ مناجات مقبول کریمی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دعا میں اسی لفظ جعل کو استعمال فرمایا اور اللہ تعالیٰ ہی سے نور طلب فرمایا اور یہ سمجھ کر کہ جب کوئی ذات کریم کسی چیز کی دینے والی ہو تو پھر اس سے مانگنے میں بخل کیوں کیا جائے؟ آپ نے بھی پھر کس طرح اللہ تعالیٰ سے نور طلب فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس دعا کے صرف الفاظ ہی کو زبان پہ لانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے نور قلب میں آرہا ہے بہت نفیس دعا ہے۔ آپ کی مانگی ہوئی یہی ایک دعا اگر ہم لوگ سیکھ لیں اور اس کے ذریعہ صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے نور کے طالب ہوں تب بھی ہمارا بیڑا پار ہوجائے۔

لیکن افسوس اس کا ہے کہ نور کی تحصیل کے لئے کیسے کیسے طریقے اور مجاہدے لوگ اختیار کرتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہل اور آسان طریقہ ہمارے پیش نظر نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محنت بہت ہے اور نفع کم ترک سنت کی یہ سزا اور وبال ہے جو آج ہمارے نقد حال ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمادیں۔

يقذفها الله تعالى في قلوب طالبيه عند برائتهم من الدعوى وتحررهم من رق الاغيار وتعرضهم لنفحاته تعالى بالذل والافتقار و اذا كانت الواردات من العلوم الالٰهية فلا يعمل بها مالم يشهد بها الشرع فان كل حقيقة تخالف الشريعة فهي باطلة

جس کو اللہ تعالیٰ اپنے طالبین کے قلوب میں ڈال دیتے ہیں جبکہ وہ دعویٰ اور پندار سے نکل چکتے ہیں اور اغیار کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہوتے ہیں (اور یہی نہیں بلکہ) اپنے اندر غایت ذلت اور افتقار پیدا کر کے خود کو ان نفحات الٰہیہ کے ورود کے محل میں پیش کر دیتے ہیں۔ پھر جب یہ واردات از قبیل علوم الٰہیہ کے ہوں تو (ان کا حکم یہ ہے کہ) ان کے مقتضیٰ پر عمل اس وقت تک نہیں کیا جائے گا جب تک کہ یہ نہ معلوم کر لیا جائے کہ وہ شرع کے خلاف تو نہیں ہیں (یعنی شریعت ان کی تصدیق کر دے) اس لئے کہ ہر وہ حقیقت (یعنی طریقت) جو شرع کے خلاف ہو وہ مردود اور باطل ہے۔

ثم من الادب ان لا يفرح بالوارد ولا يغتربه مالم يعلم ثمراته فيه من تاثير القلب و تبدل صفات المذمومة بالصفات المحمودة وان لا يتكلم بالمعاني الواردة عليه حتى يتحقق بها و ترسخ و تتضح بانكشافها

پھر وارد کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ کسی وارد کو پا کر سالک فرح بطر نہ کرنے لگ جائے اور اس پر مغرور نہ ہو جب تک کہ یہ نہ معلوم کر لے کہ اس کا ثمرہ خود اسکے اندر کیا مرتب ہوا؟ یعنی اسکے قلب نے اس سے کیا اثر قبول کیا۔ اور اسکی صفات مذمومہ صفات محمودہ سے بدل گئیں یا نہیں؟ اور ایک بات قابل لحاظ یہ ہے کہ جن معانی اور صفات (یعنی حالات و کیفیات) کے ساتھ متحقق اور متصف نہ ہو اور جو حالات و کیفیات اس کے اندر راسخ نہ ہوں اور جن کا کہ کشف واضح نہ ہو ان کا تکلم بھی اپنی زبان سے نہ کرے۔

وان لا يطلب بقاء الوارد ولا يأسى على فقده بعد ان بسط عليه انواره فتكيف باطنه وظاهره بكيفيات العبودية

اور ایک ادب یہ ہے کہ نہ تو وارد کے بقاء کی خواہش کرے اور نہ اسکے چلے جانے سے اپنے اوپر یاس ہی طاری ہونے دے یہ خیال کر کے کہ کبھی مجھ پر بھی اس وارد کے نور کی بارش ہوئی تھی جسکی وجہ سے میرا ظاہر اور باطن عبودیت کی کیفیت سے سرشار ہو چکا تھا

ولاح له شئی من عظمة الربوبية فان فی الله غنیً عنه وعن غیره وکذلك لا ینبغی ان یلاحظ العبد شیئاً من الاغیار والانوار والمقامات والاحوال والدنیا والآخرة والنعم الباطنة والظاهرة ولا یرکن الیها ولا یعتمد علیها بقیت اوذهبت فانها غیره فیلزم ان تحید عنها کما قیل ؎

اور ربوبیّت کی عظمت کا نور مجھ پر چمک چکا تھا (مگر افسوس کہ اب وہ جاتا رہا تو اس قسم کے خیالات کا کبھی اتباع نہ کرے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے اندر اس (اراده) سے اور اس کے علاوہ سب ہی چیزوں سے کفایت موجود ہے۔ اسی طرح سے بندہ کیلئے زیب بھی نہیں دیتا کہ غیر اللہ کی جانب ادنیٰ التفات بھی کرے خواہ وہ اغیار ہوں یا انوار۔ مقامات ہوں یا احوال۔ دنیا ہو یا آخرت۔ باطنی نعمتیں ہوں یا ظاہری غرض انکی جانب ادنیٰ میلان بھی روا نہیں ہے۔ اور نہ واردات پر اعتماد کرے وہ باقی رہیں چاہے ختم ہوجائیں اسلئے کہ وہ خدا نہیں ہیں معاذ اللہ (مطلب یہ کہ مقصود نہیں ہیں اسلئے سالک کو ان کی پرواہ ہی کیا؟) لہذا ان سے علیحدگی اور دوری ہی مناسب ہے جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

الیك یا حور الجنان عنا
مالك قاتلنا ولا قتلنا

(کہ شہید مخلص کو جنت میں جب حوریں ملیں گی تو وہ کہے گا کہ) اے جنت کی حورو مجھ سے الگ ہی رہو اسلئے کہ ہم نے دنیا میں جو قتل و قتال کیا تھا اور مقتول ہوگئے تھے تو وہ کچھ تمہاری خاطر نہیں ہوئے تھے۔

قال ابو القاسم القشیری رحمهم الله تعالے ومن المقاطع المشکلة السکون الی استحلاء مایلاقیك به من فنون تقریبك فان کل لطیفة بطریك بها تحتها خدع انتهی۔ ولو خاطب الولی کل ما فی الکون وقال السلام علیك یا ولی الله تعالے

حضرت ابو القاسم قشیریؒ نے فرمایا ہے کہ مقامات مشکلہ اور دشوار گذار گھاٹیوں میں سے ایک یہ ہے کہ سالک اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے امور کو پاکر اور انھیں شیریں اور لذیذ پاتے ہوئے ان سے سکون اور قرار حاصل کرنے لگے (کیونکہ بسا اوقات وہ اسی کو مقصود سمجھ لیتا ہے اور ادھر سے منقطع ہوجاتا ہے) اور یہ اسلئے کہ ہر وہ لطیفہ جو تمہارے حق میں طرب و نشاط کا موجب بنے یقین کرو کہ اس کے باطن میں کوئی نہ کوئی مفسدہ فتنہ اور خداع ضرور مخفی ہے (گو تم اسکو محسوس نہ کرسکو) چنانچہ اگر کسی ولی سے دنیا کی تمام چیزیں کلام کرنے لگیں اور آکر یہ کہیں کہ السلام علیک یا ولی اللہ تعالیٰ (اے اللہ تعالیٰ کے ولی تم پر سلام ہو)

فسكنت نفسه الى ذالك كان في يد ذالك اسيراً۔

وقال سيدى ابو العباس المرسى رحمه الله تعالىٰ اللطف حجاب عن اللطيف يعني السكون اليه والوقوف عنده وشدة الفرح به انتهى۔ ومتىٰ قصد العبد شيئاً من الكرامات وخرق العوائد وانواع الاجابات افتتن وانقطع عليه طريق العبودية ومن ادركته السعادة كاشفه الله تعالى بشهود جلاله و جماله لا باثباته في الاحوال اللطيفة والكرامات الشريفة ماارادت همة سالك ان تقف عند ماكشف له الا

اور اس کی وجہ سے اسکا نفس کچھ خوش ہو جائے اور اسکو باطنی سکون حاصل ہو تو سمجھو کہ ابھی وہ اپنے (نفس کے) ہاتھوں اسیر ہے۔

(اسی بات کو) ہمارے شیخ ابو العباس مرسیؒ یوں فرماتے تھے کہ لطف (یعنی وارد) لطیف کی جانب سے ایک حجاب ہے مطلب یہ کہ اس لطیفہ سے سکون حاصل کرنا اور اسی پر قناعت کر لینا یا اسکی وجہ سے فرح بطر میں مبتلا ہو جانا یہ سب باتیں بعد کی ہیں (اور منع ہیں ورنہ تو حال مہمان عزیز ہے قابل قدر اور لائق صد شکر ہے) اور جب سالک نے کسی کرامت یا خارق عادت یا کسی قسم کی اجابت کے حصول کا قصد کیا تو سمجھ لو کہ وہ مفتون ہے اور اب اس پر عبودیۃ کا راستہ ہی بند ہو جائیگا۔ اور جسکی قسمت میں سعادت ازلی لکھی ہوتی ہے اسپر اللہ تعالیٰ اپنے جلال وجمال کا مشاہدہ مکشوف فرما دیتے ہیں (جس کے وہ ہمیشہ سرشار رہتا ہے) اور احوال لطیفہ اور کیفیات اور کشف وکرامات کی فکر اور خواہش ہی سے اسکو دور رکھتے ہیں اسطرح سے کہ اگر کسی سالک کا ارادہ بھی ان مکاشفات پر وقوف کا ہوا تو وہ (جلال وجمال کا مشاہدہ) جسکو حقیقت کا ہاتف کہنا چاہیئے اس سے پکار کر کہتا ہے کہ خبردار دیکھ

ف (قوله اللطف حجاب عن اللطيف الخ) یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے برد قضاء کا شکوہ کرتے رہے ہیں جس طرح سے کہ اور دوسرے لوگ تدابیر کی شغولی سوء اختیار کے وبال سے ڈرتے ہیں اور خوف کرتے ہیں اور یہ اسلئے کہ برد قضا کیوجہ سے (یعنی یہ کہ ہر خواہش اور مراد بدون اختیار اسباب کے پوری ہوتی رہے) نفس کو جو لذت اور حلاوت حاصل ہوتی ہے کہیں اسمیں پھنسکر اللہ تعالیٰ کی جانب سے صرف نظر نہ ہو جائے (اولیاء اللہ اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ عبدیت یہ ہے کہ بندہ ہر آن اپنی احتیاج اپنے مالک کے آگے پیش کرتا رہے اور کبھی کوئی غیر اللہ اسکے لئے سبب سکون نہ بنے)

نادته هواتف الحقيقة انما نحن فتنة فلا تكفر الذى تطلب امامك۔

والحاصل ان الصوفى مرجعه فى كل احواله الى الحق تعالى فهولا دنياله ولا آخرة وذلك لان الحق تعالى غيور لا يحب ان يرى فى قلب عبده سواه فان وجد فى قلبه سكونا الى غيره ابتلاه وحجب ذكره عن قلبه واجراه على لسانه فان انتبه وانقطع عمن سكن اليه كشف الله مابه وان دام على سكونه نزع من قلوب الخلق الرحمة اليه والبسه لباس الطمع فيهم فتصير حياته عجزا وموته كمدا او معاده اسفا نعوذ بالله تعالى من السكون لغيره آمين

قال الشاعر ؎

من لم يكن بك فانياً عن حظه
وعن الهوى والانس بالاحباب

یہ ٹھہرنے کا مقام نہیں ہے بلکہ ایک فتنہ ہے لہذا اسمیں پڑ کر کافر مت ہو جانا (یعنی یہاں توقف کرکے راہ سے منقطع نہ ہو جانا) تمہارا مطلوب و مقصود اور آگے ہے۔

حاصل یہ کہ ایک صوفی کا مطلوب تو اپنے جملہ احوال میں حق تعالے ہی ہوتے ہیں پس اسکے پیش نظر نہ تو دنیا ہوتی ہے اور نہ آخرت ہوتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ حق تعالیٰ بڑے ہی غیرت والے ہیں اسکو پسند ہی نہیں فرماتے کہ اپنے بندہ کے قلب میں اپنے سوا کسی غیر کو دیکھیں۔ پس اگر کسی بندہ کو ایسا دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے قلب میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے بھی سکون پاتا ہے تو اسکو امتحان کے شکنجہ میں کھینچتے ہیں اور اپنی یاد کو اسکے قلب سے جدا کر دیتے ہیں اور ذکر کو صرف اسکی زبان پر جاری فرما دیتے ہیں اب اگر اس سزا سے اسکو تنبہ ہو گیا اور وہ اس غیر سے جس سے اس نے سکون حاصل کیا تھا منقطع ہو گیا یعنی اس سے اپنے قلب کو فارغ کر لیا تو اللہ تعالیٰ سزا کو اس سے دور فرما کر اسکے قلب کو روشن فرما دیتے ہیں ورنہ کہیں اگر وہ اپنے اسی سکون پر قائم اور مداوم رہا تو (دوسری سزا اسکو یہ دیجاتی ہے کہ) مخلوق کے قلوب سے اس پر رحم اور شفقت کو نکال دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسکو مخلوق سے طمع کا لباس پہنا دیتے ہیں جسکی وجہ سے اسکی زندگی بالکل ایک عاجز اور ذلیل جیسی ہو جاتی ہے اور موت اسکی مشقت والی ہو جاتی ہے اور آخرت میں بھی اس کا حال بس قابل افسوس ہی ہوگا ہم اللہ تعالے سے غیر اللہ کی جانب سکون قلبی ہونے سے پناہ مانگتے ہیں۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

جو شخص تجھے پاکر بھی اپنے حظوظ دنیویہ سے فارغ نہ ہوا اور اسکو نہ بھولا
بلکہ خواہشات نفسانیہ ہی میں اور احباب کے تعلق ہی میں لگا رہا۔

فلانہ بین المراتب واقف
لمنال حظ اولحسن مآب

تو بس یہ سمجھو کہ وہ ان دونوں مراتب کے مابین معلق ہی رہیگا یعنی نہ تو کھلکر دنیوی چین ہی اٹھا سکے گا اور نہ اُخروی حسن انجام ہی سے حصہ پا سکے گا۔

وقال ابو سلیمان الدارانی اقرب ما یتقرب بہ الی اللہ تعالیٰ ان یطلع علی قلبک وھو لا یرید من الدنیا والآخرۃ غیرہ انتھی۔

ابو سلیمان دارانی رحؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کے جو ذرائع ہیں ان میں سب سے قریب ترین ذریعہ یہ ہے کہ تمہارے قلب کی یکسوئی کی یہ حالت ہو کہ اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو اس میں دنیا کی کوئی تمنا نکلے اور نہ آخرت کے کسی چیز کی آرزو ملے بجز خدا کی ذات کے اور

وقد اطلقنا عنان القلم فی ھٰذا المقام لانہ مزلۃ الاقدام الا من رحم ربک +

اسکی یاد کے (ذکر کے بعد کے اس ادب دوم کے بیان میں) ہم نے بھی قلم کی لگام ذرا ڈھیلی کر دی (یعنی اسکو مفصل اور واضح بیان کیا) اسلئے کہ یہ مقام لوگوں کیلئے مزلۃ الاقدام ہوا ہے۔ سوا اس شخص کے جس پر تمہارا رب ہی رحم فرمادے۔

ــہ (افادہ) (قولہ یہ مقام لوگوں کیلئے مزلۃ الاقدام ہے الخ) میں کہتا ہوں یہ مقام مزلۃ الاقدام اسلئے ہے کہ انسان ذکر سے اگر کوئی لذت پانے لگے یا اسکو سکون الی الغیر حاصل ہو تو کبھی ایسا ہو گا یہی غیر اور یہی لذت اسکا مقصود ہو جائیگی اور ذکر کے حقیقی ثمرات سے وہ محروم رہے گا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مومن کیلئے ذکر کا ثمرہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فاذکرونی اذکرکم یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمکو یاد کرونگا سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی یہ نوازش اور کرم کہ گندہ بندہ کی یاد کا صلہ وہ اسکو اسکی یاد سے مرحمت فرمائیں۔ ع بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

پھر ذکر ہی کے سلسلہ میں ایک بات یہ کہتا ہوں کہ اللہ اللہ کا ذکر ہو خواہ لا الہ الا اللہ کا یہ دونوں ذکر بسیط ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ہر ایک کے الگ الگ خواص ہیں اور جدا جدا منافع ہیں۔ مشائخ نے اسکی تصریح فرمائی ہے چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحؒ فرماتے ہیں کہ :-

باید دانست کہ صورت ایمان چنانچہ موقوف است بر نفی الٰہہ آفاقی کہ اصنام وسائر معبودات کفرہ است۔

جاننا چاہیئے کہ جس طرح ایمان کی ایک صورت ہوتی اور وہ اس پر موقوف ہوتی ہے کہ انسان آفاقی آلہہ کو قلب سے دور کرے اور اس سے مراد اصنام اور کفار کے معبودات باطل ہیں۔

حقیقت ایمان موقوف است بر نفیِ الٰہ انفسی کہ عبارت از ہوا ہائے نفسانی است و گرفتاری ست بما دون حق جل و علا۔ آیۃ کریمہ افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ شاہد ایں معنی است۔

اسی طرح سے ایمان کی ایک حقیقت ہوئی جو کہ موقوف ہے انفسی الٰہ کے ازالہ پر اور ان سے مراد خواہشات نفسانی ہے اور غیر اللہ کے ساتھ قلب کی گرفتاری ہے (اور خواہشات کو جو الٰہ کہا گیا تو) آیت افرأیت الآیۃ یعنی آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا رکھا ہے۔ یہ آیت اس پر شاہد ہے۔

بزرگان گفتہ اند کہ ہرچہ مقصود تست معبود تست پس طالب حق را جل و علا از تکرار آں چارہ نیست لہٰذا اہل اللہ ایں کلمہ طیبہ را برائے سلوک و تسلیک اختیار فرمودہ اند تا سالک بتکرار ایں کلمہ از ہوائے نفسانی و وساوس شیطانی و مقاصد انسانی بہ تمام برآید و مقصود و معبود و محبوب او بجز از ذات منزہ نماند و فنا حاصل شود۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو تمہارا مقصود ہو بس وہی تمہارا معبود ہے۔ لہٰذا حق کے طالب کو لا الٰہ الا اللہ کے تکرار سے چارہ نہیں۔ اسی لئے اہل اللہ نے ہر زمانہ میں سلوک و تسلیک کے لئے اسی کلمہ کو اختیار کیا ہے تاکہ سالک اس کلمہ کے تکرار سے اپنے ہوائے نفسانی۔ وساوس شیطانی اور مقاصد انسانی سے بالکل نکل جائے اور اس کا مقصود و معبود اور محبوب سوا ذات عز شانہ کے کوئی اور نہ رہ جائے اور اس کو فناء تام حاصل ہو جائے۔

یہ تو کلمہ طیبہ کے بارے میں فرمایا۔ آگے اسم ذات کے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔

آرے اسم ذات جذب و محبت مے آرد و قسمے از فنا می بخشد۔ لیکن کلمہ نفی و اثبات برائے سلوک و رفع علائق ناگزیر است تا فناء حقیقی حاصل شود و حجب بتمام مرتفع گردد۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ اسم ذات بھی (اللہ اللہ کا ذکر) محبت اور جذب پیدا کرنے میں اکسیر ہے اور ایک نوع کا فنا بخشتا ہے لیکن لا الٰہ الا اللہ کا ذکر سلوک کے لئے اور علائق کو قلب سے زائل کرنے کے لئے بہرحال ضروری ہے تاکہ فناء حقیقی حاصل ہو اور حجابات بالکلیہ مرتفع ہو جائیں۔

تا بجاروب لا نروبی راہ — جب تک لا کی جھاڑو سے راستے کو صاف نہ کروگے

نرسی در سرائے الا اللہ — الا اللہ کی سرائے تک رسائی مشکل ہے۔

(صفحہ ۴ مکتوبات معصومیہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جذب حاصل کرنے میں ذکر اسم ذات (اللہ اللہ) کو بڑا دخل ہے اور فنا اتام کے حصول کے لئے کلمہ طیبہ کا ورد ہر زمانہ میں مشائخ کا معمول رہا ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ یہ سارے اذکار بسیط ہی ہیں یعنی ان کے ایک ایک معنی ہیں اور ایک ایک مقصد ان سے حاصل ہوتا ہے باقی ان کے علاوہ ایک اور ذکر ہے جو کہ مرکب ہے اور وہ ہے "تلاوت قرآن"۔ اگر سالک اس سے شغف پیدا کرلے تو بیک وقت اللہ تعالے کی ذات۔ صفات۔ آخرت۔ معاد۔ جزا۔ سزا۔ جنت۔ دوزخ ان تمام چیزوں پر تفصیلی طور پر اسکی سیر ہوجائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی مراد نزولِ کتاب سے یہی ہے کہ بندے ان سب امور پر سے گذریں۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے تلاوت قرآن سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں مگر اس سے یہ مقصود اس وقت حاصل ہوگا جب کہ یہ تلاوت اپنی شرائط کے ساتھ ہو اور قلب سے ہو۔ محض لسانی اور سرسری تلاوت اس مقصد کے حصول کے لئے کافی نہیں۔

(من شاء المزید فلیرجع الی رسالتنا "تلاوۃ القرآن المجید"۔

(حضرت مولانا دامت برکاتہم نے جب یہ ملاحظ فرمایا کہ ہر طبقہ میں کسی نہ کسی درجہ میں کلام اللہ کے فہم و تلاوت اور اس کے شرائط و آداب کی رعایت میں کوتاہی ہو رہی ہے اور اس کی جانب سے سخت بے اعتنائی برتی جارہی ہے تو آپ نے عوام و خواص سب کو اسکی طرف متوجہ فرمایا اور نہایت شد و مد سے اس موضوع پر کلام فرمایا۔ لوگوں کو ان کی عملی اور اعتقادی کمزوریوں پر آگاہ فرمایا جس سے لوگوں کو بہت نفع ہوا۔ ان مضامین کو کتابی شکل میں تلاوت قرآن کے نام سے شائع کیا جاچکا ہے۔ اس کو بار بار مطالعہ فرمائیے انشاء اللہ بہت نافع ثابت ہوگا۔

حضرت کے بیانات کی خصوصیت یہی ہے کہ ایسا دلکش و دلچسپ کلام ہوتا ہے کہ نہ طبیعت سننے سے اکتاتی ہے اور نہ وہ بیان فرسودہ معلوم ہوتا ہے ؎

وہی اک بات جو سو بار گذری ہے نگاہوں سے — زبانِ شیخ پر آکر نئی معلوم ہوتی ہے)

(از مرتب)

ثانیھا اجراء الذکر علی قلبك فی السکتة المذکورة اما لا اله الا الله او الله الله

دوسرا ادب ہے (غالباً یہ سہو کاتب ہے۔ دراصل یہ تیسرا ادب ہے دوسرا تو پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح سے اسکے بعد الا چوتھا ہے جسکو کتاب میں تیسرا لکھا ہے) کہ ذکر کو سکتہ مذکورہ میں جس میں حبس دم کیا تھا۔ دل دل میں کرتا ہے خواہ وہ لا الٰہ الا اللہ ہو یا اللہ اللہ ہو۔

ثالثھا ترك شرب الماء حتی یمضی ساعة او نصفھا لانه یطفیٔ نار الشوق التی الھبھا الذکر ویفر بالبدن وینبغی من اراد ان تظھر له ثمرة الذکر فی مدة قلیلة ان یواظب علی ھذه الآداب ولا یخل بشیٔ منھا واذا اجتمع جماعة للذکر فینبغی ان یصطفوا مستقبلی القبلة او یتحلقوا واذا کان فیھم امرد اخروه فی آخر الصفوف۔

اور تیسرا ادب (جو کہ حقیقتاً چوتھا ادب ہے) (اگرچہ شروع میں جو کہا ہے اس پر یہ زائد ہے کیونکہ ابتدا میں کہا تھا کہ ذکر کے بعد کے تین آداب حالانکہ اب چار ہونگے) یہ ہے کہ ذکر کے بعد گھنٹہ آدھ گھنٹہ تک پانی نہ پیئے اسلئے کہ اسکی وجہ سے شوق کی وہ آگ بجھ جائیگی جسے ذکر نے بھڑکایا ہے اور اسطرح سے ذکر کی مشقت کے بعد فوراً پانی پینا بدن کو صحت کی رو سے بھی مضر ہے اب جو شخص چاہتا ہے کہ ذکر کا ثمرہ قلیل مدت ہی میں اسکے لئے ظاہر ہو جائے تو اسکو چاہیئے کہ ان تمام آداب پر مواظبت کرے اور کسی ادب کو ترک نہ کرے (یہ آداب تو منفرد کے لئے تھے) اور جب ایک جماعت ذکر کے لئے جمع ہو تو چاہیئے کہ قبلہ رو ہو کر صف بنا لیں یا حلقہ بنالیں اور اگر ان میں کوئی نوخیز لڑکا ہو تو اس کو اخیر صف میں سب سے پیچھے کر دیں۔

وینبغی توافق اصواتھم وان تکون حرکتھم واحدة ثم اذا اراد الشیخ ختم الذکر فلیستاذن ربه فی نفسه و یقول یاربی حضرتك لا تمل ولکن اخوانی ھؤلاء فیھم المریض وذو الحاجة ومرادی

اور سب کے سب ایک آواز اور ایک حرکت کے ساتھ ذکر کریں۔ پھر جب شیخ یہ چاہے کہ ذکر کو ختم کرے تو اسکو چاہیئے کہ اپنے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے اذن طلب کرے اور یوں کہے کہ اے پروردگار آپ کی حضوری تو ملول ہونے کی چیز نہیں ہے مگر میرے یہ سب رفقاء طریق ہیں ان میں بہت سے ایسے ہیں جو کہ مریض ہیں بعضے ان میں حاجتمند ہیں لہٰذا میں یہ چاہتا ہوں کہ اب ان سب

ان اختم بهم ثم يقول لا اله الا الله هو ثم يطرق رأسه هو واخوانه ويكون قوله لا اله الا الله بصوت متوسط ولا يختم بهم الا اذا رأى همتهم قصرت واما اذا رأى منهم النشاط وشدة الشوق فلا ينبغي ان يختم بهم وعند الختم ينبغي ان يذكر بهمة هو والجماعة ولا يختموا الا على نوع استغراق ليبقى لهم داعية الذكر ثانياً۔

کے ساتھ ذکر کو ختم کر دوں پھر لا الہ الا اللہ ہو کہے پھر وہ اور سب اخوان الطریق اپنا اپنا سر جھکا لیں اور اس کا یہ لا الہ الا اللہ کہنا متوسط آواز کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ اور ان کے ساتھ ذکر اسی وقت ختم کرے جب کہ ان کو کم ہمت پاوے۔ لیکن جب ان لوگوں میں نشاط اور شوق کی زیادتی دیکھے تو پھر ان کے ساتھ ذکر نہ ختم کرے اور ختم ذکر کے وقت مناسب ہے کہ خود شیخ اور پوری جماعت پوری ہمت اور توجہ کے ساتھ ہو کہے۔ اور ذکر کو ایک قسم کے استغراق پر ختم کرے تاکہ دوبارہ ذکر کا داعیہ اور شوق باقی رہے۔

ولا يكن مجلسه فى الذكر بالطويل الا فى الليالى الفاضلة ولا بالقصير الا اذا كان هناك عذر۔

اسی طرح سے ذکر کی مجلس طویل نہ ہونی چاہیئے بجز ان راتوں کے جن کے متعلق کچھ فضیلت آئی ہے۔ اور نہ مختصر ہی کرے۔ سوا عذر کی صورت کے۔

واما السماع فينبغى الاخذ بالاحوط فى تركه فانه الصفا الزلال والنفوس تقبل عليه لانه من شهواتها والزمان فاسد وهذ الامر لم يجر عليه طريق الصديقين ولا اكثر الائمة فى الطريق لانه فى الحقيقة من حظوظ النفس ومنه الافعال المباحة فى الحكم واهل الله لا ينبغى ان يكونوا الا فى فريضة او فضيلة +

بہر حال (اہل طریق کیلئے) سماع کا مسئلہ تو لازم ہے کہ اس میں احوط صورت کو لیں یعنی اسکو ترک ہی کر دیں کہ اسکا ترک ہی زلال یعنی شفاف پانی ہے ورنہ نفوس اسپر ٹوٹ کر گرتے ہیں اسلئے کہ وہ نفسانی خواہش کے عین مطابق ہے اور زمانہ بھی فساد کا ہے لہذا اس کا ترک ہی اولیٰ ہے۔ پھر یہ کہ صالحین اور صدیقین اور طریق کے اکثر ائمہ کا یہ طریقہ بھی نہیں رہا ہے اسلئے کہ درحقیقت اسمیں حظ نفس کا پورا سامان موجود ہے۔ چنانچہ بہت سے ایسے افعال جو فی نفسہ مباح ہوتے ہیں وہ بھی ذریعہ بنجاتے ہیں حظ نفس کا (ایسا ہی یہ سماع بھی ہے) اور اہل اللہ کے شایان شان تو یہ ہے کہ وہ صرف نفیس کام کو انجام دیں چاہے تو فرض ہو یا افضل ہوں۔

(ثم اذا اسمعوا فليراعوا آداب القوم في السماع) منها ان يكون القوال منهم وان لا يقول الا من كلام القوم المشتمل على الوعظ والنصائح[ع] دون الشطح والمغلق + ومنها ان لا يكون بينهم من ليس من طريقهم ولا من لا يقول بالسماع لئلا يقبضهم[سہ] واذا لم يكن القوال منهم فليكن ممن حسن ظنه بهم وينبغي

بہر حال (اس فیصلے کے بعد بھی کہ ترک سماع ہی اس زمانہ میں مناسب ہے) اگر اہل طریق سنتے ہیں تو ان کو قوم صوفیہ کے آداب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ قوال بھی اسی جماعت کا ایک فرد ہو یعنی اہل طریق میں سے ہو (فاسق فاجر نہ ہو) اور کلام قوم ہی میں سے کوئی چیز پیش کرے جو پند و نصیحت پر مشتمل ہو۔ شطحیات اور مغلقات نہ ہوں۔

ایک شرط یہ ہے کہ سماع سننے والوں کے درمیان ایسا کوئی شخص نہ ہو جو ان کے طریقہ پر نہ ہو بلکہ اجنبی ہو اور نہ ایسا کوئی ہو جو سماع کا قائل نہ ہو تاکہ قوم کو اس کی وجہ سے انقباض نہ ہو۔

اور اگر قوال اہل طریق میں سے نہ ہو تو کم از کم ایسا ضرور ہو کہ اس جماعت کے ساتھ حسن ظن رکھنے والوں میں تو اس کا شمار ہوتا

ع (قولہ المشتمل على الوعظ والنصائح الخ) تاکہ وہ اشعار روح کیلئے بمنزلہ حُدی کے ہو جائیں (حُدی اسکو کہتے ہیں کہ عرب میں اونٹ کو تیز چلانے کیلئے اور اس لئے کہ سفر کا تعب اسکو نہ ہو اونٹ سوار عمدہ آواز سے کچھ اشعار پڑھتے تھے جسکو سنکر اونٹ مست ہو جاتے تھے اور جھوم جھوم کر چلتے تھے رفتار بھی انکی تیز ہو جاتی تھی اور پھر تکان بھی محسوس نہ ہوتا تھا) اور اشعار پڑھنے (اور سننے) کا بہترین اور مناسب ترین زمانہ وہ ہے جبکہ سالک مقام ثالث میں ہو (یعنی نفس لوامہ سے نکلکر نفس ملہمہ میں داخل ہو چکا ہو جسکی تفصیل آگے آتی ہے) جسمیں کہ عشق و محبت سے وہ دوچار ہو جاتا ہے چنانچہ انکی جانب اسطرح سے مضطر ہوتا ہے جیسے کھانے کی جانب محتاج ہوتا ہے۔

میں جس زمانہ میں کہ اس مرتبہ میں تھا میرے ایک صادق و مخلص دوست نے کہا کہ تمہارے ساتھ ذرا خلوت چاہتا ہوں چنانچہ خلوت ہو گئی تو انہوں نے مجھے اس وقت میرے ذوق اور حال کے مناسب کچھ اشعار سنائے اور مجھے اسمیں بڑا ہی لطف آیا اور اسکی وجہ سے مواجید عظیمہ میں نے پائے۔

سہ (قولہ لئلا یقبضهم الخ) یعنی (یہ شرط کہ مجلس سماع میں وہی لوگ ہوں جو اسکے جواز کے قائل ہوں دوسرے لوگ نہ ہوں اسلئے لگائی کہ) جو شخص اس کے جواز کا قائل نہ ہوگا ظاہر ہے کہ وہ ناجائز چیز ہوتے ہوئے دیکھ کر اس سے منقبض ہوگا۔ پس اس کے انقباض کا اثر اہل سماع پر پڑے گا اس لئے کہ ان حضرات کا باطن صاف و شفاف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سید الطائفہ حضرت جنیدؒ سے کہا گیا کہ حضرت آپ سماع کیوں نہیں سنتے؟ تو فرمایا کہ سنانے والا کون ہوگا؟ اور سننے والے ساتھی کون لوگ ہوں گے؟ (حضرت کا مطلب یہ تھا کہ شرائط اسکی سخت ہیں اور ان کا پایا جانا آسان نہیں ہے) پس جس طرح سے کہ یہ ضروری ہے کہ قوال بھی صاحب باطن ہو اسی طرح سے یہ بھی ضروری ہے کہ رفقاء سماع یعنی سب کے سب حاضرین اور شرکاء اسی مسلک و مشرب کے ہوں کوئی اس کا منکر اس میں نہ ہو۔ یہاں تک کہ بعض مشائخ کے متعلق سنا گیا ہے کہ سماع سننے کے وقت وہ حجرے کا دروازہ بند کر لیا کرتے تھے اور کسی اجنبی (اور منکر) کو اندر آنے نہیں دیتے تھے چنانچہ ان سب رعایات کے بعد انکو ان سے احوال اور مواجید حاصل ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسی ہی مجلس تھی مگر اسمیں کسی کو کچھ نہیں حاصل ہوا ان شیخ نے فرمایا کہ ذرا دیکھنا تو مجلس میں کوئی اجنبی تو نہیں آ گیا ہے (جسکی نحوست سے آج فیض نہیں ہو رہا ہے) لوگوں نے عرض کیا نہیں حضرت سب لوگ اپنے ہی ہیں اجنبی تو کوئی نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ دیکھو کسی اجنبی کی کوئی چیز تو مجلس میں نہیں آ گئی ہے؟ اب لوگوں کو فکر ہوئی تلاش کیا تو پتہ چلا کہ کوئی صاحب کسی اجنبی کا جوتا بدل لائے ہیں جس کا اثر یہ ہوا۔ غرض لوگوں نے اسکو حجرہ سے باہر نکالا اور پھر بیٹھے تو حسب دستور مواجید حاصل ہوئے۔

ان يجز لواله العطا ويبا سطوه حتى يتمكن من قلبه حب الجماعة والقوم ان كان من العامة واذا ظهر لهم منه فى اثناء المجلس سآمة اوكسل اسكتوه واراحوا سرهم واشتغلوا بنفوسهم وطيب وقتهم ثم ان كان فى الجماعة من ينوب عنه والا اخذوا فى الذكر بصوت واحد وطريقة موزونة وهى عند المحققين احسن من قول القوال ونتيجتها اعلى لمن كان له قلب او القى السمع وهو شهيد +

واذا اخذ القوال فى شانه واستمرت الاحوال فى نفوس السامعين وتحكم سلطان الوجد وتحركت هذه الهياكل لتشوف روحانياتها الى الملأ الاعلى فما فوقه كل على قدر قوته ومقامه فاذا سقط ثوب من احدهم فقد كانوا يعطونه للقوال اذا كان الوجد حصل لمعنى فى قوله والا فللقوم ويقسمونه فيما بينهم بل كانوا اذا سقط منهم شئ

ہی ہو۔ نیز سامعین کو چاہیئے کہ قوال کو کبھی کبھی کچھ انعام بھی دیدیا کریں اور اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آویں تاکہ اس کے قلب میں قوم اور جماعت کی محبت قائم ہو جائے جبکہ وہ عوام الناس میں سے ہو۔ اور اگر قوال درمیان مجلس میں سست ہو جائے یا اسپر کسل کا غلبہ معلوم ہو تو چاہیئے کہ لوگ اسکو خاموش کردیں اور اپنے باطن کو اسکے بے کیف سُر سے راحت دیدیں اور خود اپنے نفوس کی جانب اور اپنے وقت کو بالطف بنانے کی جانب متوجہ ہو جائیں۔ پھر اگر اس جماعت میں کوئی دوسرا قوال ہو تو اسکو مقرر کردیں ورنہ یہ کریں کہ سب کے سب یک آواز ہو کر اور باہم سُر میں سُر ملا کر ذکر (بالجہر) شروع کردیں۔ چنانچہ یہ ذکر محققین کے نزدیک قوال کے اشعار سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور انجام وفائدہ بھی اسکا زیادہ پائیگا ہر وہ شخص جو قلب رکھتا ہے یا اپنی قوت سامعہ کو بیداری قلب کیساتھ ساتھ متوجہ کئے ہوئے ہے۔

اور جب قوال پورے نشاط میں آجائے اور سننے والوں کے نفوس میں احوال جاگزیں ہو جاویں اور سلطان وجد کا غلبہ ہو جاوے اور لوگوں کی روحانیت کا اشتیاق ملأ اعلیٰ یا اس سے بھی اوپر کی جانب حسب مراتب مقام ہونے کی وجہ سے سارے اجسام حرکت میں آجائیں (تو سمجھو کہ اب وجد کمال کو پہونچ گیا ہے) اب اگر اس حالت میں ان اہل سماع میں سے کسی کا کوئی کپڑا گرجاتا تھا تو وہ قوال کا حق سمجھا جاتا تھا۔ بشرطیکہ یہ وجد قوال کے پڑھنے کی وجہ سے ہوا ہو۔

ورنہ تو وہ قوم کی میراث بنتا تھا اور سب لوگ آپس میں اسکو تقسیم کرلیتے تھے۔ بلکہ اہل طریق کا تو یہ حال تھا کہ اگر ان میں سے کسی کی کوئی چیز راستہ ہی میں کیوں نہ گرجاتی تو وہ اسکی

ولو فی طریقهم لا یرجعون فی طلبه ولا تحس نفوسهم بذلك ومتی تغیرت نفوسهم[1] عند ذلك فهم اصحاب علة ولکون فی قلوبهم خط ومن هذا اشانه فلیسع فی زوال هذه العلة عن نفسه

تلاش وجستجو میں پیچھے واپس نہیں ہوتا تھا اور نہ اس کے ضیاع کا اس کو کچھ قلق ہی ہوتا تھا اور اگر کسی ایسے موقع پر ان میں سے کسی صوفی کے اندر کچھ تغیر دیکھا جاتا تو لوگ اسکو روگ والا سمجھتے تھے یعنی ابھی اس میں کسر ہے اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ ابھی دنیا کا علاقہ قلب میں باقی ہے اسی لئے تو اس چیز کا قلق ہوا اور جس کا یہ حال ہوتا اس پر لازم ہوتا کہ اپنے اندر سے اس نقص کو دور کرے۔

واما توجهات الاسماء السبعة بهذه الطریقة الخلوتیة المرویة عن السید مصطفی البکری فهی بعد البسملة والحمد لله والصلوٰة والسلام علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم هکذا اتوجه الاسم وهو لا اله الا الله، الهی اظهر علی ظاهری سلطان لا اله الا الله حتی لا اشهد الا الله بسر لا اله الا الله

بہر حال اسماء سبعہ کی توجہات (کا طریقہ) جو سلسلۂ خلوتیہ میں رائج ہے اور سید مصطفی بکری سے مروی ہے تو وہ یہ ہے کہ پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ اسکے بعد سب سے پہلے جس جانب توجہ کرنا ہے وہ لا الہ الا اللہ ہے۔ پس قلب سے اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو کر یوں کہے کہ اے اللہ میرے ظاہر پر لا الہ الا اللہ کا سلطان قائم فرما دیجئے یہاں تک کہ میں بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو حاضر و موجود نہ جانوں بطفیل لا الہ الا اللہ کے۔ اور میرے باطن میں بھی لا الہ الا اللہ

---

[1] قوله ومتی تغیرت نفوسهم عند ذلك فهم اصحاب علة الخ میں کہتا ہوں کہ صوفیہ کے ان حالات کو سنکر شاید تم کو تعجب ہو کہ کیسے لوگ تھے اتقدر دنیا سے بے تعلق۔ تو یہ ٹھیک ہے تم اپنے ضعیف حال پر اسکو قیاس کرتے ہوگے (کہ تم ایسے نہیں ہو تو تمکو حیرت ہوتی ہے کہ وہ لوگ ایسے کیسے ہوگئے) تو بھائی اللہ تعالیٰ نے جسکو بصیرت کا نور عطا فرمایا ہو اور اسکی وجہ سے وہ دنیا کو اس کی اصلی صورت میں دیکھ رہا ہو تو اسکے اعتبار سے یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے (ہم کو یہ مقام نہیں حاصل ہے اسلئے ہمکو تعجب ہوتا ہے)۔

خود مجھ سے میرے بعض دوستوں نے قسم کھا کر بیان کیا کہ اگر میری یہ گٹھری جو سامنے رکھی ہوئی ہے سونے سے بھری ہوئی ہو اور کوئی شخص اسکو اٹھائے جائے اور میں اسکو دیکھ بھی رہا ہوں تو (انشاء اللہ تعالیٰ) اسکی وجہ سے میرے ایک رونگٹے کو بھی حرکت نہ ہوگی۔ انتہی ۱۲

وحقق باطنی بتحقیق لا اله الا الله
واحفظنی واستغرق فیک سائری
باحاطۃ لا اله الا الله حتی لا اشهد
الا الله بسر لا اله الا الله واحفظنی
اللهم فی مراتب وجودی بشهود
لا اله الا الله حتی لا اشهد الا الله
بسر لا اله الا الله بوجهک الحق
الذی لا اله الا الله انت یسر لی
علم لا اله الا الله یا لا اله الا الله
ثلاث مرات وصلی الله تعالی علی
سیدنا محمد واله وصحبه وسلم +
وزاد شیخ شیخنا السید القصبی
الله معی الله ناظر الی الله شاهد
علی اللهم انا نسئلک عافیۃ سالمۃ
من المحن ونعمۃ مشکورۃ علی توالی
الزمن لا تنتقم اللهم منا بذنوبنا
ولا تطردنا عنک بعیوبنا وسامحنا
بحلمک وعاملنا برحمتک وافض
علینا من خزائن علمک یا ارحم
الراحمین - یقول ذلک سبع مرات
او احدی وعشرین مرۃ او احدی
واربعین مرۃ او سبعین مرۃ
قبل الذکر وبعده بحسب قوۃ

کو محقق فرما دیجئے۔ اور میری حفاظت فرما اور مجھے یعنی میرے سارے جسم کو اپنی یاد میں مستغرق کر دے۔ لا الٰہ الا اللہ کے احاطہ کے ساتھ یہاں تک کہ میں بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو موجود و حاضر نہ جانوں۔ بطفیل لا الٰہ الا اللہ۔ اور میری حفاظت فرما۔ اے اللہ میرے وجود کے ہر مراتب میں لا الٰہ الا اللہ کے شہود کا ذوق بخش تاکہ لا الٰہ الا اللہ کے طفیل میں میں سوا خدا کے کسی کو حاضر و ناظر نہ جانوں۔ اے اللہ اپنے وجہ حق (یعنی اپنی ذات) کے طفیل میں کہ جسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے میرے لئے لا الٰہ الا اللہ کا علم آسان فرما دے۔ اے وہ ذات کہ جسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے (اور اس لا الٰہ الا اللہ کو تین بار کہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہوئے یوں کہے کہ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد الخ
اور ہمارے شیخ کے شیخ حضرت سید قصبیؒ نے اتنا اور اضافہ فرمایا ہے کہ یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہیں اور مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر شاہد ہیں (اور یوں دعا کرے کہ) اے اللہ ہم آپ سے ہمیشہ ایسی عافیت طلب کرتے ہیں جو محن اور مشقتوں سے خالی ہو اور ہمیشہ ایسی نعمت کا سوال کرتے ہیں جس پر شکر کی توفیق ہو۔ اے میرے اللہ ہمارے گناہ کا انتقام نہ لے اور اے اللہ ہمارے عیوب نا کارگی کی وجہ سے ہم کو اپنے در سے نہ دھتکار۔ بلکہ اپنے حلم کے ذریعہ ہمارے ساتھ درگذر کا معاملہ فرما اور اپنی رحمت کا برتاؤ فرما۔ اور اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے اپنے علم کے خزانوں سے کچھ فیضان ہم پر بھی فرما دے۔ اور (ان کلمات کو) سات بار کہے یا اکیس بار کہے یا چاہے تو اکتالیس بار کہے۔ اور جی چاہے تو ستر بار کہہ لے۔ ذکر سے پہلے بھی کہہ سکتا ہے اور بعد میں بھی۔ مرید و طالب کی جیسی

المريد وضعفه +

وذكر انه وردُ عبد الله بن سهل رضی وان بعضهم سلك به كان يقوله قبل الذكر وبعده كثيراً +

(الاسم الثاني الله)

وهذا توجهه بسم الله الرحمن الرحيم الٰهي بعظمتك وجلالك سبحات وجهك ارزقني حبك يا الله يا الله يا الله آه آه الٰهي بعظمتك وجلالك سبحات وجهك اجعل قلب عبدك الضعيف مظهراً لذاتك يا الله يا ودود يا نور يا حق يا رحمن ثلاثة يا الله يا الله يا الله وصلى الله تعالى على سيدنا محمد واله وصحبه وسلم +

(الاسم الثالث هو)

وهذا توجهه بسم الله الرحمن الرحيم يا هو يا من هو هو انت هو يا هو يا لطيف يا هو آه هو يا آه يا هو يا من لا اله الا الله هو يا هو ثلاثاً وصلى الله على سيدنا محمد واله وصحبه وسلم +

قوت اور ہمت ہو۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دعا حضرت عبداللہ بن سہل رضی کا ورد ہے اور بعض سالکین نے اسی کے ذریعہ سلوک طے کیا ہے یعنی ذکر سے پہلے بھی اور بعد میں بھی بکثرت اسکو پڑھا کرتے تھے (خلوص سے پڑھا مقبول ہوگئی)

(دوسرا اسم اللہ ہے)

اور اس کی جانب توجہ کی یہ صورت ہے کہ اول بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے پھر یوں عرض کرے کہ اے اللہ اپنی عظمت اپنے جلال اور اپنی ذات کے سراپردوں کے طفیل میں......

.... مجھے اپنی محبت عطا فرما یا اللہ یا اللہ یا اللہ۔ آہ۔ آہ اور اے اللہ اپنی عظمت اپنے جلال اور اپنی ذات کے سراپردوں کے طفیل میں...... اپنے اس بندۂ ضعیف و ناتواں کے قلب کو اپنی ذات کا مظہر بنا دیجئے۔ یا اللہ یا ودود یا نور یا حق یا رحمن (یا اللہ سے لیکر یہاں تک) تین بار کہے اور پھر (تین بار) یا اللہ یا اللہ یا اللہ کہے اور درود شریف پڑھے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

(تیسرا اسم ہو ہے)

اور اس کی جانب توجہ کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً بسم اللہ پڑھے پھر یوں کہے یا ہو یا من ہو ہو۔ انت ہو یا ہو یا لطیف یا ہو آہ ہو یا آہ یا ہو اے وہ ذات کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں یا ہو یا ہو یا ہو اور پھر درود پڑھے

صلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

(الاسم الرابع حق)

وهذا توجهه بسم الله الرحمن الرحيم یا حق امحق آثار بشریتی بحقك یا حق ادفع عنی کثرة الاغیار یا حق یا من له الامر والخلق یا حق ثلاثا وصلی الله تعالی علی سیدنا محمد وعلی آله وصحبه وسلم +

(چوتھا اسم حق ہے)

اور اسکی توجہ یوں ہے کہ پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے پھر یوں کہے کہ اے حق اپنے حق ہونے کے طفیل میں مجھ سے میری بشریت کے آثار مٹا دیجئے اے ذات حق میرے قلب سے اغیار کی کثرت کو دور کر دیجئے۔ اے ذات حق۔ اے وہ ذات کہ جسکے لئے خلق اور امر ثابت ہے یا حق یا حق یا حق وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم +

(الاسم الخامس حی)

وهذا توجهه بسم الله الرحمن الرحیم یا حی لا حیّ الا انت۔ یا حی حقق حیاتی بك یا حیّ یا حی یا من الیه یرجع کل حی اظهر نور محیای فی حیاتك یا حی ثلاثا وصلی الله تعالی علی سیدنا محمد وعلی آله وصحبه وسلم +

(پانچواں اسم حیّ ہے)

اور اس کی توجہ اس طرح سے کرے کہ اول بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے پھر کہے اے ذات حی بجز تیرے کوئی حی کہے جانے کا مستحق نہیں۔ اے ذات حی میری حیات اور زندگی اپنی ذات کے ساتھ محقق فرما دیجئے یا حی یا حی اے وہ ذات جسکی جانب ہر حی کا مرجع ہے یعنی لوٹ کر جاتا ہے میری حیات کا نور اپنی حیات میں ظاہر فرما یا حی یا حی یا حی۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم +

(الاسم السادس قیوم)

وهذا توجهه بسم الله الرحمن الرحیم الٰهی اقمنی بك یا قائم بقیومتك بك قیامی یا قیوم انت قیوم السمٰوات والارض یا قیوم اطلع علی

(چھٹا اسم قیوّم ہے)

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہے اس کے بعد یہ کہے کہ اے اللہ مجھ کو اپنی ذات کے ساتھ قائم فرما۔ اے وہ ذات جو اپنی قیومیت کے ساتھ قائم ہے اپنی ذات کے ساتھ مجھے بھی قائم رکھ۔ اے قیوم تو آسمانوں اور زمین کا قائم رکھنے والا ہے۔ لہذا اے قیوم مجھ پر اپنے قیومیتہ کا سورج

شمس قیومیتك یا قیوم انت
القائم القیوم یا قیوم ثلاثا
وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد
وعلی اٰلہ وصحبہ وسلم +

(الاسم السابع قہار)

وھذا توجہہ بسم اللہ
الرحمن الرحیم یا قہار من فی
السموات والارض یا قہار
یا مظہر القہر فی عالم السر والجمال
یا قہار الحکم للہ الواحد القہار
السلطان للہ الواحد القہار
یا قہار اقہر عوالم نفسی و
صفاتہا الرسمیۃ وملکنی
ایاھا بقہر قہرك یا قہار ثلاثا
وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا
محمد وعلی اٰلہ وصحبہ وسلم +

طلوع فرما۔ اے قیوم تو خود قائم ہے اور دوسروں کو
قائم رکھنے والا ہے یا قیوم یا قیوم۔ یا قیوم
وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و علی آلہ و
صحبہ وسلم +

(ساتواں اسم قہار ہے)

اور اس کے توجہ کا یہ طریقہ ہے کہ اولاً بسم اللہ الرحمن الرحیم
کہے پھر یہ کہے کہ اے وہ ذات جو قہر کرنے والی ہے ان تمام
چیزوں پر جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔ یا قہار اے قہر کے
مظہر عالم سر اور جمال میں یا قہار حکم صرف اللہ واحد قہار کے
لئے ہے۔ اور بادشاہت اور بادشاہی صرف اللہ واحد قہار کیلئے
ہے۔ اے قہار میرے نفس کے تمام عالم اور اسکی سب صفات
رسمیہ کو مقہور و مغلوب فرما دے۔ اور مجھے ان پر حکمراں کر دے
اپنے قہر کے دبدبے سے اے قہار اے قہار اے قہار۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

وصل فی بیان ما یظهره الله تعالیٰ علی ایدی القوم من الکرامات

(اللہ تعالیٰ اس قوم کے ہاتھوں پر جو کرامات ظاہر فرماتے ہیں ان کا بیان)

فمنها التلذذ بالطاعات فی الخلوات والجلوات حتی قالوا اهل اللیل فی لیلهم الذ من اهل اللهو فی لهوهم وقال بعضهم لو یعلم الملوك[1] ما نحن علیه لقاتلونا علیه بالسیوف حتی انهم لا یروعهم شیء مثل طلوع الفجر +

منجملہ ان کرامات کے ایک کرامت ان حضرات کا خلوت وجلوت میں اپنی طاعات سے متلذذ ہونا ہے یہاں تک کہ مشائخ کا مقولہ ہے کہ یہ رات والے لوگ (یعنی اہل اللہ) اپنی راتوں میں اس سے زیادہ لذت حاصل کرتے ہیں جتنی کہ اہل لہو ولعب اپنے لہو ولعب میں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اگر بادشاہوں کو ہمارے حالات (یعنی دولت ولذت) کا علم ہوجائے تو یہ لوگ (اسکو چھیننے کیلئے) ہم پر تلوار سے حملہ کریں (اس دولت اور اسکے ساتھ ان حضرات کے شغف کا اندازہ اس سے لگاؤ کہ) کوئی چیز ان حضرات کے نزدیک طلوع فجر سے زیادہ گھبرا دینے والی نہیں۔

ومنها الرضاء[2] عن الله تعالیٰ فی جمیع الحالات ای حالة الصحة والمرض والعز والذل والغنیٰ والفقر فان الرضا من ثمرات المحبة وکل ما یفعل المحبوب محبوب +

منجملہ ان کرامات کے ایک ہے کہ یہ حضرات اپنے تمام حالات میں یعنی صحت میں مرض میں عزت میں ذلت میں امیری میں غریبی میں غرض سب حالات میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہتے ہیں (اور یہ اسلئے ہے کہ) رضا محبت کا ثمرہ ہے اور محبوب جو بھی کرے محبوب ہی ہوتا ہے۔

---

[1] (قولہ) لو یعلم الملوك الخ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ میں نے بھی اپنے اوقات صفا میں اس لذت کا کچھ تھوڑا سا مزہ چکھا ہے وللہ الحمد۔

[2] (قولہ ومنها الرضاء عن الله الخ) یعنی اللہ تعالیٰ سے بندے کا راضی ہونا اور یہ سبب ہے اللہ تعالیٰ کے بندے سے راضی ہونے کا۔ اسلئے کہ حدیث میں ہے کہ من رضی فله الرضا منی حتی یلقانی۔ یعنی جو شخص مجھ سے راضی ہوا تو اسکو میری رضا حاصل ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے ملاقات کریگا۔ مصنفؒ کہتے ہیں کہ مجھ پر ایک زمانہ اس حال پر گذرا کہ میں اللہ تعالیٰ کے قضا سے کسی چیز پر بھی ناخوش نہ ہوتا تھا بلکہ جو کچھ بھی اُدھر سے پیش آتا تھا تو میں یہی کہتا تھا کہ خیر ہے اور میرے ساتھ میرے ایک دوست محمد درنیقہ بھی اسی ذوق پر تھے چنانچہ اسکے بعد جب ہم لوگ اپنا یہ زمانہ یاد کرتے تھے تو اسے ایام خیر کے ساتھ تعبیر کرتے تھے۔ ۱۲

وفی العہود الوسطی للشعرانی

اخذ علینا العہود ان نرضی عن ربنا فیما قسمہ لنا من الطاعات الیسیرۃ کما یجب علینا الرضا بما قسمہ من الرزق الظاہر۔

وکذلک لا نسخط علی مقدور ربنا اذا قدر علینا الوقوع فی امر من الامور التی تنکس الراس فقد یعلم المصلحۃ لنا فی ذلک۔ انتہی

علامہ شعرانی رحؒ نے عہود وسطیٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ ہم (جماعت فقرا) سے یہ عہد لیا گیا ہے کہ ہم اپنے رب سے راضی رہیں اپنی قلیل عبادات میں بھی جو ہمارے لئے مقدر کی گئی ہیں۔ جس طرح سے کہ ہم پر یہ واجب ہے کہ ہم اس حصہ مقسوم پر راضی رہیں جو رزق کا ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے۔

اور اسی طرح سے (اسکا بھی عہد لیا گیا ہے کہ) ہم ناگوار نہ مانیں اپنے رب کی اس تقدیر کو جو کسی ایسی معصیت سے متعلق واقع ہوئی ہو جس کے (ارتکاب کے بعد شرم سے) انسان ہمیشہ سرنگوں ہی رہتا ہوا سلئے کہ وہی اس کی مصلحت کو خوب جانتا ہے۔ انتہیٰ

لہ (قولہ فقد یعلم المصلحۃ لنا فی ذلک الخ) اللہ تعالیٰ ہی ہماری مصلحت کو خوب جانتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر مال کی زیادتی ہو تو طغیان اور سرکشی پیدا ہو جائے یا عمل زیادہ ہوا تو عجب پیدا ہو گیا۔ اسی طرح سے جن امور کی وجہ سے انسان کا سر ساری عمر جھکا رہتا ہے۔ ان کے وقوع میں مصلحت یہ ہے کہ عجب سے خلاصی ہو جاتی ہے (بس یہی ایک مصلحت کیا کم ہے) چنانچہ حالت سلوک میں تو میرے ساتھ حق تعالیٰ کا معاملہ ہی یہ رہا کہ جب جب میرے اندر عجب پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے کسی معصیت صغیرہ میں مجھے مبتلا کر دیا جس نے میرے سر کو جھکا دیا اور مجھ میں کسر و انکسار پیدا کر دیا اور پھر اسکے بعد میں نہ تو اپنا کوئی مقام سمجھتا تھا اور نہ اپنے لئے کوئی شان دیکھتا تھا۔ اور پھر برابر یہی اپنے نفس سے کہتا تھا کہ بھلا عاصی کی بھی کوئی شان ہوتی ہے۔ غرض وہ معصیت تو میرے حق میں رحمت ہی بن گئی۔ (یہیں سے کہا گیا ہے کہ) جو معصیت کہ انسان کے اندر ذلت اور انکسار پیدا کرے وہ اس طاعت سے بہتر ہے۔ جو کبر و نخوت کا سبب بنے۔ انتہیٰ ۱۲۔

(ومنها) الكشف بالاطلاع على الغيوب وهي كثيرةٌ والكشف عليها من كرامات الخاصة الا الغيوب الحسيّة كالاماكن البعيدة وافعال اهلها فان الكشف عليها من كرامات العوام ومنها طيّ الارض والمشي على الماء والطيران في الهواء والتصرف إمّا بمعرفة اسماء التكوين واما بمجرد الصدق (ومنها) القوة الظاهرة على ابدانهم كالذي اقتلع شجرة من اصلها برجله و يدور في السماع + والذي حمل الزير العظيم مملوءًا ماءً ا

اور منجملہ کرامات کے علوم غیبیہ پر مطلع ہونا بھی ہے اور اس کا وقوع کثیر ہے اور کشف کی یہ قسم خواص کے نزدیک کرامت شمار ہوتی ہے۔ باقی مغیبات حسیّہ کا جان لینا مثلاً دور دراز جگہوں کو اور وہاں کے رہنے والوں کے افعال کو جاننا تو یہ عوام کے نزدیک کرامت سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح سے منجملہ کرامات کے کسی ولی کا طیّ ارض کر لینا یا پانی پر چلنا یا ہوا میں اڑنا اور عالم کون میں تصرف کرنا بھی ہے خواہ اسما تکوینیہ کی معرفت ہونے کی وجہ سے خواہ محض ایمان اور صدق کی وجہ سے۔

اسی طرح سے ایک کرامت یہ بھی ہے کہ ان کے بدن اور جثہ سے زیادہ انھیں قوت حاصل ہو جائے۔ جیسے وہ شخص جس نے اپنے پاؤں سے ٹھوکر مار کر درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیا تھا۔ درآں حالیکہ وہ سماع میں حال طاری ہونے کے سبب وجد اور رقص کر رہا تھا۔ اسی طرح سے وہ شخص جس نے

ـه (قوله واما بمجرد الصدق الخ) مجھے میرے استاد زادے شیخ علی آفندی نے یہ بتایا کہ انھوں نے اپنے والد کی شاہ خرچی بدون کسی ظاہری سبب آمدنی کے دیکھ کر ایک دن ان سے پوچھا کہ والد صاحب کیا آپ کیمیا جانتے ہیں (وہ سوال کا منشا سمجھ گئے) کہا کہ خدا اس سے بھی زیادہ دینے والا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ کیا آپ کو کوئی اسم معلوم ہے جسکی خاصیت کی وجہ سے یہ وسعت ہے انھوں نے کہا کہ اللہ اس سے بھی زیادہ دینے والا ہے تو اب اس کے بعد کوئی اور چیز تو رہی نہیں سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب خاص توجہ اور نظر رکھتے تھے جسکی برکت سے ان پر فتوحات ہوتی تھیں۔ اسی چیز کو یہاں مجرد صدق کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ ۱۲

وھو ضعیف لا یستطیع حمل جرّۃٍ + ایک بہت بڑے مٹکے کو جو پانی سے بھرا تھا اٹھا لیا تھا۔ حالانکہ وہ ایک پانی کے گھڑے کے بھی اٹھانے پر بھی قادر نہیں تھا۔

ومنھم من یشیر بیدہٖ الی شخص لیقع فیقع او یضرب عنقہ بالاشارۃ فیطیر راسہ عن جسدہٖ قیل لبعضھم ما علامۃ العارف قال لو قال لھذا الجبل زل لزال۔ فتحرک الجبل فقال لہ انما اضرب مثلاً۔

اسی طرح اولیاء میں سے بعض ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے ایک شخص کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کیا تاکہ وہ گر جائے چنانچہ وہ گر گیا یا اسکی گردن کٹ جائے چنانچہ دیکھا گیا کہ اس کا سر تن سے اڑ گیا۔ بعض مشائخ سے پوچھا گیا کہ عارف کی کیا پہچان ہے کہا یہ کہ اگر وہ اس پہاڑ کو کہدے کہ ہٹ جا تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ چنانچہ ان بزرگ نے جس پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے یہ بات کہی تھی وہ پہاڑ حرکت کرنے لگا یہ دیکھ کر انھوں نے کہا کہ میں تجھے ہٹنے کو تھوڑا ہی کہہ رہا ہوں میں تو یہ طور تمثیل کے یہ بات کہہ رہا ہوں۔

ومنھا احیاء الموتی وایجاد المعدوم وقضاءُ الحوائج علی غیر ایدی البشر واکل مقدار عظیم من الطعام

اور منجملہ کرامات کے احیاء موتی اور ایجاد معدوم اور بشر کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ پر حوائج کا پورا ہونا ہے اور بہت زیادہ کھانا کھا لینا اتنا کہ جسکو

ے (قولہ ومنھم من یشیر بیدہٖ الی شخص لیقع فیقع) یعنی بعض وہ لوگ ہیں جو ایک شخص کی جانب اشارہ کرتے ہیں تاکہ وہ گر جائے چنانچہ وہ گر جاتا ہے اس جیسا واقعہ شیخ محمد الجبر کے چچا شیخ عبداللطیف کے ساتھ پیش آیا۔ کیونکہ جب یہ سب لوگ یافا سے بیت المقدس کی زیارت کو روانہ ہوئے اور ان دونوں حضرات کے مابین کچھ ایسی چیزیں تھیں جنکا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے چنانچہ جب چچا سواری پر سوار ہوتے تو شیخ الجبران کو ہاتھ سے گر پڑنیکا اشارہ کر دیتے۔ چچا الٹ جاتے۔ یہاں تک کہ شیخ حسین جو یافا کے مفتی تھے انھوں نے ان کو اس حرکت سے منع کیا۔ یہ حکایت مشہور ہے۔

ے (قولہ واکل مقدار عظیم الخ) یعنی بہت زیادہ مقدار میں کھانا کھا جانا میں کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ کے لئے ان کے ابتدائی زمانہ میں اسی کے مثل واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ وہ ایک بہت بڑا صندوق بھر کر کشمش معہ بیج کے کھا گئے اور صندوق بھی ایسا کہ جسے قوی اور مضبوط دو جانور اٹھا سکیں۔ ایک دفعہ میری موجودگی میں ایک شخص نے ان سے کہا کہ وہ دن یاد ہے جب آپ ایک بکس بھر کر کشمش معہ بیج کے کھا گئے۔ یہ سنکر شیخ مسکرائے اور فرمایا کہ ہاں بھائی اس دن میں کچھ ہوش میں نہ تھا۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ مجھ پر ایک ایسی حالت طاری تھی جو جذب سے مشابہ تھی۔

لا تاكلہ عشرة انفار وقلب الاعیان الی غیر ذلك من الامور الخارقة للعادة ۔

دس آدمی نہ کھا سکیں ۔ اسی طرح سے ایک چیز کو دوسری چیز سے بدل دینا علاوہ ان کے دیگر خوارق کا ہونا ہے۔

وسبب ذلك انهم لما خرقوا العادة من انفسهم بترك ما استمرت علیہ نفوس الخلق خرق الله تعالیٰ لهم العادة علے حد قول بعضهم وقد رؤی متربّعاً فی الهواء ترکت لہ الهوی فاجلسنی فی الهواء

اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب کہ ان لوگوں نے اپنے نفوس کی عادت کا خرق کیا ۔ یعنی جن اخلاق پر نفوس مستمر ہیں ان کو ترک کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے لئے اپنی عادت کو خرق کر دیا جیسا کہ بعض حضرات نے بیان فرمایا ہے جنھیں ہوا میں چوزانو بیٹھا ہوا دیکھا گیا کہ میں نے خدا کے لئے ہوئی کو چھوڑ دیا تو خدا نے مجھے ہوا پر بٹھا دیا۔

وجمیع ما تقدم من کرامات العوام والحکمة فیها انما هی تائید وتثبیت المرید الضعیف والاقویاء والخواص یفرون منها لمشارکة المستدرج والممکور بہ فیها ولکونها اذا حصلت قبل التخلص من الافات ربّما ورثت غروراً ولکونها معاوضةً فیخافون ان تکون حظّ عملهم عجّل لهم فی الدنیا الا اذا قرن خرق العادة بالبشارة بانہ لا ینقص حظا من حظوظ الاخرة ولا یورث حجاباً فحینئذٍ لا ینفرون

اور یہ تمام کرامات جن کا ذکر کیا گیا وہ عوام کی کرامات تھیں اور حکمت اس میں یہ ہے کہ ان کرامات سے مقصود مرید ضعیف کی تائید و تقویت ہوتی ہے ۔ رہے اقویاء اور خواص تو وہ لوگ اس سے بھاگتے ہیں اس لئے کہ یہ صورۃً مستدرج اور ممکور بہ کے مشابہ ہے۔ اس لئے بھی کہ یہ چیزیں جب آفات نفوس سے چھٹکارے سے قبل حاصل ہو جاتی ہیں تو بسا اوقات غرور و پندار پیدا کرتی ہیں۔ نیز ان میں شائبہ معاوضہ ہونے کا بھی ہوتا ہے ۔ لہذا یہ حضرات خوف کرتے ہیں کہ کہیں ان کے عمل کا بدلہ دنیا ہی میں تو نہیں دے دیا گیا ۔ ہاں جب کوئی خرقِ عادت بشارت کے ساتھ مقرون ہوتی ہے یعنی یہ کہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اسکی وجہ سے ان کے آخرت کے حصہ میں سے کچھ بھی کمی نہ ہو گی اور یہ سبب حجاب بھی نہیں

منها ويعدّ ونها كرامة۔

بنے گی تو پھر اس وقت یہ حضرات اس سے نفرت بھی نہیں کرتے بلکہ اسے خدا کی جانب سے اعزاز سمجھتے ہیں۔

والكرامة بالحقيقة هي البشرى المذكورة۔

لیکن کرامت تو حقیقت میں وہ خوشخبری اور بشارت ہے۔ جو مذکور ہوئی۔

وبالجملة فالكرامة عندهم في هذه الدار انما هي الاستقامة على النهج القويم والرضا عن الله تعالى في جميع الاحوال وهذا مقام جامع لعبودية الظاهر والباطن وهو اعلى المقامات وقالوا ليس الرجل الذي يمدّ يده في الهواء فيرجعها مملوءة دراهم وانما الرجل من يضع الدراهم في جيبه ثم يمد يده فلا يجده فلا يتغير وفي الذهب الابريز الكرامة المعتد بها شيئان۔

حاصل کلام یہ کہ اصل کرامت ان حضرات کے نزدیک اس دارِ دنیا میں صراط مستقیم پر استقامت اور اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام احوال میں راضی ہونا ہے اور یہی وہ مقام ہے جو عبودیت ظاہرہ و باطنہ کا جامع ہے اور یہ تمام مقامات سے اعلیٰ ہے۔ چنانچہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ مرد وہ نہیں ہے جو اپنا ہاتھ ہوا میں بڑھائے اور وہ دراہم سے بھر جائے۔ بلکہ مرد وہ ہے جو اپنے جیب میں دراہم رکھے ہو اور جب اپنا ہاتھ اس میں ڈالے تو نہ پاوے اور اس کی وجہ سے اس کے اندر ذرا بھی تغیر اور پریشانی نہ واقع ہو۔ کتاب الذہب الابریز میں ہے کہ کرامت حقیقیہ تو بس دو ہی چیزیں ہیں۔

عہ (قولہ انما ھی الاستقامۃ الخ) یعنی کرامت ان حضرات کے نزدیک اس دنیا میں استقامت کا نام ہے۔
چنانچہ ہمارے شیخ رح فرمایا کرتے تھے کہ بھائی میری کرامت تو یہ ہے کہ میں نے چھتیس سال سے اپنی کوئی نماز سفراً حضراً صحتاً مرضاً اپنے وقت سے موخر نہیں کی اور حضرت شیخ اپنے اوقات کو تقسیم کئے ہوئے تھے۔ کچھ حصہ میں مخصوص تعداد تلاوت قرآن کریم کی فرماتے تھے اور کچھ دیر تک نوافل ادا فرماتے تھے اسی طرح سے دیگر انواع قرب چنانچہ کوئی معمول ان کے معمولات میں سے اپنے مقررہ وقت سے کبھی ٹلتا نہ تھا۔ یہاں تک کہ انھیں نہیں دیکھا گیا کہ صلوٰۃ ضحیٰ کے ہر شفعہ میں مسواک جو فرمایا کرتے تھے کبھی اُسے ترک کیا ہو۔ ۱۲

عقیدة اهل السنة والجماعة والاستقامة علی الطاعات +

ایک یہ کہ آدمی اہلسنت والجماعت کا عقیدہ رکھتا ہو اور دوسرے یہ کہ طاعات پر استقامت رکھتا ہو۔

(وصل) ومن جملة ما یجاهد به المرید نفسه الخلوة التی اصطلح علیها اهل الطریق۔

منجملہ ان امور کے جن سے سالک اپنے نفس کا مجاہدہ کرتا ہے ایک چیز خلوت ہے۔ جس پر جملہ اہل طریق کا اتفاق ہے۔

ع۵ (قوله ومنجملة ما یجاهد به الخ) یعنی جن چیزوں کے ذریعہ مرید مجاہدہ کرتا ہے۔ یعنی جن امور سے سالک کا مقصود خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نفس کا مجاہدہ کرنا ہوتا ہے اور ان سے اس کا مقصود فتوحات وغیرہ نہیں ہوتا ورنہ تو اسکی عبادت معلول بہ علت ہو جائیگی اور اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہ ہوگا (جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ من اخلص لله اربعین صباحا انفجرت ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه یعنی جو شخص محض اللہ تعالیٰ کے لئے (اپنی عبادت وغیرہ میں) خلوص اختیار کرے گا تو حکمت کے چشمے اس کے قلب سے جاری ہو کر اسکی زبان پر آجائیں گے۔ چنانچہ بعض عارفین نے کہا ہے کہ اور جس شخص نے چشمے جاری ہونے کے لئے خلوص اختیار کیا تو اس کے قلب سے چشمے کبھی نہ جاری ہوں گے۔ انتہی ۱۲

(افادہ) میں کہتا ہوں کتاب الموافقات میں اس مقام پر ایک حکایت بھی لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ وهنا تقع حکایة من سمع ان من اخلص لله اربعین صباحا ظهرت ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه فاخذ بزعمه فی الاخلاص لینال الحکمة فتم الامد ولم تاته الحکمة فسأل عن ذلك فقیل له انما اخلصت للحکمة ولم تخلصه لله۔

یعنی اس مقام پر ایک حکایت بیان کی جاتی ہے وہ یہ کہ کسی شخص نے یہ حدیث سنی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس دن خلوص کے ساتھ عبادت کرے گا تو اس کے قلب سے حکمت کے چشمے اسکی زبان پر جاری فرمادینگے۔ چنانچہ اس نے اپنے گمان میں اخلاص اختیار کیا تاکہ حکمت کے چشمے جاری ہو جائیں لیکن مدت پوری ہو گئی اور چشمے جاری نہ ہوئے تو کسی محقق سے دریافت کیا کہ آخر کیا بات ہے۔ حدیث میں تو ایسا مضمون آیا ہے اور میں نے عمل بھی کیا لیکن میرے قلب سے حکمت کے چشمے جاری نہیں ہوئے انھوں نے فرمایا کہ تم نے تو جو کچھ کیا وہ حکمت کے چشمے جاری کرانے کے لئے کیا ہے خدا کے لئے تو کیا نہیں۔

اور حدیث شریف میں من اخلص للہ آیا ہے نہ کہ من اخلص للحکمۃ تو جب شرط اور سبب ہی غائب تو پھر مشروط اور مسبب کا انتظار کیسا؟

دیکھا آپ نے شرائط پر عمل بھی نہیں کیا اور مشروط کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ خوب۔

اس مقام پر صاحب الموافقات نے اخلاص کی نہایت عمدہ توضیح فرمائی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکو یہاں درج کر دوں۔ شاید کسی اللہ کے بندے کو اس سے نفع پہونچ جائے کیونکہ طریق میں جسقدر اخلاص کی ضرورت ہے اسی قدر لوگوں میں اسکی آج کمی محسوس فرمائی جارہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

اما الاخلاص فلان المکلف اذا لبنی الامر والنھی فی السبب من غیر نظر الی ماسوی الامر والنھی۔ خارج عن حظوظہ۔ قائم بحقوق ربہ + واقف موقف العبودیۃ بخلاف ما اذا التفت الی المسبب وراعاہ۔ فانہ عند الالتفات الیہ متوجہ شطرہ فصار توجھہ الی ربہ بالسبب۔ بواسطۃ التوجہ الی المسبب۔ ولا شک فی تفاوت مابین المرتبتین فی الاخلاص۔ (الموافقات ص ۲۳۰ ج ۱)

یعنی مکلف جب کہ محدود و محصور رکھے امر و نہی کو سبب میں یعنی حق تعالیٰ کے اوامر کا امتثال اور نواہی سے اجتناب صرف اس لئے کرے کہ وہ حق تعالیٰ کا حکم ہے بدون کسی اور چیز پر نظر کئے ہوئے اور اپنے نفس کے حظوظ سے خارج ہو کر اور اپنے رب کے حقوق کو ادا کرتے ہوئے کرے اور عبودیت کے مقام میں اپنے کو ٹھہرائے ہوئے اس کام کو کرتا ہو (اس کا نام اخلاص ہے) بخلاف اس کے جب مکلف کی نظر مسبب کی جانب ہو جائے یعنی امر کا امتثال اس لئے کرے کہ اس سے فلاں نفع حاصل ہوگا اور اس کی رعایت بھی رکھے تو ظاہر بات ہے کہ اسکی جانب التفات کی وجہ سے حق تعالیٰ کی جانب اسکی توجہ نصف رہ جائیگی اور توجہ بھی جو ہوگی تو سبب کی وجہ سے ہوگی۔ اور توجہ الی المسبب کے واسطے سے ہوگی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں درجوں میں بڑا فرق ہے۔ اور خلوص کے اعتبار سے دونوں میں بون بعید ہے۔

سه (قوله الخلوة الخ) یہ خلوت نشینی ماخوذ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے کہ آپ نبوت سے قبل غار حرا تشریف لیجایا کرتے تھے اور وہاں عبادت فرماتے تھے اور اپنے پاس سے گذرنے والے مسافرین کی خاطرداری اپنے توشہ سے کرتے تھے اور پھر اس خلوت کو ختم کردیتے تھے (یہ تو نفس خلوت کا ثبوت ہوا) اور اس کا چالیس دن کی مدت کے لئے ہونا تو وہ اس وجہ سے ہے کہ یہ ایک ایسی مدت ہے کہ اس کے اندر طبیعت ایک ڈھنگ سے دوسرے ڈھنگ کی جانب بآسانی منتقل ہوجاتی ہے. مثلاً نطفہ (اسی مدت میں) دم بستہ بنتا ہے پھر اتنی ہی مدت میں مضغہ بنتا ہے پھر اتنی ہی مدت میں اس میں صورت بنتی ہے. اسی طرح سے موتی اتنی ہی مدت کے اندر سیپ میں اپنے درجۂ کمال کو پہونچتا ہے. اور یہی وہ مدت ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے مقرر فرمائی تھی. اسی طرح سے جس شخص نے کسی چیز کو چالیس دن چھوڑے رکھا یا اس سے وہ جدا رہا تو پھر وہ اسکی عادت اور طبیعت ہی بن جاتی ہے. اسی مضمون پر وہ حدیث ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس دن خلوص سے عبادت کی تو حکمت کے چشمے اسکے قلب سے اسکی لسان پر جاری ہوجائیں گے اور وہ حدیث بھی ہے کہ جس نے کتے کا جھوٹا کھایا تو اس کے قلب میں خیر چالیس دن تک داخل نہ ہوگی (کہ ان دونوں حدیثوں میں چالیس کے عدد میں یہی حکمت ہے) اور یہ چالیس دن تو خلوت کی اقل مدت ہے جیسا کہ سید بکریؒ نے فرمایا ہے اور بعض مشائخ کا معمول یہ تھا کہ وہ خلوت تو ضرور کراتے تھے خواہ اس سے بھی کم ہو یا اس سے زیادہ ہوجائے. چنانچہ میرے والدؒ ہمارے شہر یعنی طرابلس کی جامع کبیر کے منارہ کے حجرہ میں ہر سال تین مہینہ رجب. شعبان اور رمضان خلوت گزیں ہوا کرتے تھے چنانچہ ہمارے اس طریق کے مشائخ کا لقب خلوتیہ اسی لئے پڑا کہ کثرت سے وہ لوگ خلوت میں بیٹھتے تھے اور خلوت میں اسلئے بیٹھتے تھے کہ اس میں ادھر سے فیض اور مدد دیکھتے تھے بلکہ ان حضرات کا تو یہ کہنا تھا کہ نفس کی تیزی جاتی نہیں بدون خلوت کے اور تصفیہ قلب حاصل کرنے کے لئے خلوت ناگزیر ہے. شاید ان حضرات کی مراد اس سے غالب حالات پر حکم لگانا ہو ورنہ تو بہت سے سالکین ایسے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تہذیب اخلاق کو ایسا سہل فرمادیا کہ انھیں خلوت کی حاجت ہی نہیں پڑی یا بعض طالبین ایسے ہوں کہ ذکر کے بعد کسی وارد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف ایسا کھینچ لیں جس سے ان کا ویرانۂ قلب اتنا آباد ہوجائے کہ جیسی آبادی تیس سال تک خلوت میں بیٹھنے سے بھی نہ حاصل ہوتی ہو چنانچہ مجھے تو میرے شیخ نے اجازت دی اور خلیفہ بنایا اور ایک دن بھی خلوت میں نہیں بٹھایا. انتہی ۱۲

وَاَقَلُّهَا اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا فِي بيت
صغيرٍ اِرْتفاعهٗ قَامَتهٗ
وطوله بحيث تمكنه الصلوٰة
فيه وعرضه بقدر جلسة
الانسان بعيدا عن الاصوات
والحركات ليس فيه
منفذ للضوء وبابه قصير
وضيق من جهة القبلة
والاحسن ان يكون في بيت
معمور بالناس وان ينام
عنده انسان خارج الخلوة
بحيث لا يكثر الحركة و
المقصود بهذا كله سد الحواس
الظاهرة لتنفتح الحواس الباطنية
فلذلك لا يتحرك فيها
بحركة عبثا لا بلحيته
ولا بثوبه بل ولا يقتل
فيه حيوانا نحو القمل فان شغله
خلع ذلك الثوب و
لبس من الثياب التي
يكون اعدها لذلك
ولا يخرج لصلوة الجماعة
الا اذا اقيمت في المسجد
الذي هو فيه فان الحركة

جس کی اقل مدت چالیس دن ہے (مشائخ کہتے
ہیں کہ یہ خلوت) ایک چھوٹے حجرہ میں ہونا چاہئے جس
کی بلندی قدِ آدم ہو۔ اور طول اتنا ہو کہ جس
میں نماز پڑھ سکے۔ اور عرض بقدر نشست
کے ہو اور ایک ایسے گوشہ میں ہو جہاں شور
اور حرکات سے امن ہو اور اس میں روشنی
آنے کے لئے کوئی سوراخ نہ ہو اور اس کا
دروازہ چھوٹا تنگ اور قبلہ کی جانب ہو
اور بہتر یہ ہے کہ ایسے گھر میں خلوت خانہ ہو
جو انسانوں سے آباد ہو اور یہ کہ کوئی شخص
اس کے خلوتخانہ سے الگ اس کے پاس سوئے
تاکہ اسے حرکت زیادہ نہ کرنی پڑے۔ اور مقصد
ان تمام امور سے اس کے ظاہری حواس کو بند
کرنا ہے تاکہ حواس باطنیہ کھلیں۔ اسی لئے
سالک کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے خلوتخانہ
میں ایسی کوئی حرکت نہ کرے جو عبث شمار ہوتی
ہو مثلاً اپنی داڑھی اور اپنے کپڑے سے کھیلنا
اور اس میں سے کسی حیوان یعنی جوں، چیلر وغیرہ
نہ مارے اگر ان کی کثرت اسے پریشان ہی کردے
تو اس کپڑے ہی کو اتار دے اور دوسرا کپڑا
پہن لے جس کو اسی غرض سے پہلے سے رکھ
چھوڑا ہو اور نماز جماعت کے لئے نہ نکلے مگر
جبکہ مسجد میں اقامت شروع ہو جائے جس میں
یہ موجود ہے۔ اس لئے کہ حرکت اس کے لئے مضر

تضره بل يقتدى بالخادم وهو فى داخل الخلوة و اذا خرج لصلوة الجمعة فليكن ساترًا وجهه والخادم يقوده ويجود ما يسلم الامام من الفرض يعود لمحله. وبعضهم كان يقول تسقط عنه الجمعة

ولكن شيخ مشائخنا السيد البكرى لم يرتضه ولتخير لها الا شهر الفاضلة ويقدم قبلها العزلة لتألف نفسه الانفراد و لا يدخلها الا باذن الشيخ ان كان موجودًا

ثم ان الشيخ اذا لم ير للمريد فائدة فى الخلوة فلا يأذن له بها۔

ومن شروطها تقليل الطعام بالتدريج[ع] والصيام

ہے بلکہ یہ اپنے حجرے میں رہتے ہوئے اپنے خادم کی اقتدا کرے اور جب نماز جمعہ کے لئے نکلے تو اپنا چہرہ اور سر ڈھانک لے اور خادم اس کے آگے آگے چلے اور امام کے سلام پھیرتے ہی اپنے مقام پر آجائے۔ اور بعض مشائخ کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ اس سے جمعہ بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارے شیخ المشائخ سید بکری اس قول پر راضی نہیں تھے اور اس خلوت نشینی کے لئے چاہئے کہ افضل مہینوں کا انتخاب کرے اور خلوت سے پہلے عزلت اختیار کرے تاکہ نفس تنہائی کا خوگر ہو جائے۔ اسی طرح خلوت نشینی بدون اذن شیخ کے نہ اختیار کرے اگر شیخ موجود ہے۔ پھر شیخ کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ اگر یہ مرید کے لئے خلوت میں کوئی نفع نہ دیکھے تو خلوت کی اجازت نہ دے۔

اور خلوت نشینی کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ آہستہ آہستہ کھانا کم کرے بلکہ

ع (قولہ بالتدریج الخ) یعنی خلوت کے شرائط میں سے ایک تقلیل طعام (یعنی کھانے کو کم کرنا) ہے بالتدریج۔ چنانچہ بعض حضرات (اس سلسلہ میں) یہ کرتے تھے کہ اپنی عام خوراک کو دو گیلی لکڑی سے ایک بار وزن کر لیتے تھے پھر ہر روز اسی سے وزن کر کے کھانا کھاتے تھے۔ چنانچہ جوں جوں لکڑی سوکھتی جاتی تھی کھانے کا وزن کم ہوتا جاتا تھا۔ اور بعض حضرات کی اس سلسلہ میں یہ عادت تھی کہ ہر دن اپنے کھانے میں سے بقدر ایک درہم کم کرتے جاتے تھے (تدریج پر لوگوں کے یہ معمولات ذکر کئے گئے) باقی میں نے اور میرے بعض احباب نے تو ریاضت پر ایکدم سے ہجوم بھی کیا لیکن کسی کو کچھ بھی ضرر نہ ہوا۔ اسلئے کہ ہمکو ذکر کی گرمی اور ہمت کی بلندی حاصل ہو چکی تھی۔

لیکون قربة وتقلیل
الشراب او ترکه
بالمرة فانه من
الشهوات الکاذبة و
قد ترکه شیخنا
اربعة اشهر ولکن
ترکه بالتدریج ایضاً
ولکن غذاءه مما لا کلفة
بحد فیه نحو الکعک
والزبیب
ولیکن عنده فی
خلوته او برکبه بحیث
یوافق مزاجه من نحو
شوربة الارز بدون ملح
او بقلیله وحریرة الشعیر
او البر من دون ملح وهکذا
خبز البر یکون مملوحاً لانه
حاد والحاصل ینبغی له ان یرتب
لنفسه طعاماً مقویاً بطیء الهضم
من الحلال فان لم یتیسر
فبالقرض واذا جهل ما یصلح
مزاجه فلیسئل من
شیخه او ممن له معرفة
بطب الابدان والانام

روزہ رکھے تاکہ ثواب بھی ملے (اور یہ کام
بھی ہو جائے) اسی طرح سے پانی پینے کو
بھی کم کرے یا چاہے تو ایک دم سے کھانا
ترک کر دے اس لئے کہ اس کی شہوت
جھوٹی شہوت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارے
شیخ نے تو یک لخت چار ماہ تک کھانا نہیں
کھایا۔ لیکن مناسب یہی ہے کہ یہ بتدریج
ہی ہو اور سالک کا طعام ایسا ہونا چاہئے
جس سے کچھ کلفت اور زحمت نہ ہو مثلاً
کیک اور کشمش۔

اور چاہئے کہ سالک کے پاس اس
کے خلوتخانہ میں یا قافلہ میں موافق طبع کوئی
چیز ہو جیسے چاول کی ترپچ بدون نمک کے یا معمولی
نمک کے ساتھ۔ یا آشِ جو ۔۔۔) یا
گیہوں کا دلیہ بدون نمک کے۔ اسی طرح سے
گیہوں کی روٹی بھی اگر ہو تو بغیر نمک پڑی
ہوئی ہو اس لئے کہ نمکین روٹی گرم ہوتی
ہے۔ حاصل یہ کہ سالک کو چاہئے کہ اپنے لئے
ایسا طعام تیار کرے جو مقوی ہو اور نہ زود
ہضم ہو مگر ہو حلال اگر خود سے دستیاب
نہ ہو سکے تو قرض سے حاصل کرے اور اگر
اس سے ناواقف ہے کہ کونسی چیز اس کے
موافق ہے تو اپنے شیخ سے دریافت کرے
یا جو طب جانتے ہوں ان سے معلوم کرے

الا فی وقت القیلولۃ
ثم اذا صار المغرب و
نفسہ لا تشتھی الطعام فلیفطر
علی نحو زبیبۃ او جرعۃ ماءٍ
ویؤخر طعامہ الی ان یجوع
و من شرطھا ان لا یکون
طعامہ من ذوی روح ولا
ما یخرج من ذی الروح ثم
اذا کان الشیخ عندہ فیدخل
الشیخ للخلوۃ قبل المرید
ویصلی فیھا رکعۃ و
یدعو للمرید و اذا لم یکن
الشیخ حاضرا و رأی
المرید نفسہ متأھلا
للخلوۃ فلیستاذن الشیخ بقلبہ
ویتوجہ الیہ و یتوجہ
بہ الی اللہ تعالی ثم یقدم
صدقۃ قبل الدخول الیھا
و یطھر بدنہ و ثوبہ و مصلاہ
ثم یدخلھا و یصلی
بھا رکعتین یقرأ فیھا
بعد الفاتحۃ عشر آیات.
سُنَّۃَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا (الآیات)
و اعزم فی نفسک انک ما بقیت

اور بجز قیلولہ کے دوسرے اوقات میں نہ
سوئے۔ پھر جب مغرب کا وقت ہو جائے اور
اس کو کھانے کی خواہش نہ ہو تو ایک دانہ
کشمش یا ایک گھونٹ پانی پر افطار کرے اور
کھانے کو بھوک تک کے لئے مؤخر کرے
اور شرائط خلوت سے یہ ہے کہ اس
کا کھانا نہ تو ذی روح سے ہو اور نہ ایسی
چیز سے ہو جو ذی روح سے نکلی ہو (مثلاً
انڈا وغیرہ) پھر جب شیخ اس کے پاس
موجود ہو تو شیخ کو چاہیئے کہ مرید سے پہلے
خود ہی خلوتخانہ میں داخل ہو اور اس
میں دو رکعت نماز پڑھے اور مرید کیلئے
دعا کرے اور اگر شیخ موجود نہ ہو اور
مرید خود اپنے آپ کو خلوت کا اہل سمجھتا ہو
تو اسے چاہیئے کہ دل ہی دل میں اپنے
شیخ سے اجازت لے اور اس کی طرف
متوجہ ہو اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ
کی طرف متوجہ ہو۔ پھر خلوت میں داخل
ہونے سے پہلے کچھ صدقہ کرے اور اپنے بدن
کپڑے، جانماز کو پاک کرے پھر اس
میں داخل ہو اور اندر جا کر دو رکعت نماز
پڑھے جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس آیتیں
پڑھے وہ یہ ہیں سُنَّۃَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا (الآیۃ)
اور اپنے نفس میں عزم کرے کہ اب تو یہاں

لا يخرج منها الا الى القبر
ولتكن شجاعا عند سماع رعقة
او صيحة واشتغل فيها
بالذكر الذى لقنك
اياه شيخ ـــــــــ

وقيل بالله بالله والذى
يظهر ان من قطع الاسماء
يخير بين لا إله الا الله و
بين الله بحسب مايجد فيه
قلبه والذى لم يقطعها
يشتغل بالذكر الذى
هو فيه من الاسماء
السبعة والذى عند
شيخه يشتغل بما يأمره
به الشيخ

وعادة اشياخنا انهم
لا يدخلون المريد الخلوة
الا بعد تمام الاسماء السبعة
ويذكر فيها بالاسماء المذكورة
بكل اسم مأة وعشرين الفا

(تنبيهات) الاول ليكن
عقدك عند دخول الخلوة

سے نکل کر بس قبرستان ہی جاتا ہے اس کو
چاہیے کہ اگر کوئی ڈراونی آواز یا چیخ سنے
تو اپنے دل کو قوی رکھے ڈرے نہیں۔ اور
خلوتگاہ میں اس ذکر میں مشغول ہو جائے
جو اس کے شیخ نے اسکو تلقین فرمایا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ اللہ کرے
میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ جو شخص اسماء سبعہ
کا ذکر کر چکا ہو اسکو تو اختیار ہے خواہ
لا الٰہ الا اللہ کہے خواہ اللہ اللہ کہے انمیں
جس سے اپنے قلب کو زیادہ لگاؤ پائے وہ
کرے۔ اور جس شخص نے اسماء سبعہ کا ذکر
نہیں کیا ہے وہ انھیں اسماء سبعہ میں سے جس
ورد میں ہو اسی میں مشغول رہے اور جو
شخص شیخ کے پاس ہی ہے تو وہ اپنے اس
وظیفہ میں مشغول رہے جس میں اس کے
شیخ نے اس کو اجازت دی ہے۔

اور ہمارے مشائخ کا طریقہ تو یہ تھا کہ
وہ کسی مرید کو خلوت میں داخل ہی نہیں
فرماتے تھے مگر اس وقت جب کہ اسماء سبعہ
ختم ہو جائیں تاکہ وہ اس میں انہی اسماء کا
ذکر کرے اس طرح سے کہ ہر اسم کو ایک لاکھ
بیس ہزار بار کہے۔

(تنبیہات) اول۔ خلوت میں داخل ہونے
کے وقت تمہاری نیت یہ ہونی چاہئے کہ اللہ کے

ان الله تعالیٰ لیس کمثلہ شئ فکل ما یتخیل لک من الصور فی خلوتک ویقول لک انا الله فقل سبحان الله انت بالله

مانند کوئی شئ نہیں چنانچہ خلوت میں اگر کبھی کوئی صورت ظاہر ہو اور وہ تم سے کہے کہ میں اللہ ہوں تو فوراً کہو سبحان اللہ تو اللہ کی مخلوق ہے اللہ کے حکم سے یہاں آئی ہے۔

الثانی لا تطلب من الله تعالیٰ فی خلوتک سواہ ولا تعلق ہمتک بغیرہ ولو عرض علیک کل ما فی الکون ثم اذا اعطاک شیئاً فخذہ بادب ولا تقف عندہ والا فاتک مطلوبک ومن وجد الله ما فقد شیئاً

دوم تم اپنی خلوت میں اللہ تعالیٰ سے بجز اس کی ذات کے اور کچھ نہ طلب کرے نہ کسی غیر اللہ کے ساتھ اپنے قلب کا علاقہ قائم کرنا اگرچہ تمہارے سامنے دنیا و مافیہا کیوں نہ آجائے پھر اگر وہی تمہیں کوئی چیز عطا فرمائیں تو اس کو ادب سے لینا لیکن اس پر وقوف اور قناعت مت کر لینا ورنہ اپنے مقصود سے رہ جاؤ گے اور جسے اللہ تعالیٰ مل گئے اس نے سب کچھ پالیا۔

(الثالث) لا تفکر فی شئ ولا تحدث[عہ] نفسک بشئ واعلم انک مجالس الحق تعالیٰ الذی یعلم ھواجس الضمائر وما تکن السرائر

(سوم) بحالت خلوت کسی چیز میں تفکر نہ کرنا اور نہ اپنے قلب میں کسی امر کے متعلق کچھ بات کرنا اور یہ دھیان رکھنا کہ تم ہر وقت حق تعالیٰ کے ہم نشین ہو۔ جو پوشیدہ وساوس اور سرائر کا جاننے والا ہے۔

(الرابع) اذا دخلت الخلوۃ بدون حضور الشیخ وجدت فی باطنک تعلقا و تعلقا بالاغیار فاخرج منہا واحکم العزلۃ اولاً حتی

چہارم اگر تم خلوت میں بدون شیخ کی موجودگی کے داخل ہو اور پھر اپنے باطن میں کچھ آمیزش اور تعلق غیر اللہ کے ساتھ پاتے ہو تو خلوت سے فوراً نکل جاؤ اور پہلے اپنی عزلت درست کرو یہاں تک کہ اس علاقہ اور لگاؤ سے خلاصی پا جاؤ

عہ (قولہ لا تحدث نفسک بشئ الخ) یعنی تمہارا نفس بھی کچھ کلام نہ کرے۔ یہ سکوت قلبی کہلاتا ہے اسی وجہ سے سالک کے قلب پر اسرار حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

تخلص من ذلك التعلق فتعوذ لها واستعمل عند هجوم الخواطر الضعف الادویۃ التی ذکرناھا سابقًا - واللہ تعالیٰ الموفق

تب اس کے بعد خلوت میں آؤ۔ اور بوقت ہجوم خواطر یا ضعف ان ادویہ کا استعمال کرو جن کو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ باقی توفیق دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں

(وصلٌ فی اٰداب العبودیۃ)

وصل عبودیت کے آداب میں

وھی الوفاء بالعھود وحفظ الحدود والرضا بالموجود والصبر عن المفقود۔

عبودیت نام ہے وفائے عہود کا حفظ حدود کا اور رضا بالموجود کا اور صبر عن المفقود کا یعنی جو موجود ہے اس پر راضی رہے اور جو نہ پا سکے اس پر صبر کرے

والاصل فی ھذا الباب ان اللہ تعالیٰ خلق العبد لعبادتہ و ھُوَ عبد اللہ من کل وجہ فحق للعبد ان یعبد اللہ من کل وجہ یمکنہ لا لعوض و لا لغرض ولا یکن کعبد السؤ ان لم یخف لا یعمل ولا کالاجیر لولا طمعہ بالاجرۃ ما عمل فان العبادۃ علی ھذا الوجہ معلولۃ۔

اور اصل اس باب میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے چنانچہ انسان ہر حال میں خدا کا بندہ ہے۔ اسلئے اس کو سزاوار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہر ممکن طریقہ سے کرے۔ اس سے نہ عوض مقصود ہو نہ کوئی غرض وابستہ ہو۔ اور عبد سوء (بُرا بندہ) نہ بنے یعنی یہ کہ اگر اس کا خوف نہ ہوتا تو عمل ہی نہ کرتا۔ اور نہ مانند مزدور (اجیر) کے ہو یعنی یہ کہ اگر اجرت کی توقع نہ ہوتی تو عمل نہ کرتا اس لئے کہ عبادت اس طور پر تو خالص نہ ہوئی بلکہ معلول ہوئی (اور عبد مخلص کے شایان شان خالص ہی عبادت تھی) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ عبادت کے جو مستحق ہیں اپنی ذات کے اعتبار سے۔

فان اللہ تعالیٰ یستحق العبادۃ لذاتہ

ففی بعض الاخبار عجبت
لمن یعبدنی طمعاً فی
جنتی او خوفاً من ناری
لو لم اخلق جنة و
نارا ما کنت اھلاً
ان اعبد فالعبادة
علی ھذا الوجه عند
العارفین لاتکون ابدا
قالت السیدة رابعة العدویة رحمها اللہ

یعبدون اللہ خوفا من نظی
فلظی قد عبدوا لا ربنا
ولدار الخلد صلوا لا لہ
شبه قوم یعبدون الوثنا

حتی ان طلب الفتح بینا فی
العبودیة وھو من سوء
الادب ویفوت العبد
به اکثر مما ینالہ کما صرح
به الشیخ الاکبر فی لواقح الاسرار
وذلک ان اللہ تعالی اوجد
العبد وجعل له ھذہ الدار
دار تکلیف امرہ فیھا باوامرہ و
نھاہ عن مناہ فوظیفته ان کان عبداً امتثال
ما امر بھا واجتنابا ما نھی عنه ویستعین بربه
فی طلب التوفیق

بعض روایات میں آتا ہے حق تعالے فرماتے ہیں کہ مجھے اس بندہ کے حال سے تعجب ہے جو میری عبادت میری جنت کے لالچ اور میری دوزخ کے خوف سے کرتا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر میں جنت اور دوزخ کو نہ پیدا کئے ہوتا تو میں عبادت کے لائق ہی نہ تھا۔ پس اس طور کی عبادت عارفین کے نزدیک عبادت ہی نہیں ہے۔ سیدہ رابعہ بصریہؒ فرماتی ہیں

لوگ اللہ تعالی کی عبادت دوزخ کے خوف سے کرتے ہیں
پھر تو انھوں نے دوزخ کی پرستش کی نہ کہ ہمارے رب کی
اور جنت کی خاطر لوگ نماز پڑھتے ہیں خدا کیلئے نہیں
یہ تو ایسا ہی ہوا جیسا کہ کوئی قوم بت پرستی کرتی ہو
(یعنی اپنے اور خدا کے درمیان ایک واسطہ بنالیا)

یہاں تک کہ فتوحات کا طلب کرنا ان حضرات کے نزدیک) عبودیت کے منافی ہے بلکہ بے ادبی ہے۔ بندہ اسکی وجہ سے جتنا پاتا نہیں اس سے زیادہ کھو بیٹھتا ہے۔ جیسا کہ شیخ اکبر نے لواقح اسرار میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالی نے بندہ کو پیدا فرمایا اور اس دار کو اس کے لئے دار التکلیف بنایا۔ اور کچھ اوامر کا اُسے حکم فرمایا۔ اور کچھ مناہی سے اُسے منع فرمایا۔ پس اسکا وظیفہ اگر وہ عبد ہے تو بس یہی ہے کہ جس چیز کا حکم دیا گیا اسکا امتثال کرے اور جس چیز سے منع کیا گیا اس سے اجتناب کرے اور اس بارہ میں توفیق طلب کرنے میں اللہ تعالی کی مدد چاہے

وَعلى العبد ان يحمي محله بان لايجعل فی قلبه ربانية لغيره تعالى فهو يجتهد فی قطع العلائق التی تؤثر فی عبوديته نقصانا ما هذا شان العبد

واما نتائج الاعمال فلا يليق به طلبها وذلك امور راجع لربه تعالى ان شاء عجله له فی الدنيا او اجله فاذا طلب تعجيل النتائج فی دار التكليف فقد اساء الادب من وجهين وعامل الموطن بما لا تقتضيه حقيقته نعم ان عجل له الحق تعالى شيئا قبله مع الادب وعدم الوقوف عنده وليكن فرحه بالنعم من حيث ان تلك العطية تدل على رضاه تعالى عنه ولا يكن فرحه بالنعمة ولا يحزن على سلبها بل يكون مسلوب الارادة كما قيل ؎

مرادی منك نسيان المراد
اذا رمت السبيل الى الرشاد

فهم راضون عن ربهم على كل حال

اور عبد پر لازم ہے کہ اپنے قلب کو درست رکھے بایں طور کہ غیر اللہ کی ربانیت کو نہ داخل ہونے دے پس یہ بندہ قطع علائق میں کوشش کرتا رہتا ہے جو کہ اس کی عبودیت میں اثر انداز ہوتے ہیں اور کسی نہ کسی درجہ میں نقصان پیدا کرتے ہیں یہ تو شان بندے کی ہوئی۔

رہے ثمرات اعمال تو اس کے شایان شان ان کا طلب کرنا نہیں وہ تو ایک ایسی چیز ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اگر وہی چاہیں تو اسکو دنیا ہی میں جلدی دیدیں یا آخرت کے لئے مؤخر فرمادیں (بندہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں) لہذا جب بندے نے ثمرات کو جلدی طلب کیا اور اسی دار دنیا میں اس کو چاہا تو اُس نے دو جہت سے بے ادبی کی (یعنی اپنی شان کے خلاف کام کیا اور جو امر کہ حق تعالیٰ کی جانب راجع تھا اس میں دخل دیا) اور اس دنیا کے ساتھ ایسا معاملہ کیا کہ اسکی حقیقت جس کو متقاضی نہیں ہے (کہ یہ دار العمل ہے دار الجزا نہیں) ہاں اگر حق تعالیٰ ہی اس کے لئے کوئی چیز جلد عطا فرمادیں تو اس کو ادب کے ساتھ قبول کرے مگر اس پر وقوف نہ کرے اور چاہئے کہ اس کی خوشی اس نعمت کو پاکر اس جہت سے ہو کہ وہ عطیۂ خداوندی ہے اس کی رضا پر دلالت کرنے والی ہے۔

اور اس کی خوشی محض نعمت کی بناء پر نہ ہونی چاہئے چنانچہ اس کے سلب ہوجانے پر غمگین بھی نہ ہو بلکہ مسلوب الارادہ ہونا چاہئے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

میری مراد تجھ سے یہ ہے کہ میں سب مرادیں بھول جاؤں
جب کہ میں رشد وہدایت کا راستہ اختیار کروں

پس یہ لوگ اپنے رب سے ہر حال میں راضی رہتے ہیں چاہے

سواء وسع عليهم الدنيا او ضيقها ووفقهم بكثرة العبادة او قسم لهم فيها حظاً قليلاً فانهم لا يعلمون الخير فيما ذا

قال ابراهيم ابن ادهم نمت ليلة عن وردي فتكدرت لذلك وكنت اذ ذاك ممن يعتمد على الاعمال فعوقبت بالنوم عن عدة فرائض ثم نوديت في سري يا ابراهيم كن عبدًا لنا تسترح فان انمناك نمت وان اقمناك قم وليس لك في الوسط شئ وذلك ان الله تعالىٰ قد يبتلي العبد بالذنب ويكون ذلك خيرًا في حقه لئلا يعجب في عمله معصية اورثت ذلًا وانكسارًا خير من طاعة اورثت عزا واستكبارًا وفي الحديث ان العبد ليذنب الذنب فيدخل فيه الجنة يعني انه يستغفر منه ويتوب فيغفر له ثم لا يزال حزينا خائفا منه منكسر القلب منكس الرأس وهذه كلها حسنات - والحاصل ان العبودية عبارة عن امتثال الاوامر واجتناب

چاہے اِن پر دنیا وسیع ہو یا تنگ انھیں کثرت عبادت کی توفیق دے یا ان کے لئے عبادت سے حظ قلیل مقدر فرمائے یہ ہر حال میں راضی رہتے ہیں اس لئے کہ نہیں جانتے کہ خیریت کس میں ہے

حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ میں ایک رات اپنے وظیفہ سے سو گیا جس کی وجہ سے مجھے تکدر رہا اور میں ان دنوں اُن لوگوں میں سے تھا جن کو اپنے اعمال پر اعتماد ہوتا ہے چنانچہ مجھے نیند کے ذریعہ سزا دیگئی جس کی وجہ سے مجھ سے چند فرائض چھوٹ گئے پھر میرے باطن میں ایک آواز آئی کہ اے ابراہیم ہمارے بندے بن جاؤ آرام پا جاؤ گے یعنی اگر ہم تمھیں سلادیں تو سوجاؤ اور کھڑا کردیں تو کھڑے جاؤ تمھارے لئے درمیانی کوئی چیز نہیں اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بندے کا ابتلا معصیت سے بھی کرتے ہیں اور یہ اس کے حق میں (سبب) خیر ہوتا ہے تاکہ اس کو اپنے عمل میں عجب نہ ہو (چنانچہ کہا گیا ہے کہ) جو معصیت کہ ذلت اور انکساری پیدا کرے وہ اُس طاعت سے بہتر ہے جو غرور اور تکبر کا باعث بنے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ بلاشبہ بندہ گناہ کرتا ہے ایک گناہ اور اسی کی وجہ سے جنت میں داخل ہوجاتا ہے مثلاً یہ کہ اس گناہ کی وجہ سے استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے پس اس کی مغفرت کردی جاتی ہے پھر اسکی وجہ سے ہمیشہ وہ غمگین اور خائف اور منکسر القلب اور سرنگوں رہتا ہے اور یہ سب کے سب حسنات ہیں۔ حاصل یہ کہ عبودیت عبارت ہے امتثالِ اوامر اور اجتناب نواہی سے ایسا امتثال جو محض خدا کا

النواهی امتثالاً لامر اللہ تعالیٰ لا لعلۃ وان تکون راضیاً عن اللہ تعالیٰ علی کل حال ولیس لک معہ اختیار

نقل فی الفتح الربانی ان بعض الناس اشتری مملوکاً فقال للمملوک ما تشتھی ان تلبس قال الذی تلبسنی قال ما تشتھی ان تعمل قال الذی تأمرنی قال این ترید ان تجلس من داری قال حیث تأمرنی قال فانت مالک مراد فی شیئ فقال یا سیدی وھل[عہ] یکون للعبد مراد مع سیدہ انتھی

حکم سمجھ کر کیا جائے اس میں کوئی اور غرض شامل نہ ہو اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں راضی رہو اور اللہ تعالیٰ کے آگے تمھارے لئے اپنا کوئی اختیار نہ ہو۔ فتح ربانی میں نقل ہے کہ ایک شخص نے غلام خریدا اور اس سے پوچھا کہ تم کیا پہننا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جو آپ پہنا دیں اس نے پھر پوچھا کہ تم کون سا کام کرنا چاہتے ہو؟ کہا جس کا آپ حکم دیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ میرے گھر میں کہاں رہنا چاہتے ہو؟ کہا جہاں آپ حکم دیں۔ یہ سُن کر مالک نے کہا (کہ تم تو عجیب آدمی ہو) کسی چیز میں تمھاری کوئی مراد ہی نہیں ہے اس نے جواب دیا کہ اے میرے سیّد کیا کسی غلام کے لئے بھی اپنے سید کے مقابلہ میں کوئی رائے ہوتی ہے انتھی

(وصل فی کیفیۃ السلوک والوصول)

قد تقدم ان حجابک عن اللہ تعالیٰ انما ھو نفسک وقد عدھا علماء الحقیقۃ باعتبار اطوارھا سبعۃ امارۃ۔ لوامۃ۔ ملھمۃ۔ مطمئنۃ۔ راضیۃ۔ مرضیۃ۔ وکاملۃ وانت محجوب فی کل طور من اطوارھا بعشرۃ حجب فبین العبد وربہ سبعون حجاباً

سلوک اور وصول کے طریقہ کا بیان

پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تمھارے حجاب کا سبب دراصل تمھارا نفس ہے چنانچہ علماء حقیقت نے نفس کی اس کے مختلف حالات کے اعتبار سے سات قسمیں بیان کی ہیں اماره۔ لوّامہ۔ ملہمہ۔ مطمئنہ۔ راضیہ۔ مرضیہ وکاملہ اور تم اس کے ان ساتوں حالات میں سے ہر حال کے اعتبار سے دس حجابوں میں ہو۔ چنانچہ بندے اور اس کے رب کے درمیان ستر حجابات ہیں۔ اُن میں سے دس

عہ (قولہ وھل یکون للعبد الخ) یعنی اس غلام نے کہا کہ اے میرے سید کیا عبد کیلئے بھی اپنے سید کے ساتھ کچھ مراد ہوتی ہے؟ قصہ کا تتمہ یہ ہے کہ غلام کا جواب سُنکر سید نے کہا کہ اے کاش میں بھی اپنے سید کیساتھ اسی طرح ہوتا جیسا کہ تو میرے ساتھ ہے یہ کہکر اس نے غلام سے کہا کہ اچھا تو تو خدا کے واسطے آزاد ہے اور یہ کہا کہ اب آپ میرے پاس قیام کیجئے تاکہ میں بذات خود آپ کی خدمت کروں۔

وهي حجب النفس الامارة والباقي نورانية ولكن بعضها ادق من بعض ونعني بالحجب الاوصاف المنافية لصفة العبودية كالكبر والحسد وهما من الحجب الظلمانية وكحب الكرامات وانتشار الصيت وهما من الحجب النورانية

ظلمانی ہیں اور یہ نفس امارہ کے حجابات ہیں اور باقی حجابات نورانی ہیں لیکن انہیں بھی بعض بعض سے دقیق ہیں اور ہماری مراد حجابات سے نفس کی وہ صفات ہیں جو عبودیت کے منافی ہیں جیسے کبر اور حسد اور یہ دونوں منجملہ ظلمانی حجابات کے ہیں یا جیسے کرامات اور شہرت کو پسند کرنا اور یہ دونوں منجملہ نورانی حجابات کے ہیں۔

وبالجملة فادام السالك في قلبه شيء من الاشياء فهو محجوب بذلك الشيء عن الحق سبحانه وتعالى ومن هنا يطول السلوك على بعض السالكين ويقرب على بعض فمنهم من تكثر علله وتقوى وتضعف مع ذلك روحانيته ومنهم على العكس من ذلك ومنهم من يرجع من بعض الطريق ومنهم من يقف ونحو ذلك

حاصل کلام یہ کہ جبتک سالک کے قلب میں ان چیزوں میں سے کوئی بھی چیز باقی ہے تو وہ اسی چیز کیوجہ سے حق سبحانہ تعالیٰ سے محجوب ہے، یہیں سے بعض سالکین پر اُنکا سلوک طویل اور دشوار ہو گیا ہے اور بعضوں پر قریب اور آسان رہا ہے اور بہت سے انمیں ایسے ہیں کہ اُنکے اندر بہت سی علتیں موجود ہیں اور قوی ہیں جسکی وجہ سے انکی روحانیت ضعیف ہے، اور بعضوں کا معاملہ اسکے برعکس ہے، (یعنی علل قلیل اور ضعیف ہیں اور روحانیت قوی ہے) اور بہت سے انمیں ایسے ہیں جو درمیان راہ سے واپس ہو جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو راستہ میں کھڑے رہ جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ

ثم ان علماء السلوك ذكروا لكل واحدة من النفوس المذكورة طوراً وسيراً وعالماً ومحلاً وارداً وموكلاً وجنوداً ومفتاحاً ونوراً وشغلوا المريد في كل نفس منها باسم مخصوص من اسمائه تعالى عرفوا مناسبته للتداوي من تلك النفس والتخلص منها ففي المقام الاول لما كان يغلب على الانسان فيه العبودية لنحو الدنيا والزوجة والدينار والخميصة شغلوه بلا اله الا الله

پھر یہ سمجھو کہ علماء سلوک نے ان نفوس سبعہ مذکورہ میں سے ہر ایک کے لئے طور۔ سیر۔ عالم۔ محل۔ وارد موکل جنود۔ مفتاح اور نور بیان کئے ہیں اور ان میں سے ہر نفس میں طالب کو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے مخصوص اسم کے ساتھ بغرض علاج باطن مشغول کیا ہے جن ناموں کو اس مخصوص نفس کے ساتھ مناسبت دیکھی ہے تاکہ اس شغل کی برکت سے سالک اس نفس ردیہ سے خلاصی پاجائے پس مقام اول میں چونکہ انسان پر دنیا اہل و عیال۔ دینار اور خمیصہ (عمدہ چادر) کی محبت غالب ہوتی ہے اس لئے یہ حضرات اس کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا شغل تلقین فرماتے ہیں تاکہ

لنفي الوهية غيره تعالى من القلب فاذا تخلص من ذلك شغلوه بذكر الاسم الثاني وهو الله وهكذا ولنذكر لك النفوس السبعة على ترتيبها

غیر اللہ کی الوہیت قلب سے نکل جائے چنانچہ جب سالک اس سے خلاصی پا جاتا ہے تو اُسے یہ حضرات اسم ثانی کے ذکر کے ساتھ مشغول کرتے ہیں اور وہ اللہ ہے علی ہذا القیاس اور اب ہم تم سے اُن نفوس سبعہ کو ترتیب وار بیان کرتے ہیں

(الباب الرابع في المقام الاول الذي هو النفس الامارة)

وسميت بذلك لانها تأمر بالسوء وهي نفس خبيثة تبيع أخرتها بشهوة واحدة ومن صفاتها البخل والحرص والحسد والجهل والكبر والشهوة والغضب والغفلة والشره وسوء الخلق والخوض فيما لا يعني من الكلام والاستهزاء بالخلق والبغض لهم والايذاء باليد واللسان وغير ذلك وذلك لوقوعها في ظلمة الطبيعة فلا تفرق بين الخير والشر وهي واسطة الشيطان ووسيلته في الاغواء وهي اعدى عدوك فكن منها على حذر وعليك بتقليل الطعام والشراب والمنام لتضعفها ويهون عليك الخلاص منها واياك ان تساعدها على مطلب اوتنتصر لها ان احد ظلمها وليكن ذكرك في هذا المقام لا إله الا الله مع

(باب چہارم مقام اول کے بیان میں اور وہ نفس امارہ ہے)

نفس امارہ کو امارہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ برائی کا حکم کرتا ہے یہ ایک خبیث نفس ہے۔ اپنی آخرت کو ایک معمولی سی شہوت کے عوض بیچ دیتا ہے۔ چنانچہ اسی کی صفات میں سے بخل ہے۔ حرص ہے۔ حسد ہے۔ جہل ہے۔ کبر ہے۔ شہوت ہے۔ غضب ہے۔ غفلت ہے۔ لالچ ہے۔ سوء خلق ہے اور لایعنی باتوں میں گھسنا ہے۔ مخلوق سے استہزا کرنا اور اُن سے بُغض رکھنا ہے اور ہاتھ اور زبان سے ایذا دینا ہے اور اس کے علاوہ بہت سی صفات ہیں اور یہ نفس چونکہ اپنی طبیعت کی ظلمت میں پڑا ہوتا ہے اس لئے خیر اور شر میں تمیز بھی نہیں کرتا اور یہی وہ نفس ہے جو شیطان کا واسطہ اور وسیلہ بنتا ہے اغوا میں اور یہی وہ نفس ہے جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن نفس ہے لہذا اس سے بہت احتیاط رکھو اور اپنے اوپر کم کھانے کم پینے اور کم سونے کو لازم پکڑو تاکہ یہ ضعیف رہے اور تمہارے لئے اس سے خلاصی آسان ہو۔ اور خبردار کسی مقصد کے حصول میں اس کا ساتھ نہ دینا یا اگر کوئی شخص اس پر ظلم کرے تو تم اس نفس کا ساتھ نہ دینا اور چاہئے کہ تمہارا ذکر اس مقام میں لا الہ الا اللہ کی تکثیر ہو ہمت عالیہ کے

الإكثار والهمة العالية والمحافظة على آداب الذكر المتقدمة حتى تنكشف عن قلبك الحجب العشرة الظلمانية الحاصلة من الذنوب الماضية وعند ذلك تظهر على أول منازل القرب ومراتب السعادة وهو توحيد الأفعال فتشهد بعين البصيرة شهود ذوق انه لا مُعْطِيَ ولا مانِعَ ولا ضارَّ ولا نافِعَ ولا محرك ولا مسكن إلا الله تعالى - وعلامة هذا المشهد انك لا ترجوا غير الله في امر ما ولا تخاف مما سواه ولا تكره مخلوقا اصلاً ولا يحصل منك اذى لا لانسان ولا لحيوان محترم

ولا تلوم من قصر في حقك مشاهداً ان كل عبيد مسخرون وان الله تعالى اخذ بناصية كل فيذهب غمك وطمعك وكلما طرحت عنك صفة ذميمة عوضك الله تعالى صفة حميدة هي ضدها وفي هذا المقام يوقد الله تعالى في قلبك مصباحاً ملكوتياً ترى به عيوب نفسك فيتوالى عليك الخوف والرجاء وهما كالسائق والقائد للقلوب

ساتھ اور آداب ذکر جو پہلے مذکور ہو چکے ہیں ان کی محافظت کے ساتھ یہی ذکر کرتے رہو یہاں تک کہ تمہارے قلب سے دسوں حجابات ظلمانی جو سابقہ معاصی کی وجہ سے پیدا ہوگئے تھے دور ہو جائیں اور اب اس وقت تم منازل قرب اور مراتب سعادت کے اوّل مقام پر فائز ہوگے اور وہ توحید افعالی ہے چنانچہ تم بصیرت کی آنکھ سے اور ذوق کی شہادت سے گواہی دو گے کہ بیشک لَا مُعْطِیَ وَلَا مَانِعَ وَلَا ضَارَّ وَلَا نَافِعَ وَلَا مُحَرِّكَ وَلَا مُسَكِّنَ اِلَّا اللّٰہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کوئی دینے والا ہے نہ منع کرنے والا الخ اور علامت اس مقام پر فائز ہونے کی یہ ہے کہ پھر تم کسی امر میں بھی غیر اللہ سے امید نہ رکھو گے اور نہ ماسوی اللہ سے ڈرو گے اور نہ کسی مخلوق کو برا سمجھو گے اور نہ تم سے کوئی تکلیف دہ حرکت صادر ہوگی نہ کسی انسان کے لئے اور نہ کسی محترم حیوان کے لئے۔

اور اپنے حق میں کوتاہی کرنے والے کو ملامت نہ کرو گے یہ خیال کرکے کہ سب کے سب بندے ہیں اسکی قضا کے آگے مسخر ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی پیشانی کو پکڑے ہوئے ہیں بس اس خیال سے تمہارا غم اور طمع سب ختم ہو جائیں گے اور جیسے جیسے تم سے کوئی صفت ذمیمہ ختم ہوتی جائے گی تو اللہ تعالیٰ اسکے بدلہ میں اس کے مقابل کی صفت حمیدہ پیدا فرماتے جائیں گے اور اس مقام پر پہونچ کر اللہ تعالیٰ تمہارے قلب میں ایک ملکوتی چراغ روشن فرمادیں گے جس کی وجہ سے تم اپنے نفس کے عیوب دیکھ سکو گے۔ پھر اس کے بعد پے در پے تم پر آتے رہیں گے خوف و رجا اور یہ دونوں

فی سیرها الی الله تعالیٰ

وعليك وانت فی هذا المقام بالوقوف على ابواب الشريعة ومحاسبة النفس فی كل ساعة وتخويفها بالموت وعذاب القبر و اهوال القيامة وعليك بملازمة الذل والانكسار والمسكنة و الخضوع والتقرب اليه تعالى بانواع البر والنوافل والتضرع و الابتهال الى الله تعالى فی ان ينقلك من ظلمة طبعك واياك ان تمل من الدعاء او تستبعد الفتح فتتوانى وتضجر فان ذلك مما يقطع المريد فاجتهد فيما وصفت لك واعرض عما يشغلك عن مولاك ولازم القناعة

والاعراض عن اللذات و الاشتغال فيما يعنيك والتضرع الى ربك والاقبال بكليتك عليه فاذا بدل الله تعالى اوصافك الذميمة بالاوصاف الحميدة شاهدت بعض الاسرار والعجائب المخزونة فی الصدفة البشرية فلا تغتر بما تراه ولا تقف

قلوب کے لئے اس کے سیر الی اللہ میں مانند سائق اور قائد کے ہیں (سائق کہتے ہیں پیچھے سے ہانکنے والے کو اور قائد کہتے ہیں آگے سے کھینچنے والے کو) اور تم پر اس مقام میں ہوتے ہوئے لازم ہے کہ ابواب شریعت پر وقوف کرو اور ہر آن اپنے نفس سے محاسبہ کرتے رہو اور اس کو موت سے اور عذاب قبر سے اور قیامت کے ہولناک حالات سے ڈراتے رہو۔ نیز اپنے لئے ذلت وانکسار مسکنت وخضوع اور انواع برّ اور نوافل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس کی جانب تضرع اور ابتہال کو لازم کرلو تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے طبعی ظلمتوں سے نکال دیں اور (دیکھو) یہ ہرگز نہ کرنا کہ گھبرا کر اور ملول ہو کر دعا کرنا ہی چھوڑ دو۔ یا فتح وکامیابی کو بعید سمجھ کر اس کی جانب سے سست وتنگدل ہوجاؤ اس لئے کہ یہ چیزیں تو مرید کے رشتہ ہی کو قطع کردینے والی ہیں لہٰذا جو چیزیں میں نے تم کو بتلائی ہیں انہیں تندہی کے ساتھ لگو اور جو امور تم کو تمہارے مولیٰ سے مشغول کردینے والے ہوں ان سے اعراض کرو اور قناعت کو لازم پکڑ لو۔

اور لذات کو اور بے فائدہ امور کی مشغولی کو ترک کرو اور اپنے رب سے گریہ وزاری کرو اور ہمہ تن اس کی جانب متوجہ ہوجاؤ پھر جب اللہ تعالیٰ تمہارے اوصاف ذمیمہ کو اوصاف حمیدہ سے بدل دیں تو اس وقت تم بعض اسرار کا اور ان عجائبات کا مشاہدہ کروگے جو تمہاری اس بشریت کے سیپ میں مخزون ومحفوظ ہیں لہٰذا تم دھوکہ میں نہ پڑو اس سے جس کا تم مشاہدہ کرو اور اس پر وقوف

عنده واخبر استاذك بجميع ماتراه
حتى الرؤيا المنامية فاذا رأيت
مايدل على انتقالك للمقام الثاني
وقد كنت ذكرت في الاسم الاول
مائة الف نقلك شيخك للمقام الثاني
ولقنك الاسم الثاني وهكذا
في كل اسم لابد من الذكر مائة الف
واذا لم تر الاشارة لاانت ولا
شيخك بالانتقال لما بعد المقام
الذي انت فيه تذكر بعد ذلك
بلا عدد حتى ترى انت او استاذك
الاشارة بالنقلة لما بعده واذا كان
استاذك في بلدة اخرى تكتب له
جميع ما يقع لك وعند استحقاق النقلة
تسافر اليه لينقلك واذا كان في
مكان بعيد كالمغرب وانت في الشام
مثلاً فينبغي له ان يلقنك الاسماء كلها
في مجلس واحدٍ ويأمرك ان تذكر في
الاسم الاول حتى ترى الاشارة رؤيا او غيرها
وتكرر ثلاثاً فحينئذٍ تنتقل لما بعده
وهكذا الى تمام المقامات السبعة
وعند الاتمام ان وقعت لك الاجازة
بتلقين الذكر واخذ العهود فتقدم
والا فالزم الخمول الى الموت.

بھی نہ کرو اور اپنے شیخ کو ان تمام امور کی جسے تم دیکھو اطلاع کر
یہاں تک کہ اپنے خواب کی بھی اطلاع کر دیا کرو پس جب تم
ایسی کوئی چیز دیکھو جو اس امر پہ دلالت کرے کہ تم مقام ثانی
میں پہونچ گئے ہو اور حال یہ ہے کہ تم نے اسم اول کا ذکر ایک
لاکھ بار کر لیا ہے تو اب تم کو تمہارا شیخ مقام ثانی کی طرف
منتقل کر دے گا اور اسم ثانی کے ذکر کی تم کو تلقین کرے گا
اسی طرح ہر اسم کا ذکر ایک لاکھ بار ہونا ضروری ہے اور جب
نہ تم اور نہ تمہارا شیخ انتقال کے لئے کوئی اشارہ پائے تاکہ
جس مقام میں تم ہو اس سے آگے والے میں منتقل ہو جاؤ
تو اس کے بعد برابر بدون کسی مقررہ تعداد کے ذکر کرتے
رہو یہاں تک کہ تم یا تمہارا شیخ آئندہ مقام میں منتقلی کا
اشارہ پا جائے اور اگر تمہارے شیخ دوسرے شہر میں ہوں
تو تمام حالات انکو لکھو اور اگر وہ منتقل کرنے کی استعداد محسوس
کریں تو اُن کے پاس جاؤ تاکہ وہ تم کو منتقل کر دیں۔
(یہ جب ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان بہت زیادہ
دوری نہ ہو) ورنہ اگر وہ کسی بہت دور کے مقام میں
ہوں جیسے مغرب میں ہو اور تم شام میں ہو پس اُسے چاہیے کہ
تم کو سارے اسماء تلقین کر دے ایک ہی مجلس میں اور تمہیں
حکم دے کہ تم اسم اول کا ذکر کرو یہاں تک کہ خواب سے یا کسی
اور ذریعہ سے اشارہ منتقلی کا پا جاؤ اور تم مکرر کرو ایک ذکر کو تین بار
پھر منتقل ہو جاؤ مابعد والے کی طرف اسی طرح سے تمام
مقامات سبعہ تک یہی معاملہ رکھو اور جب یہ ذکر ختم ہو جائے تو اگر
تمکو ذکر کی تلقین کی اجازت ملی ہوئی ہو اور تم کو عہد لیا گیا ہو تو اس کے
لئے اقدام کرو ورنہ مرتے دم تک گوشۂ خمول میں پڑے رہو

الباب الخامس فی المقام الثانی الذی ھو النفس اللوّامة

وسمیت لوّامةً لانھا کلما وقع صاحبھا فی مخالفتہٖ لامته۔

فمن صفاتھا اللوم والھوٰی والمکر والعُجب والریاء والظلم والغیبة والکذب وحب الریاسة وحب الشھرة وربما بقی معھا

باب پنجم مقام ثانی کے بیان میں اور وہ نفس لوامہ ہے

اس نفس کا نام لوّامہ اس لئے پڑا کہ جب بھی اس کا صاحب (حق کی) مخالفت کرتا ہے تو یہ اس کو ملامت کرتا ہے۔

چنانچہ اس کی صفات میں سے ملامت کرنا ہے اور ہوٰی اور مکر ہے۔ عُجب اور ریا ہے اور ظلم اور غیبت ہے اور کذب اور غفلت ہے۔ اور حب جاہ وحب شہرت ہے۔ اور بسا اوقات ان صفات کیساتھ نفس امارہ کی

حاشیہ متعلق ص ۲۳۵ (قولہ اوتنتصر لھا ان احد ظلمھا) یعنی اگر کوئی شخص تمہارے نفس پر ظلم کرے تو اس سے بدلہ نہ لو۔ جیساکہ ابراہیم ابن ادہمؒ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک سپاہی نے ان کے سر پر مارا۔ اس پر حضرت نے فوراً ہی فرمایا کہ ایسے سر کو ضرور مارو جس نے اپنے اللہ کی بہت نافرمانی کی ہے۔

اور مجھے میرے شیخ نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک شخص نے ان کو نہایت ہی فحش گالی دی۔ شیخ نے یہ سمجھکر کہ یہ شخص کسی دوسرے کو گالی دے رہا ہے پیچھے مڑکر دیکھا کہ وہ کون شخص ہے مگر وہاں کوئی شخص موجود نہ تھا یہ دیکھ کر گالی دینے والا کہتا کیا ہے کہ آپ ہی کو کہہ رہا ہوں آپ ہی کو۔ شیخ یہ سنکر خاموشی سے گذر گئے اور اس کو کچھ جواب نہیں دیا۔

اور مجھے شیخ عبداللہ حلبیؒ جو دُبّہا کے لقب سے مشہور تھے۔ اُن کا یہ واقعہ ہوتھا کہ کسی شخص نے بُرے بُرے الفاظ میں انہیں گالیاں دینی شروع کیں۔ چنانچہ جب وہ کسی وصف سے ان کو متصف کرتا مثلاً یہ کہتا کہ تم رذیل ہو، خبیث ہو تو شیخ حلبی فرماتے کہ تم سچ کہتے ہو۔ یہاں تک کہ اس نے کہا کہ یاخرا (جس کے معنی فارسی میں گدھے کے اور عربی میں پلیدی کے آتے ہیں) آپنے فرمایا کہ بھائی ٹھیک کہتے ہو۔ پلیدی اور گندگی تو میرے پیٹ میں موجود ہی ہے یہانتک تو شیخ نے صبر کیا لیکن جب اس نے یہ کہا کہ (انت متحفظ بالمصحف ای جاعل له تحت مقعدك) یعنی تم قرآن کو اپنی سُرین کے نیچے رکھنے والے ہو تو انکے تن بدن پر رعشہ طاری ہوگیا سر سے پیر تک کانپ گئے اور کہا کہ خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

اس قسم کی بعض چیزیں مجھے بھی پیش آئیں یعنی بعض لوگوں کیجانب سے تحقیر اور تذلیل اور تشتیم کا معاملہ کیا گیا تو میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا وہاں سے اٹھکر چلا گیا اور دل ہی دل میں انکے لئے دعائیں کرتا رہا کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰھُمَّ لَا تُؤَاخِذْهُ

بعض صفات من صفات النفس الأمارة ولكنها مع ذلك ترى الحق حقاً والباطل باطلاً رؤية اقوى من المعرفة السابقة لانها حاصلة عن نور المصباح الملكوتي الذي اوقده الله تعالى في قلب السالك بحيث تكون تلك الرؤية باعثة على التخلص من الصفات المذمومة بالمجاهدة والتحلي بالاخلاق الحميدة لكنها لا تقدر بعد على الخلاص منها ولها رغبة في موافقة الشرع والمجاهدة ولها اعمال صالحة من قيام وصيام وصدقة وغير ذلك ولكن يدخل عليها في ذلك العجب والرياء وحب المحمدة وثناء عليه من جهة تلك الاعمال الصالحة. فيجب عليه ان يظهر للناس ما فيه من خصلتي العجب والرياء والا كانا سببا في انقطاعه وعليه بالمجاهدة وكثرة الذكر بالاسم الثاني وهو الله حتى يتخلص من ذلك وهذا اذا لم تلح له في المقام

بعض صفات موجود رہتی ہیں لیکن نفس اس درجہ میں ان صفات سے متصف ہونے کے باوجود حق کو حق اور باطل کو باطل جانتا ہے اور وہ جاننا ایسا ہوتا ہے جو کہ معرفت سابقہ سے قوی ہوتا ہے اس لئے کہ اسکو یہ معرفت حاصل ہوتی ہے ایک ایسے ملکوتی مصباح کے نور سے جس کو اللہ تعالیٰ نے سالک کے قلب میں روشن کر رکھا ہے ایسے طور پر کہ یہ رویت باعث بنتی ہے مجاہدہ کے ذریعہ صفات مذمومہ سے تخلص کا اور اخلاق حمیدہ کے ساتھ تخلق کا (نفس اس مرتبہ میں حق و باطل میں فرق تو کرتا ہے) لیکن ابھی تک وہ اپنی صفات مذمومہ سے خلاصی پانے پر قادر نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ اس کے لئے اتباع شرع اور مجاہدہ وغیرہ میں رغبت بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح سے اس کیلئے کچھ اعمال صالحہ بھی ہوتے ہیں مثلاً قیام وصیام وصدقہ وغیرہ مگر سالک پر اس مقام میں عجب (خود پسندی) ریاء تعریف کی خواہش اور یہ خیال کہ ان اعمال صالحہ کی وجہ سے لوگ اسکی تعریف کریں یہ سب رذائل پیدا ہو جاتے ہیں لہذا اس پر لازم ہے کہ اسکے اندر عجب و ریاء جو دو خصلتیں موجود ہیں ان کو لوگوں پر ظاہر کرے ورنہ یہی دونوں اسکے انقطاع عن الطریق کا سبب بن جائیں گے (طریق سے رہ جانے کی ۱۲)

اور اس کے اوپر اس مرتبہ میں لازم ہے کہ ذکر کی کثرت کرے، خوب مجاہدہ کرے اور ذکر بھی اسم ثانی کا یعنی اسم ذات اللہ کا یہاں تک کہ اس سے خلاصی پا جائے اور یہ اس وقت

حاشیہ (قولہ والا کانا سببا فی انقطاعہ) یعنی اگر لوگ اسکی وجہ سے دھوکہ میں پڑتے اور اسکی خیر وصلاح کے معتقد ہوتے ہیں (تب یہ اظہار واجب ہے) ورنہ سالک پر اپنے عیوب کا اظہار لازم نہیں۔

الاول وحدة الافعال

واما اذا لاحت فلا عجب ولا ریاء لانه حینئذٍ لا یری له عملاً حتی یعجب فیه او یرائی بل یشتغل بالحمد والشکر لخالقها ومولاها ویخاف ان قصر بالشکر ان تسلب عنه لکنه فی هذا المقام کثیر الخواطر والوساوس والافکار فلیستعن علی نفیها بالذکر الجهری الشدید وبالاستعانة باللّٰہ تعالیٰ علی کل قاطع یقطع عن اللّٰہ تعالیٰ من الجن والانس وکلما لاح له شئ من العجائب والاسرار فلیخبر به استاذه کما تقدم

ہے جبکہ اسکے لئے مقام اول میں وحدت افعال ظاہر ہو چکی ہو اور اگر ظاہر ہو چکی ہو تو پھر عُجب و ریا رہی نہ رہ جائیں گی اس لئے کہ اس وقت میں وہ کسی عمل کو اپنا سمجھتا ہی نہیں تاکہ اس کو عجب ہو یا وہ ریاکاری کرے بلکہ وہ تو مشغول ہو جاتا ہے اپنے خالق اور مولیٰ کی حمد و شکر میں۔ اور اس امر کا اندیشہ کرتا رہتا ہے کہ اگر شکر میں کوتاہی ہو گی تو یہ سب دولتیں سلب ہو جائینگی۔ لہذا اس مقام میں ہونکہ یہ سب چیز اس سے صادر ہونگی۔ البتہ اس مقام میں اسے خواطر ردیہ اور وساوس واہیہ اور افکار بہت پیش آئیں گے۔ لہذا اسے چاہئے کہ انکی نفی پر ذکر جہری سے اعانت چاہے اور اللہ تعالیٰ سے ہر اس قاطع پر عون اور مدد طلب کرے جو اسکو اللہ تعالیٰ سے ہٹائے خواہ وہ جن میں سے ہو یا انس میں سے۔ اور جب بھی کوئی چیز عجائبات میں سے یا اسرار میں سے اس پر منکشف ہو تو اسکو اپنے شیخ سے بیان کرے جیسا کہ گذر چکا ہے۔

الباب السادس فی المقام الثالث الذی هو النفس الملهمة وحالها وصفاتها

(باب ششم مقام ثالث کے بیان میں اور وہ نفس ملہمہ اور اسکے حالات اور اسکی صفات ہیں)

فحالها العشق وصفاتها الحلم والسخاء والقناعة والتواضع والتوبة والصبر وتحمل الاذی والعفو عن الناس وحسن الظن بهم وقبول عذرهم وشهود ان اللّٰه تعالیٰ اخذ بناصیة کل دابة فهو

اس کا حال تو بس عشق الٰہی میں مستغرق رہنا ہے اور اسکی صفات ہیں۔ حلم۔ سخاوت۔ قناعت۔ تواضع۔ توبہ۔ صبر ایذا کا تحمل۔ لوگوں کو معاف اور درگذر کرنا۔ اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا۔ اور ان کا عذر قبول کرنا اور (عین قلب سے) اس بات کا مشاہدہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہر جاندار کی پیشانی ہے پس سب کے سب

مجبورون على اختيار ما هو فيه
فلا ينبغي لك اعتراض على
مخلوق اصلاً ومن صفاتها ايضاً
البكاء والهيمان عند سماعها و
حب الذكر وبشاشة الوجه و
الفرح بالله تعالى والتكلم بالحِكَم
والمعارف والاعراض عن الخلق
والاشتغال بالحق وحب الاصوات
الحسنة وزيادة الهيمان عند
سماعها وغير ذلك من الصفات
الحميدة ومفتاحها كلمة هُوَ و
سميت ملهمة لان الله تعالى
الهمها فجورها وتقوٰها وصارت
تسمع بذلك القاء الملك والقاء
الشيطان. وهذا المقام خطر عظيم
صعب يحتاج فيه السالك الى
الملك ليخرج من ظلمة الشبهات
الى نور التجليات ويخشى عليه ان
غفل عن نفسه فى هذا المقام ان
يرجع الى سجين الطبيعة وهو المقام
الاول فينقطع ويرجع الى ما كان
عليه من الاوصاف الذميمة و
مخالطة الخلق وكثرة الاكل و
الشرب والنوم بل ربما يفسد

اس کام کے کرنے پر مجبور اور مضطر ہیں جسمیں وہ لگے ہوئے
لہذا تم کو کسی مخلوق پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں
ہے۔ اور اس نفس کی صفات میں سے رونا ہے اور
کسی کا رونا سنکر بلبلا جانا ہے۔ اسی طرح ذکر کو پسند
کرنا۔ اور چہرہ پر خدائی تعلق کی وجہ سے بشاشت اور
خوشی کے آثار کا ظاہر ہونا۔ اور حکمت اور معارف
کی باتوں کا زبان سے نکلنا ہے۔ اور مخلوق
سے دوری اور اعراض اور حق تعالیٰ کے ساتھ
وابستگی اور اشتغال اور صوتِ حسن کی جانب قلبی
کشش اور اسکو سنکر اسکی جانب زیادتی میلان
وغیرہ اور اسیطرح کی دیگر صفات حمیدہ یہ سب اس درجہ میں
نفس کی مرغوبات سے ہیں۔ اور اسکی کنجی کلمہ ھُوَ ہے اور
اس نفس کو مُلہمہ اسلئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو فجور اور
تقویٰ الہام فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ فَاَلْھَمَھَا
فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا جسکی وجہ سے یہ اِلقاءِ ملک اور اِلقاءِ شیطان کو
سنتا ہے۔ اور یہ مقام ایک نہایت ہی عظیم الشان مقام ہے اور
ایک سخت مرحلہ ہے اسمیں سالک کو ملک کی جانب احتیاج ہوتی
ہے تاکہ وہ اسکو شکوک و شبہات کی ظلمتوں سے تجلیات کے نور کیطرف نکالے
اور اُس پر اس امر کا اندیشہ کیا جاتا ہے کہ اگر اس مقام میں
اپنے نفس سے ذرا غافل ہوا تو اپنی طبیعت کے سجین کیجانب
لوٹ جائیگا جو کہ اس کا پہلا مقام تھا پس راہ سے منقطع
ہوجائیگا اور اوصاف ذمیمہ سے اتصاف۔ مخالطت خلق
کثرتِ اکل وشرب وکثرتِ نوم کے جس مقام
میں تھا اسی کی طرف واپس چلا جائیگا۔ بلکہ بسا اوقات تو

اعتقادہ والعیاذ باللہ تعالیٰ فیترک الطاعات ویرتکب المحرمات ویزعم انہ قطب موحد مکاشف بحقیقۃ الاشیاء وھو بعید عن ذلک و الواجب علی المرید وھو فی ھذا المقام الصعب متابعۃ الشیخ والتمسک بہ تمسک الاعمیٰ علی شاطئ النھر بالقائد وان سولت لہ نفسہ بانہ ارقیٰ منہ واکمل وانہ موحد والشیخ محجوب ویجب علیہ التوبۃ من ذلک واخبار الشیخ بجمیع ما ذکر لیداویہ بما یناسبہ من امور الحقیقۃ التی تخفیٰ علیہ ویجب علیہ متابعۃ الشریعۃ وملازمۃ الادب لان الطریق کلھا آداب وینبغی ان یکرہ نفسہ علی الاوراد ویقیدھا بقیود الطریقۃ وان عسر ذلک علیہ لانہ فی ھذا المقام مائل الی الاطلاق وخلع العذار وعدم المبالاۃ بشیٔ من الاشیاء والمقصود مخالفتھا الی ان تطمئن ویسکن اضطرابھا وذلک بالوصول الی المقام الرابع الذی ھو مقام الکمال ومتیٰ وصل السالک الیہ

یہ ہوگا کہ اسکا اعتقاد ہی فاسد ہو جائیگا (معاذ اللہ) پس طاعات ہی کو ترک کر دیگا اور معاصی و محرمات کا ارتکاب (کھلے بندوں) کریگا اور یہ سمجھے گا کہ میں مُوحد ہوں اور قطب ہوں، اشیاء کے حقائق مجھ پر منکشف ہوتے ہیں حالانکہ وہ ان امور سے کوسوں دُور ہوتا ہے لہذا مرید پر جبکہ وہ اس دشوار گذار مقام سے گذر رہا ہو اپنے شیخ کا اتباع بدرجۂ وجوب ضروری ہے۔ اور یہ کہ شیخ کے ساتھ اسطرح سے تمسک کرے جیسے اندھا اپنے رہبر کے ساتھ ساتھ نہر کے کنارے چلتا ہے۔ اگرچہ اس سالک کا نفس اسکے قلب میں یہ مزین کرے کہ تُو تُو اس سے کہیں زیادہ محتاط اور کامل ہے اور یہ کہ تُو موحد ہے اور شیخ محجوب ہے اور ایسے ان امور کیوجہ سے توبہ لازم ہے۔ اور یہ لازم ہے کہ اپنے شیخ کو ان تمام امور سے مطلع کرے تاکہ وہ جن حقائق سے مناسب سمجھے اسکا علاج کرے جو کہ اس سالک پر مخفی تھے۔ اور سالک پر شریعت کا اتباع اور آداب کی رعایت ضروری ہے اس لئے کہ طریق سراپا ادب ہی ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے نفس کو زبردستی اوراد کا پابند بنائے اور اسکو طریقت کی قید سے مقید کرے اگرچہ یہ اسپر کتنا ہی شاق کیوں نہ ہو اس لئے کہ وہ اس مقام میں آزادی چاہتا ہے اور بندش سے بھاگتا ہے اور کسی چیز کی بھی اسکو پرواہ اور اہتمام نہیں ہوتا۔ حالانکہ مقصود اسکی مخالفت کرنا ہے یہانتک کہ وہ (امارہ سے) مطمئنہ ہو جائے اور اسکی تیزی و طراری مبدل بسکون ہو جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ مقام رابع میں پہونچ جائے جو کہ مقام کمال ہے چنانچہ جب

خلص بعون الله تعالیٰ من جمیع
اٰفات النفس ومقتضیات البشریة

وعلی السالك ان لایلتفت
فی هذا المقام وکذا سائر المقامات
الیٰ مایلوح له من البوارق العلویة
لانها حجب وموانع واسباب
للانقطاع والعود الی سجین الطبیعة
ولیداوم علی الامور التی اوصلته
الیٰ ماهو من الانکشاف کالسهر و
الجوع والعزلة وقلة الکلام و
التمسك باذیال المرشد لیتم انکشافه
ویقوی انجذابه الی عالم القدس
ولیضعف منه جانب البشریة

والحاصل ان هذا المقام
مقام جامع للخیر والشر فان
غلب خیر النفس علی شرها
ترقت الی المقامات العلیّة و
ان غلب شرها علی خیرها
هبطت الیٰ سجین الطبیعة وعلامة
غلبة الخیر علی الشر ان تری
باطنك معموراً بالحقیقة الایمانیة
ای بان تکون محققا بان جمیع ما
فی الوجود وجار علی وفق ارادة

سالک اس مقام تک پہونچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و
سے اور ان کی مدد سے نفس کے جملہ آفات اور بشریت کے
تمام تقاضوں (نفسانی وشہوانی) سے وہ نکل جاتا ہے

اور سالک پر لازم ہے کہ وہ اس مقام میں بلکہ اپنے
دیگر تمام ہی مقامات میں اُن امور کی جانب اصلا التفات
نہ کرے جو اس کے لئے ظاہر ہوں جو کہ از قبیل بوارق علویہ
کے ہوں یعنی عالم بالا کی چمک اور روشنی وغیرہ اسلئے کہ
وہ سراسر حجاب اور موانع ہیں اور اسباب انقطاع سے
ہیں اور ایسے امور ہیں جو کہ سالک کو اس کی اصل طبیعت
کے جہنم میں واپس کر دینے والے ہیں۔ بلکہ اسکو چاہئے
کہ اپنے ان معمولات پر مداوم رہے جنھوں نے اسکو اس
انکشاف کی مقام تک پہونچایا ہے جیسے وہ ہے یعنی شب بیداری گرسنگی تنہائی
قلت کلام اور اپنے مرشد کے دامن کیساتھ وابستگی تاکہ اس
کا انکشاف تمام ہوجاوے اور عالم بالا کی جانب اسکا انجذاب قوی ہوجاوے اور بشریت کی جانب ضعیف ہوجائے

حاصل یہ کہ یہ مقام، خیر وشر کے اعتبار سے ایک جامع
مقام ہے۔ اگر نفس کا خیر اس کے شر پر غالب آگیا تو وہ
مقامات عالیہ اور درجات رفیعہ کی جانب ترقی کر جائے گا
اور اگر کہیں (خدا نخواستہ) اس کا شر اسکے خیر پر غالب
آگیا تو وہ طبیعت کے جہنم کے غار میں گر جائے گا باقی خیر
کے شر پر غالب ہونے کی علامت یہ ہے کہ تم اپنے باطن کو
حقیقت ایمانیہ سے بالکل معمور دیکھو یعنی تمہارے ایمان
اور تصدیق کا یہ حال ہوجائے کہ تم تصدیق کرنے والے ہو
کہ عالم میں جتنی چیزیں ہو رہی ہیں سب اللہ تعالیٰ کے ارادے
کے تحت ہو رہی ہیں اور اس کے تحت القدرة

الله تعالیٰ و مقدرۃ بقدرتہ و ظاہرک معموراً بالشریعۃ الاسلامیۃ بان تکون متلبساً بالطاعات مجتنباً جمیع الزلات سواء کنت بین الناس اوفی الخلوۃ - وعلامۃ غلبۃ الشر علی الخیر ان یقوی شھود الحقیقۃ الایمانیۃ علی السالک مع بقاء من بشریتہ ولایکون ظاہرہ معموراً بالشریعۃ فیترک الطاعات ویرتکب المعاصی۔

ہیں (یہ تو تمہارے باطن کا حال ہو) اور تمہارا ظاہر شریعت اسلامیہ کے احکام سے آراستہ ہو۔ بایں طور کہ تم طاعات اور عبادات کے ساتھ متلبس ہو اور ہر قسم کی زلات اور لغزشوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے والے ہو۔ خواہ مجمع میں رہو یا خلوت میں۔ اور (اسی طرح سے نفس کے) شر کے اسکے خیر پر غالب ہونے کی علامت یہ ہے کہ حقیقت ایمانیہ کا شہود تو سالک پر قوی ہو مگر اس میں اسکی بشریت کا بھی کچھ حصہ شامل ہو۔ اور اس کا ظاہر شریعت سے معمور نہ ہو۔ پس وہ طاعات کو بھی ترک کر دیتا ہو اور ارتکاب معاصی بھی کر لیتا ہو۔

(واعلم) ان رضاء الله تعالیٰ وتجلیاتہ لایصل شیٔ منھا للعبد الا من باب الطاعات وان سخطہ وطردہ وبعدہ لایصل للعبد الا من ابواب المعاصی والزلات - فقف علی ابواب الشریعۃ وقفۃ العبد الذلیل و اسئل مولاک کل ماتحتاج الیہ و استعن علی مطالبتک فی ھذا المقام بالاکثار من الذکر بالاسم الثالث تظھر انشاء الله تعالیٰ علی الھویۃ الساریۃ فی جمیع الموجودات -

جانو! کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی تجلیات کا جو بھی حصہ سالک کو ملتا ہے وہ طاعات کے راستہ سے ملتا ہے اور اس کی ناراضگی اور طرد و بُعد سے جو بندوں کو پہونچتا ہے تو وہ معاصی اور زلات کی راہ سے ہے۔

لہذا تم بس ابواب شریعت پر وقوف کرلو ایسا وقوف جیسے کوئی ذلیل عبد اپنے مالک کے در پر وقوف کئے رہتا ہے۔ اور اپنی جملہ حاجات اپنے پروردگار ہی سے طلب کرو اور اس مقام میں اپنے مقاصد کے پورا کرنے کے لئے اسم ثالث کے ذکر کی تکثیر سے مدد چاہو۔ جس کی وجہ سے انشاء اللہ تعالیٰ تم اُس ھویۃ پر غالب آجاؤ گے جو کہ تمام موجودات میں ساری اور جاری ہے۔

(واعلم) ان سوق النفس فی ھذا المقام بالعشق والھیمان والشوق الی الوصال والاجتماع بالاحبۃ وتذکرۃ

اور جان لو! کہ نفس کا اپنا سفر طے کرنا اس مقام میں جذبۂ عشق۔ جوش محبت۔ شوق وصال۔ احباب کی معیت لقاء محبوب کا تذکرہ اور اسکے کمالات سے لطف اندوزی

لقاء المحبوب والتمتع بكمال وجهه
فان هذه الاشياء تقوى السالك
على السير فان هذا المقام مقام
العاشقين المتلذذين بالذل و
الافتقار ومما يعينه ايضاً خلع العذار
والسعي على اسقاط حرمته من اعين الناس
بافعال جائزة شرعاً كحمل متاع بيته
على ظهره وطبق العجين على راسه و
نحو ذلك وهو يختلف باختلاف الناس
والمقصود ان لا يكون لهم به اعتناء
ولا له عندهم مقدار ولا قيمة
ولا ذكر۔

ومن ههنا يعلم الصادق
من الكاذب ومتى تخلع العذار
ماتت نفسه الشيطانية القاطعة عن
جناب الحق وحصل له خطاب
الروحانيين بامر ونهي او خبر
فلا يلتفت الى شيء منه فان
مقصود الجميع ان يشغلوه و
يلهوه عن مطلوبه

کے ذریعہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ تمام چیزیں سالک کو اس
کے سیر میں قوت بخشتی ہیں کیونکہ یہ مقام اہل عشق کا مقام
ہے جو کہ ذلت اور افتقار سے خوب متلذذ ہوتے ہیں۔
اسی طرح سے سالک کی اعانت ان سب امور سے بھی
ہوتی ہے جو اسکے مرتبہ کو گرادیں اور جائز افعال کے ذریعہ
لوگوں کی نظروں میں اپنی حرمت کو ساقط کرنے میں سعی کرنے
سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً اپنے گھر کا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر
لیجانا۔ اور آٹے کا طباق سر پر لیکر چلنا۔ باقی یہ چیزیں
سقوط ہمت کا سبب ہیں یا نہیں یہ اور لوگوں کے لحاظ سے
مختلف ہوتا ہے۔ اور مقصود ان سب سے یہ تھا کہ عام لوگوں
کو ان کی جانب کوئی خاص توجہ نہ ہوسکے اور ان کے نزدیک
انکی کچھ وقعت نہ سمجھی جائے اور نہ کوئی قدر و قیمت اور
ذکر و تذکرہ کیا جائے۔

اور اسی مقام میں صادق، کاذب سے ممتاز ہوتا ہے
اور جب سالک کے لئے اپنے مرتبہ کا ساقط کرنا تام ہوجاتا ہے
تو اب اس کا نفس شیطانی جو کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے پھیرنے
والا ہوتا ہے مُردہ ہوجاتا ہے اور اس کو روحانیین سے
شرف تکلم حاصل ہوجاتا ہے۔ اس کی جانب سے امر و نہی
ہوتی ہے اور خیر کی باتیں آتی ہیں۔ پس چاہئے کہ سالک
ان امور میں سے کسی جانب التفات نہ کرے اسلئے کہ ان
سب کا مقصود یہ ہے کہ اس کو مشغول کرلیں اور اپنے
مطلوب سے اسکو غافل کردیں۔

واذا لم يسمع شيئاً فهو احسن في حقه وهو دليل على صدق توجهه لخالقه وعدم تطلبه لذلك بسره وهذا استريح القلب من الفتن والمحن والوقوف عن الاكوان

اور اگر سالک کوئی آواز وغیرہ نہ سنے تو یہ اس کے حق میں بہت ہی اچھا ہے۔ اور اس بات کی دلیل ہے کہ اسکی توجہ اپنے خالق کی جانب خالص رہی ہے۔ اور اس نے اپنے قلب سے بھی ان امور کی خواہش نہیں کی۔ چنانچہ یہی وہ سالک ہے جس کو مستریح القلب (فارغ القلب) کہنا چاہئے یعنی اسکا قلب فتن، محن اور یہ کہ عالم میں کیا ہو رہا ہے، اس سے فارغ ہے (اور اپنے محبوب حقیقی کی یاد میں مشغول ہے)

الباب السابع في المقام الرابع الذي هو النفس المطمئنة وما تحتوي عليه من الكمال

ساتواں باب مقام رابع کے بیان میں کہ وہ نفس مطمئنہ اور اسکے کمالات ہیں

(فمن) صفاتها الجود والتوكل والعبادة والتذلل والرضاء والشكر والخشية واتباع الكتاب والسنة بحيث لا يخرج عن الامر التكليفي شبرا واحدًا — والفناء المطلق بالعبودية الصحيحة — وعلامة دخول السالك في هذا المقام ان يجتهد في الامر التكليفي۔ ويتخلق باخلاقه صلى الله تعالى عليه وسلم ولا يطمئن الا باتباع اقواله الصحيحة لان هذا المقام مقام التمكين وعين اليقين والايمان الكامل۔

وفي هذا المقام تلتذ بالسالك

پس اسکے صفات میں سے جود ہے، توکل ہے۔ عبادت اور تذلل ہے، رضا اور شکر ہے، خشیت ہے، اور اتباع کتاب وسنت ہے ایسے طریقہ سے کہ امور تکلیفیہ سے ایک بالشت ہی باہر نہ ہو۔

اسی طرح سے اسکی صفات میں سے ایک صفت عبودیت صحیحہ کے وظائف ادا کرکے فنا مطلق تک پہنچا ہے، اور سالک کے اس مقام میں داخل ہونیکی علامت یہ ہے کہ امور تکلیفیہ میں خوب کوشش کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہو جائے یہاں تک کہ بدون آپ کے اقوال صحیحہ کا اتباع کئے ہوئے اس کو چین نہ پڑے اس لئے کہ یہ مقام مقام تمکین ہے اور عین الیقین اور ایمان کامل کا مقام ہے۔

چنانچہ اس مقام میں سالک کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں

اعین الناظرین وتصغی لاقواله
مسامع السامعین حتی انه لو تکلم
طول الدهر لا یمل کلامه وذلك
لان لسانه یترجم عما القاه الله
فی قلبه من حقائق الاشیاء واسرار
الشریعة — فلا یتکلم کلمة الا
وهی مطابقة لما قال الله تعالیٰ و
رسوله من دون مطالعة فی
کتاب ولا سماع من احد وینادی
فی سره من قبل الله تعالیٰ
انا سرك ایها الحبیب و
انت سری فقر عینًا و
طب نفسًا وعند ذلك یطمئن
ما کان فیه من الاضطراب
ویغرق فی بحر الحیاء والآداب
ویلزم الخشیة والهیبة وتخلع علیه
خلع الوقار والقبول وتظهر له
حقیقة عالم الکون وعلم معنی
قوله کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ فیجب علی
السالك فی هذا المقام ان یجتمع
مع الخلق فی بعض الاوقات

لذت پاتی ہیں۔ اور ان کے کان اس کی باتوں کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر یہ سالک ساری عمر کلام کرتا رہے تب بھی لوگ اس کے کلام سے ملول نہوں اور یہ اس لئے کہ اس کی لسان ان اسرار شریعت اور حقائق کی ترجمان ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں القا فرماتے ہیں۔

پس یہ کوئی کلمہ زبان سے ایسا نہیں نکالتا جو کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق نہ ہو (بلکہ اللہ ورسول ہی کی باتیں کرتا ہے) اور اس کا سبب نہ تو کسی کتاب کا مطالعہ ہوتا ہے اور نہ کسی سے سننا ہوتا ہے، بلکہ اس کے باطن میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے آواز آتی رہتی ہے کہ اے میرے محبوب میں تیرا سر ہوں اور تو میرا سر ہے، پس اپنی آنکھ ٹھنڈا کر، اور اپنے جی کو خوش کر، اس وقت جاکر اس کے اضطراب کو سکون اور بیقراری کو قرار آتا ہے۔ اور اب وہ حیا اور آداب کے بحر میں غرق ہوجاتا ہے، اور اسکے لئے خشیت اور ہیبت لازم ہوجاتی ہے، اور اب اسکو وقار اور قبول خلق کی خلعت پہنادیجاتی ہے، اور عالم کون کی حقیقت اور آیت کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ کی حقیقی تفسیر اسپر منکشف ہوجاتی ہے۔ لہذا سالک پر اس مقام میں پہونچکر لازم ہے کہ اب وہ لوگوں کے ساتھ کبھی کبھی بیٹھا کرے

(قولہ فیجب علی السالک فی ہذا المقام ان یجتمع الخ) یعنی یہ جو کہا گیا کہ مقام پر پہونچ کر سالک پر واجب ہے کہ مخلوق کے ساتھ کچھ وقت نشست رکھے (تو شاید کہ اس سالک کے حق میں ہو کہ جس کے پاس اس کا شیخ موجود نہیں ہے، باقی اگر اپنا شیخ موجود ہو تو اسکے حکم اور اشارہ کا اتباع کرنا چاہئے یعنی وہ جو حکم دے وہی کرنا چاہئے۔

لیفیض علیهم بما انعم الله به علیه ویترجم لهم عما فی قلبه من الحکم ویحسن کما احسن الله تعالیٰ الیه

تاکہ ان پر بھی ان امور کا افاضہ کرے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام فرمایا ہے، اور اس کے قلب میں جو اسرار و حکم آتے ہیں ان سے بھی اسکی کچھ ترجمانی کیا کرے۔ یعنی جس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان فرمایا ہے، اسکو بھی چاہیے کہ اور لوگوں پر احسان کرے۔

ولیکن له وقت خلوة بینه وبین ربه لانه وهو فی هذا المقام فی ادنی درجات الکمال فلا تناسبه مخالطة الخلق فی جمیع الاوقات خوفا علیه من ان یحرم الترقی الی بقیة المقامات. فلیستعمل الحکمة فی الخلطة وعدمها فمهما کانت الفائدة فی الخلطة خالط او فی العزلة اعتزل

اور اس کے لئے اپنے رب کے ساتھ خلوت کا بھی ایک وقت ہونا چاہئے اس لئے کہ وہ اس مقام میں ہوتے ہوئے ابھی کمال کے ادنیٰ ہی درجہ میں ہے لہٰذا اسکے لئے مناسب نہیں کہ اپنا سارا وقت مخلوق سے اختلاط کی نذر کر دے کیونکہ اس سے اندیشہ ہے کہ وہ بقیہ دیگر مقامات کی جانب ترقی کرنے سے رہ جائے گا۔ پس اسکو چاہیے کہ اختلاط وعدم اختلاط میں حکمت سے کام لے یعنی جب اختلاط ہی میں نفع دیکھے تو اختلاط کرے، اور اگر عزلت میں فائدہ محسوس کرے تو عزلت اختیار کرے۔

وعلامة کون الفائدة فی الخلطة ان یستفید الحاضرون منه بما وهبه الله تعالیٰ من علم الصدور لا علم السطور و لا یغتر بما یظهر له من الکرامات بل یطلب من ربه ان لا یظهره علی شیئ منها لئلا تعلق بقلبه فتکون سبب بعده عن حضرة القرب التی لا یدخلها الا العبید الذین فنیت حظوظهم

باقی اس بات کی علامت کہ فائدہ اختلاط میں ہے یہ ہے کہ حاضرین کو اس سالک کے ان علوم وہبی سے نفع ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اسکے سینہ میں عطا فرمایا ہے (یعنی اس کے علوم صدری اور وہبی ہوں) سطوری یعنی ظاہری اور رسمی نہ ہوں۔ اس کے ہاتھوں پر جو کرامات ظاہر ہوں ان سے دھوکہ میں نہ پڑے بلکہ اپنے رب سے یہ دعا کرے کہ اس کے ہاتھ پر کوئی کرامت ظاہر نہ ہو تاکہ اس کا قلب اس سے متعلق نہ ہو اس لئے کہ یہ سبب بنجائیگا اللہ تعالیٰ سے بُعد کا، اور اسکے مقام قرب میں حضوری کے فوت ہوجانے کا، وہ مقام جسمیں وہی بندے داخل

وانقطعت شهواتهم حتى شهوة القرب

ولذلك ترى الكمّل اذا اظهره الله تعالىٰ علىٰ ايديهم شيئاً من الكرامات يتغافلون عنها ويندمون عليها ندمهم على المعصية بل يكرهون ظهور الكرامة اكثر من ظهور المعصية – وانّما قرة اعينهم العبودية المحضة فانّ عبودية مع استقامة خير من الف كشف وكرامة۔

واعلم انّ الكرامة امر عظيم في حد نفسها وانّما المذموم طلبها وتمنيها والميل اليها وتلك حظوظ تنافي العبودية التي هي شرط في دخول حضرة القرب

فافهم وتسلم

ولا تقف عند كون من الاكوان تفتتن ويكن حظك ذلك الكون بل اعرض عنه واطلب مكونه وان الى ربك المنتهى۔

وانّما اطلنا الكلام في ذلك لان صاحب المقام اعني الرابع

ہوتے ہیں جن کے حظوظ نفس فنا ہو چکے ہوتے ہیں، اور جنکی سب خواہشیں مٹ چکی ہوتی ہیں یہاں تک کہ قرب کی خواہش بھی ان میں باقی نہیں رہجاتی۔

اسی لئے تم کاملین کو دیکھو گے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر کوئی کرامت ظاہر فرماتے ہیں تو وہ اس سے چشم پوشی اختیار کرتے ہیں بلکہ اس پر اسطرح سے شرمندہ ہوتے ہیں جیسے ان سے کسی گناہ کا صدور ہوگیا ہو، اور اس کے اظہار کو اتنا برا سمجھتے ہیں جتنا کہ کسی گناہ کے ظہور کو۔

انکی آنکھوں کی ٹھنڈک تو بس اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی خالص بندگی اور عبودیت کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کا کہنا ہی یہ ہے کہ وہ عبودیت جسمیں استقامت ہو، وہ ہزاروں ہزار کشف وکرامت سے بڑھکر ہے،

جانو! کہ کرامت فی نفسہ بہت عظیم الشان چیز ہے باقی مذموم جو شئی ہے وہ اس کا طلب کرنا، اور اسکی تمنا اور اسکی جانب نفس کا مائل ہونا ہے، یہ سب خواہشات نفسانی ہیں جو کہ اس عبودیت کے منافی ہیں جو مقام قرب میں داخل ہونیکی شرائط میں سے ہے، اس بات کو جس قدر سمجھ لوگے سلامتی کے ساتھ رہوگے۔

اور یہ یاد رکھو کہ عالم کی کسی چیز پر وقوف اور فنائیت نہ کرلینا ورنہ فتنہ میں پڑجاؤگے اور اس وقت تمہارا حصہ وہی کون (یعنی دنیوی چیز) رہجائیگا۔ بلکہ تم اس سے ہٹ کر اس کے مکوّن کے طالب ہونا، اور یہ خوب سمجھ لو کہ سب کو تمہارے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے۔ ہم نے کلام کو ولایت وکرامت کے بارے میں قصداً طویل کیا ہے اس لئے کہ

يغلب عليه حب الكرامات والميل اليها وذلك حجاب عن الله سبحانه وتعالیٰ۔

(ثم اعلم) انك وانت في هذا المقام تميل الى الاوراد والادعية وتحب حضرة المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیه وعلى آله وصحبه وسلم محبة غير المحبة التي كنت عليها قبل هذا المقام ۔ ثم اياك ان تقول قد بلغت مقام الكمال وخلصت من نفسي فنأمن شرها وتغفل عن كيدها فالعدو لا ينبغي ان يغفل عنه وان صار صديقاً۔

وقد يعرض لك في هذا المقام حب الرياسة والشهرة والتعرض للمشيخة والارشاد فلا تتعرض لشيء من ذلك لنفسك وتباعد عنه الا اذا البسك الله تعالیٰ ثوب المشيخة وحلاك بحلية القبول من غير سعي منك فقم حينئذٍ فيها بامر الله تعالیٰ لا بنفسك وكن مع مراد الله تعالیٰ واختياره لا مع مرادك واختيارك

وعلامة اقامة الحق سبحانه

اس مقام (یعنی مقام رابع) والے پر کرامت کی محبت اور اسکی جانب میلان زیادہ پایا جاتا ہے حالانکہ یہ چیزیں سالک کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ سے حجاب ہیں۔

پھر یہ جان لو کہ تم جب اس مقام پر پہونچوگے، تو تمہارا میلان اوراد اور ادعیہ کی جانب ہوگا. اور اب تمہارے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس مقام کی محبت سے مختلف ہوگی جس پر تم اس سے قبل رہ چکے ہو

اور دیکھو! خبردار اس مقام پر پہونچکر دعوائے کمال نہ کرنا، اور یہ نہ سمجھنا کہ میں کامل ہوگیا ہوں، اور نفس سے چھوٹ گیا ہوں. کیونکہ اس وقت تو تم نفس کے شر سے مامون ہوجاؤگے اور اس کے کید سے مطمئن وغافل حالانکہ دشمن سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے. اگرچہ وہ دوست ہی کیوں نہ ہوجائے۔

اور اس مقام پر کبھی حُبِ ریاست، شہرت اور اپنے آپ کو مشیخت اور ارشاد کے مقام میں ظاہر کرنے کا داعیہ بھی پیدا ہوجاتا ہے، تو ان میں سے کسی چیز کو اپنے نفس کے لئے مت تجویز کرلینا بلکہ اس سے بہت دور رہنا، ہاں جب اللہ تعالیٰ ہی تم کو مشیخت کا لباس پہنائیں، اور حلیۂ قبول سے آراستہ فرمائیں جسمیں تمہارا کوئی دخل نہ ہو، تو پھر اللہ کے حکم سے کام کے لئے کھڑے ہوجاؤ، اپنے نفس کے لئے نہیں، اور جو کچھ کرو اللہ تعالیٰ کی مراد سمجھ کر اور اللہ تعالیٰ کے اختیار سے کرو نہ کہ اپنی مراد اور اپنا اختیار سمجھتے ہوئے۔

اور علامت اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو

وتعالیٰ ایاك فی مقام الارشاد ان تکون محبا لجمیع اخوانك وهم مطیعون لامرك ونهیك وانك لاتجد لك علیهم تمیزاً ولاسلطنة ولا فخراً بل تریٰ انهم متفضلون علیك وانهم خیر منك۔ فاذا کنتَ مع اخوانك هکذا فینبغی لك ان تخبر مرشدك بذلك لیأذن لك فی تلقین الذکر واخذ العهود وحینئذٍ تظهر لاخوانك وترشدهم برفق وذل وانکسار وخفض جناح وافتقار مشاهداً المنة لهم علیك ومن شاهدت المنة لك علیهم۔

فاعلم انك لستَ من خیالة هذا المیدان فاترك المشیخة وفارق الاخوان واسع فی خلاص نفسك مما بقی علیها من الاکدار فانه الاهم۔

ومن وجدت مرشداً اعلیٰ منك فسلم المشیخة له واشکر الله تعالیٰ الذی اراحك۔

(واعلم) انك اذا اتممت المقام الرابع واطمأنت نفسك

مقام ارشاد پر فائز فرمادیا ہے، یہ ہے کہ تم اپنے سب بھائیوں کی نظروں میں محبوب ہوجاؤ، اور وہ سب کے سب تمہارے امرونہی کے مطیع ہوجائیں باایں ہمہ تم اپنے لئے ان پر کوئی امتیاز اور فوقیت، فخر وسلطنت نہ دیکھنا بلکہ یہی سمجھنا کہ وہی سب لوگ تم سے افضل ہیں۔

پس جب تم اپنے بھائیوں کے ساتھ ایسے ہوجاؤ تو تم کو چاہیئے کہ اپنے مرشد کو اس کی اطلاع دو تاکہ وہ تم کو تلقین ذکر کی اور بیعت کرنے کی اجازت دیدے

پھر جب تم کو شیخ کی جانب سے اجازت ہوجائے تو اپنے بھائیوں کی خدمت کے لئے سامنے آجاؤ اور انکو نرمی کے ساتھ، عاجزی وانکساری کے ساتھ اور اپنی جانب کو پست کرکے اور سراپا احتیاج بنکر انکی رہنمائی کرو اور یہ سمجھو کہ یہ لوگ جو تمہارے پاس آئے ہیں تو ان کا احسان ہے، اور اگر تمہاری نظروں میں کہیں یہ بات آئی کہ تم ان کے محسن ہو تو پھر سمجھ لو کہ تم اس میدان کے شہ سوار نہیں ہو، لہٰذا مشیخت کو ترک کرو اور دوستوں کو چھوڑو، اور اپنے نفس کو اور اسکی بقیہ بداخلاقیوں کی گندگیوں سے نکالنے میں سعی کرو اس لئے کہ وہی تمہارے حق میں اہم ہے۔

اور پھر جب کسی مرشد کو پاؤ جو تم سے مرتبہ میں زیادہ ہو تو اسکی مشیخت کو تسلیم کرو، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو بڑی ذمہ داری سے راحت دیدی۔

اور یہ جان لو! کہ جب تم (اس) مقام رابع کو طے کرلوگے تو تمہارے نفس میں ایک رحمانی سکون پیدا

طمانينة رحمانية وما زلت قدمك
عن اتباع الكتاب والسنة ولا
قدر شعرة بل مازج الشرع و
الاتباع لحمك ودمك جذبتك
يد الالطاف جذبة الكمال وهي
غير الجذبة الأولى التي هي في
اول السلوك ونودي على نفسك
بلسان سر السر يا ايتها النفس
المطمئنة ارجعي الى ربك راضية
مرضية فيعتريك حينئذ النسيان
فلا تدرك شيئا من امور الدنيا
والآخرة الا اذا كان حاضرا
عندك ومتى غاب عنك غبت
عنه وذلك لان قلبك حينئذ

ہو جائے گا، اور اب تمہارا قدم جادۂ شریعت سے نہیں
ڈگے گا، تم کتاب وسنت کا اتباع کروگے، اور اس سے
بال برابر نہیں ہٹوگے بلکہ شریعت اور اتباع تمہارے
گوشت اور خون میں سرایت کرجائے گی۔ اسوقت
تم کو الطاف الٰہیہ کا ہاتھ پوری طرح سے جذب کرلیگا
(اور یہی یُحبِبکُمُ اللّٰہُ ہے) اور یہ جذب پہلے جذب
کے جو کہ اول سلوک میں پیش آتا تھا مغائر ہوگا (اسلئے کہ
یہ اتباع کے بعد ہوا ہے، اور وہ اتباع سے قبل کا ہے)
اور تمہارے نفس میں سر السر کی لسان سے یہ ندا دیجائیگی
کہ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ
مرضیۃ پس تم پر اس وقت ایک خاص قسم کا نسیان
طاری ہوجائے گا جس کی وجہ سے تم دنیا وآخرت کی کسی
چیز کا ادراک ہی نہ کرسکوگے بجز اس وقت کے جب کہ
وہ تمہارے سامنے موجود ہو، اور جہاں نظروں

(قولہ سر السر الخ) کتاب السیر والسلوک میں جو کہ سیدی قاسم الخانی الحلبی کی تصنیف ہے، یہ لکھا ہے کہ جانو کہ یہ جوہر جس کا نام نفس ناطقہ، قلب، لطیفۂ انسانیہ اور حقیقت انسان ہے جو کہ اشیاء عالم کا ادراک کرنیوالا ہے اور اوامر ونواہی الٰہیہ کا مخاطب ہے اس جوہر کے لئے ایک مرکب ظاہر ہے جس کا نام نفس شہوانیہ ہے، اور ایک مرکب باطن ہے، جس کا نام روح ہے، اور پھر باطن کے لئے بھی ایک باطن ہے جس کو سِر کہا جاتا ہے۔ اور پھر اس سر کے لئے بھی ایک باطن ہے جسکو سر السر کہا جاتا ہے، اور پھر اس سر السر کے لئے بھی ایک باطن ہے جس کو خفاء کہا جاتا ہے، اور اس خفاء کے لئے بھی ایک باطن ہے جس کو اخفیٰ کہا جاتا ہے۔ اور کسی شئی کا باطن اسکی حقیقت اور اسکے مادہ کو کہا جاتا ہے اور ہم تمہارے لئے اس کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ دیکھو مثلاً ایک تخت ہے (جس کے لئے ایک ظاہر ہے، اور ایک باطن، ظاہر تو اس کا وہی اسکی شکل اور صورت اور ہیئت ہے مگر) باطن اس کا لکڑیوں کے چند ٹکڑے ہیں۔ پھر ان لکڑیوں کے ٹکڑوں کی بھی ایک حقیقت یعنی باطن ہے، اور وہ درخت ہے اور درخت کے لئے بھی ایک باطن ہے، اور وہ عناصر اربعہ ہیں (امید کہ اس مثال سے یہ بیان تمہاری سمجھ

صفحہ ۲۵۸ پر ملاحظہ ہو

لا یفتر عن مشاهدة جمال الحق و
جلاله ۔ (واعلم) ان ذلک
قلیل من کثیر بالنسبة لما سیظهر
الحق سبحانه وتعالیٰ علیه فی
المقامات التی بعد هذا المقام
فداوم علی الاکثار من
ذکر الاسم الرابع حتی
ینقلک الله تعالیٰ للمقام الخامس
وفیه تری العجائب ۔

وہ غائب ہوئی اور تم اس سے غائب ہوئے، اور یہ اسلئے کہ تمہارا قلب اسوقت جمال حق کے مشاہدہ میں علی الدوام مشغول ہو جائیگا، نہ اس سے تھکے گا نہ اسکو سیری ہی حاصل ہو گی ۔ اور یہ سمجھ رکھو کہ سالک کو اس مقام میں جو کچھ حاصل ہوتا ہے، وہ بہت ہی اقل قلیل ہوتا ہے اسکے مقابلہ میں جو اللہ تعالیٰ سبحانہٗ آئندہ مقامات میں اسکو مرحمت فرمادیں گے ۔ لہذا اسم رابع کے کثرت ذکر پر مداوم رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی تم کو اس مقام سے مقام خامس کی جانب منتقل فرمادیں ۔ پس اسمیں تم عجائبات کا تماشا دیکھو گے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۷) میں آگیا ہوگا) پس اس تحقیق کو خوب اچھی طرح سے ذہن نشین کر لو اور سمجھ لو کیونکہ اس کتاب کے علاوہ یہ تمہیں اور کہیں نہیں ملیگی ۔ پس یہ جوہر جو کہ ایک لطیفۂ ربانی ہے ہمارے اس قلب کے ساتھ جو کہ صنوبری الشکل ہے، اس طریقہ سے قائم ہے جس طرح سے کہ بینائی کا قیام پتلی کیساتھ ہوتا ہے ۔ اور اسی کی وجہ سے انسان جملہ حیوانات سے ممتاز متصور ہوتا ہے ۔ چنانچہ جس وقت یہی جوہر غایت درجہ لطیف اور خفی ہو جاتا ہے تو اس کا نام اخفیٰ رکھا جاتا ہے ۔ اور جب اس سے ایک درجہ گھٹ جاتا ہے اسکی لطافت میں قدرے تکاثف آجاتا ہے تو اس کا نام خفی ہو جاتا ہے اور جب اس سے ایک درجہ اور گھٹ جاتا ہے، اور اسکا تکاثف پہلے سے زیادہ قوی ہو جاتا ہے، تو اسکا نام سرّ السّر رکھا جاتا ہے ۔ اسی طرح سے جب اسکی لطافت اور کم ہو جاتی ہے تو اس کا نام روح اور جب اور کم ہو جاتی ہے تو اس کا نام قلب اور نفس ناطقہ رکھا جاتا ہے پھر اگر اس سے ایک درجہ اور کم ہو جائے، تو وہ نفس امّارہ کہلاتا ہے (انتہیٰ)

(قولہ مشاهدة جمال الحق الخ) یہ جو کہا گیا کہ اس وقت تمہارا قلب جمال حق کے مشاہدہ سے سیر نہ ہوگا تو مشاہدہ سے یہ مراد ہے کہ جو چیزیں موجود ہیں ان کے ذرّات میں سے ہر ذرّہ میں سالک حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو دیکھے اور ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی لحاظ رہے کہ جو امور حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کے شایان شان نہیں ہیں مثلاً حلول وغیرہ تو اس کو ان سے پاک جانے ۔

باقی یہ ضرور ہے کہ یہ مشاہدہ ایک ذوقی چیز ہے بالکل ایسا جیسے کہ تم کسی انسان کی تحریر کو دیکھو تو تمہارے قلب میں کاتب کی تصویر آجائے (یہی وہ مضمون ہے جسے عارف شیرازی نے یوں فرمایا ہے ۔ ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار   ہر ورقے دفترے ست معرفت کردگار

یعنی عارف کی نگاہ میں ہرے بھرے درخت کا ہر ہر پتہ حق تعالیٰ کی معرفت کے لئے بمنزلہ دفتر کے ہوتا ہے)

الباب الثامن فی المقام الخامس الذی هو النفس الراضیة ومحاسنها وکمالاتها

(فمنها) الزهد والورع والاخلاص والریاضة والوفاء والنسیان لکل شئ ماسوی الله تعالیٰ والرضاء بکل ما یقع فی الوجود من غیر انزعاج قلب ولا توجه برفع المکروه ولا اعتراض اصلاً وذلک انه مستغرق فی شهود الجمال المطلق ولا تحجبه هذه الحالة عن النصیحة للخلق وامرهم ونهیهم ولا یسمع احد کلامه الا وینتفع به وقلبه مشغول بعالم اللاهوت وصاحب هذا المقام غریق فی بحر الادب مع الله تعالیٰ ودعوته لا ترد الا انه لا ینطق لسانه بالسوال حیاءً وادباً ولا یسئال الا اذا اضطر اضطراراً کلیاً۔ وهو عزیز عند الخلق محترم عند الاکابر والاصاغر لانه قد نودی علیه من حضرة القرب "اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ"۔ فصار تعظیم الخلق له امراً نهریاً لا یعلمون لماذا یعظمونه و یحترمونه۔

آٹھواں باب پانچویں مقام کے بیان میں جس کا نام نفس راضیہ ہے اور اس کے محاسن اور کمالات کے بیان میں

نفس راضیہ کے کمالات میں سے زہد ہے، ورع ہے، اخلاص ہے، ریاضت ہے، وفا ہے اور تمام ماسوی اللہ کا بھول جانا ہے اور جو امور در پیش ہوں ان پر دل سے راضی رہنا ہے بدون اسکے کہ قلب میں کچھ تنگی پیدا ہو۔ اور بدون اسکے کہ دفع مکروہ کا کچھ بھی دل میں خیال آوے اور اعتراض کی تو بھلا کیا مجال ہے۔

اور یہ اس لئے کہ اس مرتبہ میں پہونچکر سالک جمال مطلق کے شہود میں غرق ہو جاتا ہے۔ مگر یہ حالت خلق کی نصیحت سے اور ان کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے سے مانع نہیں ہوتی اور کوئی شخص ایسا نہیں ہوتا کہ جو اسکے کلام سے متاثر اور منتفع نہ ہوتا ہو اور اس کا قلب عالم لاہوت کیطرف مشغول رہتا ہے

اور اس مقام پر پہونچکر سالک اللہ تعالیٰ کے آداب کے بحر میں غرق ہو جاتا ہے اور اسکی دعا رد نہیں ہوتی (یعنی وہ مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے) مگر یہ کہ وہ زبان سے کوئی سوال محض حیا اور ادب کے خیال سے نہیں کرتا۔ اور سوال بھی جو کرتا ہے تو اس وقت جبکہ کلی طور پر مضطر ہو جاتا ہے۔ اور یہ شخص خلق کے نزدیک معزز اور ہر چھوٹے بڑے کی نظروں میں محترم ہو جاتا ہے اسلئے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ قرب سے اس کیلئے یہ اعلان ہو چکا ہوتا ہے کہ تم آج کے دن ہمارے نزدیک بڑے معزز اور معتبر ہو۔ پس تعظیم خلق تو اسکے لئے بمنزلہ شاہی حکم کے ہو جاتی ہے یعنی لوگ اسکی تعظیم پر مجبور ہوتے ہیں مگر

فينبغي له ان لا يركن اليهم
خصوصًا الظالمين منهم لئلا تمسه نار
طبائعهم خصوصًا اذا احسنوا اليه و
كانوا فقيرًا فان القلوب جبلت على حب
من احسن اليها وليتمسك بقوله تعالى
وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ
النَّارُ وكلما اعرض عنهم اقبلوا عليه و
ما قسمه الله تعالى على ايديهم فهو جار
بالتهو منهم ويكون في اقبالهم وادبارهم
على حد سواء لا يكره ذلك ولا يتمنى
هذا لئلا يكون في شئ من ذلك دسيسة
نفسية وهو وان كان لا يخاف عليه
من دسائس النفس في هذا المقام
الا ان الحذر اولى

یہ نہیں جانتے کہ کیوں اسکی تعظیم اور احترام کر رہے ہیں۔
لہذا (جب مخلوق کا یہ معاملہ دیکھے تو) اسکو چاہیے کہ انکی جانب اصلاً التفات نہ کرے بالخصوص انمیں سے جو اہل جور ہیں انکی طرف تو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے تاکہ انکی طبیعت کی آگ اسکو نہ پہونچ جائے۔ خاصکر اسوقت تو ان سے احتراز اور زیادہ ضروری ہے جبکہ یہ سالک غریب اور نادار ہو اور وہ لوگ اسپر کچھ احسان بھی کر چکے ہوں اس لیے کہ اپنے محسن کا شکر گزار ہونا اور اس سے محبت کرنا تو انسانی فطرت ہے، اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرے کہ فرمایا کہ "مت مائل ہو ان لوگوں کی طرف جو ظالم ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کو بھی نار جہنم پکڑلے"۔ اور جس قدر کہ ان لوگوں سے اعراض کریگا وہ لوگ اسکی جانب متوجہ ہوں گے اور جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے انکے ہاتھوں پر اسکا حصہ مقرر کر رکھا ہوگا وہ تو خواہی نخواہی مل کر رہیگا (پھر انکی جانب میلان کی حاجت ہی کیا ہے)

اور چاہیے کہ سالک اہل دنیا کی جانب توجہ کرنے میں اور ان سے اعراض کرنے میں حد اعتدال پر ہو یعنی نہ اسکو برا جانے اور نہ اسکی تمنا کرے تاکہ اس کے اس میلان یا اعراض میں کوئی نفسانی دسیسہ نہ شامل ہو جائے۔ اور یہ شخص اگرچہ ایسے مقام میں ہے کہ جسمیں اس پر دسائس نفس میں ابتلاء کا خطرہ نہیں ہے تاہم احتیاط بہر حال مناسب ہے۔

وليكثر من ذكر الاسم الخامس

اور سالک کو چاہیے کہ اس مقام میں اسم خامس یعنی حیّ

وهو حتى لیزول فناؤه[1] فان هذا المقام
مقام الفناء بالاکثار من ذکر اسمه تعالیٰ

کا ذکر کثرت سے کرے تاکہ اس کا فنا زائل ہو جائے اس لئے کہ
یہ مقام مقام فنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسم حق کے بکثیر ذکر کرے

---

[1] (قوله لیزول فناءه) فنا جسے حق الیقین بھی کہا جاتا ہے۔ وہ صفات حق میں صفات عبد کے فنار ہوجانے کا اور حق کے ساتھ نفس کے بقار کا نام ہے اور بقار بھی ایسی جو کہ علمی شہودی اور حالی ہو فقط علمی نہ ہو۔

مثال اسکی یہ ہے کہ دیکھو ہر عاقل موت کو علم الیقین کے طور پر جانتا ہے۔ لیکن جب وہ موت کے فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے تو اسے اس کا عین الیقین ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب خود اسپر موت طاری ہونے لگتی ہے یعنی اس کا مزہ چکھنے لگ جاتا ہے اسوقت اسکو اس کا یقین حق الیقین کے درجہ میں ہو جاتا ہے۔ پس فنار اسی ذوق یعنی چکھنے کا نام ہے۔

اور مشائخ نے اس کے لئے ایک اور مثال بیان فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ کوئلہ کا ایک ٹکڑا جبکہ اس پر آگ کی روشنی پڑے تو اسکی وجہ سے وہ چمک اٹھتا ہے تو اگر یہ روشنی آگ کی اولاً دیوار وغیرہ پر پڑے اور اسپر سے پلٹ کر کوئلہ پر آوے جس کی وجہ سے کوئلہ میں بھی ایک گونہ روشنی آجاوے تو یہ مثال ہے علم الیقین کی۔ اور اگر آگ کی روشنی کوئلہ پر محض آگ کے بالمقابل ہونے کی وجہ سے پڑے بایں طور کہ کوئلہ اور آگ کے درمیان کوئی حجاب اور واسطہ نہ ہو تو یہ مثال ہے عین الیقین کی۔ اور اگر وہی کوئلہ آگ سے اتصال کی وجہ سے خود مشتعل ہو جائے اور اسمیں آگ کی حرارت اور اس جیسی روشنی آجائے اور اسکے ذاتی اوصاف نار کے اوصاف میں فنا ہو جائیں بایں طور کہ اسکی ذاتی ظلمت مبدل بہ نور نار ہو جائے تو یہ مثال ہے حق الیقین کی جسے یہ حضرات فنار سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

پس وہ چیز جو کہ بندے سے فنار ہوتی ہے وہ اسکی صفات ہیں نہ کہ ذات۔ اس لئے کہ ذات کا فنا تو خلاف واقع ہے۔ اور اس کا اعتقاد صریح گمراہی ہے۔ اگرچہ اصحاب شطح سے ایسی چیزیں صادر ہوئی ہیں جن سے فنار ذات ہی کا گمان ہوتا ہے۔ مگر وہ شطحیات ہیں۔

حاصل یہ کہ اس قوم کے جملہ علوم ذوقیہ ہیں۔ عبارت والفاظ ان کے سمجھانے سے قاصر ہیں۔ بس جس نے چکھا اسی نے جانا (انتهى من السير والسلوك بتصرف)

الحی یحصل لہ البقا بالحی فیحیا حیاۃً طیبۃً
فی الدنیا والاٰخرۃ وبعد الموت فان
ھٰذا الاسم یشابہ ماء الحیاۃ واذا
زال فناءہ دخل فی المقام السادس و
ترقی من الباب الی منازل الاحباب
واتصف بالصفات الکمالیۃ وھی
خلعۃ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و
بصرہ الذی یبصر بہ المعبر عنہ
بقرب النوافل۔

ثمّ لابدّ لصاحب ھٰذا المقام من
اسماء یذکر بھا تسمّٰی بالفروع وھی
الوھّاب بیاء النداء مع الاسم الخامس
لیسھل علیہ الانتقال الی المقام السادس
الذی ھو الیہ فی غایۃ الاحتیاج و
کما ان مفتاح ھذا المقام اسمہ تعالٰی
حی فمفتاح ھذا الاسم ان تذکر بالاسم
الاوّل وھو لا اِلٰہ الا اللہ قبلہ من
مائۃ الی ثلاث مائۃ وفی ذلک سرٌّ
بدیعٌ یعرفہ اھلہ ونحن قد اخذنا
عن استاذنا ان نذکر قبل کل اسم بالاسم
او الاسماء التی قبلہ مائۃ مائۃ ولابد

اسے حی کے ساتھ بقاء حاصل ہو جائیگی۔ پس اسکو دنیا اور آخرت
میں اور موت کے بعد غرض ہر حالت میں حیات طیبہ کے
ساتھ زندگی نصیب ہو جائیگی اس لئے کہ یہ اسم مشابہ ہے
ماء حیات کے۔ اور جب سالک سے اسکی فناء زائل ہو جائیگی
تو وہ مقام سادس میں داخل ہو جائیگا۔ اور اب وہ باب سے
منازل احباب کی جانب ترقی کر جائیگا اور صفات کمالیہ
کے ساتھ متصف ہو جائیگا۔ یعنی اب وہ کنتُ سمعہ الذی
یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ جس کی دوسری تعبیر
قرب نوافل ہے، اسکے خلعت سے نوازا جائیگا۔

پھر اس مقام والے کے لئے بعض اسماء کے ساتھ
ذکر کرنے کی ضرورت ہے جو کہ فروع کہلاتے ہیں اور وہ
الوہاب الفتاح الواحد الاحد اور الصمد ہے۔ پس چاہئے
کہ سالک اللہ تعالیٰ کے اسم الوہاب سے پہلے یا ندائیہ لگا کر
اسم خامس کے ساتھ اس کا ذکر کرے تاکہ اسے مقام سادس
کی جانب انتقال آسان ہو جائے جس کا یہ بہت زیادہ محتاج
ہے۔ اور جس طرح سے کہ اس مقام کی مفتاح اللہ تعالیٰ کا
اسم حی تھا پس مفتاح اس اسم کا یہ ہے کہ تم اسکے ذکر سے
پہلے اسم اول یعنی لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ایک سَو سے لے کر
تین سَو تک کرو۔ اور اسمیں کچھ عجیب وغریب بھید ہے
جسے اہل اللہ جانتے ہیں۔ اور ہم نے تو اپنے استاذ سے یہ
سیکھا ہے کہ ہر اسم کے ذکر سے پہلے اس سے پہلے والے ایک

لذلک من سرٍّ ایضاً

الباب التاسع فی المقام السادس فی النفس المرضیة وعجائبها وکمالاتها وما تحتوی علیه من الحظ الوافر فی المحبة الکاملة

فمن کمالاتها التی لا تحصٰی حسن الخلق وترک ما سوی اللّٰہ تعالیٰ واللطف بالخلق وحملهم علی الصلاح والصفح عن ذنوبهم وحبهم والمیل الیهم لاخراجهم من ظلمات طبائعهم لا کالمیل الذی فی النفس الامارة لانه لا یکون الا لعلة ـــ ومن عجائبها انها تجمع بین حب الخلق والخالق وهٰذا شیءٌ عجیبٌ لا یتیسّر الا لاصحاب هذا المقام ولذلک کان السالک فی هذا المقام لا یتمیز عن عوام الخلق بحسب ظاهره

واما بحسب باطنه فهو معدن الاسرار وقدوة الاخیار لیس فی شهوده شیءٌ من الاغیار من حیث هی اغیار وهو دائرة العلم اللدنی وسمیت هذه النفس بالمرضیة لان الحق

اسم یا جملہ اسماء کا ذکر سو سو بار کر لیا کرے۔ اور اسمیں بھی خاص تاثیر

(نواں باب مقام سادس میں ہے جسمیں کہ نفس مرضیہ اور اسکے عجائبات اور کمالات کا نیز بہت سے ان امور کا جن پر یہ مقام مشتمل ہے بیان ہے، اور محبت کاملہ کی بھی اسمیں قدرے تفصیل ہے)

چنانچہ نفس مرضیہ کے کمالات میں جو یوں تو بیشمار ہیں ایک حسن خلق ہے اور ترک ماسوی اللہ ہے، اور مخلوق کے ساتھ لطف اور مہربانی کے ساتھ پیش آنا ہے۔ اور انکو نیکی اور صلاح پر ابھارنا ہے اور انکی خطاؤں سے درگذر کرنا ہے۔ اور ان کی جانب میلان اور ان سے اسلئے محبت کرنا ہے کہ انکو ان کی طبیعت کی ظلمتوں سے نکالے۔ نہ ایسا رجحان اور میلان جیسا کہ نفس امارہ میں ہوکرتا ہے کیونکہ وہ تو کسی نفسانی غرض کے تحت ہوا کرتا ہے۔ اور اس نفس کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ تم حبِ خلق اور حبِ خالق کے جامع ہوگے۔ اور یہ حال عجیب وغریب ہے جو کہ اسی مقام والوں کیلئے حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ سالک جب اس مقام میں ہوتا ہے تو اسمیں اور عام مخلوق میں ظاہری اعتبار سے تمیز مشکل ہوجاتی ہے۔

اور رہا باطن کا معاملہ تو اسکے اعتبار سے تو یہ سالک اسرار الٰہیہ کا معدن اور اخیار امت کا پیشوا ہوتا ہے۔ اسکے سامنے اغیار میں سے کوئی شئی اغیار ہونیکی حیثیت سے باقی نہیں رہجاتی۔ اور اس مقام میں پہونچکر وہ علم لدنی کا احاطہ کرنیوالا ہوجاتا ہے۔ اور اس نفس کو مرضیہ اسلئے کہا جاتا ہے

تعالیٰ قد رضی عنہا۔

ومن صفات السالک فی هذا المقام الوفاء بما وعد ولا یمکن ان یخلف وعده اصلاً ووضع کل شیٔ فی موضعه فینفق الکثیر اذا صادف محله حتی یظن المجهول انه اسرف ویبخل بالقلیل اذا لم یصادف محله حتی یظن انه بخیل۔

ولا یزداد مادحه اذا لم یکن اهلاً للاعطاء الا تعباً واذا کان ذا محل للاعطاء فلا یمنعه حقه لاجل ذمه۔ وهذه احوال الکاملین ارباب القلوب۔

کہ حق تعالیٰ اس سے راضی ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ اس مقام میں پہونچکر سالک جن صفات کا حامل ہوتا ہے، انہیں سے ایک یہ ہے کہ جو وعدہ وہ کرتا ہے اس کا ایفاء کرتا ہے۔ یعنی ایفاء وعدہ اسکی خو اور طینت بن جاتی ہے کہ اب وہ اسکے تخلف پر قادر نہیں ہوتا۔

اسی طرح سے ایک صفت اسمیں یہ پیدا ہوجاتی ہے کہ اسکو ہر شئی کو اسکے محل اور مقام پر رکھنے کی عادت ہوجاتی ہے۔ یعنی اسکی طبیعت میں ایک نظم اور انتظام پیدا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ موقع اور محل پاجانے پر کثیر سے کثیر رقم بھی خرچ کردینے میں اسکو باک نہیں ہوتا یہانتک کہ جو لوگ کہ اسکے حال سے ناواقف ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص مسرف ہے۔ اور اگر مصرف اور محل نہو تو پھر قلیل رقم بھی خرچ کرنا اسپر بار ہوگا جسکی وجہ سے اسکے متعلق یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ نہایت ہی بخیل آدمی ہے۔ اسی طرح سے جو شخص اسکی مدح وغیرہ کرتا ہے (اور مقصود اسکا اس سے طلب مال ہوتا ہے) تو اگر وہ اعطاء کا محل نہو تو اسکی مدح سے اسکو سوائے تعب کے اور کچھ ہاتھ نہ لگے گا۔ اور اگر کوئی شخص اعطاء کا محل ہے اور قصد کا مصرف ہوا تو اگر وہ اسکی مذمت بھی کریگا تو یہ اس کے حق کو محض اسوجہ سے کہ اس نے اسکی قدح کی ہے نہیں روکیگا۔ بلکہ اسکی غربت اور فقر کا لحاظ کرکے اسکو ضرور کچھ نہ کچھ دیگا۔ یہ سب احوال ان لوگوں کے ہیں جو کامل ہیں اور ارباب قلوب میں سے ہیں۔

ومن اوصافه ایضاً انه فی جمیع شئونه فی الحالة الوسطی بین الافراط والتفریط وهذه الحالة لایقدر علیها الا من کان فی هذا المقام وهی خفیفة علی اللسان ثقیلة عند الامتحان وکل احد یحب هذه الخصلة ویحب من یتصف بها الا انها صعبة فلا یقدر علیها غیر اهلها۔

واعلم انک فی اول هذا المقام تلوح لک بشاهد الخلافة الکبری

نیز اس شخص کے اوصاف میں سے ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ اس مقام پہونچکر اسکو ایسی استقامت حاصل ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے تمام حالات میں افراط وتفریط سے نکل کر میانہ روی اختیار کرلیتا ہے اور یہ اعتدال ایک ایسی حالت ہے کہ بجز اس مقام والے کے اور کوئی دوسرا اسپر قادر بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ زبان سے کہنے میں تو یہ بہت ہلکی پھلکی سی چیز معلوم ہوتی ہے مگر بوقت امتحان اسکی دقّت اور دشواری کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ خصلت ایسی پسندیدہ ہے کہ ہر شخص اسکو اور اس شخص کو جو اس سے متصف ہوتا ہے محبوب رکھتا ہے۔ مگر یہ کہ اسکی صعوبت اور دشواری کی وجہ سے

(قولہ فی الحالة الوسطی الخ) یعنی سالک کا ایک وصف اس مقام میں آکر یہ ہوجاتا ہے کہ وہ افراط وتفریط سے نکل کر میانہ روی کا عادی ہوجاتا ہے۔ مطلب یہ کہ کھانے میں، بھوکا رہنے میں، سونے میں، جاگنے میں، غرض ان تمام حالتوں میں اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں۔ لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں۔ اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں۔ اور سوتا بھی ہوں۔ (خالق سے بھی تعلق رکھتا ہوں اور) نکاح بھی کرتا ہوں۔ اور عورتوں کے ساتھ بھی زندگی گزارتا ہوں۔

اور وہ جو مجاہدہ کی حالت میں سالک کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ بہت کم کھائے، بہت کم سوئے تو وہ حقیقتہً نفس کی پامالی کے لئے ہوتا ہے تاکہ وہ مقہور اور مغلوب ہوجائے کیونکہ مقصد اسکو اعتدال کی حالت پر لانا ہوتا ہے۔ جیسے سرکش گھوڑا کہ اس کا دانہ چارہ اس لئے روک دیا جاتا ہے تاکہ وہ کمزور ہوکر منقاد ہوجائے۔ پھر جب وہ مطیع ہوجاتا ہے تو اسکو عادت اور معمول کے مطابق چارہ دیا جاتا ہے۔ یہیں سے ابن فارض نے کہا ہے کہ میرا نفس ابتداءً امارہ تھا الخ

وفی الاخرۃ تخلع الیک خلعتھا وھی کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی یمشی وھذا نتیجۃ قرب النوافل۔

بجز اسکے اہل کے دوسرا شخص اسکے ساتھ متصف ہونے پر قادر بھی نہیں ہوتا۔ اور یہ جانو کہ جیسے ہی تم اس مقام میں داخل ہوگے تو تمہارے لئے غلافِ کبریٰ کی دلائل روشن ہونگے اور اس مقام کے آخر میں تم کو اسکی خلعت پہنائی جائیگی کہ "میں اسکا کان بنجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اسکی آنکھ بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور ہاتھ بنجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اسکا پاؤں بنجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ غرض میرے ہی واسطے سے وہ سنتا ہے اور میرے ہی واسطے سے وہ دیکھتا ہے۔ اور میرے ہی واسطے سے وہ پکڑتا ہے۔ اور میرے ہی واسطے سے وہ چلتا ہے۔ اور یہ سب قرب نوافل کے ثمرات ہیں (یعنی اس مقام کے انعامات سے ہیں)

وتحقیق ھذا المقام ان السالک اذا وصل مقام الفناء ھو المقام الذی قبل ھذا المقام تمحق صفاتہ الذمیمۃ البشریۃ ھی محل الشقاوۃ بسبب تقربہ الی اللہ تعالیٰ بالنوافل والریاضۃ ومجاھدۃ النفس الجھاد الاکبر وایاک ان تتوھم من ذلک الحلول تعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً وھذہ امور ذوقیۃ لاتدرک الا بالتائید والمعونۃ الالھیۃ ومتی حاول العقل ادراکھا وقع فی زندقۃ

اور تحقیق اس مقام کی یہ ہے کہ سالک جب مقام فناء کو پہونچ جاتا ہے جو کہ اس مقام سے پہلا مقام ہے تو اس کے اسکی صفاتِ ذمیمہ بشریہ جو کہ محل شقاوت (اور منشاء شر بنا کرتی ہیں) بالکلیہ محو ہو جاتی ہیں اس لئے کہ نوافل، ریاضات اور نفس کے ساتھ جہاد اکبر کرنیکی وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ کا ایسا قرب حاصل ہو جاتا ہے جو کہ سبب ہو جاتا ہے اس سے ازالۂ رذائل کا۔

اور حدیث شریف میں یہ جو آتا ہے کہ میں اس کا کان ہو جاتا ہوں، آنکھ ہو جاتا ہوں الخ تو اس سے اللہ تعالیٰ کے متعلق حلول کا گمان نہ ہو (تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً) اس لئے کہ یہ سب ذوقی امور ہیں جو کہ بدون تائید الٰہی اور امداد خداوندی کے سمجھ میں نہیں آتے۔ اور اگر عقل چاہے کہ اس تک پہونچے تو بس اسکے آگے زندقہ دھرا ہوا ہے

لان الفناء والبقاء وقرب الفرائض والنوافل ليس لهذه[1] الاشياء نظير فی الخارج حتی تقاس علیہ۔

کہ فنا اور بقا اسی طرح سے قرب فرائض اور قرب نوافل وغیرہ ان سب امور کے لئے خارج میں کوئی نظیر نہیں ہے کہ جن پر ان کو قیاس کیا جاسکے

واعلم ان اٰخر مقامات السالک وصولہ الی صورتہ

اور (ایک بات) یہ سمجھو کہ سالک کا آخر مقام یہ ہے کہ وہ اپنی صورت آدمیت تک پہونچ جائے جو کہ ملائکہ کا

---

[1] قولہ لیس لھذہ الاشیاء نظیر الخ یعنی فنا، بقا قرب فرائض اور قرب نوافل ان سب امور کے لئے خارج میں کوئی نظیر نہیں ہے۔ بلکہ الفاظ وعبارات بھی نہیں ہیں جو ان کے مفاہیم کو ادا کریں۔ اور لفظ فنا اور بقا یہ قوم کی اصطلات ہیں جسکو اہل سمجھتے ہیں اور نااہلوں کو سمجھانے کی ضرورت نہیں اور نہ وہ ممکن ہے چنانچہ علماء نے ان کے مفاہیم کو نااہل کو سمجھانے کو تشبیہ اس سے دی ہے جیسے کہ تم کسی عنین کو جماع کی لذت سمجھانا چاہو۔ تو ظاہر ہے کہ یہ تمھارے لئے ممکن نہ ہوسکے گا۔ اور یہ اس لئے کہ اس کے لئے الفاظ نہیں جو اس کے معنی کا احاطہ کرلیں۔ اور اگر تم اسکو مثال سے سمجھاؤ مثلاً اس کی لذت کو شکر یا شہد سے تشبیہ دو تو تم نے اسکو اور دور لاڈالا۔

اسی واسطے اہل طریق کہتے ہیں کہ ہم نے (بہت سی چیزوں کو) اشارہ سے تو سمجھ لیا۔ لیکن جب وہ عبارت میں لائی گئی تو اور مبہم بن گئی۔

قولہ صورتہ الآدمیۃ الخ) یعنی یہ جو کہا کہ سالک کا انتہائی مقام یہ ہے کہ وہ اپنی صورت آدمیت تک پہونچ جائے۔ تو اس کی تفصیل سنو!

روح انسانی جو کہ ایک لطیفۂ ربانی ہے جس کی حقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اس کے لئے کچھ اسماء اور مظاہر عالم کبیر میں ہیں اور کچھ اسماء ومظاہر عالم صغیر میں ہیں۔ اور عالم کبیر ان حضرات کے یہاں روح کے جسم انسانی میں آنے سے پہلے کے عالم کا نام ہے، اور عالم صغیر جسم انسانی میں آنے بعد کا عالم کہلاتا ہے۔ چنانچہ عالم کبیر میں روح انسانی کے اسماء یہ ہیں:۔

عقل اوّل، قلم اعلیٰ، لوحِ حقیقتِ محمدیہ، نورِ محمدی، نورِ احدی، نفسِ کلیہ، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ۔

اور اس کے اسماء اور مظاہر عالمِ صغیر میں یعنی عالمِ انسان میں یہ ہیں :۔

اخفیٰ، خفا، سرّالسر، سرّ، روح، قلب، نفسِ ناطقہ اور لطیفۂ انسانیہ۔ اور وہ یعنی روح مذکور اس ذات کے امر میں سے ایک سرِّ عظیم ہے جس کے لئے خلق و امر ثابت ہے۔ چنانچہ یہی روح اول موجود ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے وجود بخشا۔ چنانچہ یہ خلیفۂ اکبر ہے اور سرِّ اعظم ہے۔ اور یہی روحِ انسانی جسمِ انسانی کے لئے بواسطۂ روحِ حیوانی کے مدبر ہے۔ اور یہ روح اشرف الاشیاء ہے۔ اور تجلیاتِ ربانی کا محل ہے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رائی قلبی ربی یعنی میرے قلب نے میرے رب کو دیکھا۔ اور حدیثِ قدسی میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ لم یسعنی ارضی ولا سمائی و وسعنی قلب عبدی المومن اللین الورع یعنی میری زمین اور میرا آسمان مجھے اپنے اندر سما نہ سکا اور مجھے سمایا جو تو میرے مؤمن بندے کے قلب نے ایسا بندہ جو نرم خو اور متقی ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کو مؤمنین کے قلوب ہی دیکھ سکتے ہیں۔

اب ایک بات یہ سمجھو کہ روحِ انسانی جو کہ لطیفہ ربانی بھی ہے۔ جب اُس نے اس عالمِ انسانی میں نزول کیا اور طبیعتِ انسانی ہی سے مانوس ہوئی تو اس کے سبب سے وہ ستر حجابات میں پڑ گئی۔

اب جو شخص یہ ارادہ کرے کہ اسکو اپنی اصلی حالت پر لوٹا وے جس پر کہ وہ حجابات میں پڑنے سے پہلے تھی تو اس کو چاہیئے کہ قومِ صوفیہ کے طریق پر چل کر ان حجابات کے پھاڑنے کی کوشش کرے

اور ما قبل میں خلق اور امر کا جو ذکر آیا ہے تو اس کے متعلق یہ سمجھو کہ عالمِ امر جسے عالمِ ملکوت اور عالمِ غیب بھی کہا جاتا ہے، وہ ارواح اور روحانیات کے عالم کا نام ہے اس لئے کہ وہ روح محض اللہ تعالیٰ کے امر سے موجود ہوئی بدون کسی مدت یا مادہ کے واسطے کے۔

اور عالمِ خلق جسے عالمِ مُلک اور عالمِ شہادت بھی کہا جاتا ہے، وہ اجساد اور جسمانیات کا عالم ہے۔ اور وہ بھی حق تعالیٰ کے امر سے وجود میں آتا ہے۔ مگر مادہ اور مدت کے توسط سے۔ انتہٰی

(ماخوذ از نتائج الافکار للعروسی)

الآدمية التي كانت قبلة الملائكة
التي حقيقتها الحقيقة المحمدية
وهو سر الله الأعظم وهذا غاية
القرب من حضرة الرب فاذا
وصل السالك اليها تحقق بالعبودية
المحضة والعجز والذل وعرف
نفسه بهذا الوصف فعرف
ربه باوصاف الربوبية لانه اذا
عرف نفسه بالذل والفناء عرف
ربه بالعز والبقاء وهكذا
ومتى كوشفت في هذه
الصورة وعلمت انها اعظم مطالب
السالكين اعلى منازل السائرين
جذبت في طلب الاستقامة على

قبلہ ہے اور جس کی حقیقت حقیقت محمدیہ علیہ الصلوۃ والتحیہ ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا سر اعظم ہے۔

اور یہ مقام حضرت رب تعالیٰ سے غایت قرب کا ہے چنانچہ جب سالک اس مقام پر پہونچ جاتا ہے تو عبودیت محضہ اور عجز اور ذلت کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس جہت سے وہ اپنے نفس کا عارف ہو جاتا ہے۔ پس اپنے رب کو اوصاف ربوبیت کے ساتھ پہچان لیتا ہے اس لئے کہ جب اپنے نفس کو ذلت اور فناء کے ساتھ پہچان لیتا ہے تو اپنے رب کو عزت اور بقاء کے ساتھ پہچان۔ اسی طرح سے اور صفات کا حال ہے۔

اور جب نفس سالک پر یہ صورت منکشف ہو جاتی ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ یہ چیز تو سالکین کے اعظم مطالب سے ہے اور سائرین الی اللہ کے بلند ترین مقامات میں سے ہے تو یہی چیز اس کو طریق پر استقامت اور تمسک بالسنۃ

(قولہ الحقیقۃ المحمدیۃ) یہ جو کہا گیا کہ قبلہ ملائکہ کی حقیقت حقیقت محمدیہ ہے، یہ اس لئے کہ اول وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ نور محمدی ہے۔ پس وہی قبضہ اصلیہ ہے اور ہر شخص مستحق محبت سے محبت کا اظہار کیا کرتا ہے۔ اور حقائق اسی سے عالم ظہور میں آئے ہیں۔ اور اسی سے انھوں نے ترقی حاصل کی ہے

پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کے لئے بھی اکبر ہوئے۔ اسیطرح سے علاوہ آدم علیہ السلام کے جملہ کائنات کے لئے اب اکبر ٹھہرے۔ خواہ وہ سفلی ہوں یا علوی یا مرکب انتہی

(قولہ لانہ اذا عرف نفسہ) یعنی جب اپنے نفس کو پہچانے مشاہدہ اور ذوق کے ساتھ

الطریقة والتمسک باذیال الشریعة والتلاوة الاسم السادس وھو القیوم ثلا نزال موو باداب الشریعة والطریقة والحقیقة لا یشغلک بعضھا عن البعض الاخر الی ان تنتقل الی المقام السابع طالبا للتحقیق بالصورة الآدمیة فاکثر من الذکر بالاسم المتقدم حتی تظفر بالمقصود و تلوح لک الاشارة بانتقالک للمقام السابع

والشریعت اور اسم سادس یا قیوم کے ذکر پر ابھارتی اور آمادہ کرتی ہے۔

اسکے بعد پھر وہ سالک شریعت، طریقت اور حقیقت کے آداب کے ساتھ دائمی طور سے مؤدب ہوجاتا ہے ایسا کہ ان امور ثلثہ میں سے کوئی ایک بھی اس کے دوسرے سے شاغل و مانع نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ ترقی کرکے وہ مقام سابع میں اس سے منتقل ہوجاتا ہے تاکہ صورت آدمیت کی حقیقت کا پتہ لگائے۔ پس اس کے لئے تم مذکورالصدر اسم یعنی یا قیوم کا ذکر کثرت سے کرو یہاں تک کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤ یعنی تمھارے لئے مقام سابع میں منتقل ہوجانے کا اشارہ غیب سے کردیا جاے

الباب العاشر فی المقام السابع فی بیان النفس الکاملة و قربھا وعودھا

دسواں باب مقام سابع میں جس میں نفس کاملہ اور اس کے قرب کا اور اس کے عود کرجانے کا بیان ہے

اعلم ان ھذا المقام اعظم المقامات لانه قد کملت فیه سلطنة السالک وتمت فیه المکابدة والمجاھدة وقد وصل صاحبه الی علم الیقین وعین الیقین وحق الیقین۔ واتصف بجمیع ما ذکر من الاوصاف الحمیدة و لیس لصاحب ھذا المقام مطلب

جان لو کہ یہ مقام جملہ مقامات سے اعلیٰ وارفع ہے اس لئے کہ اس مقام میں آکر سالک کی سلطنت مکمل ہوجاتی ہے۔ اور اس کا مکابدہ اور مجاہدہ تام ہوچکتا ہے۔

اور اس مقام کا صاحب علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین تک پہونچ جاتا ہے۔ اور جس قدر اوصاف حمیدہ پہلے ذکر کئے گئے ہیں ان سب کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مقام والے کے لئے سوا اپنے مولیٰ تعالےٰ کی رضاجوئی کی فکر کے اور کوئی دوسرا مقصد ہی نہیں ہوتا

سوی رضوان مولاہ حرکاتہ حسنات وانفاسہ قدرۃ و حکمۃ وعبادۃ۔ ان راہ الناس ذکروا اللہ تعالی۔ وکیف لایکون ذلک وھو ولی اللہ بل کان ولیا وھو فی المقام الرابع لان المقام الرابع مقام اولیاء العوام والمقام الخامس مقام اولیاء الخواص والمقام السادس مقام الاولیاء الذین ھم خواص الخواص والمقام السابع مقام الخلافۃ الکبری۔ فسبحٰن من لامانع لمن اعطی ولا معطی لمن منع

واعلم ان صاحب ھذا المقام لایفتر عن العبادۃ ابداً اما بجمیع بدنہ او لسانہ او قلبہ او یدیہ او رجلیہ وجمیع جوارحہ لا تغفل عن اللہ تعالی طرفۃ عین وھو کثیر الاستغفار کثیر التواضع سرورہ ورضاہ فی توجہ الخلق للحق وحزنہ وغضبہ فی ادبارھم عنہ یحب طالب الحق اکثر من محبۃ ولدہ الذی من

اسکی حرکات حسنات ہوتی ہیں۔ اور اسکی ایک ایک سانس قدرت، حکمت اور عبادت شمار ہوتی ہے اسکی شان یہ ہوتی ہے کہ اگر لوگ اس کو دیکھیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد آجائے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو یہ شخص ولی اللہ بھی تو ہے۔ بلکہ وہ تو اب سے بہت پہلے جبکہ وہ مقام رابع میں تھا تب ہی سے ولی ہو چکا ہے مگر یہ کہ یہ مقام رابع ان اولیاء کا مقام ہوتا ہے جو ان میں بمنزلہ عوام کے ہوتے ہیں۔ اور مقام خامس خواص اولیاء اللہ کا مقام ہے۔ اور مقام سادس ان اولیاء کا مقام ہے جو کہ اخص الخواص ہیں۔ اور مقام سابع خلافت کبریٰ کا مقام ہے۔

پس پاک ہے وہ ذات کہ وہ جس کو جو (انعام) دینا چاہے تو کوئی اس کو منع کرنے والا نہیں، اور جس کو نہ دینا چاہے تو اسکو کوئی دینے والا نہیں۔ اور ایک بات یہ سمجھو کہ اس مقام پر فائز ہونے والا عبادت میں کبھی سست نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر آن عبادت میں لگا رہتا ہے خواہ اپنے تمام بدن سے۔ خواہ زبان سے، خواہ قلب خواہ ہاتھ پاؤں سے۔ غرض اسکے جملہ جوارح اللہ تعالیٰ سے ایک آن کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے اور وہ ہر وقت استغفار کرتا رہتا ہے۔ بہت زیادہ متواضع رہتا ہے۔ اسکی خوشی اور اسکی رضا بس اسی میں ہوتی ہے کہ اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو جائیں۔ اور اس کا غم وغصہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ ادھر سے ہٹے

صلبه وهو كثير الاوجاع قليل
القوى قليل الحركة ليس فى قلبه
كراهة للمخلوق مع انه يامر بالمعروف
وينهى عن المنكر ويظهر الكراهة
لمستحقها لا تاخذه فى الله لومة
لائم يرضى فى عين الغضب و
يغضب فى عين الرضا لكنه يضع
كل شئ فى محله متى توجهت همته
الى كون من الاكوان اوجده
الله تعالى على وفق مراده و
ذلك ان مراده قد انطوى
فى مراد الله تعالى وهذا غاية
المقامات فان اول المقامات
الصبر على مراد الحق تعالى و
اوسطها الرضا به اوه وآخره
ان تكون بمراده والى ذلك
الاشارة بحديث اذا احب
الله عبداً ابتلاه فان صبر
اجتباه فان رضى اصطفاه
ثم اذا سلك السالك
وقطع تلك الاطوار وثبت
قدمه فليكن ذكره بعد ذلك
لا اله الا الله على الدوام فانه

ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ شخص طالب حق کو اپنی صلبی اولاد سے
بھی زیادہ چاہتا ہے۔ قویٰ اس کے نحیف ہوتے ہیں مگر
امت کا درد و غم اسکو الم رسیدہ کئے ہوتا ہے۔ اسکے قلب
میں کسی مخلوق سے نفرت نہیں ہوتی۔ حالانکہ امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر اس کا منصب ہوتا ہے۔ باقی جو شخص کہ
اپنی حرکات ناشائستہ کی بنا پر مستحق کراہت ہوتا ہے تو
اسپر خفگی کا اظہار بھی کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں
اسکو کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کی پرواہ نہیں ہوتی عین غصہ
کی حالت میں راضی رہتا ہے۔ اور عین رضا کی حالت میں
ناراض رہتا ہے بلکہ یہ کہ وہ ہر چیز کو اس کے محل اور مرتبہ
میں رکھتا ہے۔ اور جب اسکی ہمت کسی ہونے والی چیز کی
جانب متوجہ ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس چیز کو اسکے ارادہ
کے موافق پورا فرما دیتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ یہ اپنے ارادہ کو
اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں فنا کر چکا ہوتا ہے۔ اور یہ سالک کے تمام
مقامات کی انتہا ہے اور سلوک کا منتہیٰ ہے۔ اس لئے کہ سب سے
پہلا مقام اللہ تعالیٰ کی مراد پر صبر کرنا ہے۔ اور درمیانی مقام
اللہ تعالیٰ کی مراد و مرضی پر راضی رہنا ہے۔ اور آخری مقام یہ ہے
کہ تم خود ہی سراپا انکی مراد بن جاؤ۔ اسی کی جانب اس حدیث
میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتے
ہیں تو اولاً اسکو آزمائش میں ڈالتے ہیں پھر جب اسپر صبر
کر لیتا ہے تو اسکو منتخب فرما لیتے ہیں اور جب وہ راضی ہو جاتا
ہے تو اسکو مقرب اور مخصوص بنا لیتے ہیں۔ پھر جب سالک سلوک
طے کر لیتا ہے اور ان تمام مدارج کو قطع کر لیتا ہے اور اسمیں

يجد لذلك لذة عن غيره او يذكر بالاسماء السبعة وهو مخير بين ان يجعلها ورد الاسبوع بان يذكر كل اسم في يوم منه او يذكر كل يوم مقدارًا من الاسماء كلها۔

اس کا قدم راسخ ہو جاتا ہے تو مناسب ہے کہ اس کے بعد اس کا دائمی ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہو اسلئے کہ اسکی وجہ اب وہ ایک ایسی لذت پائیگا جو اسکو غیر سے پھیر دینے والی ہوگی یا اسماء سبعہ کے ذکر کرے۔ چنانچہ اسکو اختیار ہے کہ چاہے تو انکو ہفتہ کے دنوں پر تقسیم کر دے بایں طور کہ ہر ہر اسم کو ہفتہ کے ایک ایک دن کے لئے مقرر کرے یا روزانہ ہی تمام اسماء کی ایک مقررہ مقدار کا ذکر کر لیا کرے۔

واخبرني صديقنا الشيخ علاء الدين بن شيخ محمد عابدين المؤلف الشهير بان شيخه في هذه الطريقة الشيخ المهدي المغربي الخلوتي نزيل دمشق

اور مجھے خبر دی ہے میرے صدیق محترم شیخ علاء الدین ابن شیخ محمد عابدین نے جو کہ ایک مشہور مؤلف گذرے ہیں کہ اس طریق میں ان کے شیخ مہدی مغربی خلوتی تھے جو دمشق میں آکر رہ پڑے تھے۔ اور یہیں کی سکونت اختیار کر لی تھی۔

يامر مريديه بعد ختم الاسماء السبعة بان يذكروا بالجمعيّة هكذا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰه ۔ اللّٰه هو حقٌ حيٌّ قيومٌ قهارٌ بتنوين الرابع والخامس والسادس مدة حتى تنقطع الخواطر والوساوس۔

وہ اپنے مریدین کو اسماء سبعہ کے ورد کے ختم کے بعد حکم دیتے تھے کہ وہ لوگ خوب دلجمعی کے ساتھ اسی طرح ذکر کریں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ اللہ ھو۔ حقٌ۔ حیٌّ قیومٌ۔ قہارٌ یعنی چوتھے اور پانچویں اور چھٹے کلمہ کو تنوین کے ساتھ پڑھیں اور ان اذکار کو ایسے زمانہ تک کرتے رہیں کہ قلب سے وساوس اور خواطر بالکلیہ نیست و نابود ہو جائیں۔

ثم يامرهم بعد ذلك بالذكر بالاسم الثاني اللّٰه اللّٰه لكن بادنى الجهر فاذا رجعت الخواطر للمريد ردّه للذكر بالجمعية۔

پھر وہی شیخ مہدی اپنے مریدین کو اسم ثانی کا ذکر یعنی اللہ اللہ کی تلقین کیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس کو معمولی جہر کے ساتھ کیا جائے۔

پھر جب کسی مرید کے خواطر اور وساوس لوٹ آتے تھے تو شیخ بھی پھر اسے دلجمعی کے ساتھ ذکر کرنے کی دوبارہ تلقین فرماتے تھے۔

وذکر الشیخ علاء الدین
المومیٰ الیہ انہ وجد لذلک
فائدۃ عظیمۃ فسالتہ عن اشیاخ
شیخہ فاخبرنی انہم ینتمون
للسید مصطفیٰ البکری فہم من
فرقتنا القراباشیۃ مع انی لم اجد
ذلک فی کتاب عن مشائخنا ولا
سمعتہ من احدٍ منہم فکان ھذا
الہام الہمہٗ بعض اشیاخہ من
اھل المغرب وکلٌّ علیٰ سنۃٍ من ربہ
وقد اخذت عن الشیخ
المہدی المشار الیہ للتبرک
وذکرت بالجمعیۃ المارۃ الذکر
فما وجدت لہا الفائدۃ التی
اخبرنی بہا الشیخ علاء الدین
الا انہ کان ذکری بہا مدۃ
قلیلۃ وکیف ما کان فلا یترک
ما کان الوصول بسببہ ولا یامن
نفسہ وشیطانہ اذ لا یتخلص
احد من وساوس الشیطان
مادام حیا وان کانت لا تؤثر فی
الکامل "ان عبادی لیس لک
علیہم سلطان" فالمنفی سلطنۃ
علی قلب عباد اللہ المخلصین
دون خطراتہ +

اور شیخ علاء الدین نے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یہ بیان
کیا کہ انھوں نے اس ذکر میں عظیم فائدہ پایا۔
چنانچہ میں نے ان سے ان کے شیخ کے مشائخ کے
بارہ میں دریافت کیا کہ کس سلسلہ سے تعلق تھا؟ تو انھوں
نے مجھے یہ بتایا کہ ان کے سلسلہ کی انتہا سید مصطفیٰ
بکری رحمہ جاکر ہوتی ہے۔ پس اس لحاظ سے تو یہ لوگ
ہمارے ہی سلسلہ قراباشیہ ہی سے ہوئے۔ حالانکہ میں نے اپنے
مشائخ کے اوراد میں اسے پایا نہیں۔ اور نہ میں نے انہیں سے
کسی سے اسکو سنا۔ پس گویا یہ ایک الہام تھا جو اہل مغرب
کے بعض مشائخ کو ہوا اور ہر ایک اپنے رب کی جانب سے بیّنہ پر ہے۔
اور میں نے بھی شیخ مہدی سے جن کا ذکر اوپر آیا ہے
بیعت تبرک حاصل کی ہے۔ اور جمعیت کے ساتھ مذکورۃ
الصدر ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن میں نے تو اس کا وہ فائدہ
نہیں پایا جس کی خبر مجھے شیخ علاء الدین نے دی تھی۔ باقی
یہ ضرور ہے کہ میں نے اس ذکر کو تھوڑے ہی دنوں تک
کیا تھا بہر نوع جو صورت بھی ہو جس چیز کے ذریعہ سالک کو وصول
ہوا ہو اسے اسکو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ اور اپنے نفس اور
شیطان کی جانب سے مامون نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ
وساوس شیطانیہ سے کوئی شخص تا زیست خلاصی نہیں
پاسکتا اگرچہ یہ ضرور ہے کہ کامل شخص اسکے اثر اور ضرر سے
محفوظ رہتا ہے (اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ سنادیا کہ "میرے جو نیک بندے
ہیں، تیری چال اور داؤں ان پر کچھ نہیں چلے گا" مگر اس نص میں شیطان
کی سلطنت یعنی اس کا تسلط اور غلبہ اللہ کے مخلصین بندوں کے قلب
پر ہونے کی نفی کی گئی ہے، اس کے وساوس اور خطرات کی نہیں کی گئی
ہے۔ اس لئے یہ تو ہوتا رہیگا۔

وسمعت من استاذنا رحمه الله تعالیٰ ان السالک بعد اکمال الاسماء۔ ینتقل بعد ذالک للذکر القلبی کالنقشبندیة ولعل هذا فی عامة اوقاته فاذا وجدت خلوة فی بعض الاوقات یذکر بالجهر وهو الذکر الذی کان الوصول بسببه۔ انتهیٰ +

اور میں نے اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ سالک اسماء سبعہ کے ذکر کی تکمیل کے بعد ذکر قلبی کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نقشبندیہ کے یہاں معمول ہے۔ اور شاید کہ یہ ذکر قلبی اس کے عام اوقات کا وظیفہ ہو باقی جب کسی وقت خلوت اور تنہائی پاوے تو پھر ذکر جہری لسانی کرے کیونکہ یہی وہ ذکر ہے جسکے سبب اسے وصول نصیب ہوا ہے۔ انتہیٰ (لہذا اس کو بالکلیہ نہیں ترک کردینا چاہیئے)

الخاتمة فی اوراد الطریق وحکم اولئك الفریق

خاتمہ طریق کے اوراد اور اس جماعت کے حکم کے بیان میں

اعلم ان الادعیة لها دخل عظیم فی تسهیل الطریق لما فیها من اظهار الفاقة والعجز ولما ان الدعاء مخ العبادة بل قال بعضهم ان الاوراد للمرید کالطهارة للصلوٰة وکالجناح للطائر ولذالك وضع مشائخ الطریق الاوراد والاحزاب ورتبوا اعمال الیوم واللیلة۔ ثم ان الاوراد ما هو عام وهو

جانو کہ ادعیہ کو طریق کے سہل کرنے میں بڑا دخل ہے اسلئے کہ اس میں فاقہ اور اپنے عجز کا اظہار ہوتا ہے نیز اس لئے بھی کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ بلکہ بعضوں نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ مرید کے حق میں اوراد کا درجہ ایسا ہے جیسے طہارت کا نماز کے حق میں یا بازو کا پرند کے حق میں۔ اس لئے مشائخ نے (ہر زمانہ میں) اوراد و احزاب کو جمع کیا ہے اور روز و شب کے اعمال مسنونہ کے مرتب کرنے میں محنت صرف کی ہے۔ پھر یہ سمجھو کہ ان ادعیہ میں سے بہت سی دعائیں تو ایسی ہیں جو کہ عام حالات کے

ما ورد عن الرسول صلى الله عليه وسلم وعن اصحابه رضوان الله تعالے اعليهم اجمعين۔ ومنها ما هو خاص وهو ما ورد عن الاشياخ ثم منها ما يقال عقب الصلوات ومنها ما يقال صباحًا ومساءً ومنها ما يقال فى ايام مخصوصة كالايام الفاضلة ومنها ما يقال عند الحوادث۔

وفى كتاب الاحياء للغزالى والمنهل العذب للسيد مصطفے البكرى والدر المنتقى فى اوراد اليوم والليلة والاذكار للنووى من ذالك الجم الغفير ولنذكر لك طرفا مما يحضرنا الان۔

فاما ما يقرأ خلف الصلوات فاهم قرأة اية الكرسى والتسبيح والتحميد والتكبير ثلاثا وثلثين و ذالك اصح ما ورد مما يقال عقب الصلوٰة۔

واما ما يقال فى الصباح والمساء فاهم دعاء حفظ الايمان الوارد عنه صلے الله تعالى عليه وسلم وهو اللهم انى اعوذ بك من ان اشرك بك شيئًا

لئے ہیں اور بعض وہ دعائیں بھی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا حضرات صحابہؓ سے منقول ہیں۔ اور بعض ان میں سے خاص دعائیں ہیں جو کہ مشائخ سے منقول ہیں۔ پھر ان میں سے بھی کچھ ایسی ہیں جو نمازوں کے بعد پڑھی جاتی ہیں اور بعض وہ ہیں جو صبح و شام پڑھنے کے لئے ہیں۔ اور بعضی ان میں سے ایسی ہیں جو خاص اوقات میں پڑھی جاتی ہیں۔ مثلاً فضیلت والے ایام میں اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو مخصوص حالت میں پڑھی جاتی ہیں۔ چنانچہ امام غزالیؒ کی احیاء العلوم میں اسیطرح سے سید مصطفے بکری کی المنہل العذب میں اور کتاب الدر المنتقى فی اوراد الیوم واللیلہ میں اور علامہ نووی کی کتاب الاذکار میں ان سب دعاؤں کا ایک خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ ہم یہاں تمہارے سامنے اس کا کچھ حصہ جو مجھے مستحضر ہے بیان کرتے ہیں۔

سنو! نمازوں کے بعد جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں ان سب میں اہم آیۃ الکرسی کا پڑھنا ہے۔ اسی طرح سے سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر ۳۳ بار کہنا ہے۔ چنانچہ نماز کے بعد کے اوراد میں سے صحیح ترین ورد یہی ہے۔

رہی صبح و شام کی دعائیں تو ان میں سب سے اہم دعائے حفظ ایمان ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ تین بار یہ دعا پڑھے کہ اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے

وانا اعلم واستغفرك لما لا اعلم انك انت علام الغیوب ثلاثا۔

میں تیرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤں۔ درآنحالیکہ میں جانتا ہوں (کہ تیرا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے) اور تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اس چیز کے بارے میں جسے میں جانتا نہیں۔ بیشک آپ ہی غیب کے جاننے والے ہیں۔

ومن ادعیة حسن الخاتمة ایضًا اللهم اختم لی منك بخیر فی عافیة من غیر سابقة عذاب ولا محنة ثلاثًا فی الصباح وثلاثًا عند النوم۔

اسی طرح سے حسن خاتمہ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے تین بار صبح اور تین بار شام کو یہ کہے کہ اے اللہ اپنے فضل سے میرا خاتمہ بخیر فرما یعنی عافیت کیساتھ ہو اس طرح سے کہ نہ تو اسمیں پہلے کے عذاب کی سختی اٹھانی پڑی ہو اور نہ کسی قسم کا تعب و مشقت ہی برداشت کرنی پڑے۔

ومنها بعد صلوۃ رکعتی الاوابین اللهم انی استودعك دینی فاحفظه علی فی حیاتی وعند مماتی وبعد وفاتی +

انھیں دعاؤں میں سے ایک یہ ہے کہ اوابین کی دو رکعتوں کے بعد یہ کہے کہ اے اللہ میں اپنے دین کو تیرے پاس امانت رکھتا ہوں تو اس کی حفاظت فرما میری حیات میں بھی اور موت کے وقت بھی اور بعد وفات کے بھی۔

ومنها ان یقول بین سنة الفجر والفریضة اربعین مرة یاحی یاقیوم یا بدیع[ف] السموات والارض یا ذوالجلال والاکرام

انھیں میں ایک یہ ہے کہ فجر کی سنت اور فرض کے درمیان میں چالیس بار یہ کہے۔ اے حی، اے قیوم اے آسمان اور زمینوں کے بنانے والے۔ اے جلال اور اکرام والے اے اللہ نہیں ہے کوئی معبود سوا آپکے

ف (قوله یابدیع السموات الخ) لیکن مشہور یہ ہے یاحی یاقیوم لا الہ الا انت اور ایک روایت میں یاصمد چالیس بار پڑھنا آیا ہے۔ اس کو شیخ احمد جنیدی نے اپنے رسالہ الصدق والتحقیق لمن اراد ان یسیر بسیر اهل الطریق میں لکھا ہے اور قل هو الله احد گیارہ مرتبہ اور سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم، سو مرتبہ کا اضافہ کیا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب میں بھی دو ورق کے بعد آتا ہے۔ ۱۲ منہ

يا الله لا اله الا انت اسئلك ان تحي قلبي يا الله يا ارحم الراحمين۔

آپ سے میں سوال کرتا ہوں کہ آپ میرے قلب کو حیات بخشئے اے اللہ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔

ولنرجع لما يقال صباحًا ومساءً

اب پھر صبح و شام کی دعاؤں کے بیان کی طرف لوٹتا ہوں ایک ان میں سے سید الاستغفار ہے یعنی

فمن ذالك سيد الاستغفار اللهم انت ربي لا اله الا انت خلقتني وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعتُ اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابو بذنبي فاغفرلي فانه لا يغفر الذنوب الا انت۔

یا اللہ تو ہی ہے رب میرا نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے پیدا کیا تو نے مجھے اور میں بندہ تیرا ہوں اور میں تیرے عہد اور تیرے عذر پر ہوں جہاں تک طاقت رکھتا ہوں پناہ پکڑتا ہوں تیری اپنے اعمال کی برائی سے اقرار کرتا ہوں تیری نعمت کا اپنے پر اور اقرار کرتا ہوں اپنے گناہوں کا پس بخشدے مجھے کیونکہ نہیں بخشتا ہے گناہوں کو کوئی سوا تیرے۔

ومنها اللهم انى اصبحت منك فى نعمة وعافية وسترٍ فاتم نعمتك وعافيتك وسترك على فى الدنيا والآخرة ثلاثًا۔

اور انھیں میں سے ایک یہ ہے کہ تین باریوں کہے کہ اے اللہ میں نے صبح کی تیری نعمت عافیت اور تیرے ستر میں بس تو تمام کردے اپنی نعمت۔ عافیت اور ستر کو میرے اوپر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

وفى المساء يقول امسيت بدل اصبحت فان الله تعالى يحفظ عليه ما ذكر۔

اور شام کے وقت اصبحت کے بجائے امسیت کہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس پر مذکورہ امور کی حفاظت فرماتے ہیں۔

ومنها انا فى حمى الله ورسوله مرة فلا يتسلط عليه احد بما يكرهه۔

منجملہ ان کے ایک دعا یہ ہے کہ ایک باریوں کہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی حفاظت اور پناہ میں ہوں چنانچہ اس شخص پر کوئی شخص کسی برائی کے ساتھ مسلط نہیں ہو سکتا۔

ومنها المسبعات العشر[1] وحزب النووی والدورالاعلی والوظیفة لشیخ شیخنا السید القصبی والاٰیتان آخر البقرة +

انھیں دعاؤں میں سے ایک مسبعات عشر ہے حزب نووی ہے۔ دوراعلیٰ ہے اور ہمارے شیخ کے شیخ سید قصبی کا وظیفہ ہے اور آخر بقرہ کی دو آیتیں ہیں۔

ومنها اللهم صل وسلم وبارك على سيدنا محمد وعلى محبيه بعدد فضائل لا اله الا الله ثلاثاً +

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ تین بار یہ کہے کہ اے اللہ صلوٰۃ و سلام اور برکت نازل فرمائیے۔ ہمارے سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے محبین پر جس قدر لا الہ الا اللہ کے فضائل ہیں۔

ومنها اللهم فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة انی اعهد اليك فی هذه الحيوة الدنيا بانی اشهد ان لا اله الا انت وحدك لا شريك لك وان محمداً عبدك ورسولك فلا تكلنی الی نفسی فانك ان تكلنی

اور انھیں میں سے ایک یہ دعا ہے کہ تین بار یہ دعا پڑھے۔ اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے غیب و شہادت کے جاننے والے میں اپنی اس دنیوی زندگی میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ آپ کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے آپ تنہا ہیں کوئی آپ کا شریک نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپکے بندے اور رسول ہیں لہٰذا آپ مجھے

---

[1] (قوله المسبعات العشر) اور یہ سات بار سورہ فاتحہ سات بار سورہ ناس اسی طرح سے سورہ فلق سورہ اخلاص سورہ کافرون اور آیۃ الکرسی اور سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم کو سات سات بار پڑھنا ہے اور اسکے بعد یہ درود اللهم صل علی سیدنا محمد عبدك ونبيك ورسولك النبی الامی وعلی اله وصحبه وسلم سات بار اور اللهم اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منهم والاموات سات بار اور اللهم اجعل بی وبهم عاجلا واجلا فی الدین والدنیا والاخرة یا انت لهٗ اهل ولا تفعل بنا یا مولانا ما نحن له اهل انك غفور حلیم جود کریم غفور رحیم سات بار اور اللهم صل علی سیدنا محمد بعدد معلوماتك دس بار اور یاجبار اکیس بار اور یا جبار اجبر حالی علی وفق مرادك ولا تجعلنی جباراً علی عبادك انك علی كل شیئ قدیر۔ یہ دعائیں پڑھے۔

الی نفسی تقربنی من الشر و تباعدنی من الخیر وانی لا اثق الا برحمتك فاتخذ لی عندك عهداً توفینیه یوم القیمة انك لا تخلف المیعاد ثلاثاً فمن قرأه كان ممن اتخذ عند الرحمن عهداً فی قوله تعالیٰ لا یملكون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمن عهدا ؛

ایک آن کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کریں۔ اگر آپ نے ایسا کردیا تو آپ مجھے شر سے قریب کرینگے اور خیر سے مجھے بعید کرینگے اور مجھے بجز تری رحمت کے کسی پر بھروسہ نہیں لہذا آپ بھی میرے لئے اپنے پاس ایک وعدہ رکھ لیجئے جسکو آپ قیامت میں پورا فرمادیجیگا (اور وہ وعدہ مغفرت ہے) بیشک آپ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتے جو شخص اس دعا کو پڑھ لے گا تو وہ انلوگوں میں سے شمار ہوگا جن کے کہ گویا رحمان نے وعدہ کرلیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمن کے پاس اجازت لی۔

ومنها دعاء الفرج المروی عن الخضر علیه الصلوة والسلام

اور منجملہ انھیں دعاؤں کے ایک کشائش کی دعا ہے جو کہ حضرت خضر علیہ السلام سے مروی ہے۔

ومن دعا به صباحاً ومساءً دام سروره وهدمت ذنوبه ومحیت خطایاه واستجیب دعاءه وبسط له فی رزقه واعطی امله واعین علی عدوه وكتب عند الله تعالی صدیقا ولا یموت الا شهیداً وهو هذا ؛

جس نے اس دعا کو صبح اور شام ورد میں رکھا تو وہ ہمیشہ خوش رہیگا اسکے گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اسکی خطایا محو کردیجائینگی اور اس کی دعا قبول کی جائیگی اسکے رزق میں وسعت کردیجائیگی اسکی امید پوری کردیجائینگی اور دشمن پر اس کی اعانت کیجائیگی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ صدیق لکھا جائیگا اور شہادت کی موت اسکو نصیب ہوگی۔ وہ دعا یہ ہے۔

اللهم كما لطفت فی عظمتك دون اللطفاء وعلوت بعظمتك علی العظماء وعلمت ما تحت ارضك كعلمك بما فوق عرشك وكانت وساوس الصدور كالعلانیة عندك وعلانیة

اے اللہ جس طرح سے کہ تو اپنی عظمت میں سب لطیفوں سے بڑھ کر لطیف ہے اور اپنی عظمت میں جملہ عظماء سے بڑھ کر اور تیرا علم زمین کے نیچے ویسے ہی ہے جیسا کہ تیرا علم اپنے عرش کے اوپر کے متعلق ہے اور سینوں کے وساوس تیرے نزدیک مانند علانیہ کے ہے اور علانیہ قول تیرے

القول کالسر فى علمك وانقاد
كل شيئ بعظمتك وخضع
كل ذى سلطان لسلطانك
وصار امير الدنيا والآخرة
كله بيدك اجعل لى من
كل هم امسيت فيه فرجا
ومخرجا۔

نزدیک ایسا ہے جیسے تیرے علم کی چھپی ہوئی کوئی چیز اور
تیری عظمت کے آگے دنیا کی سب چیزیں منقاد ہوگئیں
اور تیرے دبدبے کے آگے ہر دبدبے والا پست ہوگیا دنیا اور
آخرت کے سارے امور تیرے قبضہ میں ہے (تو اے اللہ جب تیری
ایسی شان ہے) تو کردے میرے ہر غم کو جس میں میں نے رات
گذاری ہو. فراخی اور کشادگی والا

وفى الصباح يقول اصبحت
اللهم ان عفوك عن ذنوبى وتجاوزك
عن خطيئتى وسترك على قبيح
عملى اطمعنى ان اسئلك مالا
استوجبه مما قصرت فيه ادعوك
امنا واسئلك مستانسا وانك
المحسن الى وانا المسيئ الى نفسى
فيما بينى وبينك تتودد الى
بنعمك واتبغض اليك بالمعاصى
ولكن الثقة بك حملتنى على
الجرأة عليك فعد بفضلك
واحسانك على انك انت
التواب الرحيم۔ انتهى

اور صبح کے وقت یہ کہے: میں نے صبح کی اے اللہ
اس حال میں کہ آپ کا میرے گناہوں کا بخش دینا اور آپ کا
میری خطاؤں سے درگذر فرماجانا اور آپ کا میرے ردی اور
قبیح اعمال کی۔۔۔ ستر پوشی کرنا ان سب امور میں مجھے
ترغیب دلائی ہے کہ میں آپ سے ایسی چیزوں کا سوال کروں جنکا میں اپنی
کوتاہیوں کیوجہ سے مستحق نہیں ہوں تو میں مامون ہوکر تجھے
پکارتا ہوں اور مانوس ہوکر تجھ سے سوال کرتا ہوں بیشک
آپ ہی احسان کرنے والے ہیں میرے اوپر اور میں برائی
کرنے والا ہوں اپنے نفس کی جانب ان امور میں جو میرے
اور آپکے درمیان ہیں تو نے مجھے نعمت دیکر اپنی شفقت اور
محبت کا ثبوت دیا اور میں نے نافرمانی کرکے تجھ سے بغض و
عداوت رکھنے والوں کے ساتھ مشابہت اختیار کی باین ہمہ
آپ کے کرم اور شفقت پر جو مجھے بھروسہ ہے اس نے مجھے
اس حالت میں بھی آپ پر جرأت کرنے پر ابھارا۔ پس آپ نے
مجھ پر اب تک جس طرح سے فضل و احسان فرمایا اس کا اعادہ
فرمایئے. بیشک آپ تو بہ قبول کرنے والے ہیں اور رحم کرنے
والے ہیں۔

ومنها الدعاء الذی لقنه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لموسی بن جعفر الکاظم فی المنام حین حبسه الرشید ظلماً فقال قل هذه الکلمات فانك لا تبیت اللیلة فی الحبس۔ فلما انتبه من نومه قالها فکان الامر کذالك وهی بعد البسملة والحمد للہ والصلوٰة والتسلیم علیه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم۔ اللهم یا سامع کل صوت ویا سابق کل فوت ویا کاسی العظام ومنشرها بعد الموت۔ اسئلك باسمائك العظام وباسمك الاعظم الاکبر المخزون المکنون الذی لم یطلع علیه احد من المخلوقین یا حلیماً ذا الاناءة یا ذا المعروف الذی لا ینقطع معروفه، ولا یحصی له عدد فَرِّجْ عنی ففرج عنه تلك اللیلة ببرکة تلك الکلمات۔ ولهن سر عظیم۔

اور منجملہ ان کے ایک وہ دعا ہے جسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں حضرت موسیٰ ابن جعفر کاظم کو تلقین فرمائی تھی جس وقت کہ رشید نے انھیں ظلماً قید کردیا تھا۔ پس آپ نے فرمایا کہ ان کلمات کو کہہ لو تو شب گذرنے سے پہلے قید سے نکل جاؤ گے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ ابن جعفر نیند سے بیدار ہوئے اور اس کو پڑھا تو ایسا ہی معاملہ ہوا وہ دعا یہ تھی کہ اولاً بسم اللہ پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور پھر یہ کہے کہ اے اللہ اے سننے والے ہر آواز کے اور صوت کے اور اے پالینے والے ہر فوت کے اور اے ہڈیوں کو گوشت پوست پہنا کر ان کو اٹھانے والے بعد موت کے میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کے بڑے بڑے ناموں کے واسطے سے اور خاصکر آپ کے اس اسم اعظم کے واسطے سے جو بہت بڑا ہے اور خزانہ میں چھپا ہوا رکھا ہے جس پر مخلوقات میں سے کسی کو اطلاع نہیں۔ اے وہ ذات جو نہایت ہی بردبار ہے اور جس کا ہر کام طریقے اور سلیقے سے ہوتا ہے اور جس کی نیکیاں منقطع نہیں ہوتیں وہ نیکیاں جن کا کوئی عدد احصا نہیں کرسکتا مجھ کو اس پریشانی سے نجات دیجئے یعنی قید سے خلاصی عطا فرمائیے۔ چنانچہ ان کلمات کی برکت سے اسی شب رہا کردیئے گئے اور ان کلمات کے لئے سر عظیم ہے۔

ويزيد في الصباح ورد السحر وورد الستار وفي المساء ورد الاستاذ السيد القصبي وهو صلوته المشهورة مع منظومة السيد البكري لاسماء الله الحسنى و ان كان ضعيف الهمة فليقتصر على صلوات استاذنا الشيخ محمد رشيد رحمه الله تعالى مع المنظومة المعلومة وفي الجمعة سورة الكهف ودلائل الخيرات ووظيفة السيد القصبي۔

اور صبح کے وقت کی دعاؤں میں ورد السحر اور ورد الستار کا اضافہ کرے اور شام کے اوراد میں استاذ سید قصبی کا ورد جس کا نام صلوت ہے اور مشہور ورد ہے اس کا اضافہ کرے اور اسی کے ساتھ ساتھ سید بکری نے اسمائے حسنیٰ کو جو نظم کیا ہے اس کو بھی پڑھ لیا کرے اور اگر سالک ضعیف الہمت ہو تو چاہیئے کہ ہمارے استاذ شیخ محمد رشید رحمۃ اللہ علیہ کی صلوت مع اسمائے حسنیٰ منظومہ مذکورۃ الصدر پڑھ لیا کرے اور جمعہ کے دن سورہ کہف، دلائل الخیرات اور سید قصبی کا وظیفہ پڑھا کرے۔

(واما الادعية التي بعد الصلوة)

(بہرحال وہ دعائیں جو نماز کے بعد ہیں)

فختم الصلوة السيد البكري كفاية وان شاء زاد عليه بعد صلوة الصبح الثلاث آيات اول سورة الانعام والثلاث آيات آخر سورة الحشر وتقول بين سنة الفجر و فريضته سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم استغفر الله مأة مرة ثم تضطجع على شقك الايمن مستقبل القبلة وتقول في اضطجاعك۔

تو سید بکری نے ختم الصلوۃ میں جو دعائیں جمع کردی ہیں وہ بہت کافی و وافی ہیں اور اگر کوئی چاہے تو اس پر کچھ اور زائد کرے۔ چنانچہ فجر کے بعد تین آیتیں سورہ انعام کے اول کی اور تین آیتیں سورہ حشر کے اخیر کی پڑھ لیا کرے۔ اور فجر کی سنت اور فرض کے درمیان سبحان اللہ وبحمدہ اور سبحان اللہ العظیم استغفر اللہ سو بار پڑھ لیا کرے پھر قبلہ رو ہو کر دائیں کروٹ پر لیٹ جائے اور تین بار اسی حالت میں یہ دعا پڑھے۔

اللھم رب جبریل ومیکائیل واسرافیل وعزرائیل[1] ومحمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اجرنی من النار ثلاثًا وتصور نفسك فی ھذہ الضجعۃ انك فی اللحد ثم تجلس وتقول ایضًا بین سنۃ الفجر والفریضۃ یاحی یاقیوم لا الہ الا انت اربعین مرۃ والاخلاص احدے عشرۃ مرۃ ویزید بعد صلوۃ الجمعۃ قراۃ الفاتحہ والصمدیۃ والمعوذتین سبعًا سبعًا اللھم یاغنی یامبدع یامعید اغننی بحلالك عن حرامك وبفضلك عمن سواك ثلاثًا ثم سبحان اللہ العظیم وبحمدہ مأۃ مرۃ ویھدی ثوابھا لوالدیہ ویکثر من الصلوۃ

اے اللہ جو رب ہیں جبریل میکائیل اسرافیل اور عزرائیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مجھے دوزخ سے خلاصی عطا فرما اور اپنے اس لیٹنے کے متعلق یہ تصور کرو کہ تم گویا لحد (یعنی قبر) میں ہو پھر بیٹھو اور سنت اور فرض کے درمیان چالیس بار یہ پڑھو یاحی یاقیوم لا الہ الا انت اور گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھو اور جمعہ کی نماز کے بعد سورہ فاتحہ۔ صمدیت (یعنی قل ھو اللہ احد اللہ الصمد الخ) اور معوذ تین سات سات بار پڑھو اور اللھم یاغنی یاحمید یامبدع یامعید اغننی بحلالك عن حرامك وبفضلك عمن سواك تین بار پڑھو پھر سبحان اللہ العظیم وبحمدہ ایک سو مرتبہ پڑھو اور ان سب کا ایصال ثواب اپنے والدین کو کردو اور جمعہ کے دن میں بھی

---

[1] (قولہ وعزرائیل الخ) رسالہ الصدق والتحقیق میں کچھ اور زیادتی بھی ہے یعنی عزرائیل کے بعد حملۂ عرش بھی لکھا ہے اور یہ بھی زیادہ کیا ہے کہ ان کے قول اجرنی من النار کے بعد اللھم اجرنی من النار سات بار کہہ لیا کرے اور سات بار اللھم ادخلنی الجنۃ کہہ لیا کرے اور یوں کہے کہ الموت الموت اللھم کما حکمت علی بالموت اسالك ان تکفینی شر سکرات الموت ویسکنت سکنۃ لطیفۃ یتذکر فیھا انہ فی القبر جس میں یہ یاد کرے کہ وہ گویا قبر کے اندر موجود ہے۔ انتہٰی الخ

عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى
يومها وليلتها ويواظب على الصيغة
الامية مأة مرة بعد عصرها
ويجلس بعد لصلوة العصر فى
مجلسه الذى صلى فيه ويقول
يا الله يا رحمٰن الى ان تغيب الشمس
ويزيد فى يومى العيدين لا اله الا
الله وحده لا شريك له له الملك
وله الحمد يحى ويميت وهو حى
لا يموت بيده الخير واليه المصير
وهو على كل شيئ قدير اربع مأته
مرة بين صلوة الفجر وصلوة العيد
ويزيد ايضًا الاستغفار بين الصلوتين
المذكورتين مأته مرة ويسبح ثلاثمأة
تسبيحة ويهدى ثوابها لاموات
المسلمين وذالك فى جميع اليوم و
يزيد يوم عرفة قرأة الصمدية الف
مرة بعد الزوال ثم يدعو بما
شاء ويكثر من هذه الثناء فى
ذالك اليوم وهو الحمد لله بجميع
محامده كلها ما علمت منها وما لم
اعلم عدد خلقه كلهم ما علمت
منهم وما لم اعلم ويزيد يوم

اور رات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر
درود کثرت سے پڑھو اور مواظبت کرے صیغہ
امیہ پر سو مرتبہ بعد عصر کے اور عصر کی نماز پڑھنے
کے بعد اسی جگہ بیٹھا رہے اور غروب شمس تک
یا اللہ یا رحمٰن کہتا رہے اور عیدین کے
دن یہ دعا زیادہ کردے لا الہ الا اللہ
وحدہٗ الی آخرہ یعنی نہیں ہے کوئی معبود
سوا اللہ واحد کے جس کا کوئی شریک نہیں اسی
کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے
وہی زندہ کرتا ہے وہی موت دیتا ہے اور وہ خود
زندہ ہے اسے موت کبھی نہ آئے گی اسی کے ہاتھ میں
خیر ہے اور اسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے اور وہ
ہر شے پر قادر ہے۔ اس دعا کو نماز فجر اور عید کے
درمیان چار سو مرتبہ پڑھے اسی طرح سے ان دونوں
نمازوں کے درمیان میں چاہے تو سو بار استغفار کا
اضافہ کرے اور تین سو بار سبحان اللہ کا اور اس کا
ثواب اموات مسلمین کو پہونچادے اور یہ معمول
سب دنوں میں رکھے اور یوم عرفہ کے زوال کے بعد
صمدیہ کا وظیفہ ایک ہزار بار پڑھے اور پھر جو دعا چاہے
مانگے اور اس دن اس دعا کی کثرت رکھے یعنی تمام تعریفیں
اللہ کے لئے ہیں جو تعریفیں کہ میرے علم میں ہیں وہ
بھی اور جنہیں میں نہیں جانتا وہ بھی اور محامد
بقدر اس کی کل مخلوقات کے ہیں جنھیں میں جانتا

عاشوراء حسبنا الله ونعم الوكيل
نعم المولى ونعم النصير۔
سبعين مرة وسبحان الله
ملأ الميزان ومنتهى العلم و
مبلغ الرضا وزنة العرش
والحمد لله ملأ الميزان الخ و
لا اله الا الله ملأ الميزان الخ
والله اكبر ملأ الميزان الخ ثم
يقول لا ملجأ ولا منجأ من الله
الا اليه سبحان الله عدد الشفع
والوتر وعدد كلمات الله التامات
كلها اسئلك اللهم السلامة
برحمتك يا ارحم الراحمين
ولا حول ولا قوة الا بالله العلى
العظيم وهو حسبى ونعم
الوكيل وصلے الله على سيدنا
محمد النبى الامى وعلى اله
وصحبه وسلم تسليما كثيرا والحمد
لله رب العالمين سبع مرات ۔
واما الاوراد التى تقرأ قبل
النوم فسورة تبارك الملك والواقعة
واية الكرسى والصمدية والمعوذتين
ثلاثا ثلاثا وسبحان الله ثلاثا و

ہوں وہ بھی اور جنھیں میں نہیں جانتا ہوں وہ بھی اور عاشورہ کے دن اس دعا کا اضافہ کرے ۔حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولی ونعم النصیر۔ اسکو ستر بار پڑھے اور یہ دعا پڑھے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے پاکی ہے میزان بھر کر اور بقدر انتہائی علم کے اور بمقدار اس کی رضا کے اور بوزن عرش کے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے میزان بھر کر بقدر انتہائی علم کے اور بقدر اس کی رضا کے اور بوزن اس کے عرش کے اسی طرح سے لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ میزان بھر کر ابقدر منتہائے علم کے بقدر اس کی رضا کے اور بوزن اس کے عرش کے اسی طرح سے اللہ اکبر میزان بھر کر بقدر منتہائے علم کے اور بمقدار رضا کے اور بوزن عرش کے بھر کے لا ملجأ ولا منجاء الخ یعنی نہیں ہے کوئی پناہ گاہ اور نجات کی جگہ اللہ تعالی سے بھاگ کر بجز اللہ تعالی کے دربار کے۔ اللہ کیلئے پاکی ہے بمقدار جفت کے اور طاق کے اور بقدر اللہ تعالیٰ کے کلمات تامات کے اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں سلامتی کا آپکی رحمت کیساتھ اے ارحم الراحمین نہیں پھرنا ہے معصیت سے اور نہیں طاقت ہے طاعت کی مگر اللہ علی عظیم کے توفیق کے ساتھ وہ مجھے کافی ہے اور اچھا کارساز ہے اور اللہ تعالیٰ کا صلوۃ وسلام ہو ہمارے سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کہ نبی امی ہیں اور آپکے آل پر اور اصحاب پر اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سب عالم کا پالنے والا ہے اس دعا کو سات بار پڑھے۔ بہرحال وہ دعائیں جو سونے سے قبل پڑھنی چاہئیں پس ان میں سے سورہ ملک اور سورہ واقعہ ہے اور آیۃ الکرسی اور صمدیہ اور معوذ تین تین تین بار اور

ثلاثين والحمد لله كذالك والله اكبر
اربعًا وثلثين ويقول باسمك ربي
وضعت جنبي وبك ارفعه عند
الاضطجاع اعوذ بعزة الله وقدرته
من نزغات الشيطين ان يحضرونى
الحمد لله الذى علا فقهر وبطن
فخبر وملك فقدر الحمد لله
الذى يحيى ويميت وهو على كل
شيئ قدير - اللهم ان امسكت
نفسى فارحمها وان ارسلتها
فاحفظها بما تحفظ به عبادك
الصالحين اللهم انى اسلمت
وجهى اليك وفوضت امرى
اليك والجات ظهرى اليك
رغبة ورهبة اليك لا ملجاء
ولا منجا منك الا اليك وصلى الله
على سيدنا محمد النبى الامى و
على اله وصحبه وسلم ثم يقول
استغفر الله العظيم الذى لا اله
الا هو الحى القيوم واتوب عليه
ثلاثا ثم يقرأ اية الكرسى وينام
على خاتمتها وقيل يختم ذالك
كله بقول لا اله الا الله فلعله

سبحان اللہ اور الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار
اور یہ دعا پڑھے اے میرے رب تیرے نام کیساتھ کھامیں
نے اپنے پہلو کو اور تیرے ہی نام کے ساتھ میں اسے اٹھایا
اٹھتے وقت میں اللہ کے عزت اور قدرت کی پناہ مانگتا ہوں
شیاطین کے وساوس سے اور ان کے اپنے پاس آنے سے تمام
تعریف اس اللہ کے لئے جو برتر ہو کر غالب ہو گیا اور باطن
میں ہوا پس زبردست ہوا اور مالک ہوا پس قادر ہوا اور
تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے زندگی عطا فرمائی اور
موت دی اور وہ ہر شئے پر قادر ہے اے اللہ اگر تو روک لے
میری جان کو تو اس پر رحم فرما - اور اگر چھوڑ دے تو اس کو
تو اس کی حفاظت فرما ایسے طریقہ پر جس طرح آپ صالحین
بندوں کی حفاظت فرماتے ہیں - اے اللہ میں نے منقاد
کیا اپنے چہرے کو آپ کی طرف اور سپرد کیا اپنے معاملہ
کو آپ کی جانب اور ٹیکی میں نے اپنی پشت آپکی طرف
آپ کے کرم کی امید کرتے ہوئے اور آپ کے عذاب سے
ڈرتے ہوئے کوئی سہارا اور کوئی بچاؤ نہیں ہے آپ سے بھاگ
کر مگر آپکی جانب اور درود و سلام ہو ہمارے سید محمد صلی
اللہ علیہ وسلم پر جو نبی امی ہیں پھر تین بار استغفار پڑھے
استغفر اللہ العظیم الی آخرہ پھر آیۃ الکرسی پڑھے
اور اسے ختم کر کے سو جائے اور کہا گیا ہے کہ سب سے آخر
میں لا الہ الا اللہ کہے اور پھر سو جائے اسلئے کہ شاید
اسی شب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کا آخری
کلام اس دنیا میں یہی کلمہ ہو - پھر جب اس کی

یموت فی نومہ تلک فتکون اٰخر کلامہ من الدنیا ثم اذا استیقظ من منامہ او تقلب من جنب الی جنب فلیذکر اللہ تعالیٰ واذا قام من النوم فلیقل لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علیٰ کل شیئٍ قدیر ثلاثاً۔

آنکھ کھلے یا ایک کروٹ سے دوسری کروٹ پھیرے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور جب سو کر اٹھے تو تین بار یہ دعا پڑھے لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہٗ الملک و لہ الحمد یحیی و یمیت وھو علیٰ کل شیئٍ قدیر۔

سے ۵ (ومن الادعیۃ المھمۃ) یعنی اہم دعاؤں میں سے ایک وہ دعا ہے جو حضرت سیدنا حسنؓ سے مروی ہے اور یہ کہ اس دعا کو انھیں ان کے جدامجد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا تھا اور وہ یہ ہے۔ اللھم اقذف فی قلبی رجاءک واقطع رجائی عن سواک حتی لا ارجو احدا غیرک اللھم وماضعفت عنہ قوتی وقصر عنہ عملی ولم تنتہ الیہ رغبتی ولم تبلغہ مسألتی ولم یجر علی لسانی مما اعطیت احدا من الیقین فخصنی بہ یارب العالمین انتھی۔

اور انھیں دعاؤں میں سے ایک دعائے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے یعنی اللھم انک تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی وتعلم حاجتی فاعطنی مسؤلی وتعلم مافی نفسی فاغفرلی ذنبی اللھم انی اسئالک ایمانا یباشر قلبی و یقیناً صادقاً حتی اعلم انہ لا یصیبنی الا ما کتبت لی ورضنی بما قسمت لی۔ انتھی۔

اور انھیں دعاؤں میں سے ایک دعائے شدت ہے جسے امام غزالی رحمہ نے نقل کیا ہے وہ یہ ہے:۔

یا مجلی عزائم الامور یا منتھی ھمۃ المھمومین یا من اذا اراد شیا انما یقول لہ کن فیکون احاطت بنا ذنوبنا وانت المذخور لھا یا مذخورا لکل شدۃ ادخرتک لھذا الساعۃ فتب علی انک انت التواب الرحیم پھر کہو یا من لا یشغلہ سمع عن سمع یا من لا یغلطہ کثرۃ المسائل یا من لا یبرمہ الحاح الملحین اذقنا برد عفوک وحلاوۃ مغفرتک انک علی کل شیئٍ قدیر وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ وسلم واستغفر اللہ العظیم لجمیع المومنین والمومنات۔ انتھی منہ۔

وقد رتب شيخ شيخنا السيد
القصبي سورة الاخلاص وردا للعوام
الذين لا يقرؤن تقرأ في ليلة السبت
بعد المغرب عشرين مرة وليلة الاحد
ثلثين وهكذا كل ليلة تزيد عشرة
حتى تكون ليلة الخميس سبعين
مرة واما ليلة الجمعة فمأتة مرة
وبالجملة فالادعية الواردة عقب
الوضوء وعند رؤية الهلال و
اول السنة واخرها وعند السفر
والرجوع منه وعند الخوف و
حدوث النعمة ونحو ذالك فاشيأ
كثيرة غير ان اهمها ادعية حفظ
الايمان وقراءة الاخلاص ثلاثا
في المرض لما روي انه من قرأها
ثلاثا في مرض موته فهو شهيد
ومنها الدعاء المروي عن
ابي هريرة رضي الله عنه ان
رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
قال له يا ابا هريرة الا اخبرك بامر
هو حق من تكلم به في اول مضجعه
من مرضه نجاه الله تعالى من
النار قلت بلى يا رسول الله قال

اور ترتیب دی ہمارے شیخ کے شیخ سید
قصبی نے سورہ اخلاص کی اور اسے ان عوام کا ورد مقرر
کیا ہے جو زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں کہ وہ سورہ اخلاص
کو شب شنبہ مغرب بعد بیس بار پڑھے اور شب یکشنبہ کو
تیس بار اور اسی طرح ہر شب دس کا اضافہ کرتے جائیں
یہاں تک کہ شب پنجشنبہ کو ستر بار پڑھیں اور پھر شب جمعہ کو
سو بار۔ حاصل کلام یہ کہ یوں تو دعائیں بہت سی ہیں کوئی
وضو کے بعد کی ہے کوئی چاند دیکھنے کی ہے کوئی اول
سال اور آخر سال پڑھنے کی ہے سفر میں جانے کی
اور سفر سے لوٹ کر پڑھنے کی ہے۔ خوف کے وقت
کی ہے کسی نعمت کے ملنے کے وقت کی ہے اور اس
کے مثل بہت سے مواقع کے لئے دعائیں وارد ہیں مگر
یہ کہ ان سب سے اہم دعائے حفظ ایمان ہے اور
مرض کی حالت میں تین بار قل ہو اللہ پڑھنا ہے اسلئے
کہ مروی ہے کہ جس نے اس سورہ کو اپنے مرض وفات میں
تین بار پڑھ لیا تو وہ شہید شمار ہوگا۔

انھیں دعاؤں میں سے ایک وہ دعا ہے جو
ابی ہریرہ رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے ابوہریرہ کیا میں تم کو ایسی
چیز کی خبر نہ دوں جو کہ حق ہے جو شخص اسکو بیماری کی حالت
میں سوتے وقت پڑھے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ
سے نجات دے گا۔ میں نے عرض کیا کہ ضرور فرمائیے
یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ یوں کہے کہ نہیں ہے

يقول لا اله الا الله يحي ويميت وهو حي لا يموت سبحان الله رب العباد والبلاد والحمد لله كثيراً طيباً مباركاً فيه على كل حال الله اكبر كبيراً ان كبرياء ربنا وجلاله وقدرته لكل مكان اللهم ان انت امرضتني لتقبض روحي في مرضي هذا فاجعل روحي في ارواح من سبقت لهم منك الحسنى وباعدني من النار كما باعدت اولياءك الذين سبقت لهم منك الحسنى - انتهى +

ومنها ماذكره في الاحياء عن سعيد بين المسيب قال لما احتضر ابوبكر رضي الله عنه اتاه ناس من الصحابة وقالوا يا خليفة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم زودنا فانا نراك لمابك فقال ابوبكر رضي الله تعالى عنه من قال هولاء الكلمات ثم مات جعل الله روحه في الافق المبين قالوا وما الافق المبين قال قاع بين يدي العرش فيه رياض وانهار واشجار يغشاه كل يوم مائة رحمة -

کوئی معبود سوائے اس اللہ کے جو زندہ کرتا ہے موت دیتا ہے اور خود وہ زندہ ہے اس کو موت نہ آئیگی پاک ذات اللہ کی جو عباد اور بلاد کا رب ہے تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں ایسی تعریفیں جو بہت زیادہ ہیں اور طیب ہیں مبارک ہیں اور ہر حال میں ہیں اور اللہ اکبر اور کبیر ہیں اور بیشک ہمارے رب کی کبریائی اور اس کی جلالت اور اسکی قدرت ہر مکان اور ہر جگہ موجود ہے۔ اے اللہ اگر تو نے مجھے اسلئے بیمار ڈالا ہے تاکہ میری اسی بیماری میں میری روح قبض کرے تو کردے میری روح کو شامل ان لوگوں کی روحوں میں جنکے لئے تیری جانب سے حسن عاقبت مقدر ہو چکی ہے اور دور رکھ مجھے دوزخ سے جس طرح سے تو نے دور رکھا ہے اپنے ان اولیاء کو جنکے لئے آپکی جانب سے حسن عاقبت مقدر ہو چکی ہے۔

اور منجملہ انھیں دعاؤں کے وہ ہے جنکو احیاء العلوم میں سعید بن مسیب کی سند سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آخری وقت ہوا تو ان کے پاس کچھ صحابہ آئے اور انھوں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہمیں کچھ توشہ دیتے جائیے اسلئے کہ آپکی جو حالت ہو وہ ہمارے سامنے ہے حضرت ابوبکر صدیق رض نے فرمایا جس شخص نے ان کلمات کو کہہ لیا اور پھر مرگیا تو اللہ تعالیٰ اسکی روح کو افق مبین میں کر دینگے لوگوں نے پوچھا کہ افق مبین کیا ہے آپ نے فرمایا کہ عرش کے سامنے ایک بہت بڑا میدان ہے جسمیں باغات ہیں اور نہریں جاری ہیں اور درخت ہیں اس میدان پر ہر دن سو رحمت سایہ فگن ہوتی ہے پس جو شخص ان کلمات کو کہہ لیگا تو اللہ تعالیٰ اسکی روح کو اسی جگہ رکھیں گے۔

فمن قال ذالك القول جعل
الله روحهٗ فی ذالك المكان وهو
اللهم انك ابدعت الخلق من غير
حاجة بك اليهم ثم جعلتهم
فريقين فريق للنعيم وفريق للسعير
فاجعلنی للنعيم ولا تجعلنی للسعير.
اللهم انك خلقت الخلق فرقاً و
ميزتهم قبل ان تخلقهم فجعلت
منهم شقياً وسعيداً وغوياً ورشيداً
فلا تشقنی بمعاصيك اللهم انك
علمت ماتكسب كل نفس قبل ان
تخلقها ولا محيص لها مما علمت فاجعلنی
ممن تستعمله بطاعتك اللهم ان
احداً لا يشاء حتی تشاء فاجعل
مشيتك ان اشاء مايقربنی اليك
اللهم انك قدرت حركات العباد
فلا يتحرك شیٔ الا باذنك فاجعل
حركاتی فی تقواك اللهم انك خلقت
الخير والشر وجعلت لكل واحد
منهما عاملاً يعمل به فاجعلنی به
من خير القسمين اللهم انك خلقت
الجنة والنار وجعلت لكل واحد
منهما اهلاً فاجعلنی من سكان

اور وہ کلمات یہ ہیں کہ اے اللہ آپ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اس حال میں کہ آپ کو ان کی جانب حاجت نہ تھی پھر آپ نے ان کو دو فریق بنایا ایک فریق جنت کے لئے ایک فریق دوزخ کے لئے۔ پس کردیجئے مجھ کو جنت والے فریق میں اور مت کیجئے دوزخ والوں میں سے۔

اے اللہ تو نے مخلوق کو پیدا کیا کئی فرقوں میں اور انھیں پیدا کرنے سے پہلے ہی ممتاز کردیا یعنی ان میں سے بعضوں کو شقی و غوی بنایا اور بعضوں کو سعید اور رشید بنایا۔ پس اے اللہ اپنی معصیت میں مجھے مبتلا کر کے شقی نہ بنا اور اے اللہ تو جانتا ہے نفوس کے پیدا کرنے سے پہلے ہی سے کہ ہر نفس کیا عمل کرے گا پس اس کے لئے تیرے علم کے مقتضیٰ پر عمل کرنے سے چارہ نہیں۔ پس اے اللہ مجھے بنا دیجئے ان لوگوں میں سے جن سے تو نے اپنی طاعت کا کام لیا ہے اور اے اللہ کوئی شخص چاہ نہیں سکتا جب تک تو نہ چاہے پس کردیجئے اپنی مشیت کو یہ کہ میں چاہوں اسی چیز کو جو مجھے آپ سے قریب کردے اے اللہ تو نے بندوں کی حرکات مقدر فرمائی ہیں پس کوئی شے بغیر آپ کی اجازت کے ہل نہیں سکتی لہٰذا میری ہر حرکت کو اپنے تقویٰ میں شامل فرما دیجئے اور اے اللہ تو نے خیر و شر پیدا کیا ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے عمل کرنے والے بنائے لہٰذا اے اللہ ان دونوں قسموں میں سے جو بہتر ہو مجھے اس میں شامل فرما دیجئے۔ اے اللہ تو نے

جنتك اللهم انك اردت بقوم
الضلال وضيقت به صدورهم
فاشرح صدري للايمان وزينه
في قلبي اللهم دبرت الامور فجعلت
مصيرها اليك احيني بعد الممات
حيوة طيبة وقربني اليك زلفى
اللهم من اصبح وامسى وثقته و
رجاءه غيرك فانت ثقتي ورجائي
ولاحول ولا قوة الا بالله قال ابو بكر
هذا كله في كتاب الله عز وجل
انتهى +

ولنختم ذالك بالصيغة
المسماة بصيغة الكبريت الاحمر
لكل مهم اخذتها عن الشيخ ابراهيم
السقا الازهري رحمه الله تعالى
وهي ان تقرأ الفاتحة ليلة الجمعة
وليلة الاثنين وبعدها تقرأ
اللهم صل على سيدنا محمد الحبيب
الشفيع الرؤف الرحيم الذي
اخبر عن ربه الكريم ان الله تعالى
في كل نفس مأة الف فرج قريب مائة
الفاجرة في مجلس واحد على طهر كامل
مستقبل القبلة الشريفة انتهى +

جنت اور دوزخ دونوں کو پیدا کیا اور ان میں سے ہر ایک کے ساکنین اور مستحقین بنائے ہیں۔ پس اے اللہ مجھے اپنے جنت کے سکان میں سے بنا دیجئے اے اللہ تو نے ارادہ کیا ہے ایک قوم کو گمراہ کرنیکا اور ان کے سینوں کو تو نے تنگ کر رکھا ہے اسی گمراہی کے سبب سے پس اے اللہ میرے سینوں کو ایمان کے لئے کھول دیجئے اور مزین کر دیجئے اس کو میرے قلب میں اے اللہ تو نے امور کا انتظام کیا اور ان سب کا انجام اپنے ہی جانب رکھا پس اے اللہ مجھے مرنے کے بعد حیات طیبہ والی زندگی بخشئے اور مجھے اپنی جانب قریب کر لیجئے اے اللہ جو شخص صبح و شام کرے اس حال میں کہ اسکا اعتماد اور اس کا بھروسہ تیرے غیر پر ہو تو وہ جانے یہاں تو تو ہی میرا بھروسہ ہے اور تو ہی میری امید گاہ ہے اور نہیں ہے پھرنا معصیت سے اور قوت طاعت کی مگر اللہ کی توفیق کے ساتھ۔ ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ یہ تمام کی تمام باتیں اللہ عزوجل کی کتاب میں موجود ہے۔

اور چاہیئے کہ ہم ختم کریں اسکو اس دعا کے ساتھ جس کا نام دعائے کبریت احمر ہے جو کہ واقعی ہر مہم کے لئے اکسیر ہے میں نے اسے اپنے شیخ ابراہیم سقا ازہریؒ سے حاصل کیا وہ یہ ہے کہ تم جمعہ کی شب سورہ فاتحہ پڑھو یا دوشنبہ کی شب میں پڑھو اور بعد اس کے یہ دعا پڑھو اے اللہ درود بھیجئے ہمارے سید پر جن کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو کہ حبیب رب العالمین ہیں شفیع المذنبین ہیں اور مومنین کے ساتھ رؤف و رحیم ہیں جنہوں نے اپنے رب کریم سے یہ خبر دی کہ بیشک اللہ تعالی کیلئے ہر نفس میں ایک لاکھ کشادگی ہے اس دعا کو تقریباً ایک لاکھ بار طہارت کاملہ کیساتھ قبلہ رو ہو کر ایک ہی مجلس میں پڑھے۔

فوائد مهمة

الاولى فی بیان من یستجاب دعاءه
الثانية۔ فی بیان اوقات الاجابة
الثالثة۔ فی بیان امكنة الاجابة

اما الذين يستجاب دعاؤهم فهم المسافر والمظلوم والغازی والصائم والمعسر والشيخ المسدد ای الملازم للسنة وحامل القرآن ومكثر الذكر ودعاء الولد لوالديه وهما له والحاج والمحرم ومن فرج عن معسر او احسن اليه والدعاء بظهر الغيب ودعاء جمع يؤمن بعضهم عليه ودعاء الثابت عند الفرار والمضطر والامام العادل ومكثر الدعاء والدعاء المعمم۔

واما اوقات الاجابة فوقت الافطار والاذان والاقامة وبينهما وعند الباس ای الاصطفاف للجهاد وثلث الليل الاخير ونصفه وعند رؤية الكعبة والعطاس ونزول الغيث واول ليلة من

چند ضروری فوائد

(پہلا فائدہ) ان لوگوں کے بیان میں جنکی دعا قبول ہوتی ہے۔
(دوسرا فائدہ) اوقات اجابت دعا کے بیان میں۔
(تیسرا فائدہ) اجابتِ دعا کے مقامات کے بیان میں۔

پس جن کی دعا قبول ہوتی ہے وہ یہ لوگ ہیں مسافر۔ مظلوم۔ غازی۔ روزہ دار۔ نادار مفلس۔ وہ بوڑھا جو متبع سنت ہو۔ حافظ قرآن۔ کثرت سے ذکر اللہ کرنے والا۔ لڑکے کی دعا والدین کے حق میں مقبول ہوتی ہے اسی طرح سے والدین کی دعا لڑکے کے حق میں حاجی کی دعا۔ احرام والے کی دعا۔ تنگ دست کو مہلت اور کشادگی دینے والا۔ قرض معاف کر دینے والا۔ پس پشت کسی مسلم کی دعا دوسرے مسلم کے حق میں۔ اور اس مجمع کی دعا جس میں بعض دعا کریں اور دوسرے لوگ آمین کہیں اور دعا اس شخص کی جو بھگدڑ کے موقع پر دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے۔ مضطر کی دعا۔ امام عادل کی دعا بکثرت دعا کرنے والے کی دعا۔ اور دعائے عامہ۔

بہرحال اوقات اجابت تو ان میں سے وقت افطار ہے اسی طرح اذان کے وقت۔ اقامت کے وقت۔ ان دونوں کے درمیان میں جہاد کے وقت۔ جہاد سے قبل صف آرائی کے وقت۔ شب کے اخیر تہائی حصہ میں نصف لیل کے وقت۔ جب کعبہ شریف پر نظر پڑے۔ چھینک کے وقت۔ بارش ہوتے وقت۔ جب کی اول شب میں

رجب ولیلة النصف من شعبان ولیلة العیدین وساعة مجهولة فی نهار الجمعة ولیلتها وفی السجود وشهر الصیام ووقوف عرفة وبعد ختم القرآن وبعد اداء کل فریضة وبین الجلالتین فی سورة الانعام وبعد کل من علیها فان فی الرحمن وعند الرقة والقشعریرة والانشراح للدعاء۔

واما امکنة الاجابة فعند الحجر الاسود والملتزم و سائر الاماکن الخمسة عشرة المذکورة فی کتاب الحج وفی المساجد الثلاثة ولیبدأ الدعاء بالحمد لله والصلوة علی النبی صلی الله علیه وسلم فی اوله واوسطه واخره ولیکن حاضر القلب خاشعًا واعظم الشروط اکل الحلال ولبسه۔

پندرہویں شعبان کی شب میں۔ عیدین کی شب میں۔ جمعہ کے دن کی ایک پوشیدہ گھڑی میں شب جمعہ میں۔ سجدہ کی حالت میں۔ رمضان کے مہینہ میں۔ وقوف عرفہ کے وقت۔ ختم قرآن کے بعد۔ ہر فرض نماز کے بعد۔ اور سورہ انعام میں دو جگہ جو اللہ جلالہ کا نام آیا ہے اس کے درمیان میں بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور سورہ رحمٰن میں کل من علیها فان کے بعد اور رقت طاری ہونیکے وقت یعنی بدن میں جھرجھری ہوکر رونگٹے کھڑے ہونیکے وقت جب دعا کیلئے قلب میں انشراح ہو یعنی دعا کرنے میں جب دل لگے یہ سب اوقات اجابت ہیں۔ بہرحال مقام اجابت تو وہ یہ ہیں حجر اسود اور ملتزم کے پاس۔ تمام ان پندرہ مقامات پر جنکا ذکر حج کے بیان میں آتا ہے۔ تینوں مساجد میں (مسجد اقصیٰ۔ مسجد نبوی۔ مسجد بیت اللہ شریف. اور دعا کو اللہ تعالیٰ کی حمد سے شروع کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اول درمیان اور آخر درود پڑھے اور حضوری قلب اور خشوع کے ساتھ دعا کرے اور سب سے بڑی شرط (دعائے اجابت کی) حلال کھانا اور حلال پہننا ہے۔

تنبیهات

الاول۔ لا ینبغی للمرید الذی هو تحت تربیة المرشد ان یشتغل بشیء من الاوراد والادعیة

تنبیہات

تنبیہ اول۔ جو مرید کہ کسی مرشد کی تربیت میں داخل ہو اس کو کوئی وظیفہ اور دعا بدون شیخ کی اجازت کے نہیں پڑھنا چاہیئے۔ اور پہلے کہا گیا ہے کہ بعض مقامات

الاول اذا امرہ بہ استاذہ وقد تقدم ان بعض المقامات یجیب للمرید قرأۃ الاوراد والادعیۃ فلیعتمد فی ذالک اشارۃ شیخہ

الثانی اذا اکمل المرید السلوک فاحسن الاوراد فی حقہ قرأۃ القرآن بالتامل والتدبر غیرانہ اذا وجد قلبہ فی نوع اٰخر من الاذکار فلیتبعہ فرب شخص یجد قلبہ وھمتہ فی الاستغفار واٰخر فی الصلوۃ علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واٰخر فی الذکر واٰخر فی الفکر واٰخر فی الادعیۃ واٰخر لاتمکنہ الادعیۃ لسکونہ بالرضاء تحت مجاری الاقدار فلیعمل کل انسان بحسب الداعیۃ التی یجدھا من نفسہ ویجد فیھا قلبہ فان ذالک[ع] علامۃ علی ان

سلوک میں ایسے آتے ہیں کہ سالک کو اوراد اور ادعیہ پڑھنے کی رغبت زیادہ ہوتی ہے تو چاہیئے کہ اس وقت بھی اپنے شیخ کی اجازت کو ملحوظ رکھے۔

تنبیہ دوم۔ سالک کا سلوک جب تمام ہو جائے تو اس کا بہترین وظیفہ تلاوت قرآن ہے تدبر اور تامل کے ساتھ۔ بجز اس صورت کے کہ اس کے قلب میں کسی اور ذکر کا داعیہ پیدا ہو جائے تو خیر اسے ہی کرے۔ اس لئے کہ بہت سے نفوس کو استغفار میں رغبت ہوتی ہے۔ بہت سوں کو درود شریف سے انس ہوتا ہے کسی کو ذکر اللہ سے تعلق ہوتا ہے کسی کو فکر ہی میں لذت ملتی ہے کسی کو دعاؤں میں مزا آتا ہے اور کوئی دعا کی جانب اسلئے مائل نہیں ہوتا کہ اس کا حال راضی برضائے مولیٰ رہنا ہوتا ہے اسلئے وہ تقدیر پر قناعت کر کے خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ جب حالات مختلف ہیں تو ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے داعیہ قلبی کے مطابق ورد تجویز کرے اور جس میں اس کو لذت اور سکون ملے اسی کو اختیار کرے۔ اس لئے کہ قلب کا کسی ایک امر کی جانب سکون پذیر ہونا یہ علامت[ع] ہے اس بات کی کہ اس

[ع] (قولہ فان ذالک علامۃ) یعنی یہ جو کہا کہ کسی خاص ورد کی جانب طبیعت کا میلان علامت ہے کہ اس کا وارد اور مدد اسی باب سے مقدر ہے جو اسے محبوب ہے خواہ ذکر ہو یا فکر تو یہ اس لئے کہ حق تعالیٰ سبحانہ کی امداد انواع اطاعت کے اعتبار سے مختلف نوع کی ہے۔ پس ان اذکار و طاعات میں سے ہر ایک کے لئے ثواب بھی مخصوص ہے اور مدد بھی۔ ۱۲

واردة ومددة من ذالك الباب الذی حبب الیه ان کان ذکراً اوغیرہ ۔

واما حال هذا الحقیر فانی منذ سمعت الحدیث القدسی من شغله ذکری عن مسألتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین ماصرت افضل علی الذکر شیئاً من الادعیة وربما یحبب الی فی بعض الاوقات قرأة القرآن وقد یحبب الی غیر ذالك من الاذکار ۔

الثالث قد اختلف القوم[۵] فی اختیار الدعاء وعدمه والذی

کا وارد اور اس کی امداد اسی دروازہ سے مقدر ہے جو اسکو محبوب ہے خواہ وہ ذکر ہو یا کوئی اور چیز ہو۔

باقی اس حقیر کا حال تو یہ ہے کہ جب سے میں نے یہ حدیث قدسی سنی ہے کہ جس شخص کو میرا ذکر مجھ سے سوال کرنے سے روکدے تو اس کو میں سارے مانگنے والوں سے بڑھ کر دوں گا۔ اس وقت سے میں ذکر اللہ پر کسی اور دعا کو ترجیح نہیں دیتا۔ یوں بسا اوقات تو مجھے تلاوت قرآن بھی محبوب ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ دوسرے اذکار

(تنبیہ سوم) مشائخ کا اس امر میں اختلاف[۵] ہے کہ دعا کرنا اولیٰ ہے یا ترک دعا۔ ابوالقاسم قشیری

۵؎ (قوله فی اختیار الدعاء) یعنی یہ جو کہا کہ مشائخ کا دعا کے اختیار و عدم اختیار کے باب میں اختلاف ہے تو مراد اس سے یہ ہے کہ اسکی اولویت میں اختلاف ہے یعنی یہ کہ بہتر کون ہے تو بعض حضرات نے دعا کو بہتر فرمایا ہے اسلئے کہ اس میں فاقہ اور عجز کا اظہار ہے اور بعض مشائخ نے حکم الٰہی کے تحت سکوت اور جمود اختیار کیا ہے۔ حق تعالیٰ کے تجویز و اختیار پر رضا ظاہر کرتے ہوئے اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے دعا کی ہے محض اظہار عبودیت کی خاطر اور اپنے آپ کو مالک حقیقی کے سامنے ذلیل کرنیکے لئے باقی ان کا قلب مطمئن ہے مطلوب ملے یا نہ ملے۔

علامہ شعرانی نے طبقات میں سیدنا عبدالقادر جیلانی رحؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ تم از خود نہ حصول نعمت چاہو نہ دفع مصیبت اسلئے کہ ان دونوں میں سے جو تمہارے لئے مقدر ہے وہ تمہیں پہونچکر رہے گی۔ تم پسند کرو یا نہ کرو (تمہارے چاہنے پر کچھ موقوف نہیں) بلکہ تمہارا جو وظیفہ ہے وہ بس یہ کہ نعمت ملے تو شکر کرو اور مصیبت پڑے تو صبر کرو۔ یہانتک کہ مصیبت تم سے ختم ہو جائے۔ غیر اللہ سے اس کا شکوہ نہ کرو اسلئے کہ کسی دوسرے کا کچھ اختیار نہیں۔ فاعل مختار صرف حق تعالیٰ ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وان یمسسك الله بضر فلا کاشف له الا هو یعنی اگر تم پر کوئی مصیبت پڑے تو بجز حق تعالیٰ کے کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں۔ اور دیکھو

(بقیہ صفحہ ۲۹۷ پر ملاحظہ ہو)

اختارہ ابو القاسم القشیری ان الاولیٰ مراعات حکم الوقت فان وجد فی قلبہ اشارۃ الی الدعاء فالدعاء اولیٰ وان وجد فی قلبہ اشارۃ الی السکوت بان جاء فی قلبہ فی وقت الدعاء شبہ وارد زجر او قبض فالاولیٰ ترک الدعاء فی ذالک الوقت وان لم یجد فی قلبہ شیئاً من ذالک فالدعاء وترکہ سیان ثم یقال ان کان الغالب علیہ فی ذالک الوقت العلم فالدعاء اولیٰ لانہ مخ العبادۃ وان کان الغالب علیہ المعرفۃ والحال فالسکوت والسکون اولیٰ اویقال ماکان للمسلمین فیہ نصیب اوللحق سبحانہٗ تعالیٰ فیہ حق فالدعاء اولیٰ وما کان لنفسک فیہ حظ فالسکوت اولیٰ ھذا فی الطلب من اللہ اما فی الطلب من المخلوقین

کی رائے اس باب میں یہ ہے کہ اولیٰ وقت اور حالات کی رعایت ہے۔ یعنی اگر اپنے قلب میں میلان اور داعیہ دعا کا پاوے تو دعا کرنا اولیٰ ہے اور اگر اپنے قلب میں سکوت کا اشارہ پاوے یعنی دعا کے وقت اس کے قلب میں زجر یا قبض کے وارد کے مشابہ کوئی چیز آوے تو اولیٰ اس حالت میں اور ایسے وقت میں ترک دعا ہے اور اگر اپنے قلب میں ان امور میں سے کچھ بھی نہ پاوے تو اس کے لئے دعا اور ترک دعا دونوں برابر ہے پھر کہا گیا ہے کہ غالب اگر اس پر اس وقت میں علم ہے تو دعا اولیٰ ہے اس لئے کہ وہ عبادت کا مغز ہے اور اگر اس پر غالب معرفت اور حال ہے تو سکوت اور سکون اولیٰ ہے یا یوں کہا جائے کہ جس دعا میں مسلمانوں کی مصلحت اور نفع ہو یا وہ حق تعالیٰ کے حق سے متعلق ہو تو دعا ہی کرنا اولیٰ ہے اور جس دعا میں تمہارے نفس کا حظ ہو تو وہاں سکوت اولیٰ ہے۔

اور یہ تمام تر تفصیل اللہ تعالےٰ سے طلب کرنے کے متعلق ہے باقی مخلوق سے کوئی چیز طلب کرنا تو اس میں مانگنے کی مطلقاً گنجائش نہیں۔ اس

(بقیہ ص ۲۹۶ بیان ملاحظہ ہو) اگر تمہارے پاس تھوڑی سی بھی نعمت ہو تو خبردار اپنے رب کا شکوہ نہ کرنا اس لئے اکثر و بیشتر ابن آدم پر جو بلائیں نازل ہوتی ہیں اور مصیبتیں آتی ہیں وہ شکوہ ہی کی بدولت آتی ہیں۔ ۱۲ منہ

فلا سبيل اليه البتة لوجوب الياس مما في ايديهم +

(وصل) ينبغي للمريد ان يواظب قبل الاجتماع بالمرشد على انواع النوافل من صلوٰة وصيام وصدقة وغيرها. فان كل نوع من الطاعات له اثر مخصوص في تنوير الباطن و بعد الاجتماع بالمرشد يعتمد اشارته

لئے کہ لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس سے ناامیدی (صرف نظر[ع]) واجب ہے۔

(وصل) مرید کو چاہیئے کہ شیخ کی خدمت میں حاضری سے قبل انواع نوافل پر مواظبت کرے مثلاً نماز سے۔ روزہ سے۔ صدقہ وغیرہ سے۔ اسلئے کہ ہر ہر قسم کی طاعت کو سالک کی تنویر باطن میں ایک خاص دخل ہے۔ لیکن جب شیخ کی خدمت میں آجائے تو پھر اب اس کے ہی اشاروں کا منتظر رہے۔

ع (قولہ لوجوب الیاس مما فی ایدیہم الخ) یعنی دعا میں جو اوپر تفصیل مذکور ہوئی یہ حق تعالیٰ سے مانگنے سے متعلق تھی رہا مخلوق سے مانگنا اور اسکے سامنے دست سوال دراز کرنا اسکی قطعی گنجائش نہیں اسلئے کہ سالک کیلئے یاس مما فی ایدی الناس واجب ہے اسلئے کہ مخلوق سے طلب کرنا فاقہ کی زیادتی کا موجب ہے۔ بعض عارفین نے کہا ہے کہ مجھ سے نوم و یقظہ کے درمیان کہا گیا کہ خبردار خبردار اپنے فاقہ کی اطلاع اپنے غیر کو نہ کرنا ورنہ میں تمہاری اس سوادبی کی پاداش میں تمہارے فاقہ کو طویل کردوں گا (بے ادبی یوں کہ) میں نے تم کو فاقہ میں اسلئے مبتلا کیا تھا تاکہ تمھیں میری جانب فراغت کیساتھ رجوع کا موقع ملے اور تم میری جناب میں تضرع وزاری کرو اور اس باب میں میرے اوپر توکل کرو (مگر تم نے میرے غیر پر اسکا اظہار کرکے سب پر پانی پھیر دیا) میں نے تم کو فاقہ کے ذریعہ ڈھالنا چاہا تھا کہ تم خالص سونا ہو جاؤ لہٰذا تم ڈھلنے کے بعد اب اس میں کھوٹ نہ ملاؤ۔ میں نے تم پر فاقہ کا نشان لگایا تھا اور اسکے ذریعہ اپنے غنی ہونے کو ظاہر کیا تھا۔ اگر تم اس فاقہ کو مجھ سے جوڑ دیتے تو میں تم کو غنا سے جوڑ دیتا اور جب کہ تم نے اسکو میرے غیر سے جوڑ دیا تو میں نے بھی تم سے اپنی معونت کے ذرائع منقطع کر دیئے۔ اور میں نے اپنے ابواب کے ذریعہ تیرے اسباب کو ختم کر دیا اپنے دروازے سے دھتکارتے ہوئے اور یہ اس لئے کہ جسکو میں اپنا متوکل بنا لیتا ہوں وہ کسی چیز کا مالک نہیں رہ جاتا۔ اور جس کو میں خود اس کے نفس کے حوالہ کر دیتا ہوں وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

فیواظب علی صلوة التهجد والاشراق والضحیٰ والاوابین ونوافل الصلوٰت الخمس ورکعتی الوضوء وتحیة المسجد وصلوٰة الحاجة والاستخارة والصلوة عند الدخول للمنزل والخروج منه وغیر ذالك من النوافل الواردة ومثل ذلك کثرة[عه] الصیام وعلی الخصوص الایام البیض والایام السود من کل شهر والاشهر الحرم والخمیس والاثنین وعشرة ذی الحجة وعاشوراء مع یوم قبله او یوم بعده۔

واما الحکم فکثیرة منها بل اجلها حکم ابن عطاء الله وحکم السید مصطفی البکری وحکم الشیخ محمود الکردی

اور نماز تہجد۔ اشراق۔ چاشت۔ اوابین اور صلوۃ خمسہ کے نوافل۔ تحیۃ الوضو کی دو رکعات۔ تحیۃ المسجد اور نماز حاجت اور نماز استخارہ اور گھر میں داخل ہونے اور اس سے باہر نکلنے کی نماز اور ان کے علاوہ جن نوافل کا تذکرہ حدیثوں میں آیا ہے ان سب کا اہتمام کرے اسی طرح نفل روزہ کی بھی کثرت[عه] کرے۔ خاص کر ایام بیض کے روزے اور ہر ماہ کے اخیر کے تین روزے۔ اور اشہر حُرم کے روزے اور ہر پنجشنبہ اور دوشنبہ کے روزے اور دسویں ذی الحجہ کا روزہ اور عاشوراء کا روزہ اس طرح سے کہ اس کے قبل ایک دن ملالے یا بعد میں ایک دن رکھ لے۔

بہرحال حکم تو یوں تو وہ بہت ہیں مگر ان میں سب سے بڑھ کر حِکَم ابن عطاء اللہ اور حکم سید مصطفی بکری اور حِکَم شیخ محمود کردی ہے اور اس کی شرح ہے جو دادا صاحب
شیخ عبدالقادر رح

(عه (قوله ومثل ذلك کثرة الصیام) یعنی شیخ کے پاس آنے کے بعد جس طرح سے سالک کو نوافل صلوۃ کا اہتمام ضروری ہے اسی طرح سے روزے کی تکثیر بھی اسے رکھنی چاہیئے اس لئے کہ روزہ عبادت کی اساس اور قربات کی مفتاح اور طاعات کا باب ہے اور جس شخص نے روزہ رکھا اسے اس دن عمل صالح کی بھی توفیق ہوگی چنانچہ دنیا میں انہماک کی علامت یہ ہے کہ انسان کو صیام نفل کی توفیق نہ ہو۔

انتہی ۱۲

وشرحها للجد الشيخ عبد القادر الرافعي وهكذا النصائح والمواعظ اكثر من ان تذكر ويجمع الجميع كلمتان وهما الادب مع الله تعالى والادب مع خلقه۔

رافعی نے فرمائی ہے۔ اسی طرح سے نصائح اور مواعظ بھی احاطۂ بیان سے باہر ہیں مگر ان سب کے لئے جامع یہ دو کلمات ہیں۔ ایک ادب مع اللہ تعالیٰ دوسرا ادب مع المخلوق یعنی خالق اور مخلوق ہر دو کے آداب و حقوق کا لحاظ رکھنا

فاما الادب معه تعالىٰ فان تعبده كانك تراه والادب مع خلقه فان توتى اليهم ما تحب ان يوتوا اليك۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ادب تو یہ کہ تم اس کی عبادت اس طرح سے کرو کہ گویا تم اسکو دیکھ رہے ہو اور مخلوق کا ادب یہ ہے کہ تم ان کو وہ تمام چیزیں (یعنی حقوق) دو جنکو تم چاہتے ہو کہ وہ لوگ تمھیں دیں۔

لكن لا باس من ذكر ما يحضرنا الآن من الوصايا والحكم على سبيل التفصيل۔

اس مقام پر کچھ بے محل نہ ہوگا۔ اگر ان بعض وصایا اور حکم کا بالتفصیل ذکر کر دیا جائے جو اس حقیر کو یاد ہیں۔

فمن ذلك ما اوصانی به استاذی رحمه الله تعالى فی الاجازة التی كتب لها لی حين ما خلفنی وهذا لفظه۔

منجملہ ان کے ایک وہ وصیت ہے جو میرے استاذ رحؒ نے فرمائی اور بوقت اجازت سند خلافت میں اس کو تحریر بھی فرمادیا جس کے الفاظ یہ ہیں کہ۔

اوصيه بتقوى الله تعالى وهی ان يجعل بينه وبين مساخطه وقاية والحياء منه تعالى بحيث لا يفقده حيث امره ولا يجده حيث نهاه۔

وادامة ذكره تعالى والاقبال عليه والترامی فی اعتابه مبرا ۶

میں ان کو اللہ تعالےٰ کے تقوی کی وصیت کرتا ہوں اور تقوی یہ ہے کہ انسان اپنے اور اپنے معاصی کے درمیان ایسی ایک آڑ بنالے اور اللہ تعالیٰ کی شرم اس پر اس طرح غالب آجائے کہ اللہ کے اوامر کے محل سے وہ غائب نہ پایا جائے اور جن امور سے اسنے منع فرمادیا ہے اسکے پاس نہ جائے۔ اور ذکر اللہ اور حضوری پر مداومت اسکو نصیب ہو اور اس کے عتاب سے دوری اور بچاؤ اختیار کرے

من الحول والقوة والضراعة اليه في جميع الاحوال فليس بعد تلاوة كتاب الله تعالى عزوجل عبادة تؤدى باللسان افضل من ذكره تعالے ورفع الحاجات بالادعية الخالصة۔

واوصيه ايضاً بترك التدبير والاختيار معه تعالے والرضا بمجاري قضايه ورفع الهمة عن جميع الخلق وحفظ حدود الشرع فان طريقتنا الكتاب والسنة والاحتفاظ بنعمه تعالے وتقيدها بالشكر فانها شديدة النفار والاقتصاد في امور المعيشة فان من وسع طرق المصرف عليه لايبالي[سله] من اين يصل الايراد اليه ومن كثرت مطالبه كثرت متاعبه۔

واوصيه بالتحبب الى الناس فانا مامورون باستمالة القلوب ولو قلب كافر[سے] وفي الحديث

لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے ذریعہ سے اور اسکی جانب تضرع وزاری کرے اپنے تمام احوال میں۔ چنانچہ کتاب اللہ تعالی کی تلاوت کے بعد کوئی ایسی لسانی عبادت ہی نہیں ہے جو ذکر اللہ سے بڑھکر ہو۔ یا دعاؤں کے ذریعہ اپنی حاجات کے طلب کرنے سے بڑھ کر ہو - اسی طرح سے میں ان کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے آگے اپنی تدبیر اور اختیار کو ترک کریں اور قضا و قدر سے جو امر ظاہر ہو اس پر راضی رہیں اور اپنی قلبی توجہ سب مخلوق سے ہٹالیں۔ شریعت کے حدود کی حفاظت کریں اس لئے کہ ہمارا طریقہ کتاب و سنت ہے اور اللہ تعالی کی نعمتوں کی حفاظت کریں اور اس کو شکر کے ساتھ مقید کریں اسلئے کہ وہ بہت جلد بھاگ جانے والی چیز ہے اور دنیوی زندگی گذارنے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کریں اسلئے کہ جس شخص نے اپنے اوپر مصرف کے راستوں کو وسیع کرلیا تو وہ اسکی مطلقاً پرواہ نہ کرے گا کہ ضروریات میں جو کچھ خرچ ہوتا ہے کہاں سے آتا ہے اور ظاہر ہے کہ جسکے مطالبے کثیر ہونگے اسکی مشقت بھی زیادہ ہوگی۔

اور میں انھیں وصیت کرتا ہوں کہ سب لوگوں کے ساتھ محبت سے پیش آئیں اس لئے کہ ہم مامور ہیں کہ قلوب کو مائل کریں اگرچہ وہ کافر ہی کا قلب کیوں نہ ہو۔ چنانچہ

(سله قوله لايبالي الخ) ایک وصیت یہ فرمائی تھی کہ امر معیشت میں اقتصاد سے کام لے اس لئے کہ جس

کے مصرف کا باب وسیع ہوتا ہے پھر وہ پرواہ نہیں کرتا کہ ان مصارف میں خرچ ہونے والا مال کہاں سے آتا ہے مطلب یہ کہ وہ پھر نہ حلال دیکھتا ہے نہ حرام اسلئے کہ اس کا مقصود تو صرف ان راستوں کو بند کرنا ہوتا ہے جنھیں اس نے کھول رکھا ہے اور جو شخص اقتصاد اور میانہ روی اختیار کرے گا اور سلف صالح کے نقش قدم پر چلے گا تو اس کے اخراجات کم ہوں گے لہٰذا اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ حرام اور شبہ حرام سے بچ جائے۔ یا اگر شبہ حرام سے نہ بچ سکا تو حرام سے تو بچ ہی جائیگا (اور شبہ حرام سے نہ بچ سکنا اسوجہ سے ہوگا) کہ اس زمانہ میں شبہ حرام بہت عام ہے یہانتک کہ فقہانے یہ فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں شبہ کا حکم ساقط ہوگیا ہے۔ لیکن طالب طریق حق کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس باب میں ڈھیل اختیار کرے اور ہرگز تاویل نہ کرے بلکہ احوط کو لے۔ چنانچہ ہمارے مشائخ میں شیخ یحییٰ سالحی حلبی تھے وہ اپنے دراہم کو جو انھیں ملتے تھے مختلف تھیلیوں میں رکھتے جاتے تھے۔ ایک تھیلی میں دراہم کے ساتھ ساتھ کچھ گیہوں کے دانے ہوتے یہ خالص حلال مال کی تھیلی ہوتی۔ چنانچہ اسی میں سے وہ خود کھاتے تھے اور ایک تھیلی تھی جس میں دراہم کے ساتھ ساتھ جو کے دانے ہوتے یہ آمدنی حلت میں پہلے سے کم ہوتی چنانچہ اس میں سے کپڑے بنواتے اور ایک تھیلی تھی جسمیں دراہم کے ساتھ ساتھ فول کے دانے پڑے ہوتے (فول ایک قسم کی دال ہے جو عرب میں ہوتی ہے) اور اسکی آمدنی حلت میں دوسری سے بھی کم ہوتی ہے اسے سواری کے کرایہ وغیرہ میں صرف فرماتے۔ اور آپ کی خدمت میں حاکم طرابلس مصطفیٰ آغا بریرنے کچھ دراہم بطور ہدیہ پیش کئے آپ نے اسے واپس کردیئے (یہ سمجھ کر کہ حاکم کا مال ہے ظلم سے خالی نہ ہوگا) پھر اس نے قسم کھائی اور کہلا بھیجا کہ حضرت یہ مال مجھے والدہ کی میراث سے ملا تھا چنانچہ آپ نے قبول کرلیا مگر دال ہی والی تھیلی میں رکھا۔ ۱۲

(۲۵) قولہ دلو قلب کافر (الخ) یعنی یہ جو کہا کہیں انھیں وصیت کرتا ہوں کہ سب لوگوں کے ساتھ محبت رکھیں اور قلوب کی دلداری کریں اگرچہ کافر ہی کا قلب کیوں نہ ہو اسی طرح حسن خلق کا معاملہ بھی ہے کہ سب کے ساتھ حسن خلق کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔ باقی اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ ہم تو کافر اور فاسق مجاہر کی اہانت پر مامور ہیں (پس انکے ساتھ کیونکر محبت رکھیں اور حسن خلق برتیں) اسلئے کہ یہ حکم یعنی اہانت اس شخص کے حق میں ہے جو مقام ارشاد تک پہونچا ہو باقی مرشد تو اسکو یہی مناسب ہے کہ سب کی دلداری کرے تاکہ ان کو شیطان کے پنجہ سے نکالے اسی واسطے ہمارے سید شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے فرمایا ہے کہ کسی فاسق سے ہنس کر بات نہ کرنی چاہیئے بجز عارف کے کہ وہ اس سے ہنس کے بات کرے تاکہ اسے مانوس کرے اور اس کے فسق سے اسے خلاصی دلائے۔ ۱۲

اتقوا غیظ القلوب ولو قلب بهیمة۔

واوصیه ایضاً بحسن الخلق مع الجمیع والرفق والتؤدة ولین الجانب۔ انتهی۔

ومما یحضرنا من المواعظ والنصائح المداومة علی تلاوة القرآن بمقدار ما یمکنه المواظبة علیه وقد کان ورد شیخنا کل یوم خمسة اجزاء وتقدم ان القرآن ورد الکمل والمواظبة علی اداء الصلوات الخمس فی الجماعت والمسجد والصف الاول وتحصیل تکبیرة الامام مع الامام۔ واغتنام الادعیة فی مظان الاجابة کالمساجد الثلثة ومجالس الذکر وخلف کل فریضة وفی سجود النفل وفی رمضان وعند الفطر من الصوم ووقت السحر ویوم الجمعة وعند الرقة ونزول المطر وفی اللیالی والایام الفاضلة وعند

حدیث میں ہے کہ قلوب کو غیظ میں ڈالنے سے بچو اگرچہ کسی جانور ہی کا قلب کیوں نہ ہو۔

اسی طرح سے میں انھیں وصیت کرتا ہوں کہ سب لوگوں کے ساتھ حسن خلق نرمی محبت اور لین جانب کے ساتھ پیش آویں۔

منجملہ ان پند ونصائح کے جو مجھے یاد ہیں ایک یہ ہے کہ تلاوت قرآن شریف کی اتنی مقدار پر مداومت برتی جائے جتنے کی پابندی ہو سکے۔ چنانچہ ہمارے شیخ کا معمول ہر دن پانچ پارے کی تلاوت کا تھا اور یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ کاملین کا وظیفہ تلاوت کلام اللہ ہی ہے۔ منجملہ انکے یہ ہے کہ نماز پنجگانہ کو مسجد میں جماعت کے ساتھ صف اول میں شریک ہو کر ادا کرے بلکہ تکبیر تحریمہ کو بھی امام کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کرے اور جو مقامات اجابت دعا کے ہیں وہاں دعا کرنے کو غنیمت سمجھے۔ جیسے مساجد ثلاثہ (یعنی مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصی) اور ذکر کی مجالس اور فرائض کے بعد اور نفل نماز کے سجدوں میں۔ رمضان کا مہینہ وقت افطار وقت سحر۔ یوم جمعہ جس وقت قلب میں رقت پاوے۔ بارش ہوتے وقت۔ شب کی گھڑیوں میں۔ فضیلت والے دنوں میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے مزار کے پاس۔

ضرائح الانبیاء علیھم الصلوات والسلام
واولیاء رضوان اللہ تعالیٰ ورحمۃ علیھم اجمعین +

وملازمته هدیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی اقواله وافعاله واحواله واخلاقه الا ماکان من خصوصیاته والحذر من ترك العمل بآیة من آی القرآن اوسنة من سنن الدین علی الدوام والمصارعة الی جمیع ما یمکنه من ابواب البر وفعل الخیر مع الرفق والمقاربة مقدما الاهم مع حسن النیة واحضار القلب مع الله تعالیٰ فی جمیع ذلك والخوف من الله تعالیٰ وعدم اخافة احد والتخلق باخلاقه تعالیٰ واحبها الیه السخاء فلا یرد سائلاً ولو بحسن القول وخصوصاً سؤال اللیل ولیحذر اهله من ذلك وحفظ بر الوالدین وبر صدیقهما فی حیاتهما وبعد وفاتهما وصلة الرحم وهی کل قرابة من طرف الابوین واقل مایکون نخفض الجناح واللین وتقدیم

منجملہ ان نصائح کے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو لازم پکڑے اقوال وافعال کی ہوں یا احوال اور اخلاق کی بجز ان امور کے جو آپ کی خصوصیات سے ہیں کہ ان میں اتباع نہیں ہے۔ اور ایک نصیحت یہ ہے کہ قرآن شریف کی کسی آیت پر بھی اسی طرح سے دین کی سنتوں میں سے کسی سنت پر بھی ترک عمل سے ہمیشہ احتراز کیا جاوے اور جملہ ابواب بر اور نیکیوں کے کرنے میں جہاں تک ہو سکے سہولت کے ساتھ سبقت کرنی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈھنا چاہیئے۔ اس حال میں کہ نیت اچھی ہو اور ان امور میں جو اہم ہوں ان کو مقدم کرے اور ان تمام اعمال میں اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاضر رکھے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے کسی مخلوق سے نہ ڈرے۔ منجملہ ان نصائح کے ایک یہ ہے کہ تخلق باخلاق اللہ اختیار کرے جنمیں سب سے زیادہ پسندیدہ خلق سخاوت ہے چنانچہ کسی سائل کو رد نہ کرے اور کچھ نہ ہو سکے تو اچھی گفتگو کے ساتھ پیش آئے بالخصوص جو سائل کہ رات میں سوال کرنے والا ہو اس سے تو بہت ہی ڈرنا چاہیئے۔ چاہیئے کہ لوگ اس بات میں احتیاط سے کام لیں ایک نصیحت یہ ہے کہ والدین کیساتھ اسی طرح سے انکی زندگی میں بلکہ مرنے کے بعد بھی انکے ملنے والوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ اہتمام کے ساتھ کرے اور صلہ رحمی کرے اسمیں ماں باپ کی طرف کے ہر رشتہ دار داخل ہیں اور صلہ رحمی کا اقل درجہ یہ ہے

الاقرب فالاقرب وكذلك الجيران ومجالسة الفقراء والمساكين مع الحذر من كسر قلوبهم والصمت الا عن خير والصدق في القول والعمل وبداءة الامور ذوات البال بالبسملة وختمها بالحمدلة.

والتوقف عن الشروع في امر ما حتى يعرضه على الشرع ويعلم حكم الله تعالى فيه فان كان الشرع يجوزه ويجوز تركه فلينظر في افعال السلف الصالح وعباد الله المتقين فان وجدهم يفعلونه فعل والا ترك وان راى منهم من يفعل و منهم من لا يفعل كالدخول على الامراء مثلاً فليعرض ذلك على قلبه. فلينظر بماذا يفتيه فان كان قلبه لم يصل لحد الفتوى فليعرض على نفسه ان اشتهته نفسه تركه وان ابته فعله فان الخير في مخالفتها والاعتناء بالاستخارة والاستشارة في مهمات واحترام العلماء والاولياء

کہ ان سے جھک کر اور نرمی کے ساتھ ملے اور جو زیادہ قریبی رشتہ دار ہو اسکو مقدم کرے اور یہی طریقہ پڑوسیوں کیساتھ برتے ایک نصیحت یہ کہ فقرا اور مساکین کے ساتھ اٹھے بیٹھے لیکن ان کی دلشکنی سے بہت زیادہ احتیاط کرے۔ ایک یہ ہے کہ سوا اچھی بات کے اور کچھ نہ بولے اور قول اور عمل میں سچا ہو اور جو امور مہتم بالشان ہیں انکے کرنے سے پہلے بسم اللہ اور ختم کے بعد الحمد للہ کہے۔

اور جو کام بھی ہو جب تک کہ اس کو شریعت پر پیش نہ کرلیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم اسکے بارے میں معلوم نہ کرلیں اس کے کرنے میں توقف کریں۔ اگر شریعت اس کے کرنے نہ کرنے دونوں کو جائز رکھتی ہے تو اس کے متعلق سلف صالح اور اللہ کے نیک بندوں کا تعامل دیکھے۔ اگر انھیں کرتا ہوا پائے تو خود بھی کرے ورنہ چھوڑ دے اور اگر سلف میں سے بعضوں نے کیا ہے بعضوں نے نہیں کیا ہے۔ جیسے امرا کے پاس آمد و رفت رکھنا (کہ اس میں مشائخ کا طریقہ مختلف رہا ہے) تو اس کو اپنے قلب پر پیش کرے تاکہ دیکھے کہ وہ کیا فتویٰ دیتا ہے اگر اس کا قلب فتویٰ نہ دے سکے تو چاہیئے کہ اس کو اپنے نفس پر پیش کرے۔ اگر نفس کو اس کے کرنے میں رغبت ہو تو اس کو چھوڑ دے اور اگر نفس اس سے ابا کرے تو اس کام کو کرے اسلئے کہ بھلائی نفس کی مخالفت ہی میں ہے اور ایک نصیحت یہ ہے کہ مہم کاموں میں استخارہ و استشارہ (مشورہ) سے مدد لے اور ایک نصیحت یہ ہے کہ علما۔ مشائخ۔ صلحائے امت۔ اہل بیت نبی۔ اہل قرآن۔ اہل مکہ اور اہل مدینہ اور یک جدی

والصلحاء وآل البيت واهل
القرآن واهل مكة والمدينة
وابناء الجدو واهل الجذب
وذوى الشيبة وكافة المحسوبين
على اهل الطرق مع معاملة
كل انسان بما تعطيه مراقبته
ومحاسبة النفس كل ليلة
فما كان من خير حمد الله
تعالى عليه وما كان من اثم
تاب منه والحذر من اذى
الناس عامة خصوصًا من
صلى الصبح فى جماعة فانه
فى ذمة الله تعالى واذا قمت
من المجلس فاختمه بقول
سبحانك اللهم وبحمدك
اشهد ان لا اله الا انت
وحدك لا شريك لك استغفرك
واتوب اليك او سبحان ربك
رب العزت عما يصفون و
سلام على المرسلين والحمد
لله رب العلمين۔

لوگ اور اہل جذب (یعنی مجذوب) اور بوڑھے لوگ اور جن حضرات کو طریق کے کسی بھی سلسلہ سے تعلق ہو ان سب کا احترام کرے یعنی بے ادبی نہ کرے۔ یوں معاملہ ہر شخص کے ساتھ اس کے مرتبہ کے مناسب کرے اور ایک نصیحت یہ ہے کہ ہر شب اپنے نفس کا محاسبہ کرے یعنی دن بھر کے کئے ہوئے اعمال کا جائزہ لے اور جو بھلائی دیکھے اس پر اللہ تعالی کا شکر ادا کرے اور اگر کوئی برائی دیکھے تو اس سے توبہ کرے اور ایک نصیحت یہ ہے کہ عوام کو بھی ایذا پہنچانے سے بچے خاصکر اس شخص کو جو فجر کی نماز جماعت سے پڑھے اس لئے کہ وہ اس عمل کیوجہ سے اللہ تعالی کی ذمہ داری میں ہوجاتا ہے اور ایک نصیحت ہے کہ جب تم (کوئی بھی مشغلہ ختم کرکے) مجلس سے اٹھو تو اسکو اس قول کے ساتھ ختم کرو یعنی یہ پڑھو سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت وحدك لا شريك لك استغفرك واتوب اليك یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور حمد کے لائق ہے گواہی دیتا ہوں کہ نہیں معبود کوئی سوا تیرے تو تنہا ہے تیرا کوئی شریک نہیں میں تجھ سے استغفار طلب کرتا ہوں اور تیری ہی جانب رجوع کرتا ہوں یا یہ دعا پڑھے،۔

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين۔ یعنی آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمامتر خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

(تذئیل فی ذکر سلسلتنا بھذہٖ الطریقۃ العلیۃ الخلوتیۃ تبرکاً بذکر رجالھا الکرام نفعنا اللہ تعالی بھم)

تتمہ جس میں ہمارے اس طریقۂ علیہ خلوتیہ کے سلسلہ کا بیان ہے۔ اس سلسلہ کے مشائخ کے ذکر سے برکت حاصل ہونے کیلئے اسکا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیض سے ہمیں مستفید فرمائے۔

وھو انی تلقیت ھذہ الطریقۃ عن استاذی الشیخ محمد رشید السالف الذکر وھو تلقّاھا عن استاذہ السید حسن القصبی الحسینی الادریسی صاحب اصل ھذ الکتاب۔

ہمارا سلسلہ یہ ہے کہ میں نے اس طریق کو اپنے استاد شیخ محمد رشید سے جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اخذ کیا ہے اور انھوں نے اسے اپنے استاد و شیخ سید حسن قصبی حسینی ادریسی جو اس کتاب کی اصل کے مصنف ہیں ان سے لیا ہے۔

وھو تلقّاھا عن سیدی الشیخ عبد اللہ الشرقاوی العلامۃ الشھیر المبشر من حضرتہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم. بان من نظر الی وجھہ دخل الجنۃ وھو تلقّاھا عن سیدی محمود الکردی و عن سیدی محمد الحفنی وذلک انہ بعد وفات سیدی محمد الحفنی تلقی الشیخ الشرقاوی الطریقۃ عن اخیہ الشیخ محمود الکردی شیخ جد ھذا الحقیر وصاحب الحکم الشھیرۃ وسیدی محمد الحفنی

اور انھوں نے اسے سیدی شیخ عبداللہ شرقاوی علامہ سے لیا ہے جن کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے یہ بشارت ملی تھی کہ جو شخص تمہارے چہرے کو دیکھے گا وہ جنتی ہے اور انھوں نے اس طریق کو سیدی محمود کردی سے اخذ کیا اور سید محمد حفنی سے بھی طریق کو لیا ہے اور یہ اس طرح کہ جب سیدی محمد حفنی کا وصال ہوگیا تو شیخ شرقاوی نے طریق کو ان کے بھائی اور اس حقیر کے جدامجد شیخ محمود کردی سے لیا جو کہ الحکم نامی مشہور کتاب کے مصنف تھے اور سیدی محمد حفنی نے اسے سیدی مصطفی بکری سے

تلقها عن سیدی مصطفی البکری
صاحب ورد السحر واکثر اوراد
الطریقة بل مجددها علی الحقیقة
وهو تلقاها عن الشیخ عبد اللطیف
الحلبی وهو تلقاها عن مصطفی
افندی الادرنوی وهو تلقاها
عن الولی الشهیر المنسوب
الیه هذه الطریقة علی قره
باش افندی فیقال لها الطریقة
القره باشیه وهو تلقاها عن الشیخ
مصطفی مصلح الدین وهو تلقاها
عن الشیخ اسمعیل الجروحی وهو

جو رسالہ وردالسحر کے مصنف بلکہ طریق کے اکثر
اوراد کے مولف بلکہ اگر از روئے حقیقت دیکھا
جائے تو اس کے مجدد تھے ان سے لیا ہے اور شیخ
مصطفےٰ بکری نے اس طریق کو شیخ عبد اللطیف
حلبی سے اخذ کیا ہے اور انھوں نے اسے مصطفےٰ
آفندی سے ادرنوی سے لیا اور انھوں نے اسے
ایک مشہور ولی جنکی جانب یہ سلسلہ منسوب ہے علی
قرہ باش آفندی سے لیا ہے اسی لئے اس سلسلہ کا
نام طریقہ قرہ باشیہ مشہور ہوگیا اور انھوں نے
یعنی شیخ علی قرہ باش نے طریق کو شیخ
مصطفےٰ مصلح الدین سے لیا اور انھوں نے
شیخ اسمعیل جرومی سے اور انھوں نے

لہ (قولہ علی قرہ باش افندی) اور یہ بزرگ علی قرہ باش ولی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ حجاز جاتے ہوئے مصر میں ان کا انتقال ہوا۔ چنانچہ ان کی بعض یادگاریں (تبرکات) اسکدار کے ایک مشہور تکیہ میں موجود ہیں جو کہ زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ حتی کہ رمضان کی ستائیسویں کو تو عوام کے ساتھ سلطان بھی زیارت کیلئے آتا تھا۔ اور الحمد للہ کہ میں نے بھی ان تبرکات کی زیارت کی ہے۔ اور وہ ایک تاج تھا ایک دلق (جبہ) تھا اور ایک زنبیل تھی۔ چنانچہ جوں ہی میرے سامنے وہ تاج لایا گیا اور اسکی خوشبو مجھے پہونچی فوراً مجھ پر ایک وجد اور کیف طاری ہوگیا اور میں غیر اختیاری حرکت کے ساتھ تھرکنے لگا جیسے سوت کاتنے کی پھرکی ناچتی ہے۔ اس کے بعد زمین پر گر گیا اور سارا بدن پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اس نوع کا وجد اس سے قبل مجھے کبھی نہیں ہوا تھا فسبحان اللہ المعطی الوهاب۔ بس پاک ہے وہ ذات جو بخشنے والی اور عطا فرمانے والی ہے۔ جب یہ آثار ان حضرات کے تبرکات کے ہیں تو پھر وہ حضرات خود کیسے رہے ہوں گے۔ سبحان اللہ

انتہی ۱۲

عن الشيخ عمر الفوادی الولی الشهیر ایضًا وله تکیة معروفة بدار السلطنة السنیة وهو تلقاها عن الشیخ محی الدین القسطمونی وهو تلقاها عن الشیخ شعبان القسطمونی وسمعت من استاذنا رحمه الله تعالٰی ان الشیخ شعبان اموءما الیه عبد الله فی طاق المسجد ثمان عشرة سنة ثم دعا الله تعالٰی بدعوات لمریدیه استجابها الحق تعالٰی له وهی مریدی لا یمسه فقر یزری به ولا یموت غریقا ولا حریقا ولا تحت ردم وهذه الدعوات مستجابة لا یعرفعہ ان احدا من اهل هذه الطریقه مات بشیٔ مما ذکر ولله الحمد. وهو تلقاها عن الشیخ خیر الدین

شیخ عمر فوادی سے جو کہ مشہور ولی تھے چنانچہ ان کا تکیہ دار السلطنۃ السنیہ میں تھا اور لوگوں میں مشہور تھا اور انھوں نے طریق کو شیخ محی الدین قسطمونی سے لیا تھا اور انھوں نے شیخ شعبان قسطمونی سے طریق کو اخذ کیا تھا اور میں نے انھیں شیخ شعبان کا واقعہ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ انھوں نے مسجد کے محراب میں اٹھارہ سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر اپنے مریدین اور متوسلین کے لئے اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے قبول بھی فرمالیا اور وہ دعا یہ تھی کہ اے اللہ میرے کسی مرید کو ایسا فقرو فاقہ نہ پہنچے جو اسکے لئے سبب ننگ بنے اور یا اللہ میرا کوئی مرید نہ ڈوب کر مرے نہ آگ میں جلکر اور نہ چھت سے دبکر اور ان میں سے ہر ایک دعا قبول ہوئی چنانچہ ان کے سلسلہ کا کوئی شخص ان طریقوں سے مرتا ہوا نہیں سنا گیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ اور انھوں نے طریق کو شیخ خیر الدین تقاوی سے اخذ کیا اور انھوں نے اس

عہ (قولہ لا یعرف ان احدا الخ) بلکہ مجھے تو میرے استاد نے یہ بتایا کہ ان کے استاد سید قصبی نے انھیں ایک ایسے شخص کو دکھلایا تھا جو کہ پانی میں آٹھ دن تک ڈوبا رہا۔ نہ تھکا نہ مرا پھر اس میں سے زندہ نکل آیا اور اس نے ان سے کہا کہ ڈوبنے کے بعد مجھے جب ہوش آیا تو میں نے اپنے کو چند عرب کے درمیان پایا جو کہ مجھے گھی چٹا رہے تھے ان سے پوچھا کہ آج کون سا دن ہے تو معلوم ہوا کہ ڈوبے ہوئے آج آٹھ دن ہو گئے ہیں۔ ۱۲

النقادی وھو تلقہا عن الشیخ چلپی
سلطان الافرائی الشہیر بجمال
الخلوتی وھو تلقہا عن الشیخ محمد
بن بہاؤ الدین الشیروانی ویقال
الارزنجانی وھو تلقہا عن الشیخ
یحی الباکوری صاحب ورد الستار
وھو تلقہا عن الشیخ صدر الدین
الخیاوی وھو عن الحاج عز الدین
الخیاوی وھو تلقہا عن الشیخ محمد
مبرام الخلوتی وھو تلقہا عن الشیخ
حرم الخلوتی وھو تلقہا عن الشیخ
عمر الخلوتی وھو تلقہا عن الشیخ
محمد الخلوتی وھو تلقہا عن اخیہ
الشیخ ابراھیم الزاھد التکلانی
وھو تلقہا عن الشیخ جمال الدین
التبریزی وھو تلقہا عن الشیخ
شہاب الدین محمد الشیرازی وھو
تلقہا عن رکن الدین محمد النجاشی
وھو تلقہا عن الشیخ قطب الدین
الابہری وھو تلقہا عن الشیخ ابی
النجیب السہروردی وھو تلقہا
عن الشیخ عمر البکری وھو تلقہا
عن الشیخ وجیہ الدین القاضی

طریق کو شیخ چلپی سلطان الافرائی جو کہ جمال خلوتی
کے نام سے مشہور تھے ان سے اخذ کیا اور انھوں
نے شیخ محمد بن بہا الدین شیروانی سے۔ جنھیں
ارزنجانی کہا جاتا ہے طریق کو لیا اور انھوں نے
شیخ یحییٰ باکوری سے جو ورد الستار کے مصنف
ہیں ان سے طریق کو حاصل کیا۔ اور انھوں نے
اس طریق کو شیخ صدر الدین خیاوی سے لیا اور
انھوں نے حاجی عز الدین خیاوی سے اس طریق
کو لیا اور انھوں نے اس طریق کو لیا شیخ محمد مبرام
خلوتی سے اور انھوں نے شیخ حرم خلوتی سے اور
انھوں نے شیخ عمر خلوتی سے اور انھوں نے شیخ
محمد خلوتی سے اور انھوں نے اس طریق کو لیا اپنے
بھائی شیخ ابراہیم زاہد تکلانی سے اور انھوں نے
لیا اس کو شیخ جمال الدین تبریزی سے اور
انھوں نے شیخ شہاب الدین محمد شیرازی
سے اور انھوں نے شیخ رکن الدین
محمد النجاشی سے اور انھوں نے لیا اس کو
شیخ قطب الدین ابہری سے اور انھوں نے
لیا اس کو شیخ ابو النجیب سہروردی سے
اور انھوں نے لیا اس کو شیخ عمر بکری سے
اور انھوں نے لیا اس کو شیخ وجیہ الدین
قاضی سے اور انھوں نے لیا اس کو
شیخ محمد بکری سے اور انھوں نے لیا

وھو تلقّاھا عن الشیخ محمد البکری و ھو
تلقّاھا عن الشیخ محمد الدینوری وھو
تلقّاھا عن الشیخ ممشاد الدینوری
وھو تلقّاھا عن شیخ الطائفتین الجنید
البغدادی وھو تلقّاھا عن السری
السقطی وھو تلقّاھا عن سیدی
المعروف الکرخی وھو تلقّاھا عن سیدی
داؤد الطائی وھو تلقّاھا عن سیدی
حبیب العجمی وھو تلقّاھا عن سیدی الحسن
البصری وھو تلقّاھا عن سیدنا علی بن ابی طالب
رضی اللہ تعالی عنہ وکرم وجہہ وھو تلقن الذکر
عن سید الاولین والآخرین وحبیب
رب العالمین صلی اللہ تعالے علیہ
وسلم لما روی سیدی یوسف
الکورانی العجمی بسندہ الصحیح
رضی اللہ تعالی عنہ ان علیاً رضی
اللہ تعالے عنہ وکرم وجہہ سال
النبی صلی اللہ تعالے علیہ وسلم
وقال یارسول اللہ دُلّنی علی اقرب
الطرق واسھلھا وافضلھا عند اللہ
سبحانہ وتعالی فقال صلی اللہ تعالے
علیہ وسلم افضل ما قلت انا والنبیون
من قبلی لا الہ الا اللہ ولو ان

اس کو شیخ محمد دینوری سے اور انھوں نے
لیا اس کو شیخ ممشاد دینوری سے اور
انھوں نے لیا اس کو دونوں طائفوں کے
شیخ جنید بغدادی سے اور انھوں نے لیا
اس کو شیخ سری سقطی سے اور انھوں نے
لیا اس کو سیدی معروف کرخی سے اور انھوں
نے لیا اسکو سیدی داؤد طائی سے اور انھوں نے لیا اسکو
سیدی حبیب عجمی سے اور انھوں نے لیا اسکو سیدی
حسن بصری سے اور انھوں نے لیا اس کو سیدنا
علیؓ ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ و کرم
اللہ وجہہ سے اور انھوں نے ذکر حاصل کیا
سید الاولین والآخرین حبیب رب العالمین
محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
سے جیسا کہ سیدی یوسف کورانی عجمیؒ
نے اپنی سند صحیح سے یہ روایت کیا ہے کہ
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ وجہہ
نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا
اور عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے اللہ تعالیٰ کا
قریب ترین راستہ اور سہل ترین راستہ اور افضل
ترین راستہ بتائیے۔ آپنے فرمایا کہ سب سے بڑھ کر افضل
وہی ہے جو میں نے اور مجھ سے قبل سارے
نبیوں نے کہا ہے یعنی لا الہ الا اللہ
اس لئے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں

السمٰوٰت السبع والارضین السبع فی کفة ولا الٰہ الا اللہ فی کفة لرجحت بہم لا الٰہ الا اللہ ثم قرأ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا علی لا تقوم الساعة وعلی وجہ الارض من یقول اللہ اللہ فقال علی رضی اللہ عنہ کیف اذکر یا رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غمض عینیك واسمع منی ثلٰث مرات ثم قل انت ثلاث مرات وانا اسمع فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا الٰہ الا اللہ ثلاث مرات مغمضا عینیہ رافعا صوتہ وعلی یسمع ثم قال علی رضی اللہ تعالٰی عنہ لا الٰہ الا اللہ ثلٰث مرات مغمضا عینیہ رافعا صوتہ والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسمع وبعد تلقینہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعلی بمدة اذن لہ بالتلقین تلقن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ ابنیہ الحسن والحسین والحسن البصری وکمیل

زمین ایک پلہ میں رکھا جائے اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو لا الٰہ الا اللہ ہی والا پلہ جھک جائے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے علی (سن لو) قیامت نہ قائم ہوگی جب تک کہ روئے زمین پر ایک فرد بھی اللہ اللہ کا کہنے والا موجود رہے گا۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا کہ اچھا تو یہ فرمائیے کہ اس کا ذکر کس طرح کروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی دونوں آنکھیں بند کرو اور میں تین بار کہتا ہوں۔ سنو پھر تم تین بار کہنا میں سنوں گا۔ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ تین بار اپنی دونوں آنکھوں کو بند کرکے بلند آواز کے ساتھ فرمایا۔ حضرت علیؓ سن رہے تھے پھر اس کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی آنکھوں کو بند کرکے تین بار لا الٰہ الا اللہ بلند آواز سے کہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے۔ پھر ایک مدت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ذکر کی تلقین فرمائی اس کے بعد دوسروں کو تلقین کرنے کی انھیں اجازت دیدی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حسن وحسین اور حسن بصری

بن زیاد انتھی۔

وقد روی ایضا انه صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم لقن اصحابه الذکر جماعة فقد قال شداد بن اوس کنا عند النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فقال علیه الصلوٰۃ والسلام هل فیکم غریب یعنی من اهل الکتاب کنا لا یا رسول اللّٰہ فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ایدیکم فقولوا لا اله الا اللّٰہ فرفعنا ایدینا ساعة وقلنا لا اله الا اللّٰہ ثم قال الحمد للّٰہ اللهم انك بعثتنی بهذه الکلمة وامرتنی بها ووعدتنی علیها الجنة وانك لا تخلف المیعاد۔ ثم قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم الا ابشروا فان اللّٰہ قد غفر لکم وکان فی الحاضرین حینئذ ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم کما ثبت فی روایات کثیرة انتھی

(حسن الختام)

فی تعداد المکفرات للذنوب

اور کمیل ابن زیاد کو تلقین فرمایا۔ (یوسف کورانی عجمی کا بیان ختم ہوا)

اور یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی جماعت کو اجتماعی طور پر ذکر تلقین فرمایا چنانچہ شداد بن اوس کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپنے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی اجنبی یعنی اہل کتاب میں سے تو نہیں ہے ہم نے عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہ کوئی اجنبی نہیں ہے۔ آپنے فرمایا کہ اچھا تو دروازہ بند کردو اور فرمایا کہ اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ اور کہو لا الہ الا اللہ چنانچہ ہم سب نے تھوڑی دیر کے لئے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور کہا لا الہ الا اللہ پھر آپنے فرمایا الحمد للہ یعنی یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے اس کلمہ کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا اور مجھے اسکے (ذکر و تلقین) کا حکم فرمایا اور آپنے مجھ سے اسپر جنت کا وعدہ فرمایا اور بیشک آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصحاب سے فرمایا کہ تمھیں بشارت ہو اللہ تعالیٰ نے تمھیں بخش دیا اور اسوقت حاضرین میں سے ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے جیسا کہ بہت سی روایات سے ثابت ہے۔ یہ روایت ختم ہوئی۔

حسن خاتمہ

اس عنوان کے تحت وہ امور شمار کئے

المتقدمة والمتأخرة التي جمعها نظمًا الشيخ عبد الله بن الشيخ محمد الكردي البيتوشي من كتاب تفريج الكروب للشيخ الحطاب وذكرها الامام المنذري والامام السيوطي والحافظ ابن حجر جعلتها ختم هذا الكتاب تفاؤلا بان الله تعالى يغفر لنا ولوالدينا ولمشائخنا و لمحبينا ولمن قرأ هذا الكتاب و عمل بما فيه انه هو الغفور الرحيم۔

وهي اسباغ الوضوء على المكاره واطلقه الناظم وان تقول عند قول المؤذن اشهد ان لا اله الا الله مثل قوله وتزيد رضيت بالله ربا وبالاسلام دينًا وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبيًا ورسولًا وفي رواية وانا اشهد الخ وان يؤمن المصلي مع تأمين امامه وصلوة ركعتي الضحى

گئے ہیں جن سے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہوتے ہیں جنھیں شیخ عبداللہ بن شیخ محمد کردی بیتوشی نے شیخ حطاب کی کتاب المسمیٰ بہ تفریج الکروب سے اخذ کرکے نظم میں بھی جمع کر دیا ہے اور جنھیں امام منذری علامہ سیوطی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی بیان کیا ہے۔ میں نے بھی ان مکفرات ذنوب کو اپنی اس کتاب کا خاتمہ بطور فال نیک کے بنایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ہمارے گناہوں کو بخش دیں اسی طرح ہمارے والدین ہمارے مشائخ ہمارے محبین اور ہر اس شخص کو بخش دیں جو اس کتاب کو پڑھے اور اس کے مضامین پر عمل کرے بیشک وہ غفور رحیم ہے۔

وہ امور یہ ہیں ناگواری کے باوجود وضو کا پانی اعضا میں دور تک پہنچانا صاحب نظم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ موذن جب اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے تو اسی کے مثل سے جواب دینا اور تم یہ کلمات بھی زائد کردو کہ رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا و رسولا اور ایک روایت میں آتا ہے آپ نے فرمایا کہ میں بھی یہ گواہی دیتا ہوں۔ مقتدی کا امام کی آمین کے ساتھ آمین کہنا۔ چاشت کی دو رکعت نماز پڑھنا۔

(سہ قولہ وصلوٰت رکعتی الضحیٰ الخ) مراد اس سے اور اس جیسے سے یہ ہے کہ جب انسان اسکو سُنے اس پر مواظبت (پابندی) کرے نہ یہ کہ ایک دفعہ کرلے اور بس ختم۔ میں نے اپنے اکابر سے ایسا ہی سنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کسی پر فضل ہوجائے تو اسکو کون روکنے والا ہے۔ ۱۲

وقرأة الفاتحة والاخلاص والمعوذتين
سبعًا سبعًا بعد صلوٰة الجمعة
وهو ثان رجله وصلاة التسابيح
المشهورة وصلاة القيام فی رمضان
وهی صلاة التراويح وقيام ليلة
القدر وصيام رمضان وصيام
يوم عرفة والاحرام بالحج او العمرة
من بيت المقدس وكذا الحج المبرور
بل ورد انه يكفر التبعات ايضًا
والصلاة ركعتين خلف مقام
ابراهيم والنظر للكعبة احتسابًا
وقرأة الآيات آخر سورة الحشر
وتعليم ولدك القرآن فی المصحف
ومن عد اربعين موجةً من
موج البحر يكبر عند كل واحدة
مرة والاقامة بعكا بقصد الرباط
للجهاد وقود الاعمى اربعين خطوةً
والسعی فی حاجة المسلم ولو لم
تقض[ع] ودفع الشوك من الطريق

نماز جمعہ پڑھنے کے بعد اسی طرح بیٹھے بیٹھے سورۂ
فاتحہ سورۂ اخلاص قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ
برب الناس سات سات بار پڑھنا۔ صلوٰۃ التسبیح
پڑھنا جو کہ مشہور نماز ہے۔ رمضان شریف میں تراویح
کا پڑھنا شب قدر میں نوافل پڑھنا، رمضان شریف
کے روزے رکھنا اور عرفہ کے دن روزہ رکھنا۔ حج
یا عمرہ کا احرام بیت المقدس سے باندھنا۔ حج مبرور
نصیب ہونا بلکہ روایات سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے
کہ اس سے حقوق تک معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح
سے منجملہ مکفرات ذنوب کے مقام ابراہیم کے پیچھے
دو رکعت نفل پڑھنا بھی ہے اور ثواب کی نیت سے
کعبہ شریف پر نظر کرنا بھی ہے اور سورہ حشر کی آخری
آیات کی تلاوت کرنا بھی ہے اور اپنے بچے کو قرآن شریف
کی تعلیم دینا بھی ہے اسی طرح سے اس کے بھی گناہ
معاف ہوتے ہیں جو دریا سمندر کی چالیس موجوں کو
اس طرح سے شمار کرے کہ ہر موج اٹھنے کے وقت
اللہ اکبر کہے اور اس کے بھی جو مقام عکا میں جہاد کے
انتظار میں چھاؤنی بنا کر مقیم رہے اور اس کے بھی
جو کسی اندھے کو چالیس قدم پکڑا کرے چلے اور اس

ع (قولہ ولو لم تقض الخ) میں نے اپنے عم محترم شیخ مصطفےٰ رافعی رح سے سنا کہ اگر اسکی حاجت پوری ہو گئی تو اسکے لئے ایک اجر ہے اور نہ پوری ہوئی تو دو اجر۔ میں کہتا ہوں کہ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ حاجت نہ پوری ہونے کی وجہ سے انسان کو ایک قسم کی شکستگی لاحق ہوتی ہے اور اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ تو یہ اس کا بدلہ ہو۔ ۱۲

ومرض الغريب الذى ليس عنده من يعرفه والمصافحة مع الصلاة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ويزيد اللهم اٰتنا فى الدنيا حسنة وفى الاٰخرة حسنة وقنا عذاب النار. لرواية انس رحمه الله تعالٰى بعد اللباس وبعد الطعام ومن عمر تسعين سنةً وفى بعض رواياتها ضعف والحديث الضعيف يعمل به فى فضائل الاعمال كالصوم والصلوة والاذكار مالم يشتد ضعفه بل ورد ان من بلغه عن الله شيئٌ فيه فضيلة فاخذ به ايمانًا به ورجاء ثوابه اعطاه الله ذلك وان لم يكن كذلك. وقال المناوى وينبغى لمن بلغه شيئٌ من فضائل الاعمال ان يعمل به ولو مرة ليكون من اهله. انتهٰى

واسئل الله تعالى الذى لا يضجره الحاح السائلين ولا

کے یعنی جو کسی مسلمان کی حاجت روائی کی کوشش کرے اگرچہ وہ حاجت نہ پوری ہو سکے۔ اسی طرح امور مکفرہ میں سے راستے سے کانٹے کا پھینک دینا بھی ہے اور کسی غریب الدیار مسافر کی جس کے پاس اسکا کوئی جان پہچان والا نہ ہو۔ تیمارداری کر دینا بھی ہے اور مصافحہ بھی ہے جبکہ اسکے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لیا جائے اور اس دعا کا بھی اضافہ کر لیں۔ اللھم اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ کیونکہ انسؓ کی روایت سے ثابت ہے۔ اسی طرح سے کپڑا پہننے اور کھانا کھانے کے بعد الحمد للہ پڑھنا بھی مکفر ذنوب ہے اسی طرح سے نوے سال کی عمر کا ہونا اور انمیں سے بعض روایات میں اگرچہ ضعف ہے مگر حدیث ضعیف پر بھی فضائل اعمال کے باب میں عمل کر لیا جاتا ہے جیسے روزہ اور نماز اور اذکار پر حدیث ضعیف سے بھی عمل جائز ہے جبتک کہ اسکا ضعف بہت شدید نہ ہو بلکہ روایت میں تو یہاں تک آیا ہے کہ جسکو اللہ تعالی کی جانب سے کوئی ایسی بات پہنچی جسمیں کوئی فضیلت تھی اس نے ایمان کی وجہ سے اور ثواب کی لالچ میں اسپر عمل کر لیا تو اللہ تعالی اسکو وہ ثواب عطا فرمائیں گے اگرچہ واقعہ میں ایسا نہ ہو۔ علامہ مناوی کہتے ہیں کہ جس شخص کو فضائل اعمال سے متعلق کوئی بات پہنچے تو اسے چاہیئے کہ اس پر عمل ضرور کرے۔ اگرچہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو تاکہ اس فضیلت کا مستحق ہو جائے۔ (انتہی)

اب میں اس اللہ سے سوال کرتا ہوں جسے سائلین کا الحاح تنگدل نہیں کرتا اور نہ جس کا وسیع

يضيق واسع فضله بمسألة
الراغبين متوسلاً اليه ببسطة
يديه بالجود وبنبيه المصطفى المحمود
وبرجال هذه الطريقة وكل ولي
له على الحقيقة ان يمن علينا
وعلى احبابنا واخواننا وكل من
نظر في كتابنا هذا بما من به على
مقربي اولياءه وخاصة خلاصة
اصفيائه وان يحفظنا من كل ما
يبعدنا عن حضرته او يشغلنا عن
خدمته وان يهب لنا الحظ الاوفر
والنصيب الاكثر من متابعة نبيه
الاكرم وحبيبه الاعظم صلى الله
تعالى عليه وسلم وان يمن علينا
بنظرة عطف منه تجذبنا الى
منيع حضرته وان ينيلنا جميل عفوه
ومغفرته وان يحفظنا في ديننا
ودنيانا من الآفات وان يختم لنا
ولاحبابنا ولجميع المسلمين
باسعد الخاتمات وان يجعل هذا
الكتاب خالصاً لوجهه الكريم
وينفع به كل من طالعه بقلب
سليم ويجعله ذخيرة لي يوم

فضل رغبت کرنے والوں کے سوال سے تنگ ہوتا
ہے۔ اس حال میں کہ میں اسکے طرف وسیلہ بنانے والا ہوں
اسکے دونوں ہاتھ کھول کر سخاوت کرنے کو اور وسیلہ بنانے
والا ہوں نبی مصطفیٰ کو جو محمود ہیں اور وسیلہ بنانے والا ہوں
اسکے اس طریق کے جملہ رجال کو اور ہر اس شخص کو جو حقیقتاً
اس کا ولی ہے (ان تمام وسائط اور توسل کے ذریعہ) اس
سے یہ سوال کرتا ہوں کہ ہم پر وہی کرم اور احسان فرمائے اور ہمارے
احباب پر اور ہمارے بھائیوں پر اور ہر اس شخص پر جو ہماری اس
کتاب کا مطالعہ کرے جو کرم و احسان کہ اس نے اپنے اولیا مقربین
اور مخصوص خواص پر فرمایا ہے اور یہ کہ ہماری حفاظت کرے
ہر اس چیز سے جو ہمیں دور کردے اسکی حضوری سے یا مشغول کردے
اسکی خدمت سے اور یہ کہ عطا فرمائے ہمیں حظ وافر اور بڑا
حصہ اپنے نبی اکرم اور حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت
کا اور یہ دعا ہے کہ احسان فرمادیں ہمارے اوپر اپنے گوشۂ چشم سے
ایک نظر کرم کا جو ہمیں کھینچ لے انکے محفوظ درگاہ کی جانب
اور یہ درخواست ہے کہ پہنچ جائے ہمکو ان کا عفو جمیل اور مغفرت
جزیل اور یہ سوال ہے کہ حفاظت فرمائیں ہماری ہمارے دین اور
دنیا میں ہر قسم کی آفات سے اور خاتمہ فرمادیں ہمارا اور ہمارے احباب
کا اور جمیع مسلمین کا سعید ترین خاتمہ۔
اور یہ دعا ہے کہ کردیں اس کتاب کو خالص اپنے وجہ
کریم کے لئے اور نفع بخشیں اس سے ہر اس شخص کو جو اس
کا مطالعہ قلب سلیم کے ساتھ کرے اور یہ تمنا ہے کہ
بنادیں اس کو میرے لئے ذخیرہ ایسے دن کا کہ جس

لا ینفع مال ولا بنون والحمد لله
اولا و اخرا وصلی اللہ تعالیٰ علی
سیدنا محمد و علی اٰلہ وصحبہ
وسلم۔

وکان الفراغ من ھذا الکتاب
فی الساعۃ الثامنۃ من نہار
الخمیس خامس عشر شہر
جُمادی الاولی من سنۃ احدی
وثلاث مائۃ بعد الالف من
ھجرۃ من خلق اللہ تعالیٰ علی
اکمل وصف تجاہ الکعبۃ البھیّۃ
وللہ الحمد والمنۃ وھو
حسبنا ونعم الوکیل و
صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد
وعلی اٰلہ وصحبہ وسلم۔

وفی یوم اتمامہ قد
وضعتہ داخل الکعبۃ المعظمۃ
ثم لما کان بعد الشروق من
نہار الخمیس المبارک المصادف
سابع شہر جمادی الاٰخرۃ من
السنۃ المذکورۃ دعانی الشیخ
عمر الشیبی صاحب التوبۃ فی
سدانۃ البیت المعظم لدخول

دن نہ مال کام آئیگا اور نہ اولاد۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں اولاً بھی اور آخراً بھی۔ اللہ تعالیٰ رحمت کاملہ و سلام نازل فرمائے ہمارے سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپکے جملہ آل و اصحاب پر۔

اور الحمد للہ میں نے اس کتاب کی تالیف سے فراغت بروز پنجشنبہ بوقت ۸ بجے دن بتاریخ ۱۵ جمادی الاولی ۱۳۰۱ھ کو پائی۔ ہجرت اس ذات کی جسے اللہ تعالیٰ نے کامل ترین وصف پر پیدا فرمایا تھا اور یہ فراغت کعبہ مکرمہ کے زیر سایہ اور بالمواجہ ہوئی وللہ الحمد والمنۃ اور وہ اللہ ہمیں کافی ہے اور اچھا کارساز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رحمت کاملہ نازل فرمائے اور سلام بھیجے ہمارے سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے جملہ آل و اصحاب پر۔

اور جس دن کہ میں نے اس کتاب کو ختم کیا اسی دن میں نے اسکو کعبہ شریف کے اندر رکھ دیا پھر ماہ جمادی الاخری کی ساتویں تاریخ کو اسی سن مذکور کے کہ پنجشنبہ کا دن تھا طلوع شمس کے وقت مجھے شیخ عمر شیبی جو صاحب توبہ کے لقب سے مشہور تھے اور کعبہ کے دروازہ کے پاس موجود تھے بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے مجھے بلایا چنانچہ

البيت المشار اليه فوضعت لنا
السُلَّم وصعدنا للكعبة المعظمة
وصلينا ما تيسر بالمحل الذي صلى
فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم
ودعونا بما فتح الله تعالى ثم
ان الشيخ المومأ اليه تناول هذا
الكتاب والطيب يعبق منه و
ناولنيه وانا في المصلى المذكور
فرفعته على يدي ودعوت الله
تعالى بدعوات منها ان الله تعالى
ينفع به عباده المؤمنين ويجعله
ذخيرة خيرلي عنده فلاحت
لي علامة القبول ولله الحمد۔

ولقد كان مدة مكث
هذا الكتاب في جوف الكعبة
ثلاث اسابيع وبعد نزولي من
الكعبة الهمني الله تعالى ان
الخصت الدعاء الاتي من كتاب
سهام الاصابة في الدعوات المجابة
للامام السيوطي مع حذف الاسانيد
ونقص وزيادة وهوهذا
اللهم يا بديع السموات

سیڑھی لگائی گئی اور ہم کعبہ شریف میں
داخل ہوئے اور اس مقام میں جہاں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی حسب توفیق نماز
پڑھی اور حسب استطاعت اللہ تعالیٰ سے دعا
مانگی پھر شیخ مذکور نے اس کتاب کو مجھے اٹھا کر
دیا اس حال میں کہ اس میں سے بہترین خوشبو پھوٹ
رہی تھی اور مجھے اس حالت میں دیا کہ میں اسی
نماز پڑھنے کی جگہ میں موجود تھا۔ چنانچہ میں نے اس
کتاب کو ہاتھ میں لے کر اٹھا لیا اور اسی حال
میں اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں جن میں سے
ایک یہ تھی کہ اے اللہ تو اس کے ذریعہ اپنے مومنین
بندوں کو نفع بخش اور اسکو میرے لئے اپنے پاس بہترین
ذخیرہ بنادے (یہ دعائیں نے کچھ اس طرح سے کی کہ) خود
مجھے بھی قبولیت کے آثار نظر آئے۔ وللہ الحمد۔

اور اندرون کعبہ اس کتاب کے باقی رہنے
کا زمانہ تقریبًا تین ہفتہ رہا۔ پھر جب میں کعبہ مکرمہ
سے نیچے اترا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات
ڈالی کہ میں آگے آنے والی دعا کو امام سیوطی کی
کتاب سہام الاصابہ فی الدعوات المجابہ
سے ملخصًا نقل کردوں یعنی اسکی اسانید کو حذف
کرکے اور حسب ضرورت اس میں کچھ کمی بیشی
کرکے چنانچہ وہ دعا یہ ہے۔
اے اللہ اے آسمان اور زمین کے

والارض یاذا الجلال والاکرام۔
اسئلك بان لك الحمد لا اله الا انت
الحنان والمنان واسئلك بلا اله
الا انت رب السموات السبع و
رب العرش العظیم۔ واسئلك
بلا اله الا انت رب السموات
السبع ورب العرش الکریم۔
واسئلك بلا اله الا انت رب
السموات السبع والارضین السبع
ومافیهن انك علی کل شیء قدیر۔
واسئلك بانك انت الله لا اله
الا انت الاحد الصمد الذی
لم یلد ولم یولد ولم یکن له
کفواً احد واسئلك باسمك
العظیم الذی اذا دعیت به
اجبت واذا سئلت به اعطیت
واسئلك باسمك الاعلی الاعز
الاجل الاکرم ان تملأ قلبی منك
خشیة وتملأ وجهی منك حیاءً
وان تطهر قلبی من کل وصف یبعدنی
عن حضرتك وان تمن علی
برضاك والاستطراح فی بابك
مبرأ من الحول والقوة مفوضاً

ایجاد کرنے والے (یعنی بلا سابق نمونہ کے بنانے والے) اے
ذوالجلال والاکرام میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس واسطہ
سے کہ تیرے ہی لئے حمد ہے کوئی معبود نہیں ہے سوائے تیرے
تو ہی حنان منان ہے اور سوال کرتا ہوں تجھ سے اس واسطے
سے کہ نہیں ہے کوئی اللہ سوائے تیرے تو رب ہے ساتوں آسمان کا
اور رب ہے عرش عظیم کا اور سوال کرتا ہوں تجھ سے اسکے واسطے
کہ نہیں ہے کوئی معبود بجز تیرے تو رب ہے ساتوں آسمان کا اور رب
ہے عرش کریم کا اور سوال کرتا ہوں تجھ سے اسکے واسطہ سے کہ نہیں ہے
کوئی معبود سوائے تیرے تو رب ہے ساتوں آسمان کا اور ساتوں زمین
کا اور ان سب کا بھی جو ان کے اندر ہے۔ بیشک تو ہر شے پر قادر ہے۔
اور سوال کرتا ہوں میں تجھ سے بطفیل اسکے کہ تو اللہ ہے کوئی
معبود نہیں ہے سوائے تیرے تو احد اور صمد ہے تیری شان
لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفواً احد ہے اور میں سوال کرتا
ہوں تجھ سے تیرے اس اسم اعظم کے طفیل سے کہ جب تو
اس کے ساتھ پکارا گیا تو تو نے اجابت کی اور جب تو اس کے
ذریعہ سوال کیا گیا تو تو نے دیا۔ اب میں سوال کرتا ہوں تجھ
سے تیرے اس نام کے واسطے سے جو بلند و بالا عزت والا اور بزرگ
و برتر اور مکرم اور معظم ہے (ان تمام وسائل کو پیش کر کے یہ سوال
کرتا ہوں کہ) تو میرے قلب کو اپنے خوف سے بھر دے اور میرے چہرے
کو اپنی حیا سے ڈھانک دے اور یہ کہ تو پاک کر دے میرے قلب کو ہر اس
وصف سے جو مجھے تیری حضوری سے دور کرنے والا ہو اور یہ کہ
تو مجھ پر احسان فرما اپنی رضا سے مجھے نواز کرکے اور یہ کہ میں تیرے
دروازے پر پڑا رہوں۔ ہر مانع اور معاون سے صرف نظر

مستسلماً۔

اللھم واسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل بر والسلامۃ من کل اثم اللھم لاتدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا دینا الا قضیتہ ولا حاجۃ من حوائج الدنیا والآخرۃ الا قضیتھا برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اللھم فارج الھم وکاشف الکرب مجیب دعوۃ المضطر رحمن الدنیا والآخرۃ و رحیمھما انت ترحمنی فارحمنی رحمۃ تغننی بھا عمن سواک اللھم اغننی من الفقر واقض عنی الدین و توفنی فی عبادتک وجھاد فی سبیلک۔

اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک۔

اللھم انی اسئلک من فضلک ورحمتک فانھما بیدک لا یملکھما احد سواک۔

اللھم یا ذا المعروف الذی لا

کر کے اس حال میں کہ خود کو تیرے سپرد اور حوالہ کردوں۔

اے اللہ اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری رحمت کے موجبات کا اور تیری مغفرت کے اسباب کا اور لوٹ ہر نیکی کی اور بچاؤ ہر گناہ سے۔ اے اللہ مت چھوڑنا ہمارا کوئی گناہ مگر یہ کہ بخشدینا اسے اور نہ کچھ قرض مگر یہ کہ ادا کردینا اسے اور نہ کوئی حاجت دنیا اور آخرت کی حاجتوں میں سے مگر یہ کہ پورا کردینا اسے اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔

اے اللہ کھولنے والے غم کے اور دور کرنے والے مصیبتوں کے قبول کرنے والے مضطر کی دعا کے دنیا اور آخرت کے رحمان اور ان دونوں کے رحیم آپ رحم فرمائیے مجھ پر اور رحمت فرمائیے مجھ کو ایک ایسی رحمت کہ آپ مجھے بے نیاز کردیں اسکی وجہ سے اپنے ما سوا سے۔ اے اللہ دور کردے مجھ سے فقر کو اور ادا کرادے تو میرے قرض کو اور وفات دے مجھے اپنی عبادت میں اور اپنے راستہ میں جہاد کے اندر۔

اے اللہ بچائیے مجھے حلال روزی دیکر اپنے حرام سے اور بے پرواہ کردیجئے مجھے اپنا فضل عطا فرماکر اپنے غیر سے۔

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے فضل اور تیری رحمت کا اسلئے کہ یہ دونوں تیرے ہاتھ میں ہیں سوائے تیرے انکا کوئی مالک نہیں۔

اے اللہ اے کبھی نہ ختم ہونے والے معروف والے

ینقطع ابدا ولا یحصیه غیرہ یا
من لا یعلم کیف هو الا هو و یا
من لا یعلم قدرتہ غیرہٗ یارب
یارب یارب یا ارحم
الراحمین یا ارحم الراحمین
یا ارحم الراحمین۔ اجعل لی
من کل ما اهمنی وکربنی من
امر دنیای وآخرتی فرجًا ومخرجًا
وارزقنی من حیث لا احتسب
واغفرلی ذنبی وثبت رجائی
فیك واقطعه عمن سواك لا ارجو
احدا غیرك یا کثیر الخیر یا دائم
المعروف۔ اللھم انی اسئلك مثل
ذلك لاولادی واحبابی واخوانی
فیك فانك لنا مالك وانك علی
کل شیئ قدیر مقتدر۔

اللھم انا نسئلك ایمانا
لا یرتد ونعیما لا ینفد ومرافقة
نبیك صلی اللہ علیه وسلم فی
اعلی درجة الجنة جنة الخلد
یا مقلب القلوب والابصار ثبت
قلوبنا علی دینك وتوفنا علی احسن
حالة ترضاھا

اور جس کے احسانات احاطے باہر ہیں۔ اے وہ ذات کہ جسکی کیفیت کو سوائے اسکے کوئی دوسرا نہیں جانتا اور اے وہ ذات کہ جسکی قدر کو اس کا غیر نہیں پہچان سکتا۔ اے میرے رب اے میرے رب اے میرے رب۔۔۔۔۔

اے ارحم الراحمین اے ارحم الراحمین اے ارحم الراحمین میرے لئے ہر اس معاملہ میں جو مجھ کو رنج وغم میں ڈالے اور پریشانیوں اور مصیبت میں واقع کرے خواہ دنیا سے متعلق ہو یا آخرت سے آپ کشائش اور اسکے ازالہ کی سبیل ایسے طور پر فرما دیجئے کہ مجھے اس کا گمان بھی نہ ہو اور میرے گناہوں کو بخش دیجئے اور آپ سے جو میری امیدیں وابستہ ہیں وہ پوری فرما دیجئے اور مجھے اپنے ماسوا سے کاٹ دیجئے تاکہ میں آپکے سوا کسی سے امید ہی نہ لگاؤں اے کثیر الخیر اور اے دائم المعروف اے اللہ میں یہی سب کچھ اپنے اولاد کے لئے بھی آپ سے مانگتا ہوں اور اپنے احباب کے لئے بھی اور اپنے دینی بھائیوں کیلئے بھی اسلئے کہ آپ ہمارے آقا ہیں اور بے شک آپ ہر شے پر قادر و مقتدر ہیں۔

اے اللہ ہم آپ سے مانگتے ہیں ایسا ایمان کہ پھر نہ پھرے اور ایسی نعمت کہ ختم نہ ہو اور رفاقت تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت کے برترین مقام یعنی جنت خلد میں۔ اے قلوب اور نظروں کے الٹنے اور پلٹنے والے ہمارے قلوب کو اپنے دین پر ثابت رکھ اور ہمیں وفات دے اچھے حال میں جو تو ہمارے لئے پسند کرے

وتلقنا بالروح والریحان راضیا غیر غضبان وارض عنا اخصامنا واقض عنا تبعاتنا وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم وعلی کل عبد مصطفیٰ من اھل الارض والسماء آمین ۰

اور تو ہمیں راحت اور خوشی بہترین ہوا اور عمدہ خوشبو کیساتھ میں ملے اور اس حال میں تیری ملاقات ہو کہ تو ہم سے راضی ہو اور ہم سے غصہ ہوا ے اللہ ہمارے خصوم کو ہم سے راضی کردے اور حقوق العباد کو ہم سے ادا کرادے۔ اور درود و سلام بھیج ہمارے سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے آل اور اصحاب پر اور اللہ کے ہر برگزیدہ بندے پر خواہ وہ زمین والوں میں سے ہو یا آسمان والوں میں سے ہو۔ آمین

ختم شد

*

گذارش از مترجم

راقم کتاب کے ترجمہ سے تو اوائل اکتوبر ۱۹۷۳ء ہی میں فارغ ہو چکا تھا۔ چنانچہ بقیہ تمام مسودہ حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کے ملاحظہ سے گذار کر ۱۴ یا ۱۵ / اکتوبر کو (یعنی وصال سے تقریباً ۴ یوم قبل) دفتر معرفت حق کو بھیجدیا گیا تھا۔ اس شمارہ میں اس کی آخری قسط آپ کے پیش نظر ہے۔

الحمد للہ اس پر مسرت ہے کہ حضرت والا کی یہ خواہش حضرت کے سامنے ہی پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کے نفع کو عام و تام فرمادے اور اس کے اجر سے حضرت والا کی روح کو شادکام فرمادے۔

ترجمہ میں جو غلطی ہو گئی ہو وہ اس ناکارہ کیجانب منسوب کیجائے (اللہ تعالیٰ اسکو معاف فرمادے) اور جس کسی کو اس سے کچھ نفع پہونچے وہ حضرت والا کا فیض سمجھے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قائم و دائم رکھے اور اضعاف فرمائے۔ آخر میں ناظرین کرام سے یہ دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عاصی مترجم کو نیز ان تمام احباب کو جو اس ترجمہ اور اشاعت میں احقر کے معین بنے ہیں اپنی نسبت صحیحہ اور قرب خاص سے نوازے بجاہ السید النبی الکریم علیہ افضل الصلوات والتسلیم

ناکارہ مترجم عفی عنہ
یکم شعبان سنہ ۱۳۹۳ھ ۲۳ گھنشی بازار الہ آباد

فرائض و نوافل کی تفریق

فرمایا کہ :۔ شریعت مقدسہ میں جس عمل کا جو درجہ ہے اسی کے مطابق اپنا عقیدہ رکھنا چاہیئے اور عمل میں بھی اسی درجہ کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ جو عمل شریعت میں عظیم ہے اس کو تو چھوٹا سمجھ لیا جائے اور چھوٹے ہی کو بڑا سمجھ لیا جائے۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو شریعت کا انتظام ہی درہم برہم ہو جائے گا کوئی چیز اپنی جگہ پر نہ رہجائیگی اور جب شریعت کی اتباع نہ رہجائیگی تو پھر مقبولیت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ مقبولیت کی راہ منحصر ہے اتباع شریعت میں بغیر ہر امر میں اتباع شرع کے اللہ تعالیٰ تک رسائی ناممکن ہے۔ مثلاً اس زمانہ میں یہ ضلالت آگئی ہے کہ فرائض میں تقرب اور ثواب کم سمجھتے ہیں اور نوافل میں زیادہ بلکہ ولایت اور بزرگی نوافل ہی میں اعتقاد کرتے ہیں فرائض میں نہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ صلوات خمسہ کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے اس پر دلائل قطعیہ قائم ہیں اور نوافل دلائل ظنیہ سے ثابت ہیں تو دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ جیسے ان کے دلائل میں تفاوت ہے اسی طرح خود فرائض اور نوافل کے درجات میں تفاوت ہے۔ پس ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ فرائض کی فرضیت کے اعتقاد کے ساتھ ساتھ یہ بھی اعتقاد کرے کہ سب سے زیادہ تقرب اور ثواب فرائض ہی میں ہے۔ اور ولایت کے حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے۔ مگر اب اعتقاد اس کے بالکل برعکس ہو گیا ہے عوام تو اکثر اس بدعقیدگی میں مبتلا ہیں کہ نوافل کو اہم سمجھتے ہیں اور خواص ایسی کھلی ہوئی بداعتقادی میں تو کیسے مبتلا ہوتے تاہم اتنا ضرور ہے کہ فرائض کا خاص اہتمام نہیں کرتے عظمت اور وقعت کے استحضار کے ساتھ اُسے ادا نہیں کرتے یہ لوگ بھی عوام کے عقیدہ سے ضرور متاثر ہیں۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے اس کا اقرار بھی کیا کہ واقعی فرائض کا اہتمام بہت ہی کم تھا۔ آپ کے بیان سے اب توجہ اس کی طرف ہوئی۔ ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ جس طرح لوگوں کے مراتب میں فرق ہوتا ہے ان کے درجات مختلف ہوتے ہیں ویسے ہی اعمال شرعیہ میں بھی فرق ہے۔ بعض فرض ہیں بعض واجب، بعض سنت اور بعض نفل تو یہ سب کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اور میں کہتا ہوں کہ لوگوں کے مراتب میں جو فرق ہوتا ہے وہ بھی اعمال ہی کے فرق سے ہوتا ہے۔ یعنی جو جس درجہ کا عمل کرتا ہے اسی کے مطابق اس کا درجہ ہوتا ہے اور یہ مصرعہ یہاں

خوب ہی چسپاں ہوتا ہے کہ ع

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

ظاہر ہے اور سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے فرائض خمسہ ہی کا تحفہ لائے تھے اور جبریل علیہ السلام نے کئی مرتبہ تشریف لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرض نماز پڑھنے کا طریقہ سکھلایا۔ فرائض ہی کی ادائیگی کے لئے مساجد کی بنا ہوئی۔ فرائض ہی کے لئے اذان دی جاتی ہے اور اسی کی ادائیگی کے لئے جماعت کا امر فرمایا گیا ہے تو کیا یہ سب اہتمام شریعت کا یوں ہی ہے۔ اگر فرائض میں عظمت نہ ہوتی تو اس قدر اس کے اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اعظم و اعلیٰ عبادات میں نماز ہی ہے۔ اب صرف زبان سے تو فرض فرض کہتے ہیں مگر عقیدہ یہ رکھتے ہیں کہ اس میں تقرب اس درجہ نہیں جتنا نوافل میں ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ نفاق نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی بزرگ کی خدمت میں آمد و رفت رکھیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معتقد ہیں مگر دل سے اس کے معتقد نہ ہوں تو کیا ان بزرگ سے اس کو کچھ نفع ہوگا؟ ان کے فیوض و برکات حاصل ہونگے؟

اسی طرح جب فرائض کے لوگ معتقد ہی نہ رہے تو فرائض کے فیوض و برکات سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ اور نوافل کے معتقد تھے تو اتنی فرصت نہیں کہ اسکو ادا کریں اس لئے اس کے فیوض سے بھی عاری رہے ۲
غرض نہ ادھر کے ہوئے اور نہ ادھر کے ہوئے۔ اور اگر کوئی فرائض کے علاوہ نوافل و اذکار کرے بھی تو جب اتنی بڑی بدعقیدگی میں مبتلا ہے پھر اللہ تعالیٰ کو کب گوارا ہوگا کہ اس کو فیوض و برکات عطا فرمائیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ نفس نوافل کی جانب زیادہ راغب ہوتا ہے اس کو اس کے ادا کرنے میں زیادہ لذت ملتی ہے۔ اس لئے یہ موقع مزلۃ الاقدام تھا کہ اسکی طرف زیادہ میلان ہونے کے سبب انسان اس کو اپنی جہالت سے افضل بھی سمجھ لیتا۔ اس منشا کو سمجھ کر ان حضرات نے علم کی روشنی پھیلائی تاکہ جہالت کی تاریکی کافور ہو جائے اور سبیل حق واضح ہو جائے صاحب ترصیع الجواہر لکھتے ہیں کہ:-

النفس للنوافل اميل من جهة انها تعمل ما تعمل بتصرفها ورائها فلها في ذلك لذة التصرف والاطلاق وفي الفرائض هي مقهورة تحت حكم التكليف ومن هنا والله اعلم كانت الفرائض اعظم ثوابا مشقتها على النفس من حيث

نفس نوافل کی جانب زیادہ مائل ہوتا ہے اسلئے کہ یہاں جو کچھ وہ کرتا ہے وہ اسی کی جانب منسوب ہوتا ہے اور اسکے کرنے میں وہ خود مختار ہوتا ہے اسکو رائے کی آزادی حاصل ہوتی ہے تو اسکو اس تصرف اور خود مختاری میں ایک گونہ لذت ملتی ہے ـــــ اور فرائض میں تو وہ تکلیف کی قید و بند میں جکڑا ہوتا ہے (زمان و مکان کیف و کم کا پابند ہوتا ہے) شاید یہی وجہ اس کی ہو (واللہ تعالیٰ اعلم) کہ فرائض کی ادائیگی میں ثواب زیادہ ملتا ہے۔ کیونکہ وہ نفس پر شاق

انما لاحظ لھا فیھا۔ (توضیح صـ۲۸)

ہوتا ہے اور وجہ مشقت یہ کہ نفس کے لئے اس کی ادائیگی میں اپنا کوئی حظ و حصہ نہیں ہوتا۔ (چار و ناچار اس کو کرنا ہی پڑتا ہے)

دیکھئے یہاں وجہ بیان فرمادی کہ نفس نوافل کی جانب زیادہ مائل اس وجہ سے ہوتا ہے کہ آزادی سب ہی کو طبعًا پسند ہے اور جس کام کی نسبت اپنی جانب ہو اسکے انجام دینے میں مسرت بھی ہوتی ہے اور نفل کے اندر یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ کرنے نہ کرنے کی آزادی بھی ہے اور ہماری ہی جانب وہ منسوب بھی ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کا فریضہ ناقصین کی نظروں میں حاکم وقت کی بیگار معلوم ہوتا ہے اور نوافل کا اہتمام اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر کیا جاتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے لیکن صاحب توضیح نے آگے یہ جو فرمایا کہ فرض میں ثواب زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نفس پر شاق ہوتا ہے اور فرائض میں مشقت زیادہ ہے۔ انھیں بزرگوں کی برکت سے کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ فرائض میں مشقت نہیں ہے۔ مشقت نوافل ہی میں زیادہ ہے پھر بھی نفس اسکی جانب زیادہ مائل جو ہوتا ہے تو یہ اغوا شیطان کی وجہ سے کہ وہ اس طرح سے اغوا کر کے اسکی نظر میں ایک غیر اہم شئے کو اہم اور اہم کو غیر اہم دکھانا چاہتا ہے اور افضل سے ہٹا کر مفضول کی جانب اس کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے۔

۳ فرض کو اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض کر کے نفس پر سہل اور آسان فرمادیا جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ اور عقلی قاعدہ ہے کہ البلیۃ اذا عمت طابت۔ مصیبت جب عام ہو جاتی ہے تو خوشگوار بن جاتی ہے۔ اس لئے فرائض میں مشقت نہیں ہے مشقت نوافل ہی میں ہے۔ کہ تنہا کرنا پڑتا ہے۔ باقی اجر جو اُس کا زیادہ ہے تو اس لئے کہ وہ فرض ہے۔ کسی عبادت کو (جو فرض ہو) فرض سمجھ کر اور حکم حاکم کے امتثال کی نیت سے ادا کرنا خود ایک مستقل فضل ہے اور موجب ازدیاد اجر ہے۔ صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ:۔

ولا شک ان من قام بالفرائض وترک النوافل افضل من قام بالنوافل و ترک الفرائض و اکثر الناس مبتلون بھذا البلاء ولذا قال بعض العارفین انما حرموا الوصول بتضییع الاصول۔

(مرقات صـ)

اور اس میں شک نہیں کہ جس نے فرائض کو تو اچھی طرح ادا کیا لیکن نوافل چھوڑ دیئے تو وہ اس شخص سے کہیں بہتر ہے جس نے نوافل کا تو اہتمام کیا مگر فرائض ترک کر دیئے اور اکثر لوگ اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ اسی لئے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ لوگ وصول الی اللہ سے اصول کے ضائع کرنے کی وجہ سے محروم ہوئے۔

صاحب رسالہ قشیریہ بھی اس عبارت کو ایک مقام پر اس طرح لائے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:۔

فاول قدم للمرید فی ھذہ الطریقۃ ینبغی ان یکون علی الصدق لیصح لہ البناء علی اصل صحیح فان الشیوخ قالوا انما حرموا الوصول لتضیعھم الاصول۔
(قشیریہ ص ۱۹۶)

اول قدم مرید کا اس طریق میں صدق پر ہونا چاہیئے تاکہ اس کے لئے اصل صحیح پر بناء ہو سکے۔ کیونکہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ لوگ وصول سے اس لئے محروم ہوئے کہ انھوں نے اصول کو ضائع کر دیا۔

یعنی اول قدم مرید کا اس طریق میں صدق پر ہونا چاہیئے تاکہ بنا اصل صحیح پر ہو کیونکہ شیوخ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ وصول الی اللہ سے محروم رہے ہیں وہ صرف اصول کے ضائع کرنے کی وجہ سے محروم رہے ہیں اور پہلی اصل ان میں سے صدق ہے۔

اور یہاں صاحب مرقات اسی جملہ کو اقامت صلوٰۃ مفروضہ اور اس کی ضرورت کی دلیل میں لائے ہیں، اور فرائض کی پابندی کو اصل قرار دے رہے ہیں چنانچہ جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں وہ اس اصل کو ضائع کر رہے ہیں لہذا ان کو وصول سے حرمان لازم ہوگا۔ ان دونوں میں تنافی نہیں ہے۔ صدق باطن کے متعلق ہے۔ اور اقامت صلوٰۃ ظاہر کے متعلق ہے۔ پس جو صدق کے ساتھ قدم رکھے گا وہ اقامت صلوٰۃ کو بھی لازم سمجھے گا۔

اس عبارت سے فرائض کی کس قدر افضلیت معلوم ہوئی اور کیسے موقع سے ملا علی قاریؒ اس مقولے کو لائے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی موقع اس کے استعمال کا ہو ہی نہیں سکتا کہ لوگ وصول الی اللہ سے محروم ہیں تو اصل حرمان کی وجہ اس کے اصول کا ضائع کرنا ہے ان میں نماز کی فرضیت کا اعتقاد اور اس کی پابندی بھی داخل ہے اور اس اعتقاد اور عمل کے بغیر وصول سے حرمان ہی نصیب ہوگا۔ ۴

فرائض سے قرب کی زیادتی پر صریح حدیث قدسی بھی موجود ہے مگر اسکو نہیں دیکھتے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ماتقرب الی عبدی بشیٔ احب الی مما افترضت علیہ وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ الخ۔ یعنی میرے بندے نے میری جانب تقرب فرائض سے زیادہ کسی شے کے ذریعہ نہیں حاصل کیا۔ اور میرا بندہ بذریعہ نوافل تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہانتک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔

صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ:-

احبھا الی اللہ اداء الفرائض ولذا قال (ما یزال عبدی) ای القائم بقرب الفرائض (یتقرب) ای یطلب زیادۃ القرب (الی بالنوافل) ای بقرب

سب اعمال سے زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض کی ادائیگی ہے۔ لہذا اس کے اندر نوافل بھی آ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ قرب فرائض کے بعد فرمایا کہ ہمیشہ میرا وہ بندہ جو کہ قرب فرائض سے متصف ہو چکا ہوتا ہے نوافل کے ذریعہ زیادتی قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یعنی وہ قرب جو کہ

طاعات الزوائد علی الفوائض۔ فرض کے قرب پر مزید ہوتا ہے اور علاوہ فرائض کے نوافل سے حاصل ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو درجہ خاص محبوبیت کا حاصل ہوتا ہے، وہ محض نوافل سے نہیں ہوتا بلکہ فرائض سے قرب حاصل کرنے کے بعد نوافل سے وہی پہلا قرب مزید ہو جاتا ہے۔ محض نوافل کے قرب سے یہ درجہ جس کا ذکر حدیث میں ہے نہیں مل سکتا۔ حدیث میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا جو ذکر ہے وہ دونوں کے جمع کرنے پر ہے۔ چنانچہ صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں الجمع بین الفرائض والنوافل اس لئے کہ اصل قرب تو فرائض سے حاصل ہوتا ہے اس پر زیادتی البتہ نوافل سے ہوتی ہے: نافلہ کو نافلہ کہتے ہی ہیں اس لئے کہ وہ فرائض پر زائد ہوتے ہیں۔

اب ہم بزرگان دین کی عبارات کو پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ ان حضرات کے زمانہ میں بھی یہ بلا تھی کہ فرائض کو کمتر سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان حضرات کو اس کی طرف توجہ کرنی پڑی اور انھوں نے امت کو اس عظیم ضلالت اور گمراہی سے نکالا اور کتابوں میں اس مضمون کو لکھا چنانچہ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحؒ نے اس پر ایک مستقل مقالہ ہی فتوح الغیب میں لکھا ہے فرماتے ہیں:۔

المقالۃ الثامنۃ والاربعون ۴۸ قال رضی اللہ عنہ ینبغی للمومن ان یشتغل اولاً بالفرائض فاذا فرغ منہا اشتغل بالسنن ثم یشتغل بالنوافل والفضائل فمالم یفرغ من الفرائض فالاشتغال بالسنن حمق ورعونۃ والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منہ و اھین فمثلہ کمثل رجل یدعوہ الملک الی خدمتہ فلا یاتی الیہ ویقف یخدمہ الامیر الذی ھو غلام الملک وخادمہ وتحت یدہ وولایتہ۔

(۴۸ واں مقالہ): فرمایا کہ مومن کیلئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے فرائض کی ادائیگی میں مشغول ہو۔ اور جب اس سے فارغ ہو جائے تو سنن رواتب کے ساتھ مشغول ہو اور پھر ان کے بعد نوافل اور فضائل میں لگے۔ پس جب تک کہ فرائض سے فارغ نہ ہو۔ سنن میں مشغول ہونا حماقت اور بے عقلی کی بات ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص فرائض سے پہلے سنن اور نوافل میں مشغول ہوگا تو وہ اس سے مقبول ہی نہ ہونگے بلکہ اس کی اہانت کیجائیگی پس اسکی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ اپنی خدمت کیلئے طلب کرے اور وہ بادشاہ کے پاس تو نہ جائے بلکہ بادشاہ کے وزیر کی خدمت کرنے میں لگ جائے جو کہ اس کا غلام اور خادم ہے اور اسی کا ماتحت اور اسی کے زیر نگیں ہے۔

عن علی بن ابی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مثل مصلی النوافل وعلیہ فریضۃ کمثل حبلی حملت فلما دنا نفاسہا اسقطت فلا ھی ذات حمل ولا ھی ذات ولد وکذلک المصلی لا یقبل

حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نفل نماز پڑھنے والے کی مثال جس کے ذمہ فرائض ہوں اس حاملہ عورت جیسی ہے جس کو ایک عرصہ تک حمل رہا ہو اور جب اس نے جنا تو سقط (ناتمام بچہ) جنا ہو کہ نہ تو اب یہ حمل والی ہی کہی جا سکتی ہے اور نہ بچے والی (اس لئے کہ نہ حمل ہی

اللّٰہ لہ نافلۃ حتی یؤدی الفریضۃ ومثل المصلی کمثل التاجر لا یحصل لہ ربحہ حتی یاخذ راس مالہ، فکذلک المصلی بالنوافل لا یقبل لہ نافلۃ حتی یؤدی الفریضۃ وکذلک من ترک السنۃ واشتغل بالنوافل الذی لم یرتب ومع الفرائض ولا یؤکد امرھا۔

باقی رہا نہ بچہ ہی سالم پیدا ہوا)

بس یہی حال اس نمازی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے نافلہ کو قبول ہی نہیں فرماتے تاآنکہ وہ پہلے فریضہ کو ادا نہ کرے اور مصلی کی تو مثال بس تاجر جیسی ہے کہ حاصل شدہ مال نفع نہیں شمار کیا جاتا تاآنکہ پہلے اس میں سے اپنا راس المال نہ نکال لے یہی حال نفل پڑھنے والے کا بھی ہے کہ اسکی کوئی نفل قبول نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ پہلے فرض ادا نہ کرلے اسی طرح سے جس شخص نے سنن کو ترک کیا اور ان نوافل میں مشغول ہوگیا جو فرض کے ساتھ نہیں ہیں یعنی غیر راتبہ ہیں اور جن کا امر تاکیدی بھی نہیں ہے۔

اس کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے خوب خوب شرح فرمائی ہے۔ امام غزالیؒ نے بھی الکشف والتبیین میں تحریر فرمایا ہے کہ :۔

وفرقۃ اخری حرصت علی النوافل ولم یعظم اعتدادھا بالفرائض فتری احدھم یفرح بصلوۃ الضحی وصلوۃ اللیل وامثال ھذہ النوافل ولا یجد لصلوۃ الفرض لذۃ ولا خیرا من اللہ تعالیٰ لشدۃ حرصہ علی المبادرۃ بھا فی اول الوقت وینسی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تقرب المتقربون بافضل من اداء ما افترض اللہ علیھم وترک الترتیب بین الخیرات من جملۃ الشرور۔

ایک اور فرقہ ہے جو کہ نوافل پر تو حریص ہے لیکن فرائض کی عظمت اور اس کی وقعت اسکے قلب میں اتنی نہیں ہے۔ چاشت (اشراق) تہجد اور ان جیسی نوافل ادا کرکے تو خوش ہوتا ہے۔ مگر فرض نماز میں اس کو کوئی ۶ لذت نہیں ملتی اور نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کچھ خیر ہی پاتا ہے۔ اس لئے کہ نوافل کو اول وقت میں ادا کرنے پر تو حریص ہوتا ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس کو یاد نہیں ہوتا کہ تقرب حاصل کرنے والوں نے کسی چیز سے تقرب حاصل نہیں کیا جو کہ اللہ تعالیٰ کی فرض کردہ چیزوں کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوئے تقرب سے بڑھکر ہو۔ اور اچھی چیزوں میں بھی ترتیب کا ترک کردینا قبیح امر ہے۔

اور حضرت مولانا شہیدؒ نے بھی اپنے زمانے میں بنظر غائر لوگوں کے حالات کو دیکھا اور ان کو اسی مرض میں مبتلا پایا تو صراط مستقیم میں خوب ہی خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ :۔

علامت تحقیق ایں معنی در سالک نامقبول این ست کہ آں اہتمامے کہ در ادائے اورا و مشائخ می نماید عشر عشیر آں

اس معنیٰ کے سالک نامقبول میں پائے جانے کی علامت یہ ہے کہ جیسا اہتمام کہ (اپنے) مشائخ کے بتلائے ہوئے اوراد میں ظاہر کرتا ہے اس کا عشر عشیر (سواں حصہ) بھی فرض نماز کی ادائیگی میں نہیں ہوتا

دراہتمام ادائے صلوٰۃ مفروضہ نمی کنند	بلکہ جس وقت کہ شیطان لعین
بلکہ ہرگاہ شیطان لعین برایں جماعت	اس جماعت پر قابو پالیتا ہے اور اسکو راہ حق سے بہت دور
چیرہ دست می شود آنہارا از راہ حق	ہٹا دیتا ہے تو یہ لوگ نماز جیسے فریضہ کو بھی دبے کار اور
دور تر می برد و نماز را مثل بیگار سرکار	سرکار حاکم وقت کی بیگار شمار کرنے لگتے ہیں اور جو وقت کہ
حاکم وقت می دانند وایں قدر وقت را	ان کا وضو نماز میں صرف ہوتا ہے اس کو (معاذ اللہ)
کہ در نماز و وضو میگذرد رائگاں می انگارند	ضائع گمان کرتے ہیں ۔
وکارآمد نی خود نمی دانند. معاذ اللہ من ذلک	اور اپنے کسی کام آنے والا نہیں سمجھتے۔ (العیاذ باللہ من ذلک)

دیکھئے اکابر ہر دور میں نہایت شد و مد کے ساتھ فرض و نفل کے باہمی فرق اور ان میں آپس میں جو تفاوت ہے اسکو بیان کرتے چلے آئے ہیں اور اگرچہ یہ بحث کتابوں میں بھی درج ہے تاہم مصلحین امت کو اپنے اپنے زمانہ میں عوام کے سامنے اسے بیان بھی کرنا پڑا ہے اس لئے کہ کتابوں سے نفع صرف خواص حاصل کر سکتے تھے اور عامۃ الناس کے سامنے تو جب کوئی مسئلہ بیان ہی کیا جائیگا تب ہی ان کی سمجھ میں آسکتا ہے ۔

اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ باوجود اس کے کہ ہر عامی بھی اتنا جانتا ہے کہ فرض کا درجہ اتنا بڑھا ہوا ہے اور وہ خدا کا مقرر کردہ حکم ہوتا ہے اور نفل ایسی نہیں ہوتی پھر بھی خدا معلوم لوگوں کو کیا ہو جاتا ہے کہ فرض کی اہمیت ان کے قلوب میں اس درجہ نہیں ہوتی جیسی کہ نفل کی ہوتی ہے یہ شیطان کی رہزنی ہے کہ وہ ایک اہم شے کو غیر اہم اور غیر اہم کو اہم بنا کر سامنے کر دیتا ہے اور اس کو ایسا مزین کر دیتا ہے کہ بہت لوگ اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں. کیونکہ ظاہر بات ہے کہ جب خدا کے فرض کردہ احکام ہی کو آدمی فرض نہ جانے گا اور اس کی عظمت و احترام کو فوت کر دے گا اور اس سے ہی بدعقیدہ ہو جائے گا تو گمراہی تو اس کیلئے نقد وقت ہی ہے ۔

یہاں سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی ضرورت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ محض کتاب میں حکم کا موجود ہونا اصلاح کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اسکے لئے ضروری ہے کہ کوئی بتانے والا بھی ہو جو لوگوں کو تبلائے کہ یہ گمراہی ہے اور یہ ہدایت ہے چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کے ورثاء اور نائبین یعنی علماء عاملین اور مشائخ محققین بھی ہمیشہ سے یہی کرتے چلے آئے ہیں کہ امت میں جہاں کسی گوشہ سے گمراہی آتے ہوئے دیکھا تو اس کے زائل کرنے کی پوری سعی فرمائی - اسی قبیل سے قرب فرائض اور قرب نوافل کا مسئلہ بھی ہے کہ یوں اپنی جگہ نہایت ہی صاف اور واضح مسئلہ تھا مگر شیطان کی رخنہ اندازی

سے گمراہی کا ذریعہ بن گیا ہے۔

شریعت نے بعض چیزوں کو فرض فرمایا تھا اور بعض کو نفل۔ اب کس قدر ضلالت کی بات ہے کہ آدمی فرض کے ساتھ تو نفل کا سا معاملہ کرے اور نفل کو فرض کرلے۔ اس طریقے سے دین سے کیا کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ یہی مطلب ہے اُس ارشاد کا جو کہا گیا ہے کہ اِنَّمَا حُرِمُوا الوُصول لتضییعہم الاصول۔ یعنی وصول الی اللہ سے جو لوگ محروم کئے گئے وہ صرف اس وجہ سے کہ انھوں نے اس کے اصول کو ضائع کیا۔

اب اس میں سے کتاب اللہ ایک اصل ہے اور سنت ایک اصل ہے۔ اسی طرح ان کا اتباع ایک اصل ہے اور جو لوگ ان کے سچے مطیع ہیں ان کا اتباع بھی ایک اصل ہے۔ تمام اہل حق کا اجماع ہے کہ فرائض شعائر اللہ ہیں اور یہ علی الاعلان ادا کئے جاتے ہیں بعد ایمان کے انھیں کا درجہ ہے۔ اب نفل کو کوئی اس کے برابر یا اس سے زیادہ سمجھے تو یہ صاف اور کھلی ہوئی گمراہی ہے ایسا شخص قطعاً خدا تک کبھی نہیں پہونچ سکتا۔

ایک بات اور باقی رہ گئی، مشائخ معتبرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ نسبت صوفیہ غنیمت کبریٰ ہے اور اسکی ترغیب ہمارے کلام میں بھی آگئی ہے۔ لہذا طالب خدا کو اس سے کسی طرح صبر نہیں ہوسکتا۔ کیا خوب کہا گیا ہے ؎

۸

اَلصَّبْرُ یُحْمَدُ فِی الْمَوَاطِنِ کُلِّھَا	اِلَّا عَلَیْکَ فَاِنَّہٗ مَذْمُوْمٌ

(یعنی صبر ہر موقع پر محمود ہے بجز آپ سے کہ یہاں مذموم ہے) اور اللہ تعالیٰ کی طلب جب کسی پر غالب ہوتی ہے تو اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ دو ہی چیزیں اس طلب میں طالب کے لئے تسکین بخش ثابت ہوتی ہیں ایک مشائخ سے شدید تعلق دوسرے ان کے بتلائے ہوئے اوراد سے شدید شغف یہ دونوں امر لوازم طلب سے ہیں۔ بس انہماک طلب میں ہوسکتا ہے کہ دوسرے ضروری امر سے غفلت اور عدم التفات پیش آجائے۔ اس قسم کی بہت سی غلطیاں پیش آجاتی ہیں جنکی تفصیل بہت طویل ہے اس لئے مشائخ کاملین طالبین کو متنبہ کرتے رہتے ہیں تاکہ ان کے مقصود میں کسی طرح کا نقصان نہ واقع ہو، مشائخ سے تعلق اور ان کے بتلائے ہوئے اوراد عین طریق ہیں ؎

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است	ہشدار گوش را بہ پیام سروش دار

اب سنئے کہ اس ضلالت کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ان لوگوں نے دیکھا کہ بزرگان دین نسبت مع اللہ کے لئے ذکر اللہ کو بتلاتے ہیں اور قلب سے غفلت کی نفی کراتے ہیں اور اسکی خود بھی پابندی کرتے ہیں اور سالکین راہ کو بھی اس کا حکم کرتے ہیں تو لوگوں نے سمجھا کہ یہی اصل ہے اور یہی کل طریق ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ان حضرات

صوفیہ نے جیسے ذکر اللہ کا اہتمام کیا اس سے کہیں زیادہ فرائض کا اہتمام کیا۔ شریعت کے ہر امر کی اتباع کو ضروری خیال کیا۔ مگر ناقص لوگوں نے ذکر اللہ کو تو لے لیا اور بقیہ چیزوں کو نسیًا منسیا کر دیا۔ ذکر اللہ کا انکار نہیں ہے احادیث میں ذکر اللہ کی فضیلت اور اس کے کرنے کی تاکید آئی ہے تو پھر کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے۔ ہاں مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ذکر اللہ کے ساتھ اور چیزیں بھی ضروری ہیں۔ ان کا کرنا بھی لازم ہے۔ چنانچہ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ :-

ان القوم فی مکابدۃ اخلاء خواطرھم ومعالجۃ اخلاقھم ونفی الغفلۃ عن قلوبھم لا فی تکثیر اعمال البر الذی لابد لھم منہ اقامۃ الفرائض والسنن الراتبۃ۔

بیشک قوم صوفیہ کا مجاہدہ صرف یہ ہے کہ اپنے قلب سے وساوس دور کرے۔ اپنے اخلاق رذیلہ کا علاج کرے اور قلب سے غفلت دور کرے۔ یہ نہیں کہ نیک کام کی تکثیر میں پڑ جائے۔ بس جو چیزیں اس کے لئے ضروری ہیں وہ فقط فرائض اور سنن راتبہ کی ادائیگی ہے۔

فاما الزیادات من الصلوات النافلۃ فاستدامۃ الذکر بالقلب اتم لھم۔

رہی نفل نمازوں کی زیادتی۔ تو قلب سے دوامًا ذکر کی جانب متوجہ رہنا یہ اس کیلئے دیگر نوافل وغیرہ سے بڑھ کر ہے۔

دیکھئے اس میں شیخ نے نفی غفلت اور استدامۃ بالذکر کو فرمایا ہے۔ مگر صرف اسی کو تو فرمایا نہیں بلکہ
9 اس کے ساتھ ردی وساوس کو دور کرنے اور اصلاح اخلاق کرنے کو بھی فرمایا نیز استدامۃ بالذکر کو جو فرمایا تو فرائض اور سنن مؤکدہ کے بعد۔ اب لوگوں نے کیا کیا کہ اخلاء خواطر اور معالجہ اخلاق کو تو چھوڑ دیا بس ذکر کو لے لیا۔ اسی طرح علامہ شعرانیؒ نے الیواقیت والجواھر میں شیخ اکبرؒ کے کلام کو نقل فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں :-

ولا یخفی ان الارث کلہ یرجع الی نوعین معنوی ومحسوس فالمحسوس ھو الاخبار المتعلقۃ بافعالہ صلی اللہ علیہ وسلم واقوالہ واحوالہ۔ واما المعنوی فھو تطھیر النفس من مذام الاخلاق وتحلیتھا بمکارمھا وکثرۃ ذکر اللہ عزوجل علی کل حال بحضور ومراقبۃ (ص۱۱۱ ج ۲)

اور مخفی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میراث کی دو قسمیں ہیں ایک معنوی۔ دوسرے حسی۔ میراث محسوس (حسی) وہ اخبار منقولہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال، اقوال اور احوال سے متعلق ہوں اور معنوی میراث، نفوس کو اخلاق دنیّہ (رذیلہ) سے پاک وصاف کرنا۔ اور مکارم اخلاق سے اسکو مزین کرنا۔ نیز ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت رکھنا۔ حضور قلب اور دلی توجہ کے ساتھ۔

یعنی وراثت محسوس وہ اخبار ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال سے متعلق ہیں یعنی جو حضرات اخبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل ہیں وہ بھی وارث بنے ہیں۔

اور معنوی وراثت یہ ہے کہ اخلاق مذمومہ سے تطہیر کرے اور مکارم اخلاق سے تحلیہ کرے اور ہر حال میں حضور و مراقبہ کے ساتھ ذکر اللہ کرے۔

دیکھئے کہ شیخ اکبرؒ بھی ذکر اللہ کو لا رہے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ تطہیر نفس کو بھی فرما رہے ہیں۔ تو محض ذکر اللہ سے یہ چیزیں کیسے معاف ہو جائیں گی۔ اور جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال ہیں، ان کی اتباع بھی ضروری ہے۔ ان کو وراثت محسوسہ میں لائے ہیں پس یہ سب ضروری ہے۔ ہر ایک کو کرنا ہوگا تب تکمیل ہوگی۔ اگر کسی ایک میں بھی کمی ہوگی تو پھر رخنہ ہے ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے بھی فرمایا ہے کہ اوقات خود را بعد ادائے فرض و سنن در شغل باطن گزار دیگر اس سے پہلے شریعت کے احکام کو سیکھنے کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے (قصد السبیل) اور قشیریہ میں بھی یہی ہے فرماتے ہیں:۔

واذا احکم المرید بینہ وبین اللہ تعالیٰ عقدہ فیجب ان یحصل من علم الشریعۃ امابالتحقیق وامابالسوال عن الائمۃ مایؤدی مافرضہ وان اختلف علیہ فتوی الفقہاء یاخذ بالاحوط (قشیریہ ص ۱۹۸)

مرید جب اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اپنے عقد کو مستحکم کرے تو اس پر واجب ہے کہ شریعت کا علم سیکھے۔ یا تو واقعی طور سے خود پڑھ کر کے یا کسی جاننے والے سے دریافت کرکے (یعنی) ان امور کا علم حاصل کرے جن سے فرائض کو ٹھیک ٹھیک ادا کر سکے اور اگر فقہاء کے ۱۰ فتاوے کسی مسئلہ میں (جو اس کو پیش آتا ہے) مختلف ہوں تو ان میں سے احوط کو لے۔

مگر لوگوں نے کیا یہ کہ ایک چیز کو تو لیا اور بہت سی ضروری چیزوں کو چھوڑ دیا۔ حَفِظْتَ شَيْئًا وَّغَابَتْ عَنْكَ اَشْيَاءُ۔

بس اس گمراہی اور غلطی کی وجہ سمجھ میں آگئی وہ یہ کہ مشائخ متقدمین اپنی کتابوں میں ذکر اللہ کو لکھتے ہیں اور اس کی تاکید کرتے ہیں تو احمق لوگوں نے بس اسی کو پکڑ لیا اور اس کے علاوہ جس میں نفس کو مارنا پڑتا ہے۔ اور پابند کرنا ہوتا ہے اس کو چھوڑ دیا۔ اور وظائف مشائخ کے ساتھ چمٹ گئے اور فرائض تک کے منکر ہو گئے۔ مشائخ نے تو محض خلوص اور نیک نیتی سے نفی غفلت اور نسبت مع اللہ کے لئے ذکر اللہ بتلایا تھا اور اس کے ساتھ شریعت کی اتباع کراتے تھے مگر بعد میں آکر ان کے منشا کو نہیں سمجھا گیا اور خود اسی کو مستقل سمجھ لیا گیا۔ شیطان درمیان میں آگیا اور بہت بڑی رہزنی کی کہ شریعت کی ضرورت سے قلب میں انکار پیدا کر دیا اور لائن ہی بالکل بدل دی۔ ہوتے ہوتے بس یہ سلسلہ جوگ ہو کر رہ گیا۔ بس اپنے خود ساختہ مجاہدات و ریاضات اور مشائخ کے اوراد کو تکمیل نفس کیلئے کافی سمجھنے لگے۔ اور شریعت کا استحسان قلوب سے نکل گیا۔

جب ان حالات کو سید صاحبؒ اور حضرت مولانا شہیدؒ نے دیکھا تو سمجھا کہ اس طرح سے تو دین اور شریعت ہی بدنام ہو جائے گی۔ اور سنت کا پتہ بھی نہ رہے گا۔ پس سید صاحبؒ میدان میں آئے اور بہت اصلاح کی حضرت شہیدؒ نے بہت لوگوں کو اس گمراہی اور ضلالت سے نکالا اور شریعت کی عظمت کو دلوں میں اسطرح جاگزیں کیا کہ یہ شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اس سے کبھی استغنا نہیں ہو سکتا۔ اس کا اہتمام لازم ہے، دیکھئے ان حضرات نے توامت پر اتنا زبردست احسان کیا کہ ان کا رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑ دیا اس لئے کہ جب شریعت سے جوڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی جوڑا۔ شاہراہ ایمان پر لاکر کھڑا کر دیا۔ مگر اب انھیں حضرات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضورؐ کو مانتے ہی نہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بات یہ ہے کہ ان حضرات کو اپنے کو تو منوانا مقصود ہوتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منوانا اور قلب میں انکی وقعت بٹھلانی منظور رہوتی ہے اور شریعت کی حفاظت مطلوب ہوتی ہے۔ اس لئے علی الاعلان ان ابحاث کو منصۂ شہود پر لاتے ہیں۔ کوئی برا کہے یا بھلا چنانچہ لوگوں نے بڑی بڑی مخالفتیں کیں مگر کچھ نہ کر سکے۔ بہت سے لوگوں کو مومن بنادیا اور بہت لوگوں نے آپ کو مانا بھی اور جس کو اپنے کو منوانا ہوگا وہ کبھی ایسی باتیں کہہ نہیں سکتا۔ مؤید من اللہ ہی اتنی جرأت اور ہمت سے مخالف فضا کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

۱۱ چنانچہ دیکھئے حضرت مولانا دہلویؒ نے یہانتک فرمادیا کہ مشائخ کے اوراد کی ادائیگی میں جتنا اہتمام کرتے ہیں فرائض کا اس کے عشر عشیر بھی اہتمام نہیں کرتے۔ اور یہانتک لکھ دیا کہ جب شیطان چیرہ دست ہو جاتا ہے تو نماز کو بیگار بلکہ بیکار سمجھنے لگتے ہیں اور وضو و نماز میں جو وقت صرف ہوتا ہے اس کو ضائع سمجھتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بات بھی بڑی تھی اس لئے کہ جن لوگوں کا یہ حال رہا ہوگا کہ فرائض کی ادائیگی کو تضیع وقت سمجھتے رہے ہوں گے۔ ان کا تو اعتقاد و ایمان ہی سالم نہ رہا اس لئے وہ تو حد کفر تک پہونچ گئے۔ ایسے دور میں ان حضرات نے بڑی محنت کی اور لوگوں کو راستہ پر لائے اور بتلایا کہ شریعت کے ترک سے کبھی مقبولیت تک نہیں پہونچ سکتے۔ چنانچہ صراط مستقیم میں اخلاق محمودہ و مذمومہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تطہیر نفس ضروری ہے۔ بدون اس کے محض اوراد سے قبولیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ لکھتے ہیں کہ :-

پس مناسب حال ابناء روزگار این ست کہ چنانکہ اشغال و مراقبات بنا بر وصول بمعرفت الٰہی می نمایند ہم چنیں مراقبہ برائے ایں امور ہم پیش گیرند و بدون آں وصول را ببارگاہ قبولیت

پس ابنائے زمانہ کے مناسب حال یہ ہے کہ جس طرح سے معرفت حق تک وصول یابی کیلئے اشغال و مراقبات کو اختیار کرتے ہیں اسی طرح سے ان امور کیلئے بھی مراقبہ کرنا چاہئے (یعنی یہ کہ رذائل اخلاق کے ہوتے ہوئے نزول فیض رحمانی اور ورود عنایات ربانی سے محرومی ہی رہے گی) اور بدون اسکے بارگاہ قبولیت تک رسائی کو

غیر ممکن انگارند ہر چند بمقام معرفت می رسند لیکن
از باب عنایات د راہ قبول نمی رسند بلکہ از باب دیگر
آنجا رسیدہ اند کہ پرسش مقبول و نامقبول آنجا نیست۔

ناممکن سمجھنا چاہیئے۔ اور اگرچہ یہ لوگ معرفت کے مقام تک بھی پہونچ
جاتے ہیں مگر عنایات الٰہی کے باب سے اور قبولیت کی راہ سے نہیں بلکہ ایک
ایسے دروازہ سے پہونچتے ہیں جہاں مقبول و غیر مقبول کی پرسش ہی نہیں ہے۔

(صراط مستقیم ص۶۷)

اس سے معلوم ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ اوراد و مراقبات سے کچھ معرفت کا حصہ مل جائے مگر قبولیت اور شے ہے
اس کیلئے تطہیر اخلاق مذمومہ اور تحلیہ اخلاق حمیدہ سے کرنا ضروری ہوگا۔ محض اوراد کافی نہیں۔ یہاں حضرت مولانا
دہلویؒ نے یہ بتلایا کہ قبولیت کا مقام حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ کہ آپ
نے کن اخلاق کو مذمومہ فرمایا ہے اور کن کو حمیدہ، بغیر اس کے آپ معلوم نہیں کر سکتے۔ حضور کی لائی ہوئی شریعت
کی اتباع کرنی ہوگی۔ اب اوراد مشائخ کو تو لوگوں نے لے لیا مگر شریعت کو چھوڑ دیا۔ پس جب شریعت ختم تو مقبولیت ختم
اور ولایت نام ہے مقبولیت کا جب مقبولیت ختم تو ولایت بھی ختم۔ اب خواہ کچھ بھی کرو۔ جب رشتہ ہی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ گیا تو کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔ اسی لئے شریعت کی طرف علماء نے زور دیا اور اسکے
اہتمام کی ترغیب دی اور لوگوں کا رُخ ہی بدل دیا۔ ان حضرات کو اسی کا بہت ثواب ملیگا۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بہت بڑا درجہ پایا ہوگا۔ ایسے ہی لوگ مجدد کہلاتے ہیں یہ تجدید یہی ہے کہ فرائض کی ۱۲
طرف سے جب لوگ بے اعتنائی برت رہے تھے تو اس وقت ان کو توجہ دلائی۔

سنئے ذکر اللہ میں نفع کا یقین ہے اس سے غفلت دور ہوتی ہے نسبت مع اللہ پیدا ہوتی ہے۔ علائق سے
قلب صاف ہوتا ہے مگر شریعت کا اہتمام ضروری ہے پہلے لوگوں نے شریعت کے اہتمام کے ساتھ ساتھ اسکو کیا
ہے صوفیہ اور مشائخ۔ علماء کو بھی اس پر لائے ہیں اور ان سے ذکر کرایا ہے کہ آپ شریعت کے عالم تو ہیں، اور
شریعت کے ظاہری احکام پر آپ کا عمل بھی ہے۔ مگر جب قلب غافل ہے تو حقیقتہً عالم نہیں اس لئے سب کچھ
چھڑا کر ان کو ذکر میں لگایا ہے اور یہ نسبت پیدا کرائی ہے۔ غرض ہمارے مشائخ نہایت ہی اعتدال پر تھے جن کو
دیکھا کہ ذکر اللہ سے غافل ہیں ان کو ذکر اللہ پر لائے اور جو صرف ذکر اللہ کرتے تھے۔ شریعت کی پابندی نہیں
کرتے تھے ان کو شریعت کی پابندی کا امر کیا اور اس پر ان کو زجر کیا۔ گویا جس فریق میں جو خامی پائی اس کی
اصلاح فرمائی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں ہی ضروری ہیں فقط ایک پر اکتفا جائز نہیں جس طرح اہل
باطن کیلئے ظاہر کی اصلاح ضروری ہے۔ اسی طرح اہل ظاہر کیلئے باطن کی اصلاح ضروری ہے جو لوگ شریعت
پر عمل کو ضروری نہیں سمجھتے انھیں باطنیہ یا حشویہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ فقط ظاہر شریعت پر عمل کو

ضروری سمجھتے ہیں ان کو متقشف اور زاہد خشک کہا جاتا ہے اور جو دونوں کے جامع ہیں وہ محقق اور اصلی صوفی ہیں

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَقَشَّفَ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ ۔ (یعنی جو صوفی ہوا اور فقہ نہ حاصل کی پس بلاشبہ وہ زندیق ہوا یعنی ٹھیٹ کافر، اسلئے کہ اس میں نہیں ہوتا دین کے برباد کرنے سے اور جو کوئی فقیہ ہوا اور تصوف حاصل نہ کیا پس بلاشبہ زاہد خشک اور پھیکا پھاکا مُلّا ہے) اسلئے کہ عالم ظاہر تحصیل نسبت باطن کا محتاج ہے ۔ اسی طرح باطنی نسبت والا کتاب وسنت کے حاصل کرنے کا حاجتمند ہے ۔ تا جامع النورین اور مجمع البحرین اور یادگار اولیاء سابقین اور وارث الانبیاء والمرسلین ہو جاوے ۔ اور جس نے جمع کیا تصوف اور فقہ میں پس بلاشبہ محقق ہوا اور جامع ہوا کمالات ظاہریہ و باطنیہ کا ۔

فرقہ باطنیہ کی اصلاح کی طرف علما محققین ہمیشہ متوجہ رہے اور ان کو اسلام اور اہل اسلام کا ہمیشہ مخالف سمجھا اور لوگوں کو ان کے کید سے آگاہ فرماتے رہے اس طرح اہل اسلام ان کے کید سے محفوظ رہے اور یہ لوگ زیادہ ضرر نہ پہونچا سکے اور بعضوں کی اصلاح بھی ہوگئی ۔ اور جو لوگ کہ زاہد خشک تھے بزرگوں کی توجہ ان کی طرف بھی مبذول رہی ۔ بہتوں کو اسطرف کھینچ لائے اور وہ باطن پر پورے پورے عامل اور سالک ہوئے ۔ مثال میں ابن حجرؒ شارح بخاری پیش کئے جاتے ہیں ۔ انھوں نے اپنی تکمیل حضرت شیخ مدینؒ سے کی چنانچہ ان کے رجوع کا واقعہ یہ ہوا کہ انھوں نے ابن فارضؒ کے بعض ابیات کی شرح لکھ کر حضرت شیخ مدینؒ کی خدمت میں برائے تصویب وتقریظ پیش کیا ۔ حضرت نے اس کے سرورق پر بس یہ شعر لکھ کر واپس کر دیا ؎

سَارَتْ مُشَرِّقَةً وَسِرْتُ مُغَرِّبًا ‏ ‏ ‏ شَتَّانَ بَيْنَ مُشَرِّقٍ وَمُغَرِّبٍ

(وہ تو مشرق کی طرف چلی گئی اور میں نے مغرب کی راہ لی ۔ اور ظاہر ہے کہ مشرق کے جانے والے اور مغرب کے جانے والے میں کتنا بعد ہوتا ہے ۔)

اس سے شیخ کا مطلب یہ تھا کہ آپ تو اب تک فن حدیث کی خدمت میں رہے ہیں ۔ اس میدان میں قدم ہی نہیں رکھا تو آپ بھلا اس کے نشیب و فراز کو کیا جانیں اور جو شخص کسی بات کو جانتا ہی نہ ہو وہ اسکی کیا شرح کر سکتا ہے ؟ یہ ابیات صوفیہ کے احوال سے متعلق ہیں اس لئے اس کی شرح تو کوئی اہل طریق صاحب باطن ہی کر سکتا ہے ۔ کتاب میں لکھا ہے فتنبہ لامر كان عنہ غافلاً ۔ یعنی علامہ ابن حجرؒ ابتک جس چیز سے غافل تھے اس پر ان کو تنبہ ہوا اور بات کی تہہ تک پہونچ گئے ۔ طریق اور اہل طریق کا اذعان و اعتقاد کر کے پھر شیخ مدینؒ کی خدمت میں رہ ہی پڑے اور وہیں وفات پائی ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ۔ (الیواقیت صـ۱۵ ج۱) ۔

(افادہ) حضرت والا مدظلہٗ نے اس واقعہ کو سنا کر یہ بھی فرمایا کہ یہ ان کے خدمت حدیث کی برکت

تھی۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کی شرح اور توضیح میں ساری عمر گذاری تھی اسلئے اللہ تعالیٰ کی غیرت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ یہ میرے حبیب کے کلام کا شارح یونہی خالی رہ جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب فرمادیے کہ ان کا کام بن گیا۔ سچ ہے۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

اسی طرح سے شیخ عبادہ مالکی بھی انھیں شیخ مدینؒ کی خدمت میں رہنے لگے حالانکہ پہلے ان کے منکر تھے مگر بعد میں حضرت کا اقرار کیا اور معتقد ہو گئے۔ ان کے رجوع کرنے کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے۔ نہایت عبرتناک اور سبق آموز ہے۔ طبقات کبریٰ میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ "شیخ عبادہؒ" سادات مالکیہ میں کے ایک ممتاز عالم تھے اور اپنے ہمعصر شیخ مدینؒ پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ یوں کہتے تھے کہ یہ طریق جس پر یہ لوگ اپنے کو کہتے ہیں (یعنی تصوف) کیا بلا ہے؟ ہم تو صرف شریعت کو جانتے ہیں اس کے علاوہ سب ڈھکوسلا ہے۔ ان کو شیخ مدینؒ کا انکار تو تھا ہی اس میں مزید اضافہ اس سے ہو گیا کہ شیخ عبادہ کے درس کو چھوڑ چھوڑ کر لوگ شیخ مدینؒ کی مجلس میں آنے لگے۔ سید مدینؒ نے اپنے یہاں منعقد ہونے والی سالانہ محفل مولد میں ایک مرتبہ شیخ عبادہ کو بھی مدعو کیا۔ چنانچہ شیخ عبادہ آئے۔ لیکن شیخ مدین نے اپنے اصحاب سے تاکید کر دی تھی کہ جب شیخ عبادہ آدیں تو خبردار کوئی شخص اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کرے اور نہ ان کی تعظیم کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو اور نہ مجلس میں ان کے ۱۴
لئے جگہ ہی کشادہ کیجائے۔ چنانچہ جب شیخ عبادہ آئے تو آکر خانقاہ کے صحن میں کھڑے ہو گئے اور کسی کو متوجہ نہ پاکر خوب خوب پیچ و تاب کھاتے رہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مارے غصہ کے پاش پاش ہو جائیں گے۔ جب اس حالت پر کچھ دیر گذر گئی تو سید مدینؒ نے سر اٹھایا اور حاضرین سے فرمایا کہ بھائی! شیخ عبادہ کے لئے راستہ کشادہ کردو اور ان سے کہا کہ آئیے آپ یہاں میرے پاس تشریف لائیے۔ جب وہ سید مدین کے پاس آکر بیٹھ گئے تو انھوں نے بیٹھتے ہی فرمایا کہ ایک سوال درپیش ہے (اجازت ہو تو عرض کروں) شیخ عبادہ نے فرمایا کہ ضرور ارشاد فرمائیے۔ کہا کہ آیا آپ کے نزدیک مشرکین کے لئے قیام تعظیمی جائز ہے؟ بالخصوص جبکہ ان کی جانب سے کسی قسم کے خوف کا بھی اندیشہ نہ ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ سید مدین نے فرمایا کہ اچھا تو آپ کو خدا کی قسم دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب آپ یہاں تشریف لائے تھے اور کوئی کھڑا نہ ہوا تو آپ کو یہ فعل کچھ ناگوار خاطر ہوا تھا یا نہیں؟ شیخ عبادہ نے کہا کہ ہاں بیشک ناگوار ہوا تھا۔ اس کے بعد پھر سید مدین نے ان سے دوسرا سوال کیا کہ اچھا یہ تبلائیے کہ اگر آپ سے کوئی شخص یہ کہے کہ میں تم سے اس وقت تک راضی نہ ہونگا جب تک کہ تم میری ایسی تعظیم نہ کرو جیسی تعظیم اپنی خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے چاہتے ہیں۔ تو یہ آپ کے نزدیک کیسا ہے؟ اور اس شخص سے آپ کیا فرمائیں گے؟

شیخ عبادہ نے جواب دیا کہ میں اس سے یہ کہوں گا کہ اے شخص تو کافر ہو گیا۔ جا تجدید ایمان کر۔ اسکے

بعد کچھ دیر تک اسی طرح باہم سلسلہ کلام جاری رہا۔ امیرا خیال یہ ہے کہ شیخ مدین نے ان مقدمات کو تسلیم کرانے کے بعد ان کا انطباق فرمایا ہوگا کہ یہی حال آپ لوگوں کا بھی ہے کہ ہم سے بھی اپنی تعظیم ایسی ہی چاہتے ہیں، اور نہ ہونے پر ناگواری ہوتی ہے۔ اس کے متعلق بھی تو حکم لگائیے یہ کیسا ہے؟ غرض شیخ عبادہؒ کی سمجھ میں بات آگئی، تا آنکہ انھوں نے کھڑے ہو کر اسی بھرے مجمع میں اعلان کیا کہ :۔

حضرات! آپ سب لوگ گواہ رہیئے کہ میں آج سیدی مدینؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں اور دین اسلام میں صحیح طور پر داخلہ کا آج میرا پہلا دن ہے اور اول داخلہ ہے۔ پھر تا زیست ان کی خدمت میں رہ ہی پڑے حتیٰ کہ وہیں انتقال ہوا اور مقابر فقراء میں مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ (طبقات کبریٰ ص۱۱۳ ج۲)

(افادہ)

حضرت والا دامت برکاتہم نے اس واقعہ کو سنا کر یہ فرمایا کہ اس سے جس طرح شیخ مدین کی کرامت اور اصلاح و تربیت کے معاملہ میں ان کے کمال کا پتہ چلتا ہے اسی طرح سے شیخ عبادہؒ کے بھی کمال خلوص کا
15 اندازہ ہوتا ہے کہ جب ان کو اپنے حال کی معرفت ہوگئی اور بات سمجھ میں آگئی تو فوراً تائب ہو گئے۔ کہاں تو طریق کے منکر اور شیخ مدینؒ پر معترض تھے۔ اور کہاں سب کے سامنے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آج حلقہ بگوش اسلام ہوتا ہوں۔ سبحان اللہ کس قدر بے نفسی اور تواضع کی بات ہے۔ آخر تھے تو عالم ہی۔ کتاب و سنت کے علم نے انکے قلب پر اثر کیا تھا۔ ان میں اخلاص تھا۔ اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت فرمائی۔

(اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ)

مشائخ کے سقوط کا سبب

یوسف بن الحسین گفت بنزدیک ذوالنون رح رفتم مرا گفت یا بنی صحح حالک مع اللہ لا لیشغلک عنہ شاغل ولا تشتغل بما یقول الخلق منک فانھم لن یغنوا عنک من اللہ شیاء واذا صحت حالک مع اللہ ارشدک للطریق الیہ واقتد لسنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وظاھر العلم وایاک ان تدعی فی مالیس لک فما اھلک عامۃ المریدین الا الدعادی

وقال لہ ایضاً لا تسکن الی مدح الناس ولا تجزع عن قبولھم ردھم فالھم قطاع الطریق واسکن الی ما تحققہ من احوالک سراً لا علنا۔

ہم یوسف گفت
الخیر کلہ فی بیت مفتاحہ التواضع والشر کلہ فی بیت مفتاحہ الکبر۔

یوسف بن حسین رح کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصری کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ اے بیٹے! اللہ تعالی کے ساتھ اپنا حال اور معاملہ درست کرلو پس پھر تم کو ادھر سے کوئی چیز نہ ہٹا سکے گی۔ اور مخلوق تمھارے متعلق جو کچھ کہے تو اس کی وجہ سے مشتغل نہ ہونا اس لئے کہ اللہ تعالی کے مقابلہ میں وہ تمھارا کچھ نہیں کرسکتے۔ اور جب تمھارا معاملہ اللہ تعالی کے ساتھ درست اور صحیح ہوجائیگا تو اللہ تعالی اپنی جانب راستہ کی تمھیں ہدایت فرمادیں گے۔

۱۶ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرو اور ظاہر علم پر عمل رکھو اور جو چیزیں کہ تمھارے اندر نہیں ہیں انکا دعوی کرنے سے خود کو بچاؤ اس لئے کہ عام طور سے مریدین کو دعادی ہی نے ہلاک کیا ہے۔

اور حضرت ذوالنون نے یوسف بن حسین سے یہ بھی فرمایا کہ دیکھو خبردار لوگوں کی تعریف سے کبھی دلی سکون نہ حاصل کرنا یعنی اس سے خوش نہ ہونا اور نہ انکے، ردوقبول کیوجہ سے جزع فزع کرنا اسلئے کہ یہ لوگ قطاع طریق یعنی ڈاکو ہیں انکا تو کام ہی راہ مارنا ہے پس سکون قلبی اپنے ان باطنی احوال سے حاصل کرنا جن سے تم حقیقتاً متصف ہو اور وہ بھی صرف دل ہی دل میں علانیہ نہیں۔

اسی طرح یوسف سے ایک بات حضرت ذوالنون نے یہ بھی فرمائی کہ جس گھر کی کنجی تواضع ہو تو سمجھ لو کہ ہر قسم کی بھلائی اس میں آگئی اور جب گھر کی کنجی کبر ہو تو سمجھ لو کہ ہر قسم کا شر اس مکان میں ہے۔

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ کیا علوم ہیں اور کیا معارف ہیں۔ یہ حضرات تھے اہل طریق۔

ان کے یہاں نہ لمبی چوڑی تقریریں تھیں اور نہ فصیح و بلیغ الفاظ تھے بلکہ سیدھے سادے طریقہ پر چند کلمات فرما دیتے تھے جو کہ سننے والوں کے قلوب میں پیوست ہو جاتے تھے جس کی وجہ سے خلق سے توحش اور بد خلقی سے نفرت اور خالق سے قلبی ربط اور دلی تعلق پیدا ہو جاتا تھا۔ حضرت ذوالنون رح نے حضرت یوسف بن حسین رح کو جو نصیحت اور وصیت فرمائی ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور صفحات قلوب پر نقش کرنے کے لائق ہے۔ یعنی یہ کہ :

(۱) پہلی بات ان سے یہ فرمائی کہ اے بیٹے! اپنا تعلق حق تعالیٰ سے صحیح کر لو بس پھر اسکے بعد کوئی چیز تمھیں اُدھر سے ہٹا نہ سکے گی اِس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کہ راہ سے ہٹ جاتے ہیں اسکی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ سے ان کا صحیح تعلق ہی نہیں ہوا ہوتا۔

(۲) دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ مخلوق تمھارے متعلق جو کچھ بھی کہے تم اس سے مشتعل نہ ہونا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں وہ تمھارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ کیسی عمدہ نصیحت فرمائی ہے دنیا میں دوست دشمن تو سبھی کے ہوتے ہیں بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ نیک لوگوں کے مخالف زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں کچھ کہا سنا بھی کرتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ ان کو رنج بھی ہوتا ہے۔ اب اُن کے اِس رنج و غم کو اپنی اس نصیحت کے ذریعہ کتنا ہلکا کر دیا۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی کو تعلق مع اللہ کی دولت نصیب ہو جاتی ہے تو پھر وہ مخلوق کی ذرا پرواہ نہیں کرتا اس لئے کہ یہ حضرات اپنا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ رکھتے ہیں لہٰذا بس انھیں کی مرضی تلاش کرتے ہیں اور ان کی رضا کے بعد دشمنی خلق کی ان کی نظروں میں کوئی وقعت ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ حضرات تو زبان حال و قال سے ایسے مواقع پر یوں مترنم ہوتے ہیں کہ ؎ 17

گو ہوا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں
دیکھنا یہ ہے مزاجِ یار تو برہم نہیں

تحریکات کے زمانہ میں کسی صاحب نے خواجہ صاحب رح کے سامنے یہ شعر حضرت مولانا رح کے اوپر پڑھا کہ انھیں مخلوق کی مخالفت کی کیا پرواہ ہے ان کا تو حال یہ ہے کہ ؎

گو ہوا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں
دیکھنا یہ ہے مزاج یار تو برہم نہیں

خواجہ صاحب نے حضرت مولاناؒ سے آکر عرض کردیا کہ فلاں صاحب آپ کے متعلق یہ شعر پڑھتے تھے چونکہ یہ حضرت مولاناؒ کے بالکل حسب حال تھا اس لئے حضرت سنکر بہت مسرور ہوئے اور ایک وجد اور حال سا طاری ہوگیا اور اس میں شک نہیں کہ قلب کی یہ حالت ایک دولت عظمیٰ ہے جسے حاصل ہوجائے وہ بالنصیب ہے کیونکہ یہی تصحیح حالِ قلب موصل الی اللہ ہوتی ہے۔

۳۔ آگے تیسری نصیحت حضرت ذوالنون نے یہ فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کرو اور ظاہر شرع پر عمل کرو اور اپنے آپکو دعاوی کاذبہ سے بچاؤ یعنی جو حال و کیفیت باطنی تمہیں حاصل نہ ہو اس کا دعویٰ نہ کرو اس لئے کہ عام مریدین کو دعویٰ نے ہی ہلاک کیا ہے اب جب کہ بزرگانِ دین نے یہ نصیحت فرمائی ہے تو پھر ہم کو دعاوی کا بھی سمجھنا ضروری ہوگا۔ یہ میرا قول نہیں ہے حضرت ذوالنون مصریؒ فرما رہے ہیں جو بہت بڑے اولیاء میں سے گزرے ہیں۔
(اپنے زمانہ میں علم و ورع میں یکتائے روزگار تھے لوگوں نے ایک دفعہ متوکل سے آپ کی شکایت کی اس نے مصر سے آپ کو بلوایا جب آپ دربار میں پیش ہوئے تو متوکل سے ایسی گفتگو کی اور اس کو ایسا
وعظ کہا کہ وہ رو دیا اور نہایت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو مصر پہنچا دیا چنانچہ متوکل کا یہ ۱۸
حال تھا کہ جب اس کے سامنے اہل ورع کا ذکر ہوتا تو رو دیتا اور یہ کہا کرتا تھا کہ جب مجلس میں اہل ورع کا تذکرہ ہو تو ضروری ہے کہ حضرت ذوالنون کا بھی ذکر کیا جائے۔ قشیریہ)

یہی حضرت ذوالنونؒ فرمارہے ہیں کہ کبھی دعوی نہ کرنا کیونکہ یہ ہلاکت کا سبب بنتا ہے اسی طرح سے طبقات کبریٰ میں شیخ عدی بن مسافر الاموی کا قول نقل کیا ہے کہ اول ما یجب علی سالک طریقتنا هذه ترك الدعاوي الكاذبة واخفاء المعاني الصادقة یعنی ہمارے طریق پر چلنے والوں کے لئے سب سے پہلی چیز جو واجب ہے وہ یہ کہ دعاوی کاذبہ کو ترک کریں اور معانی صادقہ (یعنی اپنے حالات قرب وغیرہ) کو چھپادیں۔ دیکھئے شیخ عدیؒ بھی وہی فرمارہے ہیں جو حضرت ذوالنون نے فرمایا۔ جسے علامہ شعرانیؒ نے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طریق کو دعاوی کاذبہ سے غایت بعد ہے اسی لئے سالک پر لازم ہے کہ وہ پہلے ان کو چھوڑے تب طریق میں داخل ہو کیونکہ انھیں چھوڑے بغیر طریق میں داخل ہونا ایسا ہی ہے جیسے بدون طہارت کے نماز میں داخل ہوجانا۔ اور سنئے :-

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اپنے رسالہ الامر المحکم المربوط فی ما یلزم اہل طریق اللہ تعالیٰ من الشروط کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ "میری غرض اس عُجالہ کے تحریر سے یہ ہے کہ میں مقام شیخوخت اور مقام مریدیت اور ان ہر دو کے لوازم کو بیان کروں۔ آگے اسکی جو وجہ بیان فرماتے ہیں اس وقت وہی مجھے یہاں بتانا مقصود ہے فرماتے ہیں کہ:

فان الزمان مشحون بالدعاوی الکاذبۃ العریضۃ فلا مرید صادق ثابت القدم فی سلوکہ ولا شیخ محقق ینصحہ فیخرجہ من رعونۃ نفسہ واعجابہ برائہ ویعریہ لہ عن طریق الحق فالمرید یدعی الشیخوخۃ والریاسۃ وھذا کلہ تخبیط وتلبیس۔ (آداب الشیخ والمرید)

اس لئے کہ زمانہ لمبے چوڑے جھوٹے دعووں سے بھرا ہوا ہے نہ تو کوئی مرید ہی صادق اور سلوک میں ثابت قدم نظر آتا ہے اور نہ کوئی شیخ ہی محقق نظر پڑتا ہے جو مرید کی خیر خواہی کرے اور اسکو نفس کی رعونت اور خود رائی سے نکالے اور طریق حق اسکے سامنے ظاہر کرے۔ پس مرید شیخوخت اور بڑائی کا مدعی ہو جاتا ہے اور یہ سب خبط اور تلبیس ہے۔

19 دیکھئے شیخ اکبرؒ بھی اپنے زمانہ کے متعلق فرمارہے ہیں کہ زمانہ لمبے چوڑے جھوٹے دعووں سے بھرا پڑا ہے۔ نہ کوئی مرید ہی صادق ملتا ہے نہ کوئی شیخ ہی محقق نظر پڑتا ہے۔ آپ سے کہتا ہوں، کہ کیا یہ حالات اُس زمانہ کے لوگوں کے تھے اور اب اِس زمانہ میں پیر و مرید سب سچے ہی ہیں؟ شیخ جو اپنے زمانہ کے متعلق فرمارہے ہیں کہ زمانہ دعاوی کاذبہ سے بھرا ہوا ہے اسی سے اس زمانہ کا حال معلوم کریجئے۔ بات یہ ہے کہ جاہ و شہرت سب کو مطلوب ہوتی ہے اور کسی مرتبے کو صدق و تحقیق کے ساتھ حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور کسی مرتبہ کا محض دعویٰ کر دینا کچھ بھی دشوار نہیں ہے۔ اس لئے جب صدق و خلوص لوگوں سے رخصت ہو گیا تو اس کی جگہ دعاوی کاذبہ نے لے لی۔ اور تَدَیُّن نہ ہونے کی وجہ سے صدق کا اچھا ہونا اور کذب کا برا ہونا یہ بھی پیش نظر نہیں رہا۔ ورنہ اگر حق تعالیٰ کا یہ ارشاد یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○ (ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان علیکم بالصدق فان الصدق ینجی والکذب یھلک پیش نظر ہوتا تو آدمی سمجھتا کہ صدق منجیات یعنی نجات دینے والی چیزوں میں سے ہے اور

کذب مہلکات یعنی ہلاک کرنے والی چیزوں میں سے ہے۔ مشائخ نے جو کذب دعویٰ سے تحذیر فرمائی تھی تو اسی لئے تاکہ لوگ ہلاکت سے بچیں۔ لیکن یہ منزل آسان نہیں ہے اور نفس کا ان خواہشات اور لذات کا ترک کرنا کوئی کھیل نہیں ہے اس لئے مشائخ منع بھی کرتے رہے اور لوگ مبتلا بھی رہے۔ مشائخ کی اس تنبیہ کا ماخذ یہی نصوص ہیں۔ مگر لوگوں نے توجہ نہ کی چنانچہ آج بھی ہم بس دعوی ہی دعوی دیکھ رہے ہیں اور کسی کو کچھ کہہ نہیں سکتے۔ ع ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ والیہ المشتکیٰ۔

افسوس صد افسوس کہ آج رسمی طور پر تو بہت سی چیزیں موجود ہیں لیکن جو ان سب کی روح تھی یعنی اخلاص اس کا پتہ نہیں۔ یوں مشائخ کے یہاں آمد و رفت بھی جاری ہے پیری مریدی کا سلسلہ بھی قائم ہے مگر اخلاص غائب۔ اور یہی نہیں کہ اخلاص ندارد بلکہ اس کی جگہ دعاوی کاذبہ موجود ہیں۔ ان حالات میں یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا ۲۰
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

اور اگر ان لوگوں کو اس کا مصداق قرار دیا جائے تو بے محل نہ ہوگا کہ ؎

ادھر دیکھا، ادھر دیکھا اسے دیکھا لسے دیکھا
نہ دیکھا یار کو، اغیار میں دیکھا تو کیا دیکھا

۵۔ آگے حضرت ذوالنون رحؒ نے یوسف بن حسین کو ایک اور نصیحت یہ فرمائی اور اس میں شک نہیں کہ بڑی ہی عمدہ نصیحت فرمائی ہے وہ یہ کہ مخلوق کی مدح کی طرف دل نہ لگانا اور اس سے باطنی خوشی اور قلبی سکون نہ حاصل کرنا نیز مخلوق کے رد و قبول سے نہ گھبرانا یعنی اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے صحیح رکھنا اور اس فکر میں تو رہنا کہ اللہ و رسول کے خلاف کوئی کام نہ ہو جائے باقی یہ کہ مخلوق تم کو رد کرتی ہے یا قبول کرتی ہے اسکی جانب اصلا التفات نہ کرنا۔ حضرت مولانا رحؒ اس موقع پر بوستاں کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے اور چونکہ یہ حضرت کا خود اپنا حال تھا اس لئے خوب ہی

لطف لیکر پڑھتے تھے اور سننے والوں کو بھی متأثر اور محظوظ فرماتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ نہایت ہی عمدہ شعر ہے فرماتے ہیں کہ ؎

ندارند چشم از خلائق پسند
کہ ایشاں پسندیدۂ حق بسند

یعنی یہ حضرات مخلوق سے پسند کئے جانے اور قبول کرنے کی توقع ہی نہیں رکھتے اس لئے کہ یہ لوگ حق تعالےٰ کے پسند کئے ہوئے ہیں یہی ان کے لئے کافی ہے اسی تصور میں سرمست و سرشار رہتے ہیں اور پھر اس کے بعد مخلوق پر ان کی نظر ہی نہیں جاتی کہ وہ لوگ ان کو اچھا سمجھتے ہیں یا بُرا۔ رد کرتے ہیں یا قبول کرتے ہیں۔ اختلافات کے زمانہ میں لوگوں نے حضرت مولاناؒ کے خلاف اشتہارات نکالے۔ علیگڈھ کے ایک صاحب نے بھی دیکھا تو اُن کو یہ خیال ہوا کہ حضرت تو اسکی وجہ سے بہت ہی مغموم
۲۱ ہونگے اور صدمہ کی وجہ سے انتہائی لاغر ہوگئے ہونگے۔ چنانچہ اسی خیر خواہی میں تھانہ بھون کا سفر کیا اور جاکر دیکھا کہ حضرت تو خوب ہشاش بشاش ہیں اور حضرت ہنس بول رہے ہیں۔ بہت ہی تعجب کیا اور حضرت سے اپنا خیال نقل کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی مجھے اس کا صدمہ کیوں ہوتا اس سے میرا نقصان ہی کیا ہوا۔ بلکہ میں تو دیکھتا ہوں کہ کچھ نفع ہی ہوگیا ہے اس لئے کہ دو ہی قسم کے فائدے ہوسکتے ہیں دینی[1] اور دنیاوی[2] دینی فائدہ تو مجھے یہ ہوا کہ خود اپنے پاس تو کچھ عمل ہے نہیں آج یہ لوگ جو مجھے بُرا بھلا کہہ رہے ہیں کل قیامت میں ان کی نیکیاں مجھے مل جائینگی اور دنیاوی فائدہ یہ ہوا کہ میری آمدنی بڑھ گئی ہے یعنی مجھے جو لوگ ہدیہ اور نذرانہ وغیرہ بھیجتے تھے وہ اب زیادہ بھیجنے لگے ہیں لہذا جب میرا کوئی نقصان ہی نہیں ہوا تو پھر میں رنج وغم کیوں کروں تب اُن صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا دوسری ہی دولت کے حامل ہیں۔

۶۔ آگے حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق کے رد و قبول سے نہ گھبراؤ کیونکہ یہ لوگ قطاع طریق ہیں ان کے قول کی جانب التفات کروگے تو اُسی میں الجھ کر رہ جاؤگے۔ اور تمھارا راستہ کھوٹا ہوجائے گا لہذا ان سے اور ان کے اس قسم کے اقوال سے دور ہی رہنا

چاہیے۔ دیکھئے یہاں حضرت ذوالنون عوام کو اور مریدین کو قطاع طریق فرما رہے ہیں ورنہ تو عام طور سے جاہل شیخ کو جو کہ طریق سے ناواقف ہو اور مسند شیخت پر بیٹھ کر لوگوں کی راہ مارتا ہو اُسے ہی قطاع طریق یعنی رہزن کہا جاتا ہے لیکن یہاں اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح سے شیخ کبھی مرید کے حق میں قاطع طریق اور رہزن ثابت ہوتا ہے اسی طرح سے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ جھوٹے مرید اور جاہل عوام بھی شیخ کے حق میں قطاع طریق ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ گلستاں میں ایک عابد کا واقعہ لکھا ہے کہ مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کر کے جنگل میں زندگی بسر کرتا تھا اور درختوں کے پتے کھا کر گزر کرتا تھا ایک مرتبہ بادشاہ اس کے پاس زیارت کے لئے گیا اور اس سے درخواست کی کہ اگر حضور مناسب سمجھیں تو اجازت دیں کہ شہر ہی میں ایک مقام آپ کے لئے درست کروں تاکہ حضور اس میں قیام فرمائیں امید ہے کہ یہاں سے بڑھ کر عبادت میں یکسوئی اور فراغت قلبی وہاں حضور کو میسر آوے گی۔ اور ایک نفع یہ بھی ہوگا کہ حضور والا کے انفاس قدسیہ کی برکت سے اور لوگوں کو بھی استفادہ کا موقع ملے گا نیز آپ کے اعمال ۲۲
صالحہ کو دیکھ کر لوگ آپ کی اتباع بھی کرینگے۔ زاہد کو بادشاہ کی یہ درخواست پسند نہ آئی اُسکی جانب سے چہرہ پھیر لیا۔ مگر مصاحبین میں سے ایک وزیر نے عرض کیا کہ بادشاہ وقت کا بھی تو کچھ پاس کرنا چاہیے اس لئے اس میں کیا مضائقہ ہے کہ اگر سردست حضرت صرف دو تین دن کے لئے ہی شہر تشریف لے چلیں اور وہاں جا کے قیام ملاحظہ فرمالیں۔ اگر حضور والا اِصفائے وقت عزیز میں اغیار کی صحبت سے کچھ بھی کدورت محسوس فرمادیں تو حضور کو اختیار باقی ہے پھر واپس چلے آیئے گا۔

لوگ بیان کرتے ہیں کہ وزیر کی اس گفتگو سے زاہد کو کچھ کچھ اطمینان ہوا اور میں کہتا ہوں کہ اطمینان کیا ہوا اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آگیا اور پھنس گیا ناقص تھا اپنے کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ بادشاہ کے ہمراہ شہر چلا آیا، شاہی محل اور باغ خاص اس کے قیام کے لئے تجویز ہوا جو کہ نہایت ہی دلکشا اور راحت فزا مقام تھا۔ اسی اثنار میں بادشاہ نے ایک کام یہ کیا کہ نہایت ہی حسین وجمیل کنیز اور ایک بدیع الجمال اور لطیف الاعتدال غلام اسکی خدمت کے لئے بھی بھیجا۔ عابد نے بھی عمدہ عمدہ لذیذ کھانے کھانے شروع کئے اور بیش قیمت لباس استعمال

کرنے لگا اور فواکہ نیز خوشبوئیں استعمال کیں اور ان سب چیزوں سے خوب لطف اندوز ہونے لگا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ غلام اور کنیز کے حسن و جمال میں بھی نظر کیا اور جیسا کہ عقلمندوں نے کہا ہی ہے کہ حسینوں کی زلف عقل کے پاؤں کی زنجیر ہوتی ہے اور مرغ زیرک کا جال ہوتا ہے اس کا بھی یہی حشر ہوا کہ اس کو حق تعالےٰ کے ساتھ دلجمعی کی جو دولت نصیب تھی ڈ زوال میں آگئی۔

آگے شیخ سعدیؒ نے اس کے اور بھی حالات لکھے ہیں لیکن مجھے اس واقعہ سے یہاں صرف یہی دکھلانا مقصود تھا کہ بزرگوں کے پاس آنے جانے والے کبھی اس کے حق میں قطاع طریق بن جاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھئے یہ درویش اچھا خاصا گوشۂ عافیت میں بیٹھا ہوا تھا لیکن نفس و شیطان نے اسکو ے لیا اور اس کے پاس آنے جانے والوں نے کس کس طرح سے اُسے بہلا پھُسلا کر خواہشات نفس میں اسکو مبتلا کردیا اب ظاہر ہے کہ نفس کے موافق چیزیں ملیں اور پھر انسان ان میں ملوث نہ ہو اور اپنے آپ کو بچا لیجائے بڑا ہی مشکل کام ہے۔ کوئی شیخ کامل اور ۲۳
موفق من اللہ ہی ایسا کر سکتا ہے۔ اسی نوع کے حالات کا مشاہدہ کر کے شیخ اکبرؒ نے یہ فرمایا ہے کہ وقد رأینا شیوخاً سقطوا یعنی ہم نے اپنی ان آنکھوں سے بہت سے مشائخ کو ساقط ہوتے دیکھا ہے یعنی وہ پھر شیخ ہی نہیں رہ گئے اور حق تعالیٰ کی نظر اعتبار سے ساقط ہو گئے اس منتبد کے واقعہ سے ہم کو یہ سبق ملا کہ شیخ کو مرید کی ہر بات نہیں مان لینی چاہئے۔ مرید تو ناقص ہوتا ہی ہے وہ تو ہر قسم کی بات کہے گا یہ شیخ کے ذمہ ہے کہ اس بات میں اور اپنے حالات میں غور کرے اور یہ دیکھے کہ اس کا کوئی ضرر دینی یا دنیوی تو مجھ پر مرتب نہ ہوگا۔ اگر ضرر کا شائبہ بھی دیکھے تو اس کام کو ہرگز نہ کرے یہاں اُن بزرگ سے یہی چوک ہوئی کہ اپنے نفس میں نظر نہیں کی یعنی اُس کے ضعف اور قوت کا اندازہ نہیں کیا اور بادشاہ سے انکار کرنے کے باوجود وزیر کے کہنے میں آہی گئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان بزرگ نے بادشاہ سے جو انکار کیا تھا اس میں بھی صادق نہیں تھے۔ وہ انکار بھی ریاکاری اور تصنع سے تھا ورنہ بدل جانے کا کیا مطلب۔

اور دوسرا سبق اس واقعہ سے یہ بھی ملا کہ یہ اہل دنیا بزرگوں کی سیرت سے تو بہت دور

ہوتے ہیں لیکن اُن کی اصطلاحات اور اُن کی مرغوبات سے خوب واقف ہوتے ہیں اور ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں جس سے وہ شیخ انھیں واقف راہ سمجھے اور اپنے احباب میں سے شمار کرے اور حقیقتاً یہ لوگ اغیار اور قاطع راہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ دیکھئے یہاں وزیر نے صفائے وقت عزیز اور صحبت اغیار اور کدورت یہ سب الفاظ اسی لئے استعمال کئے کہ یہ بزرگوں کے احوال سے متعلق امور ہیں اسی کی وجہ سے انھیں دھوکہ ہوا کہ انھوں نے سمجھا کہ اسے میرا صفائے وقت عزیز ہے اور اغیار کی صحبت سے جو کدورت ہوسکتی ہے وہ اسے بھی ناپسند ہے۔ اسی لئے اسکو مخلص اور ناصح سمجھ کر اسکی باتوں میں آگیا۔ بہرحال وزیر گو سبب بنا لیکن اصل نقص خود اُسی زاہد کا ہی تھا کہ جو ذرا سے چرکے میں پھسل گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ابتدا سے صادق اور مخلص نہ تھا کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے مخلصین کو ضائع نہیں فرماتے بلکہ ریاکار تھا۔ پس جیسی اس کی نیت تھی ویسی ہی اس کی برکت ظاہر ہوئی۔

جی چاہتا ہے کہ تتمیم کلام اور مزید افادہ کے لئے اس متعبد کا بقیہ حال بھی بیان کردوں
تاکہ سقوط کا سبب معلوم ہوجائے آگے شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ کچھ دنوں بعد پھر بادشاہ کو اس ۲۴
زاہد کی زیارت کا شوق ہوا اس کے پاس آیا۔ اور عابد کو دیکھا کہ پہلی جیسی حالت نہیں ہے
بلکہ اس سے بالکل بدلا ہوا ہے۔ یعنی سرخ و سفید ہو رہا ہے اور خوب موٹا تازہ ہوگیا ہے۔ سرہانے
گاؤتکیہ لگا ہوا ہے اور ایک غلام طاؤسی پنکھا لیے ہوئے اسکے سر پر جھل رہا ہے۔ بادشاہ کو
اسکی سلامت حالی سے مسرت ہوئی پھر مختلف قسم کی باتیں باہم ہوتی رہیں یہاں تک کہ
بادشاہ نے آخر میں کہا کہ مجھے ان دونوں جماعتوں یعنی جماعت علماء اور جماعت صوفیہ سے جس
قدر محبت ہے کسی اور کو شاید ہی ویسی ہو۔ ایک عقلمند وزیر جہاندیدہ اور آزمودہ کار بھی اس کے
ساتھ تھا (اب ہوسکتا ہے کہ یہ وہی وزیر ہو جس کے کہنے سے زاہد یہاں آیا تھا یا کوئی
دوسرا ہو) اس نے جب یہ دیکھا کہ زاہد کی تو باطنی دولت ہی لٹ گئی اور بادشاہ ہے کہ
اسکی ظاہری خوشحالی ہی کو دیکھ کر مسرور ہے تو اس نے عرض کیا کہ جہاں پناہ دوستی کی تو
شرط یہ ہے کہ آپ ان دونوں جماعتوں کے ساتھ نیکی کا معاملہ کریں جس کی صورت یہ ہے کہ
علماء کو تو مال دیجئے تاکہ اور دوسرے لوگوں کو بھی علم کا شوق ہو اور وہ بھی علم حاصل کریں

اور زاہدوں کو کچھ نہ دیجئے تاکہ اپنے زہد پر قائم رہیں۔

آپ نے دیکھا کہ باطنی دولت کی تحصیل سے زیادہ دشوار اسکی حفاظت ہوا کرتی ہے اگر حفاظت میں کوتاہی کیجاتی ہے تو پھر شیخ بھی ساقط ہو جاتا ہے تا بہ مرید چہ رسد۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ محققین نے مریدین کو ایسی چیزوں سے بچنے کی نصیحت کی ہے جو اُن کے طریق سے ساقط ہوجانے کا سبب بنے چنانچہ صاحب رسالہ قشیریہ نے اپنے کتاب کے آخر میں الوصیۃ للمریدین کے عنوان سے ایک باب ہی قائم فرمایا ہے اُس میں فرماتے ہیں کہ:

ومن شأن المريد التباعد عن أبناء الدنيا فإن صحبتهم سم مجرب لأنهم ينتفعون به وهو ينتقص بهم قال الله تعالى ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا۔ قشیریہ ص۲۰۳ 25

مرید کی شان سے یہ ہے کہ ابناء دنیا یعنی دنیا داروں سے دور ہی رہے اس لئے کہ ان کی صحبت آزمودہ زہر ہے کیونکہ وہ لوگ تو اس سے کچھ نہ کچھ نفع حاصل بھی کرلیتے ہیں لیکن یہ تو ان کی صحبت کی وجہ سے اپنے مقام سے گم ہوجاتا ہے بلکہ آہستہ آہستہ ختم ہی ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ مت اطاعت کیجئے اسکی جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے۔

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ مرید و سالک کو ابناء دنیا سے دور رہنا چاہئے اس لئے کہ یہ لوگ اغیار ہیں اور ان کی صحبت سم قاتل ہے اور یہاں بھی ضرر کا منشاء خود مرید ہی کا ضعف ہوتا ہے کیونکہ دنیا داروں سے اختلاط کی وجہ سے اسکی نیت بگڑ جاتی ہے اور یہ بدنیت ہوجاتا ہے باقی وہ لوگ چونکہ اس سے اس کی دینداری کے سبب سے ملتے ہیں اس لئے انھیں تو نفع ہی ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ دیندار ہوجاتے ہیں لیکن اس کا ضرر ہوجاتا ہے کہ اپنے درجہ سے کم ہوجاتا ہے اور خلق و خالق کی نظروں میں ساقط الاعتبار ہوجاتا ہے۔ اب یہاں یہ سمجھئے کہ اس سقوط کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ مکاتیب رشیدیہ میں ہے کہ:-

"جو امر حاصل شدہ جاتا ہے یا عدم اہتمام سے جاتا ہے کہ اسکی چنداں آدمی نگہداشت نہیں کرتا یا معصیت کی شامت سے فرو ہوتا ہے یا کھانے کے نشیب و فراز سے۔ سو تلاش کرکے اگر ثالث امر ہے تو احتیاط چاہئے اور جو ثانی ہو استغفار و ترک ابتلاء اس کا چاہئے اور جو اول ہے تو

مناجات و اظہار عجز و انکسار بدرگاہ واہب العطیات اور اپنی غفلت پر ملامت نفس کو۔ مجملاً علاج یہ ہے بہرحال کثرت استغفار و ندامت ضروری ہے۔"

(مکاتیب رشیدیہ ص۲۹)

دیکھئے مشائخ نے سقوط کے اسباب بھی بیان فرمادئے ہیں کہ ان وجوہ سے شیخ بھی اپنے مقام سے ساقط ہوجاتا ہے اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ سقوط صرف شیخ ہی کے لئے ہے مرید کے لئے نہیں ہے؟ مریدین سب کامل ہی ہوتے ہیں؟ نیز کیا یہ چیزیں پہلے ہی زمانہ والوں کے لئے تھیں؟ اب اس زمانہ کے لوگوں کے لئے نہیں ہیں؟ حالات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں طریق باقی ہی کہاں رہ گیا ہے اور کتنے لوگ اس میں داخل ہی ہوتے ہیں لہذا اس معنی کر اگر آپ یہ کہہ دیں کہ مریدین ساقط نہیں ہوتے تو صحیح بھی ہے کیونکہ کسی چیز سے ساقط ہونے کے لئے پہلے اس میں داخل ہونا ضروری ہے۔ جو سرے سے طریق میں داخل ہی نہ ہوا ہو تو وہ ساقط کیا ہوگا۔ بہرحال جو لوگ بھی داخل ہوتے ہیں کبھی وہ ابتدا یا توسط یا انتہا میں ضرور ۲۶ کسی نہ کسی ایسے امر کا ارتکاب کرلیتے ہیں جو اُن کو ان کے مقام پر باقی نہیں رہنے دیتا اور محققین کے نزدیک یہ لوگ طریق سے خارج ہوجاتے ہیں گو بہ زعم خود وہ اپنے کو داخل ہی سمجھتے رہیں۔

مشائخ کی ان تصریحات سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ سقوط پیر کا بھی ہوتا ہے اور مرید کا بھی اس لئے کہ وہ اسباب سے متعلق ہے جو بھی اُن اسباب کو اختیار کریگا نتیجہ اس کا اُس کے سامنے آئے گا۔ گلستاں کی حکایت سے شیخ کے سقوط کا حال معلوم ہوا اور صاحب رسالہ قشیریہ کے بیان سے مرید کا حال معلوم ہوا کہ ابناء دنیا کی صحبت ان کے حق میں سم قاتل ہوتی ہے۔ اسی طرح سے یہی علامہ قشیری ایک دوسرے موقع پر سالک کے لئے مال و جاہ سے خروج کو واجب فرماتے ہیں اور اسکو بھی اس کے حق میں سم قاتل قرار دیتے ہیں گویا ان کے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ بھی قطاع الطریق ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اذا اراد الخروج عن العلائق سالک جب کہ علائق سے نکلنا چاہے تو سب سے اس پر لازم

فاولها الخروج عن المال....	ہے کہ جب مال سے نکلے۔ اور جب مال سے نکل چکے تو اب اس
..... فاذا خرج عن المال فالواجب	پر واجب ہے کہ حب جاہ سے نکلے۔ اس لئے کہ حب جاہ
علیہ الخروج عن الجاہ فان	بھی مقطع عظیم یعنی قاطع طریق ہی ہے۔ چنانچہ جب تک مرید کی
ملاحظۃ الجاہ مقطعۃ عظیمۃ	نظروں میں مخلوق کا رد اور قبول یکساں نہ ہوجائے گا اس
ومالم یستوعند المرید قبول الخلق	سے کچھ ہو ہی نہیں سکتا بلکہ مضرترین اشیاء اسکے حق میں،
وردھم لایجیئ منہ شیئ بل	لوگوں کا اس کو تبرک کی نگاہ سے دیکھنا اور یہ سمجھنا ہے کہ یہ
اضرالاشیاء لہ ملاحظۃ الناس	ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ عوام توان سب باطنی اموروں سے ناواقف
ایاہ بعین الاثبات والتبرک	ہوتے ہیں کسی کا ظاہر اچھا دیکھا اور اسکو بزرگ سمجھ لیا حالانکہ
لافلاس الناس عن ھذا	وہ ابھی ارادت بھی درست نہیں کئے ہوتا پھر بھلا اس کو
الحدیث وھو بعدلم یصح الارادۃ	متبرک سمجھنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے لہذا سالکین راہ کے لئے
فکیف یصح ان یتبرک بہ فخروجھم	جاہ سے نکلنا واجب ہے اس لئے کہ یہ سم قاتل اور آزمودہ
من الجاہ واجب علیھم لان ذلک	زہر ہے اور قاطع طریق ہے۔
سم قاتل لھم۔ (قشیریہ ص۱۹۹)	

۲۷

دیکھئے یہاں فرما رہے ہیں کہ مرید پر جاہ سے نکلنا بھی واجب ہے۔ کیونکہ یہ جاہ وغیرہ بھی قطاع طریق ہی ہیں اس لئے کہ جب تک سالک کے نزدیک مخلوق کا قبول اور ان کا رد یکساں نہ ہوجائے اس سے کچھ نہیں ہوسکتا یہی وہ نصیحت ہے جسے حضرت ذوالنون رح کے ارشاد میں ابھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ مضرترین شے سالک کے حق میں لوگوں کا اس کو یہ سمجھنا ہے کہ یہ ہوگیا ہے اور اس کے ساتھ تبرک کا معاملہ کرنا ہے اس لئے کہ عوام کالانعام تو ان باطنی امور کو سمجھتے نہیں کہ جاہ کیا ہوتا ہے اور اس کا ضرر کیا ہوتا ہے وہ تو جاہ میں مبتلا ہیں جس کی وجہ سے اسکی ارادت تک صحیح نہیں پھر اس کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ کچھ ہوگیا ہے اور اسکو تبرک کی نگاہ سے دیکھنا یہ کب جائز ہے۔ امام غزالی رح نے ریا کی یہ تعریف فرمائی کہ ھو طلب الجاہ بواسطۃ العبادات یعنی عبادت کے ذریعہ آدمی جاہ طلب کرے تو ان کے فتوی کی رو سے تو یہ شخص ریاکار ہے

مخلص نہیں ہے بلکہ مشرک ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں ریا کو شرک خفی فرمایا گیا ہے پس جو شخص طریق سے اس درجہ دور ہو اس کو طریق میں داخل سمجھنا بلکہ واجب التعظیم اور واجب التبرک سمجھنا کس قدر خبط ہے۔ یہی طریق کا فاسد کرنا ہے جس کا اس زمانہ میں وقوع مشاہد ہے کہ ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ میں تصوف کی باگ ڈور ہے جو مشائخ کے نزدیک بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے ذرا بھی حصہ نہیں پائے ہوئے ہیں لہٰذا سب سے پہلی چیز جو سالک کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ علائق اور شور وغل سے نکلے اس لئے کہ اس طریق کی بناء فراغ قلب پر ہے اور جس قلب میں غیر اللہ موجود ہو خواہ وہ مال کی محبت ہو یا داعیہ جاہ ہو وہاں اللہ تعالیٰ کا تعلق کس طرح پایا جاسکتا ہے ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

اسی کو کہا گیا ہے ؎

تعلق حجاب است و بے حاصلی　　　چو پیوندہا بگسلی واصلی

۲۸ حاصل یہ کہ یہ جاہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ انسان کو ہلاک کر کے رکھ دیتی ہیں اس کے متعلق بھی اگر کہا جائے کہ من ھنا سقط من سقط من المشائخ والمریدین تو برمحل ہوگا۔

اس موقعہ پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب کہ شیخ اور سالک کے سقوط کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے اسباب بھی بیان کئے گئے ہیں تو یہاں اس سقوط سے بچنے کا طریقہ بھی بیان کر دیا جائے تو اسکے متعلق سنئے۔ صاحب ترصیع الجواہر المکیہ شیخ کے آداب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لابد للشیخ ایضا من وقت مع ربہ یعنی شیخ کے لئے ایک مخصوص وقت ایسا بھی ہونا چاہئے جسمیں وہ اپنے رب کے ساتھ تنہا رہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ خلوت کا اہتمام رکھے یعنی جس طرح سے ابتداء امر میں خلوت ہی اختیار کرنے کی وجہ سے اس نے یہ ترقی کی تھی تو اب اس حالت میں بھی اس کو نہ بھولے اور نہ چھوڑے۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے نفس کو حضور مع اللہ یعنی نسبت کے استمرار میں قوت حاصل ہوئی تھی لہٰذا اگر اس کو چھوڑ دیگا تو پھر نفس اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیگا۔ جیسا کہ صاحب ترصیع نے اہتمام خلوت کی یہی

وجہ تحریر فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

وذلك ان النفس انما
حصلت لها القوة باستمرار
العادة في الحضور مع الحق
سبحانه وتعالى وترك
ماسواه في الظاهر والباطن
فاذا ترك الحضور رجعت
النفس لطبعها وعادتها فان
مالم تنفطر النفس عليه سريع
الذهاب ومتى لم يتفقد الشيخ
۲۹ حاله في كل يوم بالامر الذى
حصل له هذا التمكين كان
مخدوعا فتفقد الانس ويجد
الوحشة (ترصيع الجواہر)

اور یہ اسلئے کہ نفس کو حق تعالیٰ سبحانہ کے ساتھ دوام حضور کی جو ایک عادت سی ہوجاتی ہے اسکی وجہ سے نیز چونکہ اپنے ظاہر اور باطن ہر اعتبار سے ترک ماسوا کرچکا ہوتا ہے اس لئے اسکے نفس کو ایک قوت حاصل ہوجاتی ہے لہذا جب وہ اس حضور میں کچھ فتور کرلیتا ہے تو نفس پھر اپنی اصل (یعنی غفلت) کی جانب لوٹ جاتا ہے اور اسکی عادت قدیمہ عود کر آتی ہے اس لئے کہ جو حالت نفس کی فطری اور پیدائشی نہیں ہوتی بلکہ عارضی اور کسبی ہوتی ہے تو وہ اس سے بہت جلد ختم ہوجاتی ہے اور (بات یہ ہے کہ) شیخ اگر اپنی حالت کا جائزہ ان معمولات کے اعتبار سے جن کی وجہ سے وہ تمکین کے درجے کو پہنچا ہے نہ لیتا رہے تو سمجھو کہ وہ دھوکے میں پڑا ہوا ہے انس کا اس سے خاتمہ ہوجائے گا اور وحشت کو اپنے لئے لازم حال پائے گا۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ شیخ کو بھی تکمیل کے بعد اپنے حال کا تفقد کرتے رہنے کی ضرورت ہے۔ یعنی جن اسباب کے اختیار کرنے کی وجہ سے وہ مقام تمکین تک پہونچا ہے اسے برابر اختیار کئے رہنا چاہئے۔ یعنی ان میں خلل نہیں آنے دینا چاہئے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مشیخت کے بعد ان امور میں اسکے مقام کے مناسب اس سے تقصیر ہوجاتی ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ خدہ شدہ وہ طریق ہی سے ساقط ہوجاتا ہے جب ایسا ہے تو یہ تفقد احوال کس قدر اہتمام کی چیز ٹھہری۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگوں نے تکمیل کے بعد بھی اپنا ورد وغیرہ تک بدستور جاری رکھا ہے جیسا کہ حضرت جنیدؒ کا قصہ مشہور ہے۔ کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ اب تو آپ واصل ہوگئے ہیں پھر تسبیح کیوں رکھتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ واہ جس چیز کی بدولت یہ مقام مجھے حاصل ہوا ہے اسی کو چھوڑ دوں۔

اسی طرح سے ایک واقعہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پر تشریف لیجانے لگے تو راستے میں ایک پتھر کو دیکھا کہ زار و قطار رو رہا ہے آپ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کے بارے میں فرمایا ہے کہ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ یعنی اس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے۔ مجھے یہ خوف رُلا رہا ہے کہ کہیں میں بھی اس کا ایندھن نہ بنوں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ملنے کیلئے جا رہے ہیں میرے لئے بھی سفارش فرمادیجئے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پر پہنچے تو لذت مناجات کے آگے کچھ کہنا یاد ہی نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ ہی نے یاد دلایا کہ کسی کا پیغام لائے ہو؟ عرض کیا جی ہاں۔ ایک پتھر روتا ہوا ملا تھا اس نے ایسا ایسا کہا ہے۔ فرمایا اس سے جاکر کہہ دینا کہ تمھارے اس خوف و خشیت کی بدولت میں نے تم کو اس سے مستثنیٰ کردیا یعنی تم دوزخ میں نہ ڈالے جاؤگے۔ موسیٰ علیہ السلام نے واپس آکر اسکو یہ
۳۰ بشارت سنا دی۔ کچھ دنوں کے بعد پھر ایک مرتبہ آپ کا اُدھر سے گذر ہوا دیکھا کہ اب بھی وہ رو رہا ہے پوچھا کہ بھائی اب تیرے رونے کا کیا سبب ہے؟ تیری تو دوزخ سے رہائی ہوگئی ہے عرض کیا کہ واہ۔ جس رونے کے سبب سے اس عذاب سے بچا ہوں اسی کو چھوڑ دوں۔

دیکھئے ان واقعات سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو کوئی دولت کسی ذریعے سے ملتی ہے تو وہ اُس دولت کی تو قدر کرتا ہی ہے اس ذریعے اور سبب کی بھی قدر کرتا ہے۔ چنانچہ شیخ کامل بھی اسی لئے تکمیل کے بعد اپنے حال کا تفقد برابر کرتا رہتا ہے اس طرح پر یہ طریق کا ایک اصول ہی بنا دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ اگر شیخ اپنی حالت کا جائزہ اپنے ان معمولات کے اعتبار سے جن کی وجہ سے وہ تکمیل کو پہنچا ہے نہ لیتا رہے تو سمجھو کہ وہ دھوکے میں پڑا ہوا ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ آج مرید تو بجائے خود رہے مشائخ تک کو اسکا اہتمام نہیں کہ وہ اس اصول لابد للمشیخۃ ایضا من وقت مع دبہ پر عامل ہوں۔ لہٰذا اس کا انجام یہی ہوتا ہے کہ مریدین ان کو لے لیتے ہیں یعنی انکی باطنی دولت کے سلب ہونے کا سبب بنجاتے ہیں اسی کو صاحب ترصیع نے فرمایا کہ من ھذا المکان سقط من سقط من الشیوخ اور اسی کے متعلق شیخ اکبرؒ نے فرمایا ہے کہ "قد رأینا شیوخاً سقطوا۔

بلاشبہ مشائخ کے لئے مریدین کا ہجوم اور اُن کا ان حضرات کے بدن پر ٹوٹ کر گرنا بڑا ہی خطرناک ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ اُن کے لئے ایک بڑی آزمائش اور سخت ابتلا ہے اور طریق کا دشوار ترین عقبہ ہے جس سے بجز صدق و اخلاص کے نکلنا مشکل ہی ہے ایسے ہی مواقع پر نیت کا صحیح رکھنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ پھر آدمی اپنی نیت ہی کی خرابی کی وجہ سے رعونت نفس اور انانیت وغیرہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی لئے مشائخ محققین نے ہر زمانہ میں مخلوق کو فتنہ ہی جانا ہے اور خود بھی اس سے بچے ہیں اور اپنے مریدین کو بھی اہتمام کے ساتھ اُس سے بچایا ہے چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم رح جو کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلف رشید ہیں مکتوبات معصومیہ کے مکتوب سی و ششم میں لکھتے ہیں کہ :

مقصود از سیر و سلوک شیخی و مرید
گرفتن نیست۔ مقصود ازاں ادائے
۳۱ وظائف بندگی است بے منازعت نفس
و نیز مقصود نیستی و گمنامیست و زوال
رعونت و انانیت امارہ کہ معرفت باں
مربوط است۔ ہر کہ بہ ایں کس رجوع می کند
و انابت می آرد اورا از حق باز داشتہ بخود
مشغول می سازد و ہر کہ رجوع نمی آرد اورا
بحق می دارد ممنون او باید شد ؎

یارب ہمہ خلق را بمن بدخو کن
وز جملہ جہانیاں مرا یکسو کن
روئے دل من صرف کنی از ہر جہتے
در عشق خودم یک جہت و یک رو کن

والسلام اولاً و آخراً
(مکتوبات معصومیہ)

سیر و سلوک سے مقصود شیخ بننا اور مرید بنانا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود بندگی کے وظائف کا اس طرح سے ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے اسی طرح سے طریق کا مقصود نیستی اور گمنامی کی تحصیل ہے اور نفس کی سرکشی اور خود رائی کو دور کرنا۔ اس لئے کہ معرفت کا حصول اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ جب ایسا ہے تو اب جو شخص کسی ایسے شخص کی جانب رجوع ہو اور اس سے تعلق کا اظہار کرے تو اس نے گویا اس کو حق سے پھیر کر اپنی جانب مشغول کرلیا اور جو شخص ایسے شخص کی جانب رجوع نہیں کرتا تو وہ اسکو حق تعالیٰ کے ساتھ رہنے کا موقع دیتا ہے لہذا اس کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔

اے رب تو تمام مخلوق کو مجھ سے برگشتہ کردے ایسا کہ میری جانب رخ ہی نہ کریں اور اس طرح سے مجھے تمام دنیا والوں سے یکسو فرما دیجئے اور میرے دل کو ہر طرف سے پھیر دیجئے اور اپنے عشق میں مجھے یکسو اور ہمہ تن متوجہ فرما دیجئے۔ والسلام

دیکھئے حضرت خواجہ معصوم قدس سرہٗ اپنے زیر تربیت سالک کو کیسا لکھ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی شیخ سے قلت مرجوعہ کی شکایت کی ہوگی اس پر حضرت نے انھیں کس طرح مقصود اور غیر مقصود کو سمجھایا ہے اور اس عقبہ سے نکالا جو کسی درجہ میں ان کے حق میں سبب فتنہ بن سکتا تھا۔ بہر حال یہ عقبہ سخت سہی تاہم اللہ کے سچے بندے اس سے گزر گئے ہیں اور اپنے سفر کو ان قطاع الطریق سے کھوٹا نہیں کیا۔ اسی طرح سے ابھی میں نے بیان کیا ہے کہ حب مال اور حب جاہ بھی کبھی سالک کی راہ مار دیتے ہیں۔ لہذا اگر ان دونوں کو بھی اور اسی طرح سے ان تمام رذائل نفس اور کوتاہیوں کو بھی جن میں پڑکر سالک طریق سے منقطع اور ساقط ہوجاتا ہے قطاع الطریق کہا جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ نے اصلاح کے لئے نفس ہی کو جو پکڑا ہے تو یہ بالکل صحیح راستہ ہے لیکن افسوس ہے کہ آج اسی کی بحث کو طاق نسیان پر رکھ دیا گیا ہے اور عوام تو خیر عوام ہی ہیں ان خواص سے تعجب ہے کہ آج ان کے یہاں بھی اس کی بحث باقی نہیں رہی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۳۲ اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ اسکی بحث بھولے نہیں ہیں بلکہ قصداً اس کی جانب سے چشم پوشی اختیار کی گئی ہے کیونکہ اہل نفس کے لئے خطوط نفس کا چھوڑنا اور نفس کو خدا کے لئے مارنا بہت مشکل کام تھا اس لئے اس زمانے میں اسکو تصوف سے خارج ہی کردیا گیا ہے حالانکہ یہی اصل تصوف ہے۔ اب لوگ صرف چند رسوم پر اتر آئے ہیں بلکہ اب سے بہت پہلے سے یہی حال ہوگیا ہے۔ چنانچہ سیدنا شیخ احمد کبیر رفاعیؒ اپنے زمانہ کے صوفیوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

> اے صوفی یہ کیا بیہودگی ہے پہلے صوفی بنجا تاکہ ہم بھی تجھے صوفی کہیں
> میرے پیارے کیا تیرا یہ گمان ہے کہ یہ طریقت تیرے باپ کی میراث ہے؟
> تیرے دادا سے سلسلہ بسلسلہ چلی آرہی ہے؟ تیرے پاس بکر و عمر کے نام
> سے آجائیگی؟ تیرے شجرہ نسب میں داخل ہوجائے گی؟ تیرے خرقہ کے گریبان
> پر تیری کلاہ پر منقش ہوجائیگی؟ تونے اس سرمایہ (طریقت) کو سمجھ لیا ہے کہ
> ادنیٰ لباس ہو۔ ایک کلاہ ہو ایک لاٹھی ہو ایک گدڑی اور بڑا سا عمامہ ہو؟

بزرگوں کی سی شان وصورت ہو؟ نہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تیرے دل کو دیکھتا ہے۔ تیرے دل میں خدا کے اسرار اور اسکے قرب کی برکت کیونکر ڈالی جائے کہ وہ تو کلاہ و خرقہ، تسبیح اور عصا اور ٹاٹ کے حجابوں میں گرفتار ہوکر اللہ تعالےٰ سے غافل ہو رہا ہے، یہ عقل کس کام کی جو نور معرفت سے کوری ہے یہ سر کس کام کا جو جوہر عقل سے خالی ہے۔ اے سکین تونے اس جماعت جیسے کام تو کئے نہیں اور ان کا لباس پہن لیا؟ عزیز من! اگر تو اپنے دل کو مار کر خوف کا لباس پہنتا اور ظاہر کو لباس ادب سے آراستہ کرتا اور نفس کو ذلت کا لباس پہناتا اور انانیت کو فنا کا لباس پہناتا اور زبان کو ذکر کے لباس سے آراستہ کرتا اور ان سب حجابوں سے جن میں تو پھنسا ہوا ہے ۳۴
چھوٹ جاتا اس کے بعد یہ لباس پہنتا تو تیرے لئے اچھا ہوتا اور بہت بہتر ہوتا۔

پھر کچھ آگے فرماتے ہیں کہ:

اے سکین تو اس وقت اپنے وہم پر چل رہا ہے اپنے خیال پر راستہ طے کر رہا ہے اپنے جھوٹ اور عجب و غرور کے ساتھ چل رہا ہے انانیت اور تکبر کی ناپاکی لادے ہوئے ہے اور سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ تکبر کے ساتھ تو یہ راستہ ایک قدم بھی طے نہیں ہو سکتا۔ تواضع کا علم سیکھ، حیرت کا سبق پڑھ۔ مسکنت اور انکسار کا علم حاصل کر۔"

دیکھئے سیدنا رفاعیؒ نے جاہل صوفیوں کی کیسی خبر لی ہے جنھوں نے کہ رسوم صوفیہ کو لے کر حقیقت تصوف کو نظر انداز ہی کر دیا تھا۔ مشائخ محققین کا ہر زمانہ میں یہی کام رہا ہے کہ انھوں نے رسم سے لوگوں کو نکالا ہے اور حقیقت کی طرف دعوت دی ہے۔ چنانچہ یہی سیدنا رفاعیؒ عالم وصوفی کے باہمی نزاع کو نہایت ہی مؤثر عنوان سے ختم کراتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"طریقت عین شریعت ہے اور شریعت عین طریقت ہے۔ دونوں میں صرف

لفظی فرق ہے اصل اور مقصود اور نتیجہ دونوں کا ایک ہے میرے نزدیک
جو صوفی فقیہہ یعنی عالم کی حالت پر انکار کرے یقیناً مبتلائے قہر ہے
اور جو فقیہہ صوفی کی حالت پر انکار کرے وہ بھی راندۂ درگاہ ہے۔
ہاں اگر کوئی عالم صرف اپنی زبان سے حکم کرتا ہو۔ شریعت کی
ترجمانی نہ کرتا ہو یا صوفی اپنے طور پر راستہ طے کر رہا ہو شریعت
کے موافق نہ چلتا ہو تو پھر ایک دوسرے کو برا کہنے میں کسی پر گناہ
نہیں۔اسی سلسلہ میں آگے فرماتے ہیں کہ:

صوفی عارف اس وقت کیا کریگا جب اُس سے کوئی عالم عارف
یہ سوال کرے کہ کیا تم اپنے مریدوں سے یوں کہہ سکتے ہو کہ نماز نہ
پڑھو۔ روزہ نہ رکھو۔ گناہوں سے نہ بچو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود پر
قائم نہ رہو۔ تم کو خدا کی قسم کیا وہ اس کے جواب میں حاشا اللہ
اور نعوذ باللہ کے سوا کچھ اور بھی کہہ سکتا ہے؟

۳۴ اسی طرح فقیہہ عارف اس وقت کیا کرے گا جب کوئی صوفی
عارف اس سے یہ کہے کہ کیا تم اپنے شاگردوں سے یہ کہہ سکتے ہو کہ
ذکر اللہ زیادہ نہ کرو مجاہدات کے ذریعہ نفس سے جنگ نہ کرو، اللہ
کے لئے سچا اور کامل اخلاص حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تمہیں
خدا کی قسم کیا وہ بھی اس کے جواب میں حاشا اللہ اور استغفر اللہ
کے سوا اور کچھ کہہ سکتا ہے۔ بس اب معلوم ہو گیا کہ دونوں کی اصل اور
مقصود اور نتیجہ ایک ہی ہے صرف لفظ کا فرق رہ گیا اور کچھ نہیں۔

(یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ کی فرضیت اور گناہوں کی حرمت پر دونوں کا اتفاق ہے اسی
طرح کثرت ذکر اللہ اور مخالفت نفس اور تحصیل اخلاص کی ضرورت پر بھی دونوں متفق ہیں
صرف اتنی بات رہ گئی کہ نماز روزہ وغیرہ بجا لانے اور گناہوں سے بچنے کا نام لوگوں نے
شریعت رکھ لیا اور کثرت ذکر، مخالفت نفس اور تحصیل اخلاص کا نام تصوف رکھ لیا مگر نام

کے بدلنے سے حقیقت تو نہیں بدل جاتی)

"پس جب صوفی کو لفظوں کا پردہ اصل اور مقصود کے سمجھنے سے روک دے وہ جاہل ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی جاہل کو ولی نہیں بنایا اور جب عالم کو یہ لفظی حجاب حقیقت سمجھنے سے روک دے وہ بھی محروم ہے اے اللہ میں اُس علم سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے"

البنیان المشید ص ۱۵۸

دیکھا آپ نے یہ ہے حقیقی تصوف اور یہ حضرات تھے محققین صوفیہ کہ صحیح تعلیمات پیش فرماتے تھے اور دین کو غیر دین کی آمیزش سے پاک رکھتے تھے آج جو گمراہی ہوگئی تو اسکی وجہ یہی ہے کہ کوئی صحیح طریق کا بتانے والا بھی نہیں اور مشائخ اور مریدین کو ان کی کوتاہیوں پر کوئی ٹوکنے والا نہیں۔ پہلے ایسا نہیں تھا بلکہ ایسے ایسے مشائخ موجود تھے جو شریعت اور طریقت کے جامع ہوتے تھے اس لئے علماء اور مشائخ کی بھی اصلاح کرتے تھے کیونکہ یہی لوگ گمراہی کا سرچشمہ ہیں زلۃ العالِم زلۃ العالَم (عالم کی لغزش سے عالم کی ۳۵
لغزش ہے) مشہور ہی ہے اور اسی طرح سے جو شیخ آداب طریق کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے مشیخت سے ساقط ہوجائے گا وہ بھی مریدین کے لئے فتنہ ہی ہے۔ ابھی آپ نے حضرت رفاعی رح کے کلام میں دیکھا کہ رسمی صوفیوں کی کس قدر مذمت بیان کی۔ یہ اسی لئے تاکہ لوگ گمراہی میں نہ پڑیں اور اپنے آپ کو ان قطاع الطریق سے بچائیں۔ ہر زمانہ میں مصلحین امت نے یہی کام کیا ہے چنانچہ امام غزالی رح نے تو ایسے لوگوں کو بہت تیز کہا ہے اور اپنے زمانہ کے اکثر صوفیوں کو رسمی ہی قرار دیا ہے اپنی کتاب احیاء العلوم کے آداب السفر میں فرماتے ہیں کہ:

اس زمانہ کے اکثر و بیشتر متصوفین (یعنی جو لوگ کہ حقیقۃً تو صوفی نہیں ہیں مگر ان کا لباس پہن رکھا ہے) جبکہ ان کے باطن فکر کے لطائف سے اور عمل کے دقائق سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو خلوت میں اللہ تعالےٰ کے اور اس کے ذکر کے ساتھ کوئی انس بھی نہیں ہوتا۔ نیز یہ لوگ بطال اور کاہل بھی ہوتے ہیں یعنی نہ تو ان کا کوئی پیشہ اور حرفہ ہی ہوتا ہے نہ کوئی اور مشغلہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بطالت ان کی اور مالوف طبع ہوجاتی ہے یعنی

کام کرنا ان پر شاق ہوتا ہے۔ کسب کے طریق کو دشوار سمجھتے ہیں لوگوں سے سوال کرنا اور پیشہ گداگری اختیار کرنا ان کو آسان معلوم ہوتا ہے ایسے لوگوں کو شہروں کے مسافرخانے جو آنے جانے والوں کے لئے بنائے جاتے ہیں پسند ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ان خدام کو بھی جو قوم صوفیہ کی خدمت گزاری کے لئے تیار رہتے ہیں مسخر کرلیتے ہیں یعنی پھانس لیتے ہیں۔ اور یہ لوگ خود اپنے دین اور عقل کا استخفاف کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی نیت خدمت قوم سے سوائے ریا اور سمعہ کے کچھ نہیں ہوتی اور یہ کہ ان کا شہرہ بلند ہوجائے یا یہ کہ کثرت متعلقین کا حیلہ بیان کرکے بذریعہ سوال لوگوں سے اموال حاصل کریں۔ غرض جب ایسا مذاق رکھنے والوں کے لئے خانقاہوں میں کوئی نافذ ہونے والا حکم نہیں ہوتا اور نہ مریدین ہی کے حق میں ان کی تادیب نافع ہوتی ہے اور نہ ان پر ان کی کچھ داروگیر ہی ایسی ہوتی ہے جو کہ قاہر ہو یعنی لوگوں کو برائیوں سے روک سکے۔ تو یہ لوگ کرتے یہ ہیں کہ صوفیہ کی گدڑی پہن لیتے ہیں اور خانقاہوں میں تفریح کا سامان مہیا کرلیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایک سیرگاہ و تفریح گاہ بن جاتی ہے اور کبھی بزرگوں کی جماعت کے کچھ الفاظ بھی سیکھ لیتے ہیں پھر اپنے کو دیکھتے ہیں کہ ہم ظاہری لباس و ہیئت میں سیر و سیاحت میں الفاظ و عبارت میں اور ظاہری شکل و صورت میں قوم صوفیہ سے مشابہت رکھتے ہیں تو اپنے بارے میں بھی ان کو یہ حسن ظن قائم ہوجاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم بھی کوئی اچھا کام کر رہے ہیں (ظاہر ہے کہ یہ بات خلوص کے خلاف ہے اور اعجاب نفس ہے) اور ظالم سمجھتے یہ ہیں کہ ہر کالی چیز کھجور ہی ہوتی ہے۔ اور گمان کرتے ہیں کہ کسی کے ساتھ ظاہری مشارکت حقائق کی مساوات کو واجب کرتی ہے۔ حالانکہ بہت بعید ہے یہ ان کا خیال، اور نہایت درجہ احمق ہے وہ شخص جو شحم (چربی) اور ورم میں تمیز نہ کرسکے یعنی یہ نہ جانے کہ یہ موٹائی چربی کی ہے یا ورم کی وجہ سے بدن پھولا ہوا ہے۔ پس یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مبغوض ہیں۔

احیاء العلوم ص ۲۴۸ ج ۲

دیکھا آپ نے جیسا حضرت رفاعیؒ نے فرمایا تھا کہ لوگ کلاہ گدڑی اور عمامہ اور لاٹھی کے ذریعہ بزرگ ہونا چاہتے ہیں اسی طرح سے امام غزالیؒ بھی فرما رہے ہیں کہ بس اس زمانہ میں

بزرگوں سے ظاہری شباہت رہ گئی ہے ان کے الفاظ اور آداب ظاہرہ کو لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اور حقیقت تصوف کہ وہ نفس کے مارنے کا نام تھا اور اللہ تعالے سے صحیح اور سچا تعلق پیدا کرنے کا نام تھا اس کا کہیں پتہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب لوگوں نے خانقاہوں کو دکان بنالیا اور رسوم صوفیہ کو تحصیل دنیا کا آلہ قرار دے لیا تو پھر اب دین کہاں باقی رہا۔

حضرت رفاعیؒ اور امام غزالیؒ کا کلام آپ نے ملاحظہ فرمایا ان لوگوں نے دنیادار پیروں کی کیسی قلعی کھولی اب سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد سنئے فرماتے ہیں کہ ؎

صورت حال عارفاں دلق است — ایں قدر بس چو روی در خلق است
در عمل کوش و ہرچہ خواہی پوش — تاج بر سر نہ و علم بر دوش
ترک دنیا و شہوت و ہوس — پارسائی نہ ترک جامہ و بس
در فزا گسند مرد باید بود — بر مخنث سلاح جنگ چہ سود

۳۷ یعنی اگر مخلوق ہی مقصود ہے تو عارفوں کی ظاہری صورت تو گدڑی ہے انسان اس لباس کو پہن لے اور مخلوق کی نظروں میں بزرگ بنجائے اور صحیح چیز تو یہ ہے کہ عمل میں کوشش کرو اور جو چاہے پہنو۔ سر پر تاج رکھو۔ کاندھے پر علم رکھو۔ بزرگی صرف کسی مخصوص لباس کے پہن لینے یا ترک کردینے کا نام نہیں بلکہ دنیا شہوت اور ہوس کے چھوڑنے کا نام بزرگی ہے۔ اگر میدان جنگ میں ریشمی کپڑا استعمال کیا جائے تاکہ اس پر تلوار نہ اثر کرے تو ٹھیک ہے لیکن اس کا پہننے والا مرد شجاع ہونا چاہئے۔ ورنہ تو کسی مخنث کو سلاح سے آراستہ کرنے میں کیا فائدہ۔ اسی طرح سے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ ؎

وقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع — خود را ز عمل ہائے نکوہیدہ بری دار
حاجت بکلاہ برکی شتنت نیست — درویش صفت باش وکلاہ تتری دار

یعنی صرف گدڑی اور تسبیح اور پیوند دار کپڑا خدا تعالے کے راستہ میں کیا نفع دے سکتا ہے اپنے کو اخلاق ذمیمہ اور اعمال مذمومہ سے پاک وصاف رکھنا چاہئے۔ تم کو برکی ٹوپی پہننے کی ضرورت نہیں بلکہ درویشوں کا خلق اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ٹوپی چاہے ترکی ہی پہن لو۔ اور یہ سب اسی وقت ہوتا ہے جب کہ صحیح دین اور حقیقی طریق کے بتانے والے نہیں رہ جاتے۔

یا بہت کم ہوجاتے ہیں۔ جب یہ حالت ہوجاتی ہے تو دنیا داروں کو تخبیط اور تلبیس کا موقع مل جاتا ہے اس لئے کہ شیخ محقق ہی رسم و حقیقت میں فرق کرتا ہے اور لوگوں کو ریا و اخلاص سمجھاتا ہے طالبین کو نفس کی رعونات اور اعجاب سے نکالتا ہے لیکن جب کوئی شیخ کامل ہی نہیں رہ جاتا تو پھر ناقص لوگ کاملین کی جگہ لے لیتے ہیں اور واقع میں وہ کچھ ہوتے نہیں اس لئے شیخوخت اور ریاست کا دعویٰ کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زمانہ دعاوی کاذبہ سے بھر جاتا ہے اور پھر نہ کوئی مرید ہی صادق رہ جاتا ہے اور نہ کوئی شیخ ہی محقق رہ جاتا ہے چنانچہ شیخ اکبرؒ اپنے رسالہ میں اسی بدحالی پر افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان الزمان مشحونٌ بالدعاوی الکاذبۃ العریضۃ فلامرید صادق ثابت القدم فی سلوک ولا شیخ محقق جیسا کہ سابقاً اس پر گفتگو گذر چکی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جب یہ لوگ مدعی ہوجائیں گے تو پھر اپنے نقص پر ان کی کیا نظر ہوگی
اور نفس کی اصلاح کی جانب وہ کیا توجہ کریں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ رعونت نفس، انانیت عجب
اعجاب اور دعویٰ ہی میں مبتلا رہیں گے جن سے بڑھ کر طریق میں کوئی رذیلہ نہیں مشائخ نے ۳۸
ان رذائل کو طریقت میں بمنزلہ کفر قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست
کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

کفر اس لئے کہا کہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے انکار کی وجہ سے آدمی کافر ہوجاتا ہے اسی طرح سے طریقت میں جب اپنی رائے اور فکر پر ہی چلا تو انقیاد اور اتباع کہاں رہا اور جب اتباع شیخ نہ رہا تو اتباع نفس و شیطان سے کہاں نکلا اور یہ طریق کے بالکل ضد ہے جیسے اسلام کی ضد کفر۔ اسی لئے مثنوی میں مولانا رومؒ نے اسی کبر و پندار کے ترک کو یعنی اپنے نقص پر نظر رکھنے اور خود کو ناقص سمجھنے کو کلید کامیابی فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ہر کہ نقص خویش را دید و شناخت — سوئے استکمال خود دو اسپہ تاخت (دفتر اول ۲۷) ح ۱۹۶

یعنی جو شخص کہ اپنے نقص اور کمی کو پہچان لے گا وہ اپنی تکمیل میں نہایت تیز گام اور تیز رفتار ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں ؎

زاں نمی پرّد بہ سوئے ذوالجلال　　کو گمانے می برد خود را کمال

یعنی جس کو حق تعالیٰ کی طرف عروج روحانی حاصل نہیں ہوتا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ اپنے کو کامل سمجھتا ہے ۔

علتے بدتر ز پندار کمال　　نیست اندر جانت اے مغرور ضال

یعنی سچ یہ ہے کہ پندار کمال سے بڑھ کر انسان میں کوئی علت نہیں اور اس کبر و پندار کا نکالنا کوئی کھیل نہیں ہے۔ آگے مولاناؒ فرماتے ہیں کہ دل و دیدہ سے بہت سا خون بہتا ہے اس وقت یہ خود بینی دماغ سے نکلتی ہے۔ یعنی سخت ریاضات خصوصاً تذلیل نفس کی ضرورت پڑتی ہے۔ ابلیس کی علت یہی انانیت تو تھی اور یہ مرض ہر شخص کے اندر کم و بیش موجود ہے۔ جس کے لئے اسے کسی پیر کامل کی خدمت میں جانا ضروری ہوگا۔ اور اس کے آگے خود کو اس طرح سے پیش کرنا ہوگا جیسے مردہ بدست زندہ۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ چیز آسان نہیں ہے یعنی اپنے نفس کا
۳۹ دشمن ہو جانا آسان نہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے نفس کو اس کے خواہشات سے روکنا آسان نہیں ہے۔ کوئی مخلص اور موفق من اللہ ہی اس وادیٔ پُرخار میں قدم رکھ سکتا ہے۔ پہلے زمانہ میں یہی چیزیں تھیں یعنی مریدین اپنے نفس کی اصلاح کرتے تھے اور مشائخ کے یہاں بھی تعلیم و تربیت کا غایت درجہ اہتمام تھا چنانچہ ان رذائل سے نہ صرف مریدین ہی کو نکالتے تھے بلکہ اپنے اولاد اور متعلقین کی تربیت بھی یہ حضرات ابتداہی سے اسی نہج پر کرتے تھے۔ آپؐ کے سامنے اس کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں۔ دہلی میں ایک بزرگ کی خانقاہ میں کسی شخص نے دو دو آنہ پیسے سب سالکین کو تقسیم کرنے شروع کیے ان بزرگ کے صاحبزادے بھی وہاں موجود تھے اُس نے انھیں بھی دینا چاہا صاحبزادے نے ہاتھ کھینچ لیا۔ شیخ اس منظر کو دیکھ رہے تھے دونوں کو بلایا اور صاحبزادے سے کہا کہ تم نے پیسے کیوں نہیں لئے؟ ہاتھ کیوں کھینچ لیے؟ اسی لئے ناکہ یہ صدقہ تھا۔ اچھا اگر یہ شخص سو روپیہ دیتا تب تو لے لیتے اس وقت کیا صدقہ نہ ہوتا۔ اُس کے بعد اس دینے والے کی طرف مخاطب ہوئے اور ہاتھ پھیلا کر کہا کہ لاؤ وہ پیسے مجھے دو اور پھر اپنے لڑکے سے کہا کہ تمھارا باپ تو صدقہ ہی میں پلا ہے۔

سبحان اللہ کیا تربیت تھی اور کس قدر اہتمام تھا اپنے متعلقین کے اخلاق کی نگرانی کا۔

اسی ایک معاملہ سے صاحبزادے کے دماغ سے کبر و نخوت اور جاہ کا استیصال ہی فرما دیا۔ افسوس آج یہی چیز ہم میں باقی نہیں رہی خود مشائخ اصول طریق پر پورے نہیں اترتے تو پھر مریدین و متعلقین کا تو پوچھنا ہی کیا اور وجہ اسکی یہی ہے کہ نفس کی جانب سے غفلت ہوگئی اس کے تقاضوں کے مارنے کے بجائے اسکی شہوات کو پورا کیا جاتا ہے حالانکہ مشائخ متفقہ طور پر یہ فرما رہے ہیں کہ نفس کو اُس کے حقوق تو دے جائیں گے لیکن حظوظ سے اسکو بچایا جائے گا۔ آج اس کا اہتمام آپ کہیں دیکھتے ہیں؟ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس زمانہ میں حظوظ ہی کو حقوق کا درجہ دے دیا گیا ہے یعنی لوگ حظوظ نفس میں اس درجہ منہمک ہوگئے ہیں اور اُن کی تحصیل کا اس قدر اہتمام ہے کہ جیسے حقوق کا ہوا کرتا ہے حالانکہ وہ مبتدی اور منتہی سب کے لئے مضر ہے ایک عالم جو کہ صاحب باطن بزرگ بھی گذرے ہیں فرماتے ہیں کہ:

افادہ۔ باید دانست کہ استماع غناً بے مزامیر و اختلاط امارد بدون شہوت اگرچہ از ممنوعات شرعیہ نیست لیکن اقبال ایں امور را درحق سالکین راہ حق خصوصاً درحق طالبین راہ نبوت خالی از خلل ہم نباید فہمید۔ بیانش آنکہ امثال ایں امور ہم درحق مبتدیان مضر است وہم درحق منتہیان اما درحق مبتدیاں پس تفسیرش آنکہ جمیع ارباب طب روحانی اتفاق کردہ اند ہر آنکہ سالکین راہ حق را ایفائے حقوق نفس ضروراست واتباع حظوظ آں مضر لاسیما حظوظے کہ لذات آں در صلب نفس راسخ گردد و حلاوت آں در سویدائے دل مستحکم نشیند

جاننا چاہئے کہ بدوں مزامیر کے اشعار کا سننا اسی طرح
سے بدوں شہوت کے اختلاط امارد رکھنا اگرچہ ممنوعات 40
شرعیہ میں سے نہیں ہے تاہم اس قسم کی چیزوں کو سالکین راہ حق کے حق میں بالخصوص طالبین راہ نبوت کے حق میں خالی از خلل و نقصان بھی نہ سمجھنا چاہئے۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ جملہ ارباب طب روحانی یعنی مشائخ حقانی کا اس پر اتفاق ہے کہ سالکین راہ حق کو نفس کے حقوق تو ادا کرنے ضروری ہیں لیکن اس کے حظوظ کا اتباع مضر ہے بالخصوص وہ خواہش نفس جس کی لذت صلب نفس میں راسخ ہو چکی ہو اور جس کی حلاوت قلب کی گہرائیوں میں مستحکم ہو چکی ہو اور نفس اس کی طلب میں حیران و سرگرداں رہتا ہو کیوں کہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ چیزیں حقوق نفس کے قبیل سے نہیں ہیں اس لئے

و نفس در طلب آں ہیماں و سرگرداں گردد و پرُ ظاہر است کہ امثال ایں امور از قبیل حقوق نفس نیست چہ گاہے بسبب ترک آں ضعف و ناتوانی در جسم پدید نمی آید چنانکہ بسبب ترک اکل و شرب۔

کہ اُن کے ترک سے جسم میں کسی قسم کا ضعف اور ناتوانی رونما نہیں ہوتی جیسی کہ کھانے پینے کے چھوڑ دینے سے عام طور پر ہوجایا کرتی ہے۔

صراط مستقیم ص۹۷

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفس کے حقوق تو دے جائیں گے لیکن خطوظ سے اس کو بچایا جائے گا یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی نے اس اصول کے خلاف کیا تو نتیجہ اس کا بُرا نکلا جیسا کہ ابھی متعبد کے واقعہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہاں اُس کے طریق سے سقوط کا سبب اس کا انہماک فی الملذات والشہوات ہی بنا۔ پس جملہ حظوظ نفسانی سے احتراز از بس ضروری ولازم ہے۔

۱۴۱

فرمایا کہ اب اتنے دنوں کے بعد اس بڑھاپے میں جبکہ کسی چیز کی تحصیل کا وقت باقی نہیں رہا یہ بات سمجھ میں آئی کہ انسان کو کسی کمال کی تحصیل سے جو چیز مانع ہوتی ہے وہ اس کا کبر و عار ہے، کیونکہ یہی چیز اس کو کسی کامل کے آگے جھکنے سے منع کرتی ہے، ورنہ ہر ہی زمانہ میں اہل کمال رہتے ہیں جن سے کمال حاصل کیا جاسکتا ہے مگر اسی عار و استکبار کی بنا پر ان کے سامنے جھکتے نہیں اسلئے کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا کورے کے کورے ہی رہ جاتے ہیں۔ آدمی جب اپنی خودی و تکبر کو چھوڑتا ہے تب کچھ حاصل ہوتا ہے ع ہر کجا پستیست آب آنجا رود

میں حضرات اہل علم کو خصوصاً اس جانب متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آج علماء اور طلبہ کو کوئی کمال جو نہیں حاصل ہو رہا ہے تو اس کی وجہ یہی ان کا عار اور تکبر ہے، یہی ان کی راہ مارے رہتا ہے اس کو اگر سمجھ لیں اور ہمت کرکے اسکو ترک کردیں تو کمال کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں، چنانچہ جن لوگوں کو کمال حاصل ہوا ہے وہ اپنے کو مٹانے اور کسی کے آگے خود کو گرانے اور اپنے کبر و عار کو ختم کرنے ہی سے حاصل ہوا ہے!

وما توفیقی الا باللہ۔